خلافتِ معاویہؓ و یزیدؒ

اموی خلافت کا پسِ منظر، سیرتِ معاویہؓ و یزیدؒ
حادثہ کربلا اور واقعہ حرّہ پر بے لاگ تحقیق

تالیف
علامہ محمود احمد عباسی رحمۃ اللہ علیہ

اعداد و تعارف
محمد فہد حارث

حارث پبلی کیشنز

وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا (القرآن)

خلافتِ معاویہؓ و یزیدؒ

اُموی خلافت کا پس منظر، سیرت معاویہؓ و یزیدؒ

حادثہ کربلا اور واقعہ حرّہ پر بے لاگ تحقیق

تالیف

علامہ محمود احمد عباسی امروہویؒ

اعداد و تعارف

محمد فہد حارث

حارث پبلیکیشنز

Email: haris.publications@gmail.com

مقدمہ کی کامیابی پر بابائے اُردو کا اظہارِ تہنیت

انجمن ترقّی اُردو پاکستان

۱۹ دسمبر ۱۹۶۰ء　　اُردو روڈ۔ کراچی نمبر ۱

محبی مولوی محمود احمد عباسی سلمہ اللہ تعالیٰ

مقدمہ کی کامیابی مبارک ہو۔ ایک جاہل حاکم اور ایک پابند رسوم واوہام مُلا آپ کی بلند پایہ تاریخی تحقیق (ری سرچ) کو کیا سمجھ سکتا ہے۔ ھائی کورٹ کے فاضل ججوں کے بصیرت افروز فیصلے نے اُن افواہوں اور غلط بیانیوں کا پردہ چاک کر دیا جو اِس کتاب اور اُس کے مصنف کے خلاف پھیلائی گئی تھیں۔ یہ فیصلہ آئندہ ایسے معاملات میں بطور نظیر کے پیش کیا جائے گا۔ اہل علم اور خصوصاً اہل تحقیق کو آپ کا ممنون ہونا چاہیئے۔

مجھے اُمید ہے کہ آپ کی دوسری کتاب جس کی تالیف میں آپ ایک مُدت سے مصروف ہیں، اس سے زیادہ مقبول ہوگی۔

عبدالحق

جملہ حقوق طبع بحق مؤلف محفوظ ہیں

طبع اول	مئی ۱۹۵۹ء	۱۰۰۰
طبع دوم	جولائی ۱۹۵۹ء	۱۰۰۰
طبع سوم	جنوری ۱۹۶۱ء	۲۰۰۰
طبع چہارم	جون ۱۹۶۲ء	۱۰۰۰

کمپوزنگ اینڈ ڈیزائننگ

ثاقب فیض الوقار نبر

شاہ فیصل کالونی نمبر۲، کراچی

+92 321 2142 777

weqaarfaez@gmail.com

ناشر

فہد پبلیکیشنز۔ کراچی

طابع

الفیض پرنٹرز۔ شاہ فیصل کالونی، کراچی

فہرست مندرجات

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر	نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱	عرضِ ناشر تبصرہ مالک رام	۵	۲۱	خصائل محمودہ	۱۲۱
۲	عرض مؤلف تبصرہ میثاق (طبع چہارم)	۲۵	۲۲	حکمرانی کا مطمح نظر	۱۲۲
۳	عرض مؤلف تبصرہ صدق جدید والجمیعۃ (طبع سوم)	۳۰	۲۳	سیرت یزیدؒ وامام احمدؒ وامام غزالیؒ	۱۲۳
۴	عرض مؤلف تبصرہ تجلی دیوبند (طبع دوم)	۵۴	۲۴	کتاب فضل یزیدؒ	۱۲۶
۵	عرض مؤلف مولانا دریا آبادی کا خط (طبع اول)	۶۶	۲۵	مدینۃ النبی سے اُنس	۱۲۹
۶	اُموی خلافت کا پس منظر	۷۴	۲۶	اطاعت امیر وممانعت خروج	۱۳۱
۷	سبائی پارٹی اور حضرت علیؓ کی بیعت	۷۴	۲۷	خلافت کے اُمیدوار	۱۳۷
۸	خلافت سے معزولی اور شہادت	۸۶	۲۸	حضرت حسینؓ کا اقدام اور صحابہ کے نصائح	۱۳۸
۹	وصیت	۸۶	۲۹	حکومت کا نرم رویہ	۱۴۳
۱۰	مصالحت اور بیعت خلافت	۸۹	۳۰	قطعہ اشعار امیر یزیدؒ	۱۴۳
۱۱	حضرت معاویہؓ کا سلوک	۹۲	۳۱	برادران حسینؓ کا مؤقف	۱۴۶
۱۲	جہاد قسطنطنیہ وبشارت ومغفرت	۹۴	۳۲	مؤقف صحابہ رسول	۱۴۹
۱۳	امارت حج	۱۰۱	۳۳	نظام خلافت	۱۵۰
۱۴	ولی عہدی	۱۰۳	۳۴	نظام ملّیہ	۱۵۱
۱۵	کردار خلیفہ یزیدؒ	۱۱۰	۳۵	نظام عسکری	۱۵۱
۱۶	مجالس علمی	۱۱۳	۳۶	امت کی حرارت دینیہ	۱۵۱
۱۷	روایت حدیث	۱۱۳	۳۷	بنی ہاشم اور اُموی خلافت	۱۵۲
۱۸	خطبات جمعہ وعیدین	۱۱۷	۳۸	کوفی سبائیوں کی ریشہ دوانیاں	۱۶۱
۱۹	خطبہ امیر المومنین یزیدؒ	۱۱۷	۳۹	اقدام خروج میں غلطی	۱۶۳
۲۰	لقب الخطیب الارزق	۱۲۰	۴۰	بزرگوں کی ردوقدح	۱۶۳

فہرست مندرجات

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر	نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۴۱	تذبذب وتحقیق مزید	۱۷۰	۵۸	واقعات کربلا کے راوی	۲۳۹
۴۲	مسلم کا عاجلانہ حملہ اور ناکامی	۱۷۲	۵۹	ابن جریر طبری	۲۴۴
۴۳	کوفہ کو روانگی	۱۷۵	۶۰	راویوں کی غلط بیانیاں	۲۴۷
۴۴	تاریخ روانگی کوفہ کا مزید ثبوت	۱۷۸	۶۱	تاریخوں کے دن معلوم کرنے کا فارمولا	۲۴۸
۴۵	اجتہادی غلطی	۱۸۹	۶۲	غلط بیانیوں کی چند مثالیں	۲۴۹
۴۶	عامل مکہ کا اقدام مزاحمت	۱۹۴	۶۳	جدول تاریخ ودن	۲۵۱
۴۷	سفر عراق کی منزلیں اور فاصلے	۲۰۴	۶۴	کذب وافتراء کی بدترین مثال	۲۵۸
۴۸	جدول منزلیں اور فاصلے	۲۰۷	۶۵	کردار ابن زیاد	۲۶۵
۴۹	حجازی قافلوں کی اوسط رفتار	۲۰۹	۶۶	کردار عمر بن سعدؓ	۲۶۶
۵۰	واقعات دوران سفر	۲۱۰	۶۷	مؤقف علی بن الحسینؓ	۲۸۲
۵۱	واپسی کا قصد، برادران مسلم	۲۱۵	۶۸	بنی اُمیہ وبنی ہاشم	۲۹۳
	کی ضد اور کوفیوں کا اصرار		۶۹	صفین وکربلا کے بعد کی قرابتیں	۲۹۵
۵۲	نئے گورنر کو احکام وہدایات	۲۲۰	۷۰	اولاد حسینؓ کی قرابتیں	۳۰۴
۵۳	کوفہ کی راہ چھوڑ کر دمشق	۲۲۴	۷۱	دیگر قرابتیں	۳۰۵
	کی طرف راہ کرنا		۷۲	راس الحسینؓ	۳۱۲
۵۴	اجماع اُمت کی اہمیت اور	۲۲۷	۷۳	سر کٹوا کر تشہیر کرنے کی مکذوبہ روایتیں	۳۱۸
	کوفیوں کے غدر کا احساس		۷۴	کوفہ وعراق والجزیرہ وملک شام	۳۲۵
۵۵	کربلا، وجہ تسمیہ اور محل وقوع	۲۳۱		کی بستیوں وشہروں میں تشہیر	
۵۶	فرات کا کنارہ	۲۳۶	۷۵	حسینی قافلہ کے شرکاء وباقی ماندگان	۳۲۶
۵۷	پانی کی افراط	۲۳۷	۷۶	واقعہ حرّہ وحصار ابن زبیرؓ	۳۵۴

فہرست مندرجات

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر	نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۷۷	امیر المؤمنین یزیدؒ کے خانگی وذاتی حالات	۳۶۹	۸۱	مفروضہ صحابیت وموروثی فضیلت	۴۸۸
۷۸	امیر المؤمنین معاویہ ثانی	۴۷۱	۸۲	خروج وبغاوت	۴۹۹
۷۹	علاّمہ خالد بن امیر المؤمنین یزیدؒ	۴۷۳	۸۳	مثنوی وقطعات تاریخ	۵۱۷
۸۰	توضیحات: تاریخوں کے دن معلوم کرنے کا کلیہ	۴۸۴	۸۴	کتابیات	۵۲۵

عرض ناشر

تعارفِ کتاب ومؤلف

اُردو دینی ادب کی تاریخ میں اگر کبھی ''مظلوم ترین'' کتب وشخصیات کی فہرست بنی تو یقیناً ۱۹۵۰ء کی دہائی کے اواخر میں لکھی جانے والی کتاب ''خلافتِ معاویہؓ ویزیدؒ'' اور اُس کے مؤلف علامہ محمود احمد عباسیؒ سرِ فہرست ہونگے۔ سن ۱۹۵۹ء میں لکھی گئی یہ کتاب واقعہ کربلا اور اس کے مباحث پر اپنی غیر مانوس لیکن مدلل تحقیق کی بناء پر کافی ''بدنام'' ہوئی۔ برِصغیر پاک وہند کی علمی فضاء جس میں یزید بن معاویہؒ کو ہمیشہ ایک ابلیس مجسم کے طور پر پیش کیا گیا، وہاں اس کتاب کے مندرجات کے ذیل میں یزید کے نام کے ساتھ ''امیر المومنین'' اور ''رحمہ اللہ'' کے سابقہ لاحقہ نے بڑے بڑوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ ابتداء میں اس کتاب کے مندرجات کو عام پڑھے لکھے طبقے نے اس کے مدلل مباحث کی وجہ سے نہ صرف پسند کیا بلکہ اس کتاب کی وسیع پیمانے پر پذیرائی بھی کی گئی۔ لیکن جب بعض سیاسی ومعاشی ونظریاتی مجبوریوں کے سبب چند جانے مانے علماء کی طرف سے اس کتاب پر نقد ہوا تو ایک شوروغوغا سا مچ گیا۔ کچھ اصحابِ علم نے اس کتاب کی تائید میں تبصرے لکھے تو کچھ لوگ اس کتاب کی مخالفت پر کمر بستہ نظر آئے۔ اہل دیوبند میں بھی مخالفت وموافقت کا سلسلہ نظر آیا۔ عباسی صاحب کا ردّ لکھنے میں اہل دیوبند میں سے جن حضرات نے مستعدی دکھائی اُن میں علامہ عبدالرشید نعمانی، قاری محمد طیب اور قاضی اطہر مبارکپوری پیش پیش تھے۔ قاری محمد طیب صاحب نے ''خلافت معاویہ ویزید'' کی اشاعت کے فوراً بعد ہی ۱۹۶۰ء میں ''شہید کربلا اور یزید'' کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی۔ چونکہ یہ کتاب علامہ عباسی کی کتاب کے ردّ میں لکھی گئی تھی اور عباسی صاحب کی کتاب میں یزید کو امیر المومنین بنا کر پیش کیا گیا تھا سو ردِّعمل کے تحت قاری طیب صاحب نے یزید کو ''مذل المومنین'' ثابت کرنے پر پورا زور صرف کیا اور اپنی

تحقیق کو مسلک دیوبند کی نمائندہ تحقیق ونظریہ قرار دیا۔ جس کی وجہ سے اہل دیوبند میں سے ہی بہت سے محتاط اور انصاف پسند اہل علم وتحقیق کو اس کتاب کے مندرجات سے اختلاف پیدا ہوا جن میں ایک نام علامہ حبیب الرحمٰن الاعظمی صاحب کا تھا۔ علامہ حبیب الرحمٰن الاعظمی صاحب نے قاری طیب صاحب کی کتاب پر ناقدانہ تبصرہ بنام ''تبصرہ بر شہیدِ کربلا اور یزید'' کے نام سے لکھا جو کہ اُن کی وفات کے بعد اشاعت پذیر ہوا۔ اس تبصرے کی غرض وغایت بیان کرتے ہوئے علامہ حبیب الرحمٰن الاعظمی صاحب رقم طراز ہیں:

''معرکہ کربلا کی نوعیت یا حضرت حسینؓ اور یزید کے مؤقف پر ان دنوں متعدد کتابیں لکھی اور شائع کی گئیں۔ لکھنے والوں کے زاویہ ہائے نگاہ اس قدر مختلف ہیں کہ باہم بعد المشرقین نظر آتا ہے اور ایک عام آدمی ان کو پڑھ کر حیران ہو جاتا ہے اور کسی طرح فیصلہ نہیں کر پاتا کہ ان میں کون سا نقطہ نظر تحقیقی طور پر صحیح اور کون سا غلط ہے۔ اس سلسلہ کی پہلی کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'' ہے، جس کی موافقت اور مخالفت میں بہت کچھ لکھا گیا۔ مخالفت میں اس وقت تک سب سے آخری کتاب مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی تصنیف ''شہید کربلا اور یزید'' ہے۔ اس کتاب کا بہت پہلے سے انتظار تھا اور اُمید تھی کہ مہتمم صاحب کا قلم اس مسئلہ کو پورے طور پر سلجھا دے گا، لیکن کتاب پڑھ کر مایوسی ہوئی اور خلافِ اُمید آپ کے قلم نے اس مسئلہ کو اور زیادہ اُلجھا دیا۔ مسئلہ کے اُلجھانے کے علاوہ مہتمم صاحب نے متعدد ایسے نظریات پیش کئے اور ایسے انداز میں پیش کئے کہ گویا وہ بالکل مُسلّم الثبوت اور ناقابلِ انکار ہیں، جن سے بہت سی غلط فہمیاں اور گمراہیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ اسلئے مجبوراً یہ چند سطریں محض غلط فہمیوں کے ازالہ کے غرض سے لکھی جاتی ہیں۔'' (تبصرہ شہیدِ کربلا اور یزید صفحہ ۱۱)

علامہ حبیب الرحمٰن الاعظمی صاحب کا اصل مقدمہ اور کتاب پر نقد دراصل قاری طیب صاحب کے اس دعویٰ کے گرد گھومتا ہے کہ انہوں نے اپنی اس کتاب میں پیش کردہ واقعہ کربلا کی تفاصیل اور فسق یزید کے غیر ثابت نظریئے کو عقیدہ کا درجہ دینے کی کوشش کی ہے اور یہ باور کرایا ہے کہ اس کے خلاف جو بھی بات کہے یا نظریہ رکھے وہ اہل سنت کے عقائد کے خلاف ہے۔ گویا تعدیل یزید کا نظریہ رکھنے والا یا واقعہ کربلا کو معرکہ حق وباطل ماننے کے بجائے ایک حادثہ فاجعہ جاننے والا شخص اہلسنت سے خارج ہے۔ علامہ الاعظمی اس بابت قاری محمد طیب سے سخت اختلاف کرتے ہوئے ان کی کتاب پر نقد آراء ہوئے اور

قریباً سوا سو صفحات کے قریب ایک مختصر سے رسالے میں قاری طیب صاحب کی کتاب کے بیشتر مباحث کا انتہائی اختصار لیکن جامعیت کے ساتھ جواب دے ڈالا۔

علامہ حبیب الرحمٰن الاعظمی صاحب کا یہ رسالہ قاری محمد طیب صاحب جیسی جلیل القدر شخصیت کی کتاب پر نہ صرف ایک جامع نقد ہے بلکہ اپنے اسلوب تنقید میں ایک انتہائی سلجھی ہوئی تحریر بھی ہے جو کہ فسق یزید اور واقعہ کربلا سے متعلق ایک غیر جانبدار لیکن صائب تجزیہ فراہم کرتی نظر آتی ہے۔ قاری محمد طیب صاحب کا جو علمی مقام اہل دیوبند میں ہے، اس کیلئے بہتر تھا کہ انہیں کے مقام و مرتبہ کا کوئی شخص قاری صاحب کی کتاب ''شہید کربلا اور یزید'' کے تسامحات کا جواب لکھے اور علامہ الاعظمی صاحب کے اس رسالہ نے یہ حق کما حقہ ادا کر دیا۔ واقعہ کربلا اور اس کے مباحث سے دلچسپی رکھنے والے تاریخ کے ہر طالبعلم کو اس کتاب کا مطالعہ لازمی کرنا چاہیئے۔ اسی رسالہ کے آخر میں علامہ محمود احمد عباسی کی کتاب ''خلافت معاویہ و یزید'' کے نقد میں لکھی گئی ایک اور کتاب پر بھی علامہ حبیب الرحمٰن الاعظمی صاحب نے تبصرہ کیا جو کہ قاضی اطہر مبارکپوری کے قلم سے بنام ''علیؓ و حسینؓ'' معرض وجود میں آئی۔ علامہ الاعظمی کا اس کتاب پر تبصرہ بہت مختصر لیکن کافی سخت ہے کیونکہ بقول علامہ الاعظمی جن بدعنوانیوں کی شکایات قاضی اطہر مبارکپوری نے اپنی اس کتاب میں علامہ عباسی کی جناب میں کی ہیں وہی ساری بدعنوانیاں ان کی اپنی کتاب ''علیؓ و حسینؓ'' میں بھی موجود ہیں۔ یعنی عبارتوں کی قطع و بُرید، غلط ترجمے، سیاق و سباق سے کاٹ کر مفید طلب ٹکڑوں کو نقل کرنا اور اپنے لئے مضر ٹکڑوں کو حذف کرنا وغیرہ جن کے سامنے آنے کے بعد قاضی صاحب کی پوری کتاب خود اُن کے فیصلہ کی رُو سے نا قابل اعتبار ہو جاتی ہے جیسا کہ قاضی صاحب نے اپنی اسی کتاب میں عباسی صاحب کی کتاب کا رد کرتے ہوئے لکھا تھا:

'' جس شخص کی اس قدر خیانتیں اُجاگر ہو چکی ہوں، اس کی ایک بات بھی ماننے کے قابل نہیں رہ سکتی، جبکہ ایک کتاب میں دو چار جگہ اس طرح کی خیانت سے پوری کتاب مجروح ہو جاتی ہے اور اس کی کوئی ایک سطر بھی قابل اعتماد نہیں رہتی۔'' (علیؓ و حسینؓ صفحہ ۷)

اور اس کے بعد علامہ الاعظمی صاحب نے قاضی اطہر مبارکپوری کے کئے غلط تراجم، قطع برید اور کتمان کو دلائل کے ساتھ مبرہن کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ عباسی صاحب کی کتاب کے رد میں خود قاضی

اطہر مبارکپوری صاحب اعتدال سے کوسوں دور جا پہنچے۔

ابھی یہ سلسلہ چل ہی رہا تھا کہ علامہ محمود احمد عباسیؒ کی کتاب کو تحریف و بددیانتی کا شاہکار ثابت کرنے کیلئے جناب عزیز احمد قاسمی صاحب نے بھی ایک مضمون بنام ''خلافت معاویہؓ ویزیدؒ پر ایک طائرانہ نظر'' کے عنوان سے اس وقت کے مختلف رسائل و جرائد میں شائع کروایا جس کا جواب مولانا عامر عثمانی کے تجلّی دیوبند کے شمارہ ماہ جولائی ۱۹۶۰ء میں بقلم علامہ محمود احمد عباسیؒ شائع ہوا۔ خود مولانا عامر عثمانی نے بھی علامہ محمود احمد عباسی کی کتاب پر مختلف اہل علم کی جانب سے کی گئی تنقیدات کے جواب میں ۳۲ صفحات پر مشتمل ایک طویل مضمون بنام ''یزید، جسے خدا نے بخشا مگر بندوں نے نہ بخشا'' کے عنوان سے اسی ماہ تجلّی میں شائع کیا۔ اپنے اس مضمون میں عامر عثمانی صاحب نے چونکہ قاری طیب صاحب کی کتاب کے مندرجات پر جزئی نقد کیا تھا لہٰذا اگلے ماہ تجلّی کے شمارے میں کتاب پر مزید نقد سامنے آیا جس میں قاری طیب صاحب کی علامہ محمود احمد عباسی سے متعلق اس تنقید کا جواب تھا جس میں اُنہوں نے سیدنا حسینؓ کی کم سنی اور صحابیت سے متعلق کلام کیا تھا۔

قاری طیب صاحب اور بعض دوسرے اہل علم نے علامہ محمود احمد عباسیؒ پر اس زمرے میں نقد کیا کہ وہ سیدنا حسینؓ کی صحابیت کے قائل نہیں تھے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ اعتراض **کلمة الحق ارید بها الباطل** کی قبیل سے تھا۔ کیونکہ اپنی پوری کتاب میں کسی جگہ بھی علامہ محمود احمد عباسیؒ نے سیدنا حسینؓ کی صحابیت کا انکار نہیں کیا تھا۔ سیدنا حسنؓ و حسینؓ کی صحابیت سے متعلق ان کی بحث صرف فقہی مباحث اور مراتب کا فرق قائم کرنے تک تھی ورنہ انہوں نے اپنی ہر تحریر میں سیدنا حسنؓ و حسینؓ کو ''رضی اللہ عنہ'' ہی لکھا ہے اور اُن کی آج موجود ہر تحریر اسی بات پر شاہد ہے۔ اس ضمن میں اس قدر بے اعتدالیاں کی گئیں کہ اس مبحث کے ''جرمِ عظیم'' کی پاداش میں عباسی صاحب کو ناصبی تک قرار دے دیا گیا۔ جبکہ سیدنا حسنؓ و حسینؓ کی صحابیت کسی کی خارجیت و ناصبیت پر شہادت نہیں بن سکتی اگر اس بحث میں ان شخصیات کے ادب و احترام کا پورا خیال ملحوظ رکھا جائے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے لائق ہے کہ سیدنا حسنؓ و حسینؓ دونوں عمر میں سیدنا مروانؓ سے چھوٹے

تھےاورکئی اکابر دیوبند واہلحدیث نے سیدنا مروانؓ کوان کی صغیرسنی کے باعث صحابی نہیں مانا۔جبکہ قاضی ابوبکرابن العربی مالکی،ابن تیمیہؒ اوردوسرے اصحاب نے اپنی کتب میں سیدنا مروانؓ کے صحابی ہونے کی تصریح کی ہے۔سیدنا مروانؓ کی صحابیت کا انکارکرکےاورپھران کا نام بےادبی کے ساتھ لینے کے باوجود جب ہمارے اکابرتوہین صحابہؓ کے مرتکب قرارنہیں دیئے جاسکتے تو پھرفقہی مباحث کے تحت سیدنا حسنؓ و حسینؓ کی صحابیت پران کے احترام کو پوری طرح ملحوظ رکھتے ہوئے بغیرکسی سوئے ادبی کے (جبکہ یہی سوئے ادبی ہمارے اکابر کی تحریروں میں سیدنا مروانؓ کی صحابیت کا انکارکرتے ہوئے جابجا ملتی ہے) کلام کرنا ناصبیت کس طرح قراردی جاسکتی ہے۔

قاری طیب صاحب کی کتاب پرایک عمدہ تبصرہ مشہورعالم ابوصہیب رومی مچھلی شہری نے بھی کیا جس کومولانا عامرعثمانی نے تجلّی دیوبند کی اگست ۱۹۶۰ء کی اشاعت میں شائع کیا اور پھر یکے بعد دیگرے اس کی تینوں اقساط تجلّی ہی سے شائع کی گئیں۔یہ تبصرہ بڑے کمال کا تھا،اس لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس کی چند جھلکیاں ہدیہ قارئین کردی جائیں۔مولانا ابوصہیب رومی مچھلی شہری قاری طیب صاحب کی کتاب پرتبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’ یہ حقیقت تو ناقابل انکار ہے کہ زمانہ حال کی ’’بدنام‘‘ مگرقابل غوراور’’رُسوائے زمانہ‘‘لیکن معرکۃ الآراء کتاب ’’خلافتِ معاویہ ویزید‘‘ نے ہندوپاک کی خاموش فضامیں ایک تلاطم برپا کردیا۔جس کی وجہ یہ ہوئی ہے کہ مصنفِ کتاب عباسی صاحب نے واقعہ کربلا اورکردارِ یزیدکوایسے انداز میں پیش کیا جس کیلئے عام مسلمانوں کے حاشیہ خیال میں گنجائش نہ تھی۔پھرغضب یہ کیا کہ اپنی کتاب کواس قدرتاریخی اورعقلی دلائل وقرائن سے مدلل ومکمل کرکے پیش کیا کہ ’’ناواقف‘‘ اور’’بےبصیرت‘‘ لوگوں نے حیرت و تعجب سے دیکھا لیکن شائد مجھ جیسے بہت سے لوگوں کیلئے اس کوتسلیم کرنے کے سوا کوئی دوسرا چارۂ کارہی نہ رہ گیا۔اس طرح لوگوں کی خاصی تعداداس ’’رُسوائے زمانہ کتاب‘‘ سے متاثر ہونے لگی۔ایسی صورت میں مولانا محمدطیب صاحب یا دوسرے حضرات کواس کتاب کا ’’فتنہ‘‘ ہونا محقق ہوگیا تھا تو بےشک یہ ان کا دینی فرض تھا کہ وہ ’’ناواقف‘‘ اور’’بےبصیرت‘‘ لوگوں کی رہنمائی فرمائیں۔چنانچہ مولانا موصوف نے

اب سے بہت پہلے ''الجمعیۃ'' سنڈے ایڈیشن مؤرخہ یکم نومبر ۱۹۵۹ء میں اس کتاب سے بیزاری کا اعلان شائع فرمایا، نیز محمد میاں صاحب مرادآبادی نے بھی اسی شمارے میں ایک طویل بیان شائع فرمایا جس میں نہایت پُرزور الفاظ میں کتاب پر تنقید فرمائی گئی تھی، لیکن بحیثیت مجموعی اس کو ایک سطحی تنقید سے زیادہ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔۔۔۔اس اعلان اور بیان کے بعد عزیز احمد صاحب قاسمی نے الجمعیۃ سنڈے ایڈیشن میں عباسی صاحب کی کتاب پر ''ایک طائرانہ نظر'' ڈالی جو ۲۲ اور ۲۹ نومبر کی دو قسطوں میں شائع ہوئی۔اس مضمون میں ضروری حوالہ جات کی بعض غلطیوں کی نشاندہی کی گئی تھی اور ''مشتے نمونہ از خروارے'' کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے پوری کتاب کو مجروح اور ناقابل اعتبار ٹھیرانے کیلئے اس مضمون کو کافی سمجھ لیا گیا تھا۔حالانکہ جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے قاسمی صاحب کی ان گرفتوں سے کتاب کے ایک جزو پر کچھ معمولی سا اثر ضرور پڑسکتا تھا بشرطیکہ اس سلسلہ میں عباسی صاحب کی بنیاد متعدد حوالوں پر ہے اسلئے تاوقتیکہ ان سب کو مجروح اور غلط ثابت کیا جائے، ایسے اعلانات ومضامین کو نہ صرف طائرانہ ہی سمجھا جاسکتا ہے بلکہ طفل تسلی سے زیادہ ان کی کوئی حیثیت نہیں ہوسکتی۔

ان اخباری اعلانات و بیانات کے بعد حضرت مولانا طیب صاحب کی تازہ تصنیف ''شہید کربلا اور یزید'' بھی مطالعہ میں آئی مگر اس طرح کہ جس وقت یہ کتاب مطالعہ کیلئے میں نے اُٹھائی تھی میں سراپا شوق تھا اور مطالعہ کے بعد جس دم یہ کتاب رکھی تو گویا مجسمہ یاس بن چکا تھا اور اسی عالم مایوسی میں بار بار یہ خیال آتا تھا کہ کاش مولانا ''الجمعیۃ'' کے اس مختصر اعلانِ بیزاری پر ہی اکتفا فرماتے تو کیا اچھا ہوتا، کم از کم بھرم تو باقی رہتا اور ہم جیسے پرانے نیازمندوں کے قدیم حسنِ ظن کو ٹھیس تو نہ لگتی۔ہم اپنے دلوں کو سمجھا لیتے کہ حضرت مولانا نے عباسی صاحب کی کتاب کو درخور اعتناء نہیں خیال فرمایا اور تقاضائے مصلحت یہی جانا کہ اس کا کوئی جواب نہ دیا جائے ورنہ اس کی طرف ذرا بھی توجہ کرنا اس کو قعر مذلت سے نکال کر بامِ شہرت تک پہنچا دینے کے مترادف ہوگا۔لیکن یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ ایسا نہ ہوا اور مصنف کے صاحبزادے کی طرف سے ''عظیم دعوتِ فکر'' بن کر ''شہید کربلا اور یزید'' نامی یہ کتاب ہمارے سامنے آگئی۔آئندہ سطور میں اس کا خلاصہ نمبروار پیش ہے اس کے ساتھ ہی اپنی معروضات بھی حاضر ہیں اور

فیصلہ اربابِ دانش وبینش کے ہاتھ میں ہے۔حضرت مولانا کے ارشادات پیش کرنے سے پہلے دو ایک باتیں اور بھی عرض کردی جائیں تو آئندہ گزارشات کو سمجھنا زیادہ آسان ہوگا۔

(الف) عباسی صاحب کی تعبیرات اوران کے مطالب والفاظ کو خدا جانے کس ضرورتِ شرعی اور مصلحت دینی کی بناء پر مولانا کی اس تصنیف میں اس حد تک تبدیل فرما کر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے جسے روایت بالمعنی بھی کہنا مشکل ہے۔البتہ اسے ''تفسیر القول بمالا یرضیٰ بہ القائل'' کہنا غالباً حقیقت سے بعید نہ ہوگا۔لیکن مشکل یہ ہے کہ ایسی تفسیر اور تعبیر کی اس درجہ تغییر حضرت مولانا کی ذات والاصفات اوران کے منصب جلیل کے شایانِ شان کسی طرح نہیں ہوسکتی، اس لئے اس کا قطعی فیصلہ خود حضرت مولانا پر یا اُن حضرات پر رکھنا مناسب ہوگا جنہوں نے عباسی صاحب کی کتاب کا واقعی مطالعہ کیا ہو۔مثال کیلئے مولانا کی کتاب کے صفحات ۱۷،۱۹،۲۳،۲۴،۲۵،۵۸،۱۰۷،۱۰۸ اور ۱۱۱ ملاحظہ فرمایئے اوران میں جو کچھ عباسی صاحب کی طرف منسوب کیا گیا ہے، اسے عباسی صاحب کی کتاب میں تلاش کیجئے۔آپ کو تضیع اوقات کے سوا اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا اور میری طرح سے آپ بھی اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ بغیر اس قدر تغییر وتحریف کے عباسی صاحب کے خلاف لوگوں کو مشتعل کرنا آسان نہ تھا۔

(ب) حضرت مولانا کی عظمتِ شان اور منصب جلیل کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے ساتھ اس قسم کی بدگمانی تو شائد جائز نہ ہو کہ دانستہ طور پر انہوں نے عباسی صاحب کی طرف غلط باتیں بھی منسوب کردی ہیں، بلکہ ان کے ساتھ جو ''حُسن ظن'' ہونا چاہیئے۔اس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ ایسے بے جا تصرفات اور غلط انتسابات کو دیکھ کر یہ رائے قائم کی جائے کہ شائد حضرت مولانا کے کسی شاگرد ومرید نے عباسی صاحب کی کتاب کا خلاصہ اپنے طور پر پیش کردیا ہے اور مولانا نے اپنے شایانِ شان حسنِ ظن کی وجہ سے اسے لائق اعتماد خیال فرمایا اور اپنے اس ''مزعومہ فکری فتنہ'' کی تردید ضروری جان کر یہ کتاب تصنیف فرمادی۔ بلکہ کوئی تعجب نہیں کہ ان کو اپنے گوناگوں مشاغل اور طول طویل اسفار کی بناء پر فرصتِ جواب بھی نہ رہی ہو اور ''آنچہ پدر نتواند پسر تمام کند'' کے مطابق مولوی سالم صاحب نے یہ تصنیف لطیف فرمائی ہو اور حضرت مولانا کے زیرِ ملاحظہ یا زیرِ سماعت لاکر اسے مولانا کے ''حقیقت نگار قلم کا شاہکارِ دیانت'' قرار دے دیا

ہو (جس کی نظیر ''فیصلۂ ہفت مسئلہ'' کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے جو تصنیف حضرت حکیم الامت علیہ الرحمۃ کی مگر منسوب ہے حضرت حاجی نور اللہ مرقدہ کی طرف)۔

اگر کسی صاحب کو ہماری یہ گزارش محض تخمین و اندازہ پر مبنی نظر آئے تو وہ ذرا سی محنت سے کام لیں اور عباسی صاحب کی کتاب ''خلافت معاویہؓ و یزیدؒ'' اور ''شہید کربلا اور یزید'' کا باہمی مقابلہ کے ساتھ مطالعہ فرمائیں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ میری طرح وہ بھی اپنے آپ کو اسی دوراہے پر پائیں گے کہ یا تو حضرت مولانا نے عباسی صاحب کی کتاب کا پوری طرح مطالعہ کئے بغیر یہ جواب تحریر فرمایا ہے یا دانستہ ان کے مطالب کو الفاظ کی تحریف و تبدیل کے بعد پیش کیا ہے۔ مگر چونکہ یہ دوسری صورت حضرت مولانا کی شان سے بے حد بعید ہے اسلئے اگر حضرت مولانا کے منصبِ جلیل اور ان کی شان علم کا لحاظ ضروری امر ہے تو اس توجیہ کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ مولانا کا یہ جواب عباسی صاحب کی تصنیف کا مطالعہ کئے بغیر ہی تحریر فرمایا گیا ہے بلکہ مولانا کی شانِ علمی کی قدیم روایات کا تقاضا تو یہ ہے کہ اسے ان کی مستقل تصنیف ہی نہ مانا جائے اور ''فیصلۂ ہفت مسئلہ'' کے قسم کی کوئی چیز سمجھا جائے۔''

اما بعد! تین اقساط میں قاری طیب صاحب کی کتاب پر طویل و جامع تبصرہ اور اس کے مندرجات پر علمی نقد کرنے کے بعد تیسری و آخری قسط کے اختتامیہ میں مولانا ابوصہیب رومی شہری مچھلی ایک بار پھر زور دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آخر میں اپنی اس بدگمانی کا ذکر پھر کرنا پڑتا ہے کہ مولانا کی کتاب ''شہید کربلا اور یزید'' کے صفحات ۱۷۲ تا ۱۷۹ کو دیکھ کر اندازہ یہی ہوتا ہے کہ یہ جوابی ''شاہکارِ دیانت'' یا تو عباسی صاحب کی کتاب کو دیکھے بغیر ہی تیار کیا گیا ہے اور یا تمام ناظرین سے یہ بے جا حسنِ ظن قائم کرلیا گیا ہے کہ وہ ''تاج المعارف'' اور ''حکیم الاسلام'' کا نام دیکھتے ہیں سرِ تسلیم خم کردیں گے اور اس عظیم دعوتِ فکر کی اجابت ضرور کریں گے اور کوئی بھی اللہ کا بندہ ان ''غلط انتسابات طیبہ'' کا اصل ''تحریرات محمودہ'' سے مقابلہ کرنے کی جسارت و ہمت نہ کرے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں ہی صورتیں حد درجہ قابل افسوس ہیں جن کے باعث ''جماعت دارالعلوم'' کی ''دیانتِ مرحومہ'' پر اگر خون کے

بھی آنسو بہائے جائیں تو رونے کا حق ادا نہ ہوگا۔ ''شہید کربلا اور یزید'' پڑھ کر جو تاثرات پیدا ہوئے انہیں سپردِ قلم کیا گیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ ایسی کوئی بات نوکِ قلم پر نہ آنے پائے جس سے کسی کی دل آزاری ہو۔ اس کے باوجود اگر کہیں کوئی بات کسی کی شان میں سخت الفاظ میں ادا ہوئی ہو تو اس کا منشاء بھی غیظ حق ہی ہوسکتا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ۔''

ابوصہیب رومی شہری مچھلی مرحوم کا یہ طویل اقتباس صرف اس غرض سے نقل کیا گیا ہے تاکہ ہم قارئین کو یہ بتاسکیں کہ یہ تبصرہ کتاب ''خلافت معاویہؓ و یزیدؒ'' کی اشاعت کے بعد سے لیکر آج تک اس کتاب پر ہونے والی تمام تنقیدات پر صادق آتا ہے۔ اگر کسی کے پاس تجلّی کے پرانے رسالے موجود ہوں تو ہمارا ان کو مشورہ ہے کہ اس میں شائع شدہ ان تمام مضامین کا بالضرور مطالعہ کریں تاکہ اُس وقت اس کتاب کی مخالفت و تائید میں جو کچھ ہوا اور بعض اہل علم نے اس متعلق احتیاط کا دامن تھامے رکھنے سے جس طرح گریز کیا، وہ قارئین خود ہی پڑھ کر اندازہ کرسکیں۔

پھر بعض علماء نے صرف عباسی صاحب کی کتاب پر نقد پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اس نقد کے ضمن میں ان پر ناصبیت کا فتویٰ تک صادر فرمادیا۔ جبکہ بیشتر لوگ جو علامہ محمود احمد عباسیؒ پر ناصبیت کی تہمت لگاتے ہیں، اُن میں سے ۹۹ فیصد کا حال یہ ہے کہ انہوں نے عباسی صاحب کی کسی کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ نہیں کر رکھا بلکہ ان کا عباسی صاحب پر یہ فتویٰ ''شہید کربلا اور یزید'' اور ''ناصبیت تحقیق کے بھیس میں'' جیسی کتابوں کا مرہونِ منت ہے۔ ہم پورے دعویٰ سے کہہ سکتے ہیں کہ جو اصحابِ علم عباسی رحمہ اللہ کو ناصبی قرار دیتے ہیں وہ آج تک عباسی صاحب پر ناصبیت کی تہمت کے ثبوت میں بمعہ سیاق وسباق ان کی لکھی ایک سطر ایسی نہ پیش کرسکیں گے جو تنقیصِ سیدنا علیؓ وحضرات حسنینؓ پر مبنی ہو بلکہ اُن کا سارا مدار سُنی سُنائی باتوں اور علماء کے فتاویٰ پر آنکھیں بند کرکے اعتبار کرنے پر ہے۔ رہی بات ان چند حضرات کی جو اس کتاب کو پڑھ کر عباسی صاحب پر ناصبیت کی تہمت لگاتے ہیں تو دراصل ان کے نزدیک ''تعدیل یزید'' کا نام ناصبیت ہے۔ ایسے حضرات کی خدمت میں ہم بس اتنا عرض کریں گے کہ یزید کی تعدیل وصالحیت کے نظریئے کو ناصبیت سے جوڑنا

نہایت غیر علمی اور خطرناک اقدام ہے کیونکہ ایسا کر کے آپ حضرات سیدنا عبداللہ بن عمرؓ سے لیکر سیدنا عبداللہ بن عباسؓ تک، سیدنا محمد بن علی بن ابی طالب سے لیکر سیدنا علی بن حسین بن علی بن ابی طالب تک، امام عبدالمغیث حنبلی سے لیکر قاضی ابن العربی مالکی تک اور مولانا منظور نعمانی سے لیکر حافظ صلاح الدین یوسف تک پر ناصبیت کی تہمت لگانے کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ سو للہ ناصبیت کی اصطلاح کو درست معنی ومفہوم میں استعمال کریں۔

ہمیں قطعی حسن ظن ہے کہ علامہ محمود احمد عباسیؒ کے بارے میں ان کے مخالفین میں سے اکثر لوگوں کی معلومات محض مولانا عبدالرشید نعمانی، قاضی اطہر مبارکپوری، ابو جابر دامانوی اور سید علی مطہر نقوی کی تنقیدی کتب پر مبنی ہیں۔ جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا کہ معترض حضرات میں سے زیادہ تر افراد کی آراء علامہ عباسیؒ کی کتب کے بالاستیعاب مطالعہ نہ کرنے کا نتیجہ اور دوسروں کی لکھی تنقید پر مبنی ہوتی ہیں۔ محمود احمد عباسی کی تمام کتب اس احقر نے بالاستیعاب ایک نہیں کوئی دس دفعہ تو پڑھی ہوں گی اور اُن کی کتب میں ناصبیت کا ایک لفظ ہمیں آج تک نظر نہ آسکا (اگر تعدیل یزید کو ناصبیت کا نام نہ دیا جائے تو)، البتہ تشیع کے ردعمل کی نفسیات کے تحت لہجے کی تیزی کہیں کہیں پائی جاتی ہے جس کو سیاق وسباق سے کاٹ کر عباسی صاحب کے مخالفین نے اپنی کتب میں پیش کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عباسی صاحب کے نقد پر لکھی عبدالرشید نعمانی صاحب کی کتاب ''ناصبیت تحقیق کے بھیس میں'' جب پڑھی تو ہم حیران وششدر رہ گئے کہ ''علم الحدیث وابن ماجہ'' لکھنے والے اس قدر عبقری مؤلف اس قسم کی سطحی وہیر پھیر والی تنقید بھی کر سکتے ہیں۔

انتہائی معذرت اور پورے احترام سے عرض ہے کہ جس کلیہ کو استعمال کر کے محترم عبدالرشید نعمانی صاحب نے عباسی صاحب پر ناصبیت کی تہمت لگائی ہے اگر اس کلیہ کو اُلٹ کر سیدنا معاویہؓ کے حوالے سے دیکھا جائے تو معاذ اللہ علامہ عبدالرشید نعمانی سے لیکر قاضی اطہر مبارکپوری صاحب سب پر شیعیت کی تہمت لازم آئے گی۔

علامہ محمود احمد عباسیؒ پر ایک اعتراض یہ وارد کیا جاتا ہے کہ انہوں نے امام بخاری کو گدھا

کہا۔ جبکہ یہ بدظنی صرف گپ اور ایک کان سے نکل کر دوسرے کان میں پہنچنے والی بات ہے۔ کبھی فرمایا جاتا ہے کہ عباسی صاحب نے یہ بات مفتی زرولی خان صاحب کے سامنے کہی تو کبھی مفتی محمد شفیع کا نام لیا جاتا ہے اور آج کل کذاب زمانہ انجینئر محمد علی مرزا کی شہادت پر اس واقعہ کو ابو جابر دامانوی سے منسوب کر دیا گیا۔ یہی ایک بات کافی ہے اس واقعہ کے جھوٹا ہونے کیلئے۔ بعد از تحقیق یہ پتہ چلا کہ ابو جابر دامانوی صاحب نے یہ بات اپنی کتاب میں لکھی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابو جابر دامانوی صاحب کی اس بات پر قطعی اعتماد نہیں کیا جا سکتا کیونکہ عباسی مرحوم کی خود کی تحاریر میں امام بخاری کا نام ہمیشہ ادب واحترام اور رحمہ اللہ کے لاحقے کے ساتھ لکھا آج بھی موجود ہے۔ پھر یہ بات بھی اہل علم جانتے ہیں کہ ابو جابر دامانوی صاحب اپنے مخالفین کی جناب میں اکثر اس طرح کی غیر مناسب وغیر محقق باتیں برائے مخالفت کر جاتے ہیں، یہاں تک کہ جناب کمال حسن عثمانی کی زوجہ کی بابت انتہائی لغو بیانی اپنی ایک تحریر میں کر چکے ہیں جو کہ اخلاقی اعتبار سے نہایت غیر مناسب ورذیل حرکت ہے۔ سو ابو جابر دامانوی صاحب کی اس طرح کی کسی بات پر اعتبار کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ دامانوی صاحب نے ایسی ہی نجی طرز کی باتیں ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی کے خلاف بھی اپنی کتاب ''الدین الخالص'' میں کی ہیں۔ جبکہ ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی مرحوم سے نظریاتی اختلاف رکھنے کے باوجود اُن سے میل جول رکھنے والے اُن کے مخالفین تک اُن کے تقویٰ اور خشیتِ الٰہی کی شہادت دیتے نظر آتے ہیں۔

جہاں تک رہی انجینئر محمد علی مرزا کی بات تو یہ وہی صاحب ہیں جنہوں نے اپنے ایک ویڈیو لیکچر میں فرمایا تھا کہ واقعہ کربلا پر میرا ریسرچ پیپر پڑھ کر حافظ صلاح الدین یوسف نے اپنے مؤقف سے رُجوع کر لیا ہے۔ جب اس احقر نے یہ بات حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ کے سامنے رکھی تو انہوں نے انجینئر محمد علی مرزا کا نام سُنتے ہی فرمایا کہ وہ ایک نمبر کا کذاب ہے، رُجوع تو دور کی بات، میں نے تو اس کا کوئی ردی ریسرچ پیپر تک نہیں پڑھا۔ مقام حیرت ہے کہ ایسے کذاب انسان کے بیان کرنے پر عباسی صاحب پر امام بخاری کو گدھا کہنے کی تہمت لگائی جاتی ہے۔ اگر اس طور کی

غیر مصدقہ باتوں پر کان دھرنا ہے تو مصدقہ ذرائع سے تو یہ بات بھی ثابت ہے کہ اسلام آباد کی ایک مجلس میں جب مولانا عبدالغفور سیالکوٹی سابق استاذ جامعہ فریدیہ اسلام آباد نے سیدنا معاویہؓ سے متعلق عرض کیا کہ سیدنا معاویہؓ کو باغی، طاغی، جائر اور مخطی وغیرہ کہنے کے بجائے اگر اُن کے اس اقدام کی کوئی ایسی مناسب تاویل وتوجیہ کر لی جائے جس سے اُن کو یہ کچھ نہ کہنا پڑے تو کیا زیادہ مناسب نہ ہوگا؟ تو علامہ عبدالرشید نعمانی نے برجستہ فرمایا کہ ''ہاں کتاب الحدود میں صحابہ کے مذکورہ واقعات کی جو توجیہ تم کر سکتے ہو وہ یہاں بھی کر لو'' اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ ''حضرت نانوتوی نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ کوئی اتنے بڑے صحابی نہیں ہیں کہ ان کے ہر قول وفعل کی ہم توجیہ کرتے پھریں'' تو جناب کیا اس بات مان کر عباسی صاحب کے مخالفین علامہ عبدالرشید نعمانی مرحوم پر توہین سیدنا معاویہؓ کی تہمت لگانے کی جراءت کریں گے جیسا کہ یہ حضرات علامہ محمود احمد عباسیؒ کی جناب میں کرتے ہیں۔

المختصر علامہ محمود احمد عباسیؒ پر ناصبیت کا فتویٰ وتہمت نہ صرف بے جا تعصب کا شاخسانہ ہے بلکہ حقائق وقرائن کے بھی خلاف ہے۔ دراصل عباسی مرحوم نے جس زمانے میں تعدیل یزید کی صدا بلند کی تھی، اُس زمانے میں یزید بن معاویہ کا نام پلید کے لاحقہ کے بغیر لینا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ بلا تحقیق تاریخ کی رطب ویابس پر یقین کر کے یزید کو ابلیسِ مجسم ثابت کرنے میں لوگ جنت جانے کے ذرائع ڈھونڈتے تھے۔ ایسے ماحول میں نہ صرف صالحیتِ یزید کا قائل ہونا بلکہ تعدیلِ یزید کا مقدمہ پورا زور وشور سے پیش کر دینا ہی عباسی صاحب کا سب سے بڑا جرم ٹھہرا اور اس جرم کی پاداش میں ان پر ناصبیت کا فتویٰ لگا دیا گیا۔ ورنہ آج کتنے ہی افراد نہ صرف تعدیل یزید کے قائل ہیں بلکہ واقعہ کربلا سے متعلق ان کے اور عباسی صاحب کے نظریات میں چنداں بال برابر فرق نہیں لیکن کوئی ان کو ناصبی باور کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا کیونکہ وقت گزرنے کے ساتھ تاریخ کی تنقیح نے لوگوں کے ذہنوں سے خرافات کافی حد تک محو کر دی ہیں۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ علامہ محمود احمد عباسی صاحب اپنے دور کے ایک محقق اور تاریخی ماخذ

پر گہری نظر رکھنے والے انسان تھے جن کا ایک علمی و خاندانی پس منظر تھا۔ مالک رام صاحب نے اپنی کتاب ''تذکرہ معاصرین'' جدید ایڈیشن کے صفحہ ۸۸۱ تا ۸۸۵ میں تفصیل سے علامہ محمود احمد عباسی کا تذکرہ کیا ہے اور ان کے حالاتِ زندگی پر روشنی ڈالی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مالک رام صاحب کے قلم سے عباسی صاحب کا تذکرہ ہدیہ قارئین کر دیا جائے۔

محمود احمد عباسی امروہوی

ان کے خاندان کا سلسلہ بواسطہ خلیفہ عباسی (بغداد) امین الرشید (خلف ہارون الرشید) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب تک پہنچتا ہے۔ خلیفہ امین الرشید (۸۰۹۔۸۱۲ء) حضرت عباسؓ سے نویں پشت میں تھے۔ جب ۱۲۵۸ء میں ہلاکو خان نے بغداد کو تاراج کیا اور آخری خلیفہ بنو عباس متعصم باللہ کو تہِ تیغ کر دیا تو اس خاندان کے اکثر اشخاص جان اور ناموس بچانے کی خاطر ترکِ وطن پر مجبور ہوئے۔ انہیں خلیفہ امین سے دسویں پشت میں مخدوم زادہ محمد یوسف بھی تھے، وہ ہندوستان چلے آئے۔ یہ سلطان غیاث الدین بلبن کا عہد حکومت تھا۔ سلطان نے ان کی خاندانی عظمت اور علمی حیثیت کے پیشِ نظر انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور شایان شان منصب اور عہدہ عطا کیا۔ یہ خاندان ایک صدی تک آرام و آسائش سے دلّی میں مقیم رہا تھا کہ اتنے میں قہرِ خداوندی امیر تیمور کی شکل میں نازل ہوا۔ اب مخدوم زادہ محمد یوسف سے چوتھی پشت میں مولانا شمس الدین یہاں سے نکل کر پنجاب چلے گئے اور زندگی کے بقیہ ایام انہوں نے وہیں بسر کئے۔ ان کے پوتے مولانا رکن الدین عباسی (ابن مولانا نظام الدین) سلطان سکندر لودھی کے عہد میں پنجاب سے نقلِ مکان کر کے امروہہ آئے۔ عباسیانِ امروہہ انہی مولانا رکن الدین کے اخلاف ہیں۔

مولانا رکن الدین کی نویں پشت میں مولانا سید احمد علی شاہ عباسی پچھلی صدی کے صاحبِ صورت و سیرت بزرگ تھے۔ شروع میں خاندانی جاہ و ثروت سے کنارہ کش اور یاد اللہ میں مشغول

رہے۔ اگرچہ باقاعدہ حضرت حافظ موسیٰ چشتی قادری مانکپوری سے بیعت تھے، لیکن دوسرے سلاسلِ طریقت مثلاً صابریہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ میں بھی خلافت و اجازت سے سرفراز ہوئے۔ تمام وقت مطالعۂ کتبِ دینیہ میں صَرف ہوتا یا عبادتِ الٰہی میں۔ پیر کے دن ۲۹ شوال ۱۲۹۷ھ (۴ اکتوبر ۱۸۸۰ء) کو اکیاسی (۸۱) سال کی عمر میں انتقال کیا۔ امروہہ میں شاہ علاؤل کی درگاہ میں، بلکہ انہی کے پہلو میں دفن ہوئے۔

سید احمد علی شاہ کے اکلوتے فرزند سید علی محمد عباسی ۱۲۴۷ھ (۳۱-۱۸۳۲ء) میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے دینی تعلیم اور درسِ نظامیہ کی تکمیل مختلف اساتذہ سے کی، پھر حکومت انگریزی میں ملازم ہوگئے۔ اسی اثناء میں وکالت کا امتحان پاس کر کے اسے بطور پیشہ اختیار کرلیا۔ پہلے مختلف مقامات پر کام کیا لیکن بالآخر امروہہ میں مقیم ہوگئے۔ ان کا شہر کے اکابر میں شمار ہوتا تھا۔ یہیں ۱۸۹۷ء میں رحلت کی اور اپنے والد کے پہلو میں جوارِ حضرت شاہ علاؤل میں دفن ہوئے۔

سید علی محمد عباسی نے اپنی زندگی میں دو نکاح کئے۔ پہلی بیوی سے دو بیٹیاں اور چار بیٹے ہوئے۔ سب کے نام لکھنا طوالت سے خالی نہیں، البتہ دو قابلِ ذکر ہیں۔ سب سے بڑے محمد داؤد عباسی، جو کسی زمانے میں علی گڑھ میں طالب علم تھے اور جن کا حالی کے بعض اشعار کی تضمین کے سلسلے میں بہت لوگوں نے ذکر کیا ہے، انہی سید علی محمد عباسی کی پہلی بیوی کے بطن سے تھے۔ وہ ۲۰ رمضان ۱۲۸۰ھ (۲۹ فروری ۱۸۶۴ء) کو امروہہ میں پیدا ہوئے۔ ان کا بعارضہ تپ دق ۲۷ جون کو فتح آباد (ضلع آگرہ) میں انتقال ہوا اور وہیں احاطۂ عیدگاہ میں دفن ہوئے (خمخانہ جاوید (۳) میں دونوں تاریخیں غلط ہیں)۔ ان کی مثنوی لحنِ داؤدی محمود احمد عباسی نے شائع کی تھی۔ محمد داؤد کے چھوٹے بھائی حکیم فرید احمد عباسی کا اپنے عہد کے مشہور طبیبوں میں شمار تھا۔ وہ مدتوں طبیہ کالج دلی کے پرنسپل رہے۔

سید علی محمد عباسی کی دوسری بیوی شیخ غلام محمد صدیقی کی صاحبزادی (صغیر النساء) تھیں۔ ان بیگم سے ایک بیٹی اور چار بیٹے ہوئے۔ محمود احمد عباسی بیٹوں میں سب سے بڑے تھے۔ یہ گویا محمد

داؤد عباسی مذکور الصدر کے علاّتی بھائی تھے۔ وہ منگل کے دن ۱۴ جمادی الثانی ۱۳۰۲ھ (۳۱ مارچ ۱۸۸۵ء) بوقتِ صبح امروہہ میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے وہ اپنے نانا شیخ غلام محمد صدیقی کے زیرِ اثر آ گئے جو اُن کے والد ہی کے ساتھ مقیم تھے۔ وہ اُنہیں اولیاء اللہ کے واقعات سناتے۔ اگر کسی درویش کی ملاقات یا بزرگ کی زیارت کو جاتے تو انہیں ساتھ لے جاتے۔ اس سے ان کے دل میں تاریخ، سیرتِ اولیاء اور تصوّف کا شوق پیدا ہوا، جس سے گویا بعد کے زمانے کے مطالعے کا رُخ متعین ہو گیا۔

تعلیم کا زمانہ آیا تو امروہہ ہائی سکول میں داخلہ ملا۔ یہیں زیرِ تعلیم تھے کہ ۱۸۹۷ء میں والد کا انتقال ہو گیا۔ اب یہ اپنے دوسرے علاّتی بھائی ڈاکٹر محمد احسن عباسی کے پاس اناؤ اور رائے بریلی میں رہنے لگے، جو وہاں میڈیکل افسر کی حیثیت سے تعینات تھے۔ دسویں درجے تک تعلیم بھی وہیں پائی۔ اس کے بعد لکھنؤ کالج میں بھیج دیئے گئے۔ وہاں یہ کالج اقامت گاہ سے باہر ایک ذاتی مکان میں رہتے تھے۔ اور یہی ان کی تعلیم سے بے توجہی کا باعث ثابت ہوا۔ نواب وقار الملک، مولوی مشتاق حسین امروہوی ان کے والد کے دوست تھے۔ اگرچہ انہوں نے لکھنؤ میں اپنے ایک ممتاز دوست کو ان کے حالات کی نگرانی اور تعلیمی رہنمائی پر مقرر کر دیا تھا، لیکن یہ صاحب اپنا فرض بوجہ احسن بجا نہ لائے۔ غرض محمود احمد عباسی کی تعلیم نامکمل رہ گئی۔ لیکن ان نگران صاحب کی بدولت ان کا شہر کے متعدد ادیبوں اور اکابر سے تعارف ہو گیا۔ انہیں میں شبلی اور شرر بھی تھے۔ تعلیمی زمانے میں اگر کسی کو مجلس آرائی اور ہنگامہ پروری کا چَسکا پڑ جائے تو تعلیم کیلئے اس سے زیادہ مہلک اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی، یہاں بھی یہی ہوا۔

مولانا شبلی اور شرر کے زیرِ اثر ان کا زیادہ وقت تاریخ و سیر کی کتابوں اور سیاسی اور قومی لٹریچر، رسائل و جرائد کے مطالعے میں صرف ہونے لگا، اور وہ نصاب کی طرف سے بے پرواہ ہو گئے۔ چنانچہ امتحان میں بار بار ناکام رہے، اور سیاسیات میں روز بروز زیادہ محو رہنے لگے۔

لکھنؤ میں مزید قیام بیکار بھی تھا اور ذریعۂ معاش کے فقدان کے باعث تکلیف دہ بھی،

چنانچہ مسلم سکول بریلی میں مدرّس ہوکر چلے گئے۔ اتفاق سے یہی وہ زمانہ ہے جب مولانا حالی اپنے مرگی کے مریض نواسے عبدالولی کے علاج کیلئے یہاں مقیم تھے۔ جس طرح قیام لکھنؤ کے زمانے میں شبلی اور شرر نے محمود احمد عباسی کی حوصلہ افزائی کی تھی، اسی طرح حالی بھی ان کے علمی ذوق اور ادبی رجحان کو دیکھتے ہوئے ان سے لطف وعنایت سے پیش آئے۔ عباسی صاحب نے اس موقع سے فائدہ اُٹھایا۔ ان کا مضمون نگاری کا شوق دراصل ان کی اسی حالی سے ملاقات کا مرہونِ منت تھا۔ یوں رسمی تعلیم کا جو سلسلہ منقطع ہوگیا تھا، اس نقصان کی بھی کچھ تلافی ہوگئی۔

حالی ان سے بہت شفقت سے پیش آتے رہے۔ دونوں میں خط وکتابت کا سلسلہ بھی تھا (جیسا کہ مکتوباتِ حالی میں شائع شدہ خطوط سے ظاہر ہے)۔ آخرکار انہی کی سفارش پر عباسی صاحب کو ۱۹۰۸ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، علی گڑھ کے دفتر میں بطور نجی معاون (پرسنل اسسٹنٹ) ملازمت مل گئی۔ عباسی صاحب یہاں ۱۴ برس رہے۔ ان میں سے تقریباً دس برس انہوں نے صاحبزادہ آفتاب احمد خان جائنٹ سکتّر (ف جنوری ۱۹۳۰ء) کے ماتحت کام کیا۔ وہ ان سے بہت خوش اور مطمئن تھے۔ چنانچہ انہوں نے عباسی صاحب کو درجہ بدرجہ ترقی دے کر ادبی معاون اور پھر صدر دفتر کا قائم مقام سپرنٹنڈنٹ بنادیا۔ جب تک وہ ستمبر ۱۹۱۷ء میں وزیرِ ہند کی کونسل کے رُکن بن کر انگلستان میں تشریف نہیں لے گئے، یہ بے غل وغش یہاں کام کرتے رہے۔ اور اس زمانے کے تمام اصحابِ مجاز نے بھی ان کے کام کی تحسین کی۔ (صدر یار جنگ) مولانا محمد حبیب الرحمٰن خان شیروانی (ف اگست ۱۹۵۰ء) بھی اسی زمانے میں حضور نظامِ دکن کی خواہش پر صدر الصدور اُمور مذہبی ہوکر حیدرآباد چلے گئے۔ ان کے بعد جن اصحاب کے ہاتھ میں کانفرنس کی باگ ڈور آئی، ان سے اختلافات پیدا ہوگئے۔ کانفرنس نے صاحبزادہ موصوف کی سفارش پر انہیں انگلستان جاکر تعلیمی امور کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کیلئے چھ ہزار روپے وظیفہ دینا منظور کیا تھا۔ عباسی صاحب نے سفر کے تمام انتظامات مکمل کرلئے تھے۔ لیکن مخالفین کی ریشہ دوانیوں کے باعث نہ صرف یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی، بلکہ انہیں ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑا۔ اس کے بعد لمبی غیر حاضری

کے بعد یہ اپنے وطن امروہہ واپس آ گئے۔

یہ طویل قیام علی گڑھ ان کے دل و دماغ کی صلاحیتوں کی پختگی کیلئے بہت مفید ثابت ہوا۔ کارِ منصبی سے جو وقت بچتا، وہ اسے مطالعے میں صرف کرتے۔ کالج اور کانفرنس کے کتاب خانوں میں کتابوں کی کمی نہیں تھی، اس پر افسر ایسے ملے جو کام اور علم کے قدر دان تھے۔ عباسی صاحب کے دل میں بھی امنگ اور کام کرنے کا ولولہ موجود تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے مختلف موضوعات کے بارے میں وسیع مطالعے سے اپنی معلومات اور لیاقت میں متعدبہ اضافہ کرلیا۔

اب امروہے میں مقیم ہوئے تو رفاہِ عامہ کے کاموں میں دلچسپی لینے لگے، لیکن ابنائے وطن کے عدم تعاون، بلکہ عملی مخالفت کے باعث اس میں کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ اسی زمانے میں مولانا محمد علی جوہر مرحوم (ف جنوری ۱۹۳۱ء) نے دلّی سے اپنا مشہور روزنامہ ہمدرد جاری کیا۔ انہوں نے عباسی صاحب کو بھی اس کے صیغۂ ادارت میں کام کرنے کی دعوت دی، جو انہوں نے قبول کرلی۔ اس سلسلے میں کوئی سال بھر دلّی میں قیام رہا تھا۔

امروہہ کے قیام کے زمانے میں انہوں نے تاریخِ امروہہ (جلد اوّل)، پھر تذکرۃ الکرام (دوسری جلد) اور تحقیقِ انساب تین کتابیں تصنیف کیں۔ انہوں نے جو کچھ لکھا، تحقیق و تدقیق اور روایت و درایت کی تمام شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے۔ حق پژوہی اور حق گوئی میں کسی کی رُو رعایت ان کے سدّ راہ نہیں ہوئی۔ تاریخِ امروہہ میں اور پھر تحقیق انساب میں کئی خاندانوں کا کچا چٹھا تھا۔ اس سے قدرتاً بہت لوگوں کو رنج ہوا اور انہوں نے سخت مخالفت کی۔ عباسی صاحب نے تکلیف برداشت کی، نقصان اُٹھایا، لیکن جو بات صحیح سمجھی، اس کے اعلان سے باز نہ آئے۔ اس پر مقدمہ بازی ہوئی اور بحیثیت مدعی اور مدعا علیہ دونوں میدانوں میں وہ ہر طرح کامیاب رہے۔

انہوں نے ملکی سیاست میں بھی حصہ لیا۔ ممکن ہے کوئی اور اثر بھی رہا ہو، لیکن وہ غالباً مولانا محمد علی کی صحبت میں کانگریس میں شامل ہوئے۔ بعد کو امروہہ کانگریس کمیٹی کے صدر چنے گئے تھے۔ اور کچھ مدت وہاں کی میونسپل کمیٹی کے صدر اور آنریری مجسٹریٹ بھی رہے۔ ۱۹۳۶ء کے انتخاب کے

سلسلے میں جب جواہر لال نہرو دورے پر امروہہ گئے ہیں تو وہاں جلسے کا انتظام اور نظم وضبط کا اہتمام عباسی صاحب ہی نے کیا تھا۔

۱۹۴۷ء میں جب ملک کی فضا مکدر ہوگئی اور امروہہ کا قیام غیر محفوظ ہونے لگا تو وہ عارضی طور پر پاکستان چلے گئے۔ لیکن ان کا ارادہ وہاں مستقل قیام کا نہیں تھا۔ چنانچہ بعد کو جب دونوں حکومتوں کی طرف سے اعلان ہوا کہ اب مہاجرین کو اپنی مستقل جنسیت کا تعین کرنا پڑے گا، فلاں تاریخ کے بعد پاسپورٹ اور راہداری کے قواعد نافذ ہوجائیں گے، تو وہ ہندوستان واپسے چلے آئے۔ یہاں ان کی خاصی بڑی جائیداد وغیرہ تھی۔ کچھ کتابیں بھی چھپ چکی تھیں۔ اس لئے معقول آمدنی تھی اور بسر اوقات کیلئے کوئی تشویش نہیں تھی۔

ان کا نکاح ملاّ امان اللہ کے خاندان میں، ابراہیم علی صدیقی کی صاحبزادی (شکیلہ بیگم) سے ہوا تھا۔ اولاد میں صرف ایک صاحبزادی (برجیس فاطمہ) ہوئیں، جو جناب سبط رسول فاروقی کے حبالہ عقد میں آئیں۔ پاکستان بننے پر بیٹی اور داماد وہاں چلے گئے تھے۔ جب عباسی صاحب تقاضائے عمر سے زیادہ بیمار رہنے لگے تو ان لوگوں نے اصرار کیا کہ آپ پاکستان چلے آیئے، تاکہ ہم آپ کی دیکھ بھال کرسکیں۔ یوں بھی اب امروہہ میں ان کا کون تھا، لہٰذا بیٹی کے بلانے پر وہ ۱۹۵۱ء میں ہجرت کر کے مستقلاً کراچی چلے گئے۔ جانے سے پہلے انہوں نے یہاں کی بیشتر جائیداد فروخت کردی تھی، بقیہ کے عوض میں شاید وہاں کچھ باغات وغیرہ مل گئے تھے۔ غرض انہیں وہاں بھی مالی پہلو سے کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

کراچی کے زمانہ قیام میں ان کی متعدد کتابیں شائع ہوئیں۔ وہاں پہنچنے کے بعد سب سے پہلے حقیقتِ قومِ کمبوہ چھپی، جو امروہہ میں مکمل ہوچکی تھی، اور جس کا مسوّدہ اپنے ساتھ لیتے گئے تھے۔ لیکن جس کتاب نے سب سے زیادہ ہنگامہ برپا کیا، وہ خلافت معاویہ و یزید ہے، یہ ۱۹۵۸ء میں شائع ہوئی۔ اس میں اُنہوں نے امیر معاویہ اور اُن کے جانشین یزید کو حق بجانب ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ قدرتی بات تھی، شیعی حضرات نے سخت احتجاج کیا۔ حکومت نے عافیت اسی

میں دیکھی کہ کتاب کی اشاعت ممنوع قرار دے دی۔لیکن وہ عباسی صاحب کو خاموش نہ کرسکی۔ انہوں نے دوسال بعد اپنے نظریئے کی تائید میں دوسری کتاب تحقیق مزید شائع کی (۱۹۶۰ء)۔ مخالفانہ جلسے وغیرہ اب کے بھی ہوئے ،لیکن چونکہ انہوں نے جو کچھ لکھا تھا، اس کی تردید محال تھی، اسلئے مخالفین نے خموشی اختیار کی اور یہ کتاب ضبط نہیں ہوئی۔

انہوں نے شعرائے امروہہ کا ایک تذکرہ بھی مرتّب کیا تھا۔ دراصل یہ ان کی تاریخ امروہہ ہی کا ایک حصہ تھا۔ وہ یہ کام مکمل کر چکے تھے، اوراس کا مسوّدہ بھی اپنے ساتھ لیتے گئے تھے، لیکن یہ کتاب آج تک شائع نہیں ہوئی۔ اگر ان کے پسماندگان ان کے مسودات کی چھان بین کر کے اسے الگ کرلیں اور شائع کردیں تو یہ ادب کی مستقل خدمت ہوگی۔

۱۴ مارچ ۱۹۷۴ء کو کراچی میں انتقال ہوا۔ طارق روڈ کراچی پرسوسائٹی کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ (تذکرہ معاصرین۔ مالک رام)

علامہ محمود احمد عباسی سے متعلق مالک رام صاحب کا یہ تبصرہ وتذکرہ ان تمام منفی تبصرہ جات کی نفی کردیتے ہیں جو جناب محمود احمد برکاتی کی کتاب جادۂ نسیاں اور دوسرے اہل علم کے قلم سے پیش کئے جاتے ہیں۔ دراصل علامہ محمود احمد عباسیؒ کی ذاتیات پر اس طرح کے تبصرے امیر یزیدؒ سے متعلق ان کی تحقیقات و دلائل سے زچ ہونے کا نتیجہ ہیں۔ اللہ محمود احمد برکاتی صاحب کو معاف فرمائے کہ وہ اس متعلق حد سے کسی قدر تجاوز کر گئے۔ جبکہ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ مولانا الطاف حسین حالی سے لیکر بابائے اُردو مولوی عبدالحق تک، علامہ محمود احمد عباسیؒ کے سارے ہم عصر اوران سے قریبی تعلقات رکھنے والے لوگ ان کے حسنِ اخلاق اور سلامتیٔ دین کی گواہی دیتے نظر آتے ہیں جبکہ علامہ شبلی نعمانی سے لیکر عبدالحلیم شرر اور مولانا محمد علی جوہر جیسے ذی عزت وذی مرتبت لوگوں کے عباسی صاحب سے قریبی تعلقات اور ہم نشینی رہی اور وہ اُن پر بھرپور اعتماد کرتے اور مختلف ادوار میں ان کے رفیقِ کار رہے۔ جیسا کہ مالک رام صاحب کے مندرجہ بالا اقتباسات کی تفاصیل سے بھی اندازہ ہوجاتا ہے۔

ان تمام گزارشات کے ذیل میں ضرورت محسوس ہوئی کہ علامہ محمود احمد عباسی صاحب کی اس کتاب کی ازسرِ نو کمپوزنگ کروا کر دوبارہ طباعت کا بندوبست کیا جائے۔ اس وقت مارکیٹ میں یہ کتاب بآسانی دستیاب نہیں اور جو تھوڑی بہت مشکل سے دستیاب ہوتی بھی ہیں جو اُن کی کتابت پرانے طرز کی ہے جس کو موجودہ زمانے میں پڑھنے والے اکثر لوگ مطالعہ کیلئے مشکل پاتے ہیں۔ اسی سوچ کے ساتھ عباسی صاحب کی اس معرکۃ الآراء کتاب کا نیا و جدید ایڈیشن تیار کر کے ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے۔ اس ایڈیشن کی تیاری میں ہم کتاب کے کاتب شاہ فیض الوقار صاحب کے خصوصی طور پر ممنون ہیں جنہوں نے وقت نکال کر کتاب ہٰذا کی نہ صرف بہترین انداز میں ازسرِ نو کتابت کی بلکہ حوالہ جات کی تصحیح و مراجعت کا کام بھی اپنے ذمہ لے کر نہایت دقتِ نظری اور خوش اسلوبی سے سرانجام دیا۔ ساتھ ہی ہم اپنے ہر دلعزیز دوست محمد صہیب نذیر کے بھی شکر گزار ہیں جن کی مدد اور تعاون کے بغیر یہ کام پایۂ تکمیل تک پہنچنا ناممکن تھا۔

آخر میں قارئین سے التماس ہے کہ اگر دورانِ مطالعہ وہ کتاب میں کوئی نقص یا کتابت کی غلطی پائیں تو مطلع فرمائیں۔ ان شاء اللہ ایجابی طریق سے آئی ہر غلطی کی تصحیح و اصلاح کی پوری کوشش کی جائے گی۔

محمد فہد حارث

۱۶ اکتوبر ۲۰۱۸ء

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

عرض مؤلف

(طبع چہارم)

دسمبر ۱۹۶۰ء میں ہائی کورٹ کی مکمل بینچ خصوصی کے متفقہ فیصلہ سے حکم ضبطی کے منسوخ کردیئے جانے کے چند ہفتے بعد جب یہ کتاب تیسری بار چھپنے لگی۔ پلیٹوں سے چربے اس غرض سے اُتروالئے تھے کہ آئندہ طباعت میں کام آئیں، کتابت دوبارہ نہ کرانی پڑے مگر وہ جو قول مشہور ہے ''تدبیر کند بندہ تقدیر کند خندہ''۔ مطبع ہی کے ذمہ دار کارکن کی غفلت اور بدمعاملگی سے وہ سب چربے ضائع ہوگئے۔ چھپائی بھی ناقص رہی، کاغذ بھی خراب لگا۔ بایں ہمہ تیسرے ایڈیشن کے سب نسخے ان نقائص کے باوجود نو دس مہینے میں ہاتھوں ہاتھ نکل گئے اور طلب و مانگ برابر جاری ہے۔

اب اس چوتھے ایڈیشن کے لئے قدرے بڑے سائز پر کتابت ازسرِ نو کرائی گئی جس میں کئی مہینے لگ گئے۔ شائقین کو انتظار کی زحمت اُٹھانی پڑی لیکن اس عرصہ میں کتاب کی دوسری مبسوط جلد ''تحقیق مزید'' شائع ہوگئی جو بڑے سائز کے پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے اور جس میں دیگر اہم تاریخی انکشافات کے علاوہ بعض اُن واقعات و حالات کی جو اس پہلی جلد میں بنظر اختصار مجملاً بیان ہوئے ہیں تفصیلات بھی ہیں۔

اس کتاب میں بھی ''توضیحات'' کے عنوان سے بعض ضروری مطالب کا اضافہ ہے۔

یہ دونوں جلدیں ''خلافت معاویہؓ و یزیدؒ'' اور ''تحقیق مزید'' مناظرہ و مجادلہ کی نہیں تاریخی تحقیق (ریسرچ) کی ہیں۔ ان میں اسلامی تاریخ کے اہم دور کے وہ رُخ بھی پیش کردیئے ہیں جو اب تک مخفی اور اوجھل تھے یا اوجھل رکھے گئے تھے۔ یہ ایک ریسرچ ہے اور اسی طرح کی ریسرچ ہوتی رہے گی۔ غلط

تحقیقات کو زمانہ باقی نہ رہنے دے گا اور حقائق نئی نئی شکلوں میں اُبھر کر سامنے آتے رہیں گے کیونکہ یہی ارتقاء کا اور عصر حاضر کی علمی ترقی وتحقیقات کا تقاضا ہے۔ تاریخ ایک علمی سرمایہ ہے اور اسلامی ثقافت و مذہب کے بعض اہم اجزاء اس سے وابستہ ہیں۔ لیکن قران کی طرح نہ اس پر ایمان بالغیب لایا جاسکتا ہے اور نہ اسے انسانی کمزوریوں سے خالی قرار دیا جاسکتا ہے۔ کمزور و وضعی روایت کی تصویب وتردید اور صحیح و قوی روایت پر تنقید کا ہر شخص کو حق ہے ہم نے اسی حق سے کام لیا ہے اور یہ حق دوسروں کو بھی حاصل ہے۔ ہماری تحقیق بھی تنقید سے بالاتر نہیں اس پر جو تنقید کی جائے۔۔۔ بشرطیکہ واقعی علمی ہو نہ محض سبّ وشتم۔۔ ہم اس کی قدر کریں گے۔

تاریخی ریسرچ کی ان تصانیف کا تعلیم یافتہ طبقوں میں خصوصاً جس خوش دلی سے خیر مقدم کیا گیا ہے اور ڈیڑھ سال کے قلیل عرصہ میں یکے بعد دیگرے چار ایڈیشن پہلی جلد کے شائع ہوئے ہیں وہ اس بات کا قوی ثبوت ہیں کہ طرح طرح کے مخالفانہ پروپیگنڈے کے باوجود اس کتاب نے اپنا واجبی مقام حاصل کرلیا ہے۔

ماہنامہ میثاق (لاہور) محترمی امین احسن اصلاحی صاحب جیسے ممتاز عالم دین کے زیرِ ادارت شائع ہوتا ہے۔ اس کے تازہ شمارے بابت ماہ مئی ۱۹۶۲ء میں ان تصانیف پر جو تبصرہ کیا گیا ہے، اس کے چند فقرات ذیل میں نقل کرنا بے محل نہ ہوں گے۔

''آج سے دو سال قبل بہت کم لوگ محمود احمد عباسی صاحب کو جانتے تھے لیکن اب اہل علم کے طبقوں سے وابستہ شاید ہی کوئی پڑھا لکھا آدمی ہوگا جو عباسی صاحب اور اُن کی شہرہ آفاق تصنیف خلافت معاویہؓ ویزیدؒ سے بے خبر ہو۔ یہ کتاب ایک ایسے نازک مسئلہ سے متعلق تھی جس کے ساتھ لوگوں کو عقلی سے زیادہ جذباتی اور سیاسی دلچسپی تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر حلقوں سے اس کی شدید مخالفت ہوئی اور فی الواقع ایسی شکل پیدا ہوگئی کہ اس کی تعریف کرنا خواہ مخواہ اپنے لئے مشکلات کے دروازے کھول لینے کے مترادف بن گیا۔ ہمارے نزدیک گروہی عصبیتوں یا

سیاسی مصلحتوں کی بناء پر اگر کسی محققانہ تصنیف کی مخالفت کی جائے یا اُس کے مصنف کی حوصلہ شکنی کی جائے تو یہ خود علم کی بے قدری ہے۔ پھر اس بے قدری کے ذمہ دار جب خود اہل علم ہوں تو اس کی قباحت دو چند ہو جاتی ہے۔ لیکن چیز اچھی ہو تو اپنا وزن منوا کے رہتی ہے۔ چنانچہ عباسی صاحب کی کتاب نے بھی ان تمام مخالفتوں کا مقابلہ کر کے اپنا مقام اب تسلیم کرا لیا ہے۔

''خلافت معاویہؓ و یزیدؒ'' کا بنیادی نقطۂ نظر، جیسا کہ میثاق کے قارئین جانتے ہونگے یہ ہے کہ حادثہ کربلا کے جو واقعات شیعہ ذاکروں کی زبان سے سُنے جاتے ہیں یا عام تاریخ کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں وہ من وعن صحیح نہیں ہیں بلکہ ان کے بیان میں بہت سی حقیقتوں پر پردہ ڈال کر من گھڑت قصوں کا سہارا لیا گیا ہے۔ عباسی صاحب نے تحقیق وتنقید کی کسوٹی پر رکھ کر ان من گھڑت قصوں کی حقیقت واضح کر دی ہے اور جو اصلی حقائق ہیں ان کو نہایت وضاحت اور نہایت مضبوط دلائل کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔ ہمارے نزدیک فاضل مصنف کے یہ نتائج تحقیق اتنے نادر نہیں تھے جتنے نادر سمجھ کر ان کے مخالفین نے درجنوں کتابیں ان کے خلاف تصنیف کر ڈالی ہیں۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ فاضل مصنف نے خلافت راشدہ کے آخری دور اور بنی اُمیّہ کے زمانہ کی تاریخ کا نہایت گہرا مطالعہ کیا ہے اور اپنے نتائج تحقیق اتنے جزم اور اعتماد کے ساتھ پیش کئے ہیں اور اُن پر دلائل کا اس قدر انبار لگا دیا ہے کہ انہیں مسئلہ زیر بحث میں پچھلے محققین کے پہلو بہ پہلو ایک سند کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔ خلافت معاویہؓ و یزیدؒ اُردو زبان میں پہلی کتاب ہے جو امام ابن تیمیہؒ وغیرہ کے نقطہ نظر کو نسبتاً زیادہ منقح صورت میں پیش کرتی ہے۔ خلافت معاویہؓ و یزیدؒ کو پڑھ کر ہم اس رائے کو بالکل مبنی بر انصاف نہیں سمجھتے کہ عباسی صاحب نے ذہن میں پہلے سے یزید کی پاک دامنی اور حضرت حسینؓ کے مؤقف کی غلطی کا تصور بٹھا لیا ہے اور بعد میں اسے ثابت کرنے کیلئے اپنی مرضی سے دلائل جمع کرنے شروع کر دیئے ہیں حتیٰ کہ اگر انہوں نے ضرورت محسوس کی ہے تو بعض اقتباسات کی قطع و برید کرنے سے بھی باز نہیں آئے ہیں۔ ہماری رائے یہ ہے کہ فاضل مصنف نے یہ کتاب ایک غیر

جانبدار محقق کی حیثیت سے تحریر کی ہے۔ انہوں نے ہر واقعہ کی صرف وہی توجیہ قبول کی ہے جو اُن کے تحقیق کے کڑے معیار پر پوری اُتر سکی ہو۔ ہمارے نزدیک اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی اس کا اونچا معیار تحقیق ہی ہے۔ عباسی صاحب نے نہایت محنت کر کے ان لوگوں کا سُراغ لگا لیا ہے جن کے ذریعہ سے ہماری تاریخ میں بہت سی بے سروپا باتیں داخل ہوئی ہیں اور فتنوں کا موجب بنی ہیں۔

ان کی تحقیق کے مطابق حادثہ کربلا سے متعلق جو روایات زبان زد عوام ہیں وہ بیشتر محمد بن سائب الکلبی، ابومخنف لوط بن یحییٰ ازدی اور ہشام بن محمد کلبی کی پھیلائی ہوئی ہیں۔ ائمہ حدیث و رجال نے ان تینوں راویوں کو کٹّر رافضی، کذّاب اور غیر معتبر قرار دیا ہے۔ فاضل مصنف جب واقعات کربلا کی اس معروف بنیاد ہی کو تسلیم نہیں کرتے تو جب تک کوئی دوسرا محقق ان راویوں کی ثقاہت و امانت کو پہلے ثابت نہ کر دے عباسی صاحب کی کسی دلیل کو توڑنا اُس کیلئے ممکن نہیں۔

زیر نظر کتاب تحقیق مزید خلافت معاویہؓ و یزیدؒ ہی کے سلسلہ کی دوسری کڑی ہے۔ فاضل مؤلف نے اس کتاب میں بھی بڑی اہم بحثیں اُٹھائی ہیں۔ انہوں نے نبی ﷺ کی پانچ ازواج مطہرات کے علاوہ پونے تین سو صحابہؓ (جن میں اصحاب عشرہ مبشرہ و بدری صحابہ اور اصحاب بیعت الرضوان کی اچھی خاصی تعداد شامل ہے) کے مختصر احوال لکھے ہیں جو یزید کی ولی عہدی اور خلافت کے زمانہ تک بقید حیات تھے۔ لیکن اُن میں سے کسی نے بھی حضرت حسینؓ کے مؤقف کی تائید نہیں کی۔ یہاں فاضل مؤلف ایک قاری کیلئے دو راہیں متعین کر دیتے ہیں کہ یا تو وہ حضرت حسینؓ کے مؤقف کو صحیح سمجھے اور ان تمام صحابہؓ و صحابیاتؓ کو معاذ اللہ عزیمت سے عاری یا مداہنت کے مرتکب قرار دے یا اس کے برعکس یہ رائے قائم کرے کہ حضرت حسینؓ کو صحیح مؤقف متعین کرنے میں اضطراب پیش آیا۔

عباسی صاحب یہی دوسرا نقطہ بدلائل پیش کرتے ہیں۔ کتاب کے ایک باب میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ شروع سے اہل بیت میں موروثی خلافت کا تصور پیدا ہو گیا تھا اور انہوں نے

برابر اس بات کی کوشش کی کہ وہ خلافت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ چنانچہ فاضل مصنف نے چوتھی صدی ہجری کے وسط تک قائم خلافتوں کے خلاف علویوں کے چھیاسٹھ (۶۶) خروج بیان کئے ہیں۔ مصنف نے بتایا ہے کہ علویوں کی اس سلسلہ کی کوششوں کا اتنا چرچا تھا کہ بعض تحریکیں اگر بغاوت کی خاطر بھی اُٹھیں تو اُن کے بانیوں نے بھی اپنا حسب ونسب علوی ہی بتایا حالانکہ علوی نہ اُن کے حق میں تھے اور نہ سیاسی طور پر اُن سے متفق تھے۔

اس کتاب میں بے شمار انکشافات ایسے ہیں جو تاریخ کے طالب علموں کے لئے یقیناً تعجب خیز ہوں گے۔ مثلاً نبی کریم ﷺ کی پرورش میں نمایاں حصہ زبیر بن عبدالمطلب کا تھا نہ کہ ابو طالب کا۔ زبیر بن عبدالمطلب کی وفات کے وقت نبی کریم ﷺ نوجوان تھے۔ ابو طالب کا آپ ﷺ سے تعلق قبیلہ کی سربراہی کا تھا۔ حضور ﷺ کی بعثت کے وقت حضرت علیؓ کی عمر صرف پانچ برس تھی۔ حضرت حسینؓ کی ازواج میں شہر بانو نامی کی کوئی ایرانی شہزادی نہ تھی۔ علی زین العابدینؒ کی والدہ سندھی خاتون تھیں وغیرہ وغیرہ۔

(ماہنامہ میثاق لاہور۔ مئی ۱۹۶۲ء)

کاشانہ محمود

لیاقت آباد۔ کراچی

محمود احمد عباسی

۱۰ مئی ۱۹۶۲ء

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

عرض مؤلف

(طبع سوئم)

سب سے پہلے یعنی ابتدائی ایڈیشن اس کتاب کا مئی ۵۹ء میں طبع ہوا تھا۔ پھر چند ہی ہفتے بعد دوسرا جولائی میں۔ کتاب کی ہر طرف سے بڑی مانگ تھی اور شہر میں جگہ جگہ اسی کا چرچا۔ پاکستان اور بھارت کے علاوہ بعض بیرونی ملکوں (بحرین و برما) سے بھی آرڈر آنے لگے تھے۔ کتاب کی اس کثرت سے مانگ اور غیر معمولی مقبولیت کا واحد سبب اُموی خلافت کے ابتدائی عہد کے بعض اہم واقعات کی تحقیق و ریسرچ اور تاریخ کے مخفی گوشوں کا انکشاف ہے۔ تیرہ سو سال کی طویل مدت میں کسی مؤرخ اور مصنف نے ان تاریخی واقعات کے بارے میں جن پر صدیوں سے وضعی روایتوں، من گھڑت حکایتوں اور افسانوں کے گہرے پردے پڑے ہوئے تھے، اس نوعیت سے تحقیق اور ریسرچ کی جانب توجہ نہیں کی تھی۔

کتاب کا موضوع محض تاریخ اور تاریخی ریسرچ ہے۔ مختلف فرقوں کے مذہبی یا اختلافی مسائل سے اس کا کوئی تعلق ہرگز نہیں۔

بقول مولانا عبدالماجد دریا آبادی:۔

’’ کتاب مجادلہ کیا معنی مناظرہ کی بھی نہیں اور اس کا موضوع عقائد کی بحث نہیں بلکہ بعض تاریخی حقیقتوں کا انکشاف ہے جو مسلمات عام اور قدیم کے مخالف ہونے کے باعث تلخ و ناگوار جتنے بھی معلوم ہوں بہر حال خلاف قانون بلکہ خلاف تہذیب بھی نہیں کہے جاسکتے اور نہ ان کا مقصود بعض محترم شخصیتوں پر کوئی حملہ ہے۔ تاریخی مسلمات پر جرح ونقد کی حیثیت سے کتاب کی زد جیسی شیعہ تاریخوں پر پڑتی ہے ویسی ہی سُنی عالموں کے لکھے ہوئے شہادت ناموں پر۔‘‘ (صدق جدید ج۹ ص۱۲)

تاریخی تحقیق وریسرچ کے سلسلہ میں کتاب کی یہ زد جس کا اشارہ مندرجہ بالا اقتباس میں ہے بلاشبہ اُن افسانوں اور وضعی حکایتوں پر پڑی اور پڑنی لازم بھی تھی جو واقعات کی اصل صورت مسخ کرنے کی غرض سے محض سیاسی مقاصد سے وضع ہوئیں اور بمرور زمانہ قوم وملت کی اکثریت کے ذہنی جمود اور توہم پرستی کا سبب بنتی گئیں۔

مفکر اسلام ڈاکٹر اقبالؒ نے شاید عجمی ذہنیت کی اسی قسم کی مخترعات کو ’’خرافات‘‘ سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا تھا:

تمدن تصوف شریعت کلام　　بتانِ عجم کے پجاری تمام
حقیقت خرافات میں کھوگئی　　یہ اُمت روایات میں کھوگئی

مجاہدِ اعظم کے شیعہ مؤلف تو حادثہ کربلا کے من گھڑت قصوں کے بارے میں واضح طور پر سے خود ہی کہتے ہیں:

’’ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بعض واقعات جو نہایت مشہور اور سیکڑوں برس سے سنیوں اور شیعوں میں نسلاً بعد نسل منتقل ہوتے چلے آرہے ہیں، سرے سے بے بنیاد اور بے اصل ہیں۔ ہم اس کو بھی مانتے ہیں کہ طبقہ علماء کے بڑے بڑے اراکین، مفسرین ہوں یا محدثین، مؤرخین ہوں یا دوسرے مصنفین، متقدمین ہوں یا متاخرین، ان کو یکے بعد دیگرے بلاسوچے نقل کرتے آئے ہیں اور ان کی صحت وغیر صحت کو معیار اصول پر نہیں جانچا۔ اس تساہل وتسامح کا نتیجہ یہ ہوا کہ غلط اور بے بنیاد قصے عوام تو عوام خواص کے اذہان وقلوب میں ایسے راسخ اور استوار ہوگئے کہ اب ان کا انکار گویا بدیہات کا انکار ہے۔ (مجاہد اعظم ص۱۶۲)

ان شیعہ مؤلف نے تو کربلا کے دو چار دس پانچ نہیں (۲۵) مشہور قصوں پر شد و مد سے جرح ونقد کرتے ہوئے متعدد کو سرے سے غلط و بے بنیاد بتایا ہے اور بعض کو من گھڑت اور مبالغہ آمیز اور صاف صاف کہا ہے کہ ذاکرین نے بُکا وابکیٰ کی خاطر بے سروپا قصے مشہور کر رکھے ہیں۔ مگر برخلاف ان شیعہ مؤلف کے راقم الحروف نے تو صرف اجمالی جائزہ پر اکتفا کیا ہے اور وہ بھی ضمناً کیونکہ مقصود اصلی سیدنا امیر معاویہؓ اور امیر یزیدؒ کے حالات و واقعات اور سیرت و کردار کو مُفتریات داھیہ کے پردے چاک کر دینے کے ساتھ ساتھ انہیں کذب بیانیوں کے خس و خاشاک سے پاک کر کے اصلی خدوخال میں پیش کرنا اور اس قدیم زمانہ کے تاریخی حالات کو جو خیر القرون ہی کا زمانہ تھا، بغیر کسی رنگ آمیزی کے صحت کے ساتھ ترتیب دینا اور بیان کرنا تھا۔

''خلافت معاویہؓ و یزیدؒ'' کے مصنف کی شاید یہ جسارت ہی بعض ارباب جبّہ و دستار کی برہمی مزاج کا سبب ہوئی کیونکہ عجمی ٹکسال کی ان موضوعات ہی سے تو ان کے کاروبار کی ازدیاد رونق ہے مگر تاریخی ریسرچ نے ان میں سے اکثر کا پردہ چاک کر دیا اور اصل حقیقت منکشف ہوگئی۔ تنگ نظر اور مفاد پرست متعصبین کے علاوہ سب ہی اہل علم معترف ہیں کہ دُور رَس نتائج کے اعتبار سے اسلامی تاریخ کی یہ ایک بہت مفید خدمت انجام دی گئی ہے۔

کتاب کی روز افزوں مقبولیت کچھ لوگوں کے دلوں میں خار کی طرح کھٹکنے لگی تھی۔ چنانچہ اس کی مخالفت میں ایک محاذ بنایا گیا۔ سستی شہرت حاصل کرنے یا اپنی سنہری مصلحتوں سے بعض عبدالدراہم بھی ان میں آ شامل ہوئے اور انتظامیہ کی ذی اختیار حلقوں میں کتاب کے بارے میں غلط باتیں باور کرنے کی جدوجہد کی گئی۔ بالآخر ۱۲ اگست ۱۹۵۹ء کو کراچی کے ناظم امور (ایڈمنسٹریٹر) نے زیر دفعہ ۹۹ الف ضابطہ فوجداری اپنے حدود اختیارات کے اندر کتاب کو بحق سرکار پاکستان ضبط کر لیا۔

انتظامیہ کے غلط حکم کا تدارک تو عدلیہ ہی معدلت گستری سے ہوسکتا ہے، چنانچہ ہوا۔ ہائی کورٹ کے سپیشل بنچ نے جو تین فاضل ججوں پر مشتمل تھی حکم ضبطی کو اپنے فیصلہ مصدرہ ۱۹ دسمبر ۱۹۶۰ء کی رو سے منسوخ کرتے ہوئے اس درجہ نامناسب قرار دیا کہ ہمارے مقدمہ کا خرچہ بھی ان سے دلوایا گیا۔

روئیداد مقدمہ کا بیان تو یہاں مقصود نہیں البتہ اس بات کا اظہار کر دینا مضامین کتاب کے سلسلہ میں ضروری ہے کہ مقامی حکومت (یعنی ایڈمنسٹریٹر) نے کتاب کا کوئی مضمون یا کوئی فقرہ جو اُن کی رائے میں خلاف قانون یا قابل اعتراض تھا اور جس کی بنا پر کتاب کے ضبط کرنے کا اقدام کیا گیا تھا نہ تو حکم ضبطی میں شامل کیا، نہ اُس بیان حلفی میں جو ان کی جانب سے عدالت عالیہ میں داخل کیا گیا تھا اور نہ اُن کے وکیل ایسا کوئی مضمون وفقرہ کتاب کا بتا سکے۔ بلکہ عدالت کے استفسار پر صاف گوئی سے اس بات کا برملا اظہار کیا کہ ایڈمنسٹریٹر کے دفتر کی مرتبہ مثل مقدمہ میں کتاب کے کسی خاص فقرے کا کوئی حوالہ اور ذکر موجود نہیں ہے۔ اُن کے اس بیان پر فاضل ججوں نے اپنے فیصلہ میں یہ ریمارک کیا ہے کہ ناظم امور (ایڈمنسٹریٹر) کے وکیل کی شکست اور ہزیمت تو صریحاً واضح ہے۔ کیونکہ کتاب میں سے اگر کوئی قابل اعتراض اور خلاف قانون فقرہ وہ نکال کر بتاتے بھی تو یہ اُن کی اپنی رائے ہوتی نہ کہ مقامی حکومت (بالفاظ دیگر ایڈمنسٹریٹر) کی، جنہوں نے صرف اسی بناء پر کتاب ضبط کی تھی۔

بہر حال کتاب کے خالص علمی وتحقیقی ہونے اور بلا شائبہ کسی کی تنقیص یا کسی فرقے کی دلآزاری کے مسائل تاریخی پر اس کے بے لاگ ریسرچ کا یہی واضح اور بیّن ثبوت ہے کہ کتاب کا کوئی فقرہ ومضمون جو خلاف قانون اور قابل اعتراض متصور ہو نہ صدور حکم ضبطی کے وقت بتایا جا سکا اور نہ اس سوا سال کے عرصہ میں جب سے مقدمہ عدالت عالیہ میں دائر تھا۔ وہ یا تو ان کا سیکریٹریٹ ایسا کوئی فقرہ کتاب سے نکال کر بیان حلفی میں پیش کر سکے اور نہ اپنے وکیل کے ذریعہ عدالت کے سامنے! اُن کے فاضل وکیل کی اس بارے میں بے چارگی وتہی دستی تو اظہر من الشّمس تھی۔ کتاب میں جب کوئی مضمون خلاف قانون موجود ہی نہ تھا تو حکم ضبطی کے جواز کی پھر وہ کیا دلیل لاتے اور بغیر ثبوت کے کیا پیروی کرتے، گویا وہی بات ہوئی کہ

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

ایک علمی کتاب کے اس طرح ضبط کر لئے جانے کا ملال اپنے بیگانے اور دور نزدیک کے سب ہی علم دوست حلقوں کو تھا۔ پاکستان کی مثال کو سامنے رکھ کر جب بھارت میں بھی کتاب کی ضبطی

کی تحریک زور وشور سے بمبئی اور لکھنؤ وغیرہ میں شروع ہوئی۔ جمعیۃ العلماء کے مؤقر روزنامہ الجمعیۃ دہلی کے فاضل مدیر نے ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۹ء کی اشاعت میں ''ایک علمی کتاب'' کے ذیلی عنوان سے شذرہ لکھا تھا:۔

'' اگر کوئی شخص ایسی کتاب لکھے جس میں اونچے خیالات کے ساتھ علمی رنگ میں کسی اختلافی مسئلہ پر ریسرچ کی گئی ہو اور اس کے ذریعہ تاریخ کے بعض مخفی گوشوں کو اُجاگر کیا گیا ہو، ساتھ ہی اس میں کسی طبقہ کی دلآزاری بھی نہ کی گئی ہو، نہ اُس کے بزرگوں کو برا کہا گیا ہو تو ایسی علمی کتاب کی قدر کرنی چاہیئے۔ اگر کوئی حکومت تحقیقی لٹریچر پر بھی قدغن لگا دے تو یہ علم اور ریسرچ کے ساتھ بہت بڑی زیادتی ہوگی۔ ابھی حال میں پاکستان سے خلافت معاویہ ویزید پر ایک کتاب شائع کی گئی ہے جو ہماری نظر سے بھی گذری ہے اور جو اپنے موضوع پر اس قدر محققانہ اور مؤرخانہ ہے کہ اس سے بہتر ریسرچ کی کوئی مثال پیش نہیں کی جاسکتی ساتھ ہی اس کی متانت بھی قابل داد ہے۔

مگر ہمیں یہ سُن کر تعجب ہوا کہ پاکستان نے اسے ضبط کرلیا۔ ہوسکتا ہے کہ کتاب مذکور کے دلائل کمزور ہوں اور اُن سے کسی کو اتفاق نہ ہو۔ اس کا علاج یہ ہے کی تحقیق کے اعلیٰ پیمانہ پر اسے زیر تنقید لایا جائے۔ اور علمی رنگ میں اس کا جواب دیا جائے لیکن علمی باتوں میں حکومت پاکستان کا دخل دینا حدود کار سے تجاوز کرنا ہے۔ اس طرح تو تحقیقات کا سلسلہ یکسر منقطع ہو جائے گا اور تاریخی لٹریچر کو دریا بُرد کرنا پڑے گا۔ حکومتِ پاکستان نے اس کتاب کو ضبط کر کے ایک بُری مثال قائم کی ہے۔ جسے بہر حال جمہوری مُلک میں برداشت نہیں کیا جاسکتا۔''

(روزنامہ الجمعیۃ دہلی جلد نمبر ۴۴ شمارہ نمبر ۲۸۱۔ مؤرخہ ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۹ء)

مگر واقعات کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ مدیر الجمعیۃ نے جس کتاب کی علمی حیثیت کی مندرجہ بالا شذرہ میں ثناء وصفت کی ہے اسی کتاب کی مخالفت میں اور اِسی اخبار کے کالموں میں اور اسی ادارہ کے ناظم نے جس کا یہ اخبار (الجمعیۃ) ہے، شدومد کے ساتھ یکا یک مخالفت شروع کردی اور وہ بھی علمی و تاریخی وتحقیقاتی مسائل کی بناء پر نہیں بلکہ اپنے ادارہ جمعیۃ العلماء اور اپنی علمی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کے اقتصادی مفادات کے تحفظ کیلئے۔

تفصیل اس اجمال کی مختصراً یہ ہے کہ الجمعیۃ کے مندرجہ بالا شذرہ کی اشاعت یعنی (۱۲ اکتوبر ۱۹۵۹ء) کے چھ سات دن بعد سے بمبئی کے ہفتہ وار اخبار ''طوفان جدید'' نے اِن دونوں اداروں یعنی جمعیۃ العلماء اور دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اور ناظم کو کتاب ''خلافت معاویہؓ ویزیدؒ'' کی تصنیف وتالیف میں شریک بتا کر وہاں کی مسلم پبلک اور مسلمان تاجروں کو جن سے ان اداروں کو چندہ کی گرانقدر رقوم عطیات ملتے ہیں، بھڑکانا شروع کیا۔ ۲۵ اکتوبر ۱۹۵۹ء کی اشاعت میں (شمارہ نمبر ۱۲ جلد نمبر ۱۱) بحرف جلی یہ لغو بیانی کی گئی:

> '' کتاب خلافت معاویہ ویزید کی تصنیف وتالیف میں
> شیخ جامعہ دیوبند مولانا محمد طیب قاسمی، مولانا عتیق الرحمٰن
> ومولانا حفظ الرحمٰن کا ہاتھ ہے۔''

پھر اسی مضمون میں ''مصنف کون ہے'' کی ذیلی سُرخی سے یہاں تک لکھ مارا کہ:

> ''کتاب خلافت معاویہ ویزید'' کسی ایک دماغ کی کاوش کا نتیجہ نہیں کہی
> جاسکتی بلکہ اس کے مرتب کرنے میں کئی اصحاب کا ہاتھ ہے۔۔۔
> بعض ابواب وحصص کے طرز بیان میں شیخ الحدیث سرخیل جامعہ
> دارالعلوم دیوبند عظیم المرتبت الحاج محمد طیب صاحب قاسمی کا رنگ
> چھلکتا ہے۔ اور جہاں جمہوریت کی تواریخ اور منشاء کا اظہار
> کیا گیا ہے اور اُموی سیاست پر بحث کی گئی ہے وہاں بطل حریت
> ضیغم دیوبند عزت مآب مولانا حفظ الرحمٰن کی عظمت چھلکتی
> دکھلائی دیتی ہے۔۔۔۔'' (وغیرہ وغیرہ من الھفوات)

اس مبتذل اخبار کے چیف ایڈیٹر نے اپنے نام کے ساتھ سگِ بارگاہ چشتیہ کے الفاظ لکھے ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم (قاری محمد طیب قاسمی) اور دارالعلوم دیوبند کے نامور فرزند (مولانا حفظ الرحمٰن) پر اس کی یہ غراہٹ اپنے اسی مسلک کے تقاضے سے تھی۔ کتاب کی مخالفت میں جو زبردست پروپیگنڈا بمبئی میں کیا جارہا تھا، ان حضرات کو اور ان کے ذریعہ دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ العلماء کو ہدف ملامت بنانے کیلئے کتاب کی تالیف وتصنیف کی شرکت کا اتہام ان کے سر تھوپا گیا تھا۔

مزید ثبوت یہ کہ ۲۷ اکتوبر کو جو ضمیمہ نکالا گیا اس میں بحروف جلی یہ مضحکہ خیز لغو بیانی بھی اسی مقصد سے کی گئی:

"خلافت معاویہ ویزید کا مصنف محمود عباسی یوپی جمعیۃ العلماء کا سیکریٹری ہے۔"

ے یوپی جمعیۃ العلماء کے سیکریٹری ہونے کا شرف تو تقسیم ملک سے پہلے بھی کبھی حاصل نہ ہوا تھا چہ جائیکہ کراچی میں مستقلاً مقیم ہوکر یہ خدمت انجام دینا! اپنے سابقہ سیاسی مسلک کے اعتبار سے جمعیۃ اور اسکے مقاصد سے دلچسپی ضرور تھی اور اسکے متعدد زعماء سے مراسم محبت ویگانگت کے بھی رہے تھے بالخصوص مولانا حفظ الرحمٰن سے جن کا قیام میرے مولد ومنشاء وسابقہ وطن امروہہ میں چند سال اُس زمانہ میں رہا تھا کہ امروہہ کانگریس کمیٹی کا میں صدر تھا اور وہ ممبر اور یوں ہم دونوں کو شب وروز کی یکجائی کے مواقع مہینوں کیا برسوں تک حاصل رہے تھے۔ پرائیویٹ صحبتوں کے علاوہ مجامع عام میں جلسہ جلوس کے ہنگاموں میں اکثر وبیشتر ساتھ رہتے۔ پنڈت جواہر لال نے جب ہمارے علاقہ میں الیکشن کا تاریخی دورہ کیا تھا، ہمیں دونوں اُن کے ساتھ ساتھ قصبات ودیہات میں پھرتے اور جلسوں کے انتظامات کرتے تھے۔ مگر سیاسی مشغلوں ہی تک ہمارے تعلقات محدود نہ تھے، اُس وقت بھی رہے جب آنریری مجسٹریٹی کے تقرر سے عملاً سیاست سے علیحدگی رہی تھی اور اُس وقت بھی رہے جب ناظم جمعیۃ کی حیثیت سے مولانا کو دہلی میں قیام کرنا ناگزیر ہوا اور مجھے کانگریسی نیتاؤں میں فرق آتا دیکھ کر نیز مغربی اضلاع یوپی میں جو مظالم مسلمانوں پر ڈھائے گئے میرے بھانجے کو جو گڈھ مکتیشر کے زمیندار اور وہاں کی کانگریس کمیٹی کے صدر تھے بعض کانگریسیوں نے ہی وحشیانہ بربریت سے قتل کرایا تھا۔ میرے اہل خاندان داماد اور بھائیوں بھتیجوں کو جان بچانے کی تگ ودو کرنی پڑی تھی، نہ صرف مجسٹریٹی سے مستعفی ہوگیا بلکہ کانگریس کی ممبری تک سے؛ بایں ہمہ ہمارے تعلقات محبت قائم رہے۔ اور اب کہ ہم دونوں تو وطن کے اعتبار سے بھی جدا ہیں اور مسلک کے لحاظ سے بھی اُن کے خلوص کا اثر اب بھی قلب حزیں میں محسوس کرتا ہوں۔

ما ومجنوں ہم سبق بودیم در دیوان عشق　　او بصحرا رفت وما در کوچہا رسوا شدیم

اس یادہ گو اخبار نویس کو ہمارے تعلقات کا کیا علم، اُس نے تو اس ذلیل مقصد سے یہ کذب بیانی کی ہے کہ مصنف کتاب کو جمعیۃ کا سیکریٹری بتا کر اراکین جمعیۃ کو بھی اس سب وشتم میں شامل کردے جو کلکتہ سے پشاور تک مصنف کے خلاف مہینوں برپا رہا تھا۔

پھر اسی اخبار کی ایک اور اشاعت (نمبر ۱۹، ۲۰) میں معطیان دارالعلوم دیوبند اور رقوم چندہ دینے والے طبقہ کی رائے پر اثر ڈالنے اور گمراہ کرنے کی غرض سے ایک طویل مضمون شائع کیا گیا جو سراسر بہتان طرازی سے مملو تھا۔ اسکے جلی عنوانات کے بعض فقرے یہ تھے:

'' سرزمین دیوبند کی ایک نئی آواز۔''

'' امیر المؤمنین جناب یزید علیہ الرحمۃ جائز اور حقدار حلیفہ تھے۔''

'' غمگساران اہلبیت وجان نثاران حسین کے لئے لمحہ فکریہ۔''

'' تحفظ ناموس رسالت کے فدائی کہاں ہیں، سُنی جمعیۃ العلماء کے مجاہد کس خیال میں ہیں۔''

وغیرہ وغیرہ

اب ٹیپ کا بند ملاحظہ ہو چندہ بند کرنے کی غرض سے لکھا گیا تھا:

'' چونکہ دارالعلوم دیوبند کی کاروباری ہستی اور ذہنی زندگی کا حقیقی دارومداران حضرات کے عطیہ کا مرہون منت ہے جو یزید کو روسیاہ قرار دیتے ہیں۔ جو حسینیت کے گرویدہ ہیں۔ جو سیدنا حسین کی شہادت عظمیٰ کو اساس لا الہ قرار دیتے ہیں، جو بغض للہی کا شکار نہیں بلکہ حُب نبی، حُب علی اور حُب اہل بیت کے فدائی، جاں نثار اور شیدائی ہیں۔

ان کے عطیہ کا محل استعمال اس قدر دلآزار اور حقائق سے بعید منظر عام پر محض اس لئے پیش کیا جارہا ہے۔۔۔۔۔۔(الی آخرہ)

یہ بکواس یادہ گو اخبار نویس کی لائق اعتناء نہ تھی مگر معاملہ تھا دارالعلوم کے عطیات اور چندہ کی رقوم کا گویا مہتمم دارالعلوم کی دکھتی رگ ''سگ بارگاہ چشتیہ'' کی گرفت میں اس طرح جب آ گئی بے چارے بلبلا اُٹھے اور کتاب سے اپنی لاتعلقی ہی کا نہیں کہ امر واقعہ تھا مگر اپنی بیزاری کا اعلان فی الفور تمام اخبارات میں بذریعہ تار کراتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ کتاب مذکور کی تصریحات ''مسلک اہل سنت والجماعت اور ہمارے جذبات اور احساسات کے سراسر خلاف اور منافی ہیں۔'' اس اعلان بیزاری کے ساتھ ساتھ دارالعلوم کے طلبہ کے جلسے منعقد کرائے گئے، کتاب کے مسلک اہل سنت والجماعت کے خلاف ہونے کی

قراردادیں بھی مشتہر کی گئیں ساتھ ہی اس کے ضبط کرانے کی کوششیں شروع ہوئیں۔ دارالعلوم ندوہ کے ایک فاضل اُستاد نے ''دیوبند سے ایک عجیب بیان'' کے عنوان سے صدق جدید مؤرخہ ۱۳ نومبر میں مہتمم دارالعلوم دیوبند کی اس جدوجہد کے سلسلہ میں جو کتاب کی مخالفت میں کر رہے تھے، لکھا تھا:

'' کتاب خلافت معاویہ و یزید تو زلزلہ فگن ثابت ہوئی۔ اگر شیعہ حضرات اس کی اشاعت سے مضطرب ہیں تو تعجب نہیں ہے مگر بعض اہل سُنت کا اُن کا ہمنوائی کرنا حیرت انگیز ہے۔ خصوصاً مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند کا یہ اعلان اور بھی تحیر خیز ہے کہ کتاب کے مضامین مسلک اہلسنت والجماعت کے خلاف اور جذبات کو مجروح کرنے والے ہیں۔ ----------

میں نے کتاب اول سے آخر تک دیکھی، اس کا موضوع تاریخی واقعات ہیں نہ کہ مذہبی عقائد، ہاں اگر کوئی شخص ایک عقیدہ قائم کر کے واقعات وحوادث کو ان کے مطابق بنانا چاہے تو تحقیق کے بعد اس کی سعی لاحاصل کی لذت ختم ہو جانا بعید از قیاس نہیں اسلئے کہ واقعات کا ہمارے خیالات کے مطابق ہونا ضروری نہیں۔ مذہب اہلسنت والجماعت تو اس طرز فکر کی تعلیم نہیں دیتا اس سے اس کتاب کے مضامین کا تصادم بالکل خلاف عقل ہے۔ ----------

اگر یہ ثابت ہو جائے کہ (یزید قتل حسینؓ کے) جرم کا مرتکب ہی نہیں ہوا تو اُس کی مذمت یا اُس سے عداوت ونفرت کے لئے کیا وجہ جواز ہو سکتی ہے؟ یہ ذہنیت بالکل ناقابل فہم ہے کہ واقعہ خواہ کچھ بھی ہو مگر ہم تو یزید کو بہر حال مجرم ہی سمجھیں گے۔ گویا اُسے مجرم سمجھنا کوئی مخصوص عقیدہ ہے جس پر قائم رہنا اور اُس کے خلاف تاریخی شہادتوں کو رد کر دینا عین واجب ہے۔ مذہب اہلسنت والجماعت تو ہرگز اس طرزِ فکر کو جائز نہیں قرار دیتا۔ اسی تاریخی مسئلہ کو اگر کتاب میں پیش کیا گیا ہے تو غریب مصنف نے کیا جُرم کیا ہے؟ اور مسلک اہلسنت والجماعت کی کون سی مخالفت کی ہے۔ ----- کتاب کے ضبط کرانے کی کوشش تو اعتراف شکست کے مترادف ہے وہ اگر غیر مہذب ہوتی تو مطالبہ بجا ہوتا۔ مگر طرزِ بیان تو شروع سے آخر تک مہذب وسنجیدہ ہے۔ کسی دینی پیشوا کی شان میں کوئی گستاخی و بے ادبی نہیں کی گئی۔ تنقید میں بھی تہذیب وشائستگی کا دامن کہیں ہاتھ سے نہیں چھوٹا پھر اسے ضبط کرانا کیا معنی۔ اگر ایسی مہذب کتاب صرف اسلئے ضبط ہو سکتی ہے کہ وہ شیعی عقائد کے خلاف ہے تو ان سب کتابوں کو بدرجہ اولیٰ ضبط ہونا چاہیئے

جوعقائد و جذبات اہلسنت کے بالکل خلاف ہیں اور جن میں صراحت کے ساتھ صحابہ کرم خصوصاً خلفاء ثلاثہ کی شان میں ناگفتہ بہ بے ادبیاں اور گستاخیاں کی گئی ہیں۔

اگر یہ کتاب ضبط ہوئی تو یہ بہت بڑی ناانصافی ہوگی اور بہت بُری نظیر قائم ہوجائے گی جس کے بعد مذہبی لٹریچر کی اشاعت مشکل ہوجائے گی۔''

مگر وہاں تو مطلب سعدی دیگر است کا مضمون تھا۔ کتاب کا جو بھی حشر ہو دارالعلوم کا چندہ بند نہ ہو۔ مردود دوزخ میں جائے یا بہشت میں انہیں اپنے حلوے مانڈے سے کام۔ چنانچہ بھارت کے ایک دینی ادارے کے ممتاز رُکن نے اُسی زمانہ میں راقم الحروف کو لکھا تھا:

'' دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء کی طرف سے کی گئی مخالفت کی ایک وجہ یہ ہے کہ۔۔۔۔ نے آزادی کے بعد پیدا شدہ مشکلات میں مسلمانوں کی حمایت اور پُشت پناہی زوروں سے کی۔ دہلی، بمبئی اور کلکتہ کے مسلمان تاجر جو مختلف فرقوں سے تعلق رکھتے ہیں اُن کے ممنون احسان ہوئے اور اُن سے قریب ہوتے گئے۔ اُنہوں نے ۔۔۔۔۔ کو جمعیۃ علماء کیلئے گرانقدر رقوم دیں اور جن اداروں کیلئے ۔۔۔۔۔ نے سفارشیں کیں ان کیلئے یہی آپ کو معلوم ہے کہ ان تاجروں میں آغا خان اور مُلّا طاہر سیف الدین وغیرہ کے متبعین بہت ہیں۔۔۔۔۔ کو یہ پسند نہیں کہ جو قربت پیدا ہوچکی ہے اس میں کوئی نقصان پہنچے چنانچہ انہی۔۔۔۔۔ تاجروں سے تعلقات کو باقی رکھنے کیلئے آپکی کتاب کی مخالفت کی گئی ہے۔''

غرضیکہ تاریخ کی اس کتاب کو جو فرقہ وارانہ مسائل سے کوئی تعلق نہیں رکھتی، جب ذاتی اور دینوی مفادات کی خاطر بعض علمائے سوء ''حرب عقائد'' کا اکھاڑہ بنانے کی کوششیں کررہے تھے۔ مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی نے کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ:۔

''مکرر عرض ہے کہ کتاب عقائد و مناظرہ کی ہرگز نہیں۔ اس کو کتاب الحرب سمجھنا یا اس کو حرب عقائد کا اکھاڑہ بنالینا نہ صرف کتاب کی روح پر بلکہ خود اپنی قوت نقد و نظر پر بھی ظلم کرنا ہے۔ اس کا دائرہ بحث و نظر تمامتر تاریخی ہے اور مؤرخین ہی کو اس پر رائے زنی کا حق حاصل ہے۔'' (صدق جدید)

مگر غرض کے بندوں کو کیوں چین آتا۔ ایک اور شخصیت پرست جماعت نے تو ہندوؤں اور سکھوں کو اپنے احتجاجی جلسوں میں نہ صرف مدعو کیا بلکہ انہی کے زیر صدارت جلسے منعقد کئے

اور ان غیر مسلموں کی ہمدردی حاصل کرنے کیلئے مضامین لکھے گئے۔ جن میں کہا گیا کہ مصنف ''خلافت معاویہ ویزید'' اس گروہ سے ہے:۔

''جس کے بعض[1] افراد نے ہندوستان پر حملے کر کے یہاں مندروں کو لوٹا اور تباہ کیا اور عورتوں اور بچوں کو اتنی کثیر تعداد میں غلام بنا کر لے گئے کہ غزنی کے بازار میں ٹکے ٹکے غلام بکنے لگے۔ یہی گروہ تھا جس نے تنظیم کر کے سکھوں سے جنگ کی اور اس کا نام جہاد رکھا۔ اور آج بھی سکھوں کے مقابلہ میں کام آنے والے اس ہی وہابی مقتولین کو شہید[2] کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہی وہ گروہ ہے جو آج بھی مسجد کے سامنے باجا بجا دینے پر اپنے پڑوسیوں پر حملہ کر دیتا ہے۔ یہی وہ گروہ ہے جس کی تحریکیں نئے نئے لباس پہن کر دنیا کے سامنے آتی رہیں۔ کبھی تحریک خلافت کی شکل میں، کبھی تحریک گاؤکشی کی شکل میں، کبھی جماعت اسلامی کی شکل میں، کبھی عزاداری کی مخالفت کی شکل میں اور کبھی محفل میلاد اور اولیائے باخدا کے مزاروں پر حاضری دینے کی مخالفت کی شکل میں۔'' (ضمیمہ اخبار سرفراز لکھنؤ۔ مؤرخہ ۳۰ ستمبر ۱۹۵۹ء)

اس ہذیان سرائی کے بارے میں تو کچھ کہنا نہیں۔ اسی ذہنیت کے لوگوں کی کوشش سے مسجد آصفی (لکھنؤ) کے احتجاجی جلسے کی صدارت ایک ہندو نے کی اور دوسرے ہندو ایم، ایل، اے مہابیر پرشاد سریواستو نے ضبطی کتاب کا ریزولیوشن پیش کیا۔ لکھنؤ کے علاوہ دیگر مقامات پر بھی جلسے ہوئے اور اسی قسم کی قراردادیں منظور کر کے وزیرِ اعلیٰ و گورنر یوپی کو بھیجیں گئیں۔ مگر اس اسٹیٹ میں تو کتاب ضبط نہ ہوئی حالانکہ وزیر عدل و قانون ایک شیعہ ہی ہیں۔ بھارت میں یہ کتاب ضبط ہوئی بھی تو اُس کی راجدھانی اور جمعیۃ العلماء کے مرکزی مقام دہلی میں جہاں کے چیف کمشنر نے ۲۷ نومبر ۱۹۵۹ء کو اس بے بنیاد الزام پر حکم ضبطی صادر فرمایا کہ کتاب میں ایسے مضامین ہیں جو بہت ممکن ہے کہ انڈیا کے مختلف فرقوں میں عناد و منافرت کا موجب ہوں مگر کتاب کے کسی ایسے مضمون یا فقرہ کا حوالہ نہ آرڈر میں ہے نہ ایسا کوئی مضمون حکومت کے مشیر قانونی بتا سکے اور نہ جمعیۃ کے ناظم جن کے بارے میں اطلاع ملی ہے کہ وہ ضبطی

---

۱ مراد ہے سلطان محمود غزنوی سے ۲ حضرت سید احمد شہید بریلویؒ اور اُن کی جماعت مراد ہے۔

کتاب کے متبرک کام میں بہت کوشاں رہے۔ دہلی کے جس مطبع[1] نے یہ کتاب بلا اجازت مصنف طبع کی تھی اُسی نے ضبطی کے حکم کے خلاف اپیل دائر کی ہے جو زیر سماعت ہے۔ بہرحال بھارت دیش میں کتاب کے ضبط ہو جانے کے بعد بھی مفاد پرستوں کو چین نہ آیا۔ قاری طیب صاحب دیوبندی نے کتاب کے موضوع اور اس کے اصل مباحث سے یکسر ہٹ کر اور یہ فرماتے ہوئے کہ:۔

''میرا مقصد اس مختصر مقالہ میں نہ پوری کتاب پر تنقید ہے نہ اسکے تمام مباحث پر ردوقدح۔ صرف کتاب کے بنیادی حصہ حسین و یزید کے سلسلہ میں شرعی حیثیت اور مذہب اہل سنت والجماعت کو سامنے رکھ کر کلام کرنا ہے۔'' (ص ۱۸)

''شہید کربلا اور یزید'' نام سے ایک مختصر سی کتاب شائع کر ڈالی جس کے سرورق پر بحروف جلی تحریر ہے کہ:۔

''ناموس سبط رسول کو بازیچہ اطفال بنانے والوں کیلئے عظیم دعوتِ فکر۔''

یہ تو آپ پہلے ہی پڑھ چکے ہیں کہ اخبار ''طوفان'' کے مدیر نے جو اپنے نام کے ساتھ ہر جگہ ''سگِ بارگاہ چشتیہ'' تحریر فرماتے ہیں لکھا تھا کہ بمبئی کے معطیان و سرپرستان دارالعلوم دیوبند وہ لوگ ہیں:۔

''جو یزید کو روسیاہ قرار دیتے ہیں۔''

''جو حسینیت کے گرویدہ ہیں۔''

''جو سیدنا حسین کی شہادت عظمیٰ کو اساس لا الہ قرار دیتے ہیں۔''

اس کے ساتھ یہ آواز لگائی تھی۔

''تحفظ ناموس رسالت کے فدائی کہاں ہیں!''

خدا سوئے ظن سے بچائے واقعاتی شہادت سے واضح ہوتا ہے کہ اس آواز پر طیب صاحب ہی نے لبیک

---

۱ کوہ نور پریس کی اپیل سے ظاہر ہے کہ مصنف کتاب سے اجازت حاصل کئے یا ان کو اطلاع کئے بغیر روحانی کتب خانہ پل بنگش کے کسی شخص نے یہ کتاب چھپوا کر فروخت کی حالانکہ بھارت میں اس کے پہلے ایڈیشن کی طباعت کا حق مصنف نے مکتبہ ہلال الہ آباد کو تحریراً دے دیا تھا۔

کہنے میں سبقت کی اور شہادت عظمیٰ کے ثبوت میں کتاب لکھی۔ جس کے لفظ لفظ سے اور مکذوبہ روایتوں کی بھرمار سے ظاہر ہے کہ ''حسینیت کی گرویدگی'' کے ساتھ ساتھ ''یزید کی روسیاہی'' سے اپنے یہ اوراق سیاہ کرڈالے ہیں۔ مگر آیت تطہیر و اہلبیت کی غلط تعبیریں کرنے کے بعد بھی اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے نظر نہیں آتے تاوقتیکہ تطہیر جس کے ساتھ جو حسب فرمان خداوندی صرف اور محض ازواجِ مطہرات کے لئے ہے نہ آپ کے کسی اور قرابت دار کیلئے وہ عصمت حسینؓ کو بھی اپنے مسلک میں شامل نہ کرلیں۔ بقول صاحب مصباح الظلم وایضاحُ الیہم، یعنی (نواب امداد امام پدر سر علی امام)

''امام علیہ السلام کی شہادت کے وہی حضرات قائل ہوسکتے ہیں جو آپ کو معصوم اور رسول اللہ ﷺ جانشین برحق جانتے ہیں مگر جو حضرات آپ کو معصوم اور برحق جانشین پیغمبر خدا کا نہیں سمجھتے وہ آپ کی شہادت کے قائل ہی نہیں ہوسکتے اور ایسی صورت میں آپ کو مظلوم بھی نہیں مان سکتے پس جناب امام حسینؑ کے ساتھ ہمدردی کے لئے اور آپ کی شہادت سے اعتراف رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی آپ کی عصمت اور آپ کی خلافت حقہ کا عقیدہ رکھے۔ ظاہر ہے کہ جب عصمت شرط خلافت نہیں مانی گئی تو یزید کے خلیفہ برحق ہونے میں کیا انکار ہوسکتا ہے۔[۴۲] ایسی صورت میں جناب امام حسینؑ باغی خلافت کے سوا اور کیا قرار پاسکتے ہیں پھر باغی کے ساتھ ہمدردی کیسی اور باغی کی ہلاکت شہادت کیسی؟ ہمیں نہایت تعجب ہے ایسے لوگوں سے جو جناب امام حسینؑ کی شہادت کے بھی قائل ہیں اور آپ کی عصمت سے انکار بھی رکھتے ہیں۔'' (ص ۱۳۴)

یہ تو طیب صاحب ہی جانیں کہ غیر نبی کی عصمت بھی اُن کے مسلک اور عقیدہ کا جزو ہے۔ انہوں نے تو مصنف ''خلافت معاویہ و یزید'' کی نیت پر حملہ کرتے ہوئے تین منصوبے منسوب کئے ہیں یعنی حضرت حسین کی صحابیت کی نفی کرنے کیلئے، انکی عمر وفات نبوی کے وقت صرف پانچ برس دکھلانا، دوسرے اُن کے ذاتی کردار اور تیسرے اُن کی اُفتادِ طبعیت کا اظہار۔ جس کسی نے بھی ہماری کتاب کا مطالعہ کیا ہوگا وہ اندازہ کرسکتا ہے کہ حضرت حسینؓ کی صحابیت سے کہیں بھی انکار نہیں کیا گیا ''رضی اللہ عنہ'' کی علامت ہر جگہ اُن کے نام کے ساتھ لکھی ہے اور اُن کی طہارتِ طینت کے بارے میں یہ فقرات بھی

کتاب کے صفحہ ۱۷۸ پر تحریر ہیں:۔

''بہر حال حضرت حسینؓ کی طہارتِ طینت کی برکت تھی کہ آپ نے بالآخر اپنے مؤقف سے رجوع کرلیا۔۔۔حضرت حسینؓ کی یہ سعادت کبریٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خروج عن الجماعت کے شر سے محفوظ رکھا اور بالآخر اس کی توفیق ارزانی فرمائی کہ جماعت کے فیصلہ کی حرمت برقرار رکھنے کا اعلان کردیں۔''

عُمر کا ذکر تو ضمناً آ گیا تھا، اس ذکر سے نفی صحابیت کا تو کوئی سوال ہی نہ تھا۔ حضرت فاطمہؓ کا نکاح حضرت علیؓ سے صحیح روایت کے بموجب غزوہ اُحد کے بعد ہوا تھا:۔

" انکح رسول الله صلی الله علیه و سلم فاطمة علی بن ابی طالب بعد وقعة احد"

(حاشیہ صحیح البخاری باب مناقب فاطمہ ج ا ص ۵۳۲)

کرمانی کا بھی قول یہی ہے نیز استیعاب وازالۃ الخفاج ۴ ص ۲۵۴ کی ایک روایت میں بھی بعد غزوہ اُحد نکاح کا ہونا بتایا گیا ہے۔ غزوہ اُحد ۳ ہجری کے آخر میں یعنی ماہ شوال میں ہوا تھا۔ اس حساب سے حضرت فاطمہؓ کے فرزند اکبر حضرت حسنؓ کی ولادت ۴ ہجری کے آخر یا ۵ ہجری کے شروع میں ہوئی تو لامحالہ حضرت حسینؓ کی ولادت ۶ ہجری میں۔ ابن قتیبہ نے المعارف میں ابن اسحٰق کی روایت کے حوالہ سے حضرت حسنؓ ہی کی ولادت سن ۶ ہجری بتائی ہے۔ (المعارف ص ۶۹) تو اس طرح حضرت حسینؓ کی ولادت سن ۷ ہجری میں ہوئی۔ پس ان تصریحات سے جب حضرت حسینؓ کا وفات نبوی ﷺ کے وقت چار پانچ سال کا ہونا ثابت ہے تو صحابیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا چہ جائیکہ صحابی جلیل ہونے کا۔ روایتیں وضع کرنے والوں نے حضرت علیؓ اور آپ کے ان صاحبزادوں کی عمروں کو بڑھایا ہے اور جن سے ان کا سیاسی اختلاف رہا اُن کی عمریں گھٹا کر بیان کی ہیں۔ مثلاً اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ ہیں وہ اپنی بڑی بہن حضرت اسماءؓ سے دس برس چھوٹی تھیں اور حضرت اسماءؓ کی وفات ۷۳ھ میں سو برس کی عمر میں ہوئی اس حساب سے ہجرت کے وقت اُن کی عمر ۲۷ برس کی تھی تو حضرت عائشہؓ کی عمر لامحالہ سترہ برس کی تھی۔

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۳۴۶ واکمال فی اسماء الرجال وتجرید بخاری وغیرہ)

مگر روایتوں میں جو کتب احادیث وغیرہ میں بھی درج ہیں اور البدایہ والنہایہ میں بھی ان کی عمر بوقت نکاح چھ برس اور بوقت خلوت صحیحہ نو برس بتائی گئی ہے۔ان وضاعین کو یہ خیال کیسے آتا کہ آنحضور ﷺ کی ذاتِ اقدس پر اس سے کیا اثر پڑتا ہے۔خود حضرت علیؓ کی عمر کے بارے میں کتنی مختلف روایتیں ہیں۔ حالانکہ یہ ثابت ہے کہ غزوہ بدر کے وقت وہ پورے بیس برس کے نہ تھے۔ اپنی عمر کے بارے میں خود حضرت علیؓ کا یہ قول کامل المبرد وعقد الفرید وشرح نہج البلاغۃ میں درج ہے کہ: ''**لقد نهضت فيها وما بلغت العشرين**'' (یعنی میں ہنوز پورا بیس برس کا بھی نہ تھا کہ بدر لڑائی کیلئے اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔)

غزوہ بدر ۲ھ کے آخری حصہ میں ہوا۔اس حساب سے ہجرت کے وقت وہ اٹھارہ برس کی عمر کے تھے۔تو بعثت رسول اللہ ﷺ کے وقت صرف پانچ برس عمر تھی مگر روایتوں میں اُس وقت اُن کی عمر آٹھ نو برس سے لیکر پندرہ برس تک بیان کی گئی ہے۔

سن وسال کا یہ ذکر تو نفی صحابیت کی الزام تراشی کے سلسلہ میں آگیا ورنہ طیب صاحب کی کتاب پر بعض اہل علم مولانا صہیب رومی ومولانا عامر عثمانی نے ماہنامہ ''تجلّی'' دیوبند کے چند شماروں میں تفصیلاً جرح کی ہے اوران کی چابکدستیوں اور ساختگیوں کے بخیئے اچھی طرح اُدھیڑے ہیں۔ یہاں اُنکی اور دوسرے حضرات کی کتابوں پر جرح ونقد مقصود نہیں، اسکے لئے جدا رسالہ زیر تالیف ہے۔ یزید دشمنی نے طیب صاحب کے بڑھتے بڑھتے بغض معاویہؓ تک پہونچا دیا ہے۔شاہ عبدالعزیزؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ رُشد خلافت ختم ہوتے ہی حضرت حسنؓ نے اسی لئے خلافت چھوڑ دی تھی کہ اہل اللہ کے خواہش کرنے کی یہ چیز نہیں رہی تھی۔ بالفاظ دیگر حضرت معاویہؓ اُن کے نزدیک اہل اللہ نہ تھے اور نہ رُشد خلافت اُن کو مطلوب تھا۔مگر شاہ ولی اللہؒ نے جزم کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے متعدد ارشادات کی رُو سے ثابت کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد رُشد خلافت کیا خلافت خاصہ وعلیٰ منہاج النبوۃ کا زمانہ ہی ختم ہوکر زمانہ شر شروع ہوگیا تھا۔قتل عثمانؓ سے جو فتنہ پیدا ہوا اور اُمت میں خون کی ندیاں بہ گئیں اس زمانہ کو ''زمان شر'' کہا ہے۔ اور اس سے ماقبل کو ''زمان خیر'' پھر جس سال سیدنا معاویہؓ کا استقرار

خلافت ہوگیا اور اُمت نے اس کو ''عام الجماعت'' کا نام دیا زمانہ خیر کی برکات پھر عود کر آئیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں:۔

'' بنقل متواتر که در شرعیات نقلے معتمد ترازان یافته نمی شود بثبوت پیوسته که آنحضرت صلعم فتنه را که نزدیك مقتل حضرت عثمان پیدا شد مطمح اشاره ساخته اندو آنرا بتفصیلے که زیاده ازاں در شرایع یافته نشود بیان فرموده اندو آنراحد فاصل نهاده اند درمیان زماں خیر د زماں شر و گواهی داده اند که دریں وقت خلافت علی منهاج النبوة منقطع شود و ملك عضوض پدید آید و معنی عضوض دلالت می کند بهر حروب و مقاتلات و جهیدن یکے بر دیگرے و منازعت یکے با دیگرے در ملك و لهذا در احادیث بسیار خلفائے ثلاثه راد ریك حکم جمع کر دند تا آنکه ظن قوی بمهر سید که هر سه بزرگ فی مرتبه من المراتب متفق اندوغیرایشان در آن مرتبه شریك نیست۔''

(ازالۃ الخفاج اص۱۴۲)

شاہ صاحب حضرت علیؓ کے فضائل ذاتی کے معترف ہونے کے باوجود ان کے زمانہ کو خلافت علی منہاج النبوت نہیں کہتے۔ خلافت کیلئے اُس زمانے میں جو جدال وقتال ہوئے اُن کی بناء پر اُس زمانہ کو زمانہ شر سے تعبیر کرتے ہیں اور ان کو اصحاب ثلاثہ کے ہم مرتبہ بھی نہیں سمجھتے بلکہ حضرت زبیرؓ وطلحہؓ وعبدالرحمٰنؓ بن عوف وسعد بن ابی وقاصؓ کے ساتھ ان کا شمار کرتے ہیں۔ یہی مسلک امام احمد بن حنبلؒ کا تھا۔ فتنہ اولیٰ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

'' مبداء ایں فتنه خلافت حضرت مرتضی است آنحضرت نخسبت از خلافت حضرت مرتضی خبر دادند که منتظم نشود۔'' (ازالۃ الخفاء ج اص۱۵۲)

وہ حضرت علیؓ کو مستحق خلافت جانتے ہیں مگر ساتھ یہ کہتے ہیں کہ خلافت ان کی عملاً وفعلاً قائم نہیں ہوئی۔ دوسری جگہ کہتے ہیں کہ:

'' انعقاد بیعت برائے او وجوب انقیاد رعیت فی حکم الله نبسبت او متمکن نشد

در خلافت و در اقطار ارض حکم او نافذ نگشت و تمامه مسلمین تحت حکم اوسر فروینا ور دند و جهاد در زمان دے رضی الله عنه بالکلیه منقطع شد و افتراق کلمه مسلمین بظهور پیوست و ایتلاف ایشان رخت بعدم کشید۔'' (ج۱ص۱۳۲)

پھر ایک مقام پر تسلیم کرتے ہوئے کہ حضرت علیؓ کی ذات میں اوصاف خلافت خاصہ کے تھے۔ لکھتے ہیں کہ خلافت پر وہ متمکن نہ ہو سکے اور نہ اُن کا حکم نافذ ہو۔

ایک فرقہ کے اصرار استخلاف حضرت علیؓ اور اُن کی اولاد کے بارے میں صاف کہتے ہیں:۔

''در عنایت ازلی مقرر بود که هیچگاه حضرت مرتضیٰ و اولاد و تادامان قیامت منصور نشوند هیچگاه خلافت ایشان علیٰ وجهها صورت نگیرد بلکه از میان ایشان هر که دعوت بخود کند و سر بقتال بر آرد مخذول بلکه مقتول گردد۔'' (ج۱ص۲۸۴)

شاہ صاحب نے تو اپنے طرز پر یہ گفتگو کی ہے۔ واقعات تاریخ خود شاہد ہیں کہ سیاسی معاملات میں نہ حضرت علیؓ کامیاب ہو سکے نہ اُن کی اولاد۔ برخلاف اُن کے سیدنا معاویہؓ نے اپنے لاثانی تدبر و فراست و حلم و کرم سے ملّت کی بگڑی حالت سنوار دی۔ حضرت عمر الفاروقؓ ان کی انتظامی قابلیت کی ہمیشہ تعریف فرمایا کرتے تھے۔ شاہ صاحب ہی ایک واقعہ لکھتے ہیں:

ذُم معاوية عند عمر يوماً فقال دعونا من ذُمّ فتى قريش مَن يضحک فی الغضب ولا يُنالُ ما عنده الاعلى الرضى ولا يوخذ ما فوق راسه الامن تحت قدميه

(ج۲ص۷۵)

ایک دن حضرت عُمرؓ کے سامنے حضرت معاویہؓ کی برائی کی گئی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ قریش کے اس جوان مرد کی عیب جوئی سے مجھے معاف رکھو وہ ایسا جواں مرد ہے کہ غصہ می ہنستا ہے اور اس سے کچھ حاصل نہیں کیا جا سکتا بغیر اس کی رضا کے اور جو کچھ اس کے سر پر وہ صرف اس کے قدموں ہی کے نیچے سے حاصل ہو سکتا ہے یعنی اسکی تکریم و رضا ہی کے ساتھ۔

طیب صاحب نے رُشد خلافت کی وضعی روایتوں سے تنقیص کا جو پہلو نکالا ہے، تاریخی واقعات اُن کی تکذیب کرتے ہیں اور یہ ثابت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ اور ان کی اولاد سیاسیات میں ناکام رہی۔ اس ناکامی کا اظہار تاریخی واقعات کے سلسلہ میں ان کے احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے کیا گیا ہے اس سے ان بزرگوں کی تنقیص کا الزام تراشنا نادانی ہے۔ حضرت علیؓ عشرہ مبشرہ میں ہیں، سیاسی معاملات میں اُن سے جو لغزشیں ہوئیں اس کے باوجود وہ ہمارے امام واجب الاحترام ہیں اور نسبی تعلق سے بھی ہمیں اُن سے محبت ہے۔ جو شخص بدگوئی کرتا ہے اُس سے وہی کہوں گا جو میرے ایک دادا امیر عبداللہ المعتز عباسیؒ نے ایسے ہی کسی بدگو کے جواب میں کہا تھا۔

زعمتَ بَانّی یا مُبغض مُبغضٌ
اے دشمن تو مجھے علیؓ کا دشمن بتاتا ہے

عَلیًا فما فخری اِذاً فی المحافل
اگر ایسا ہوتا تو لوگوں کے سامنے میں کیا منہ دکھا سکتا

أاکل من لحمی وأشرب من دمی
علیؓ کی بُرائی کر کے کیا میں اپنا ہی گوشت نوچ کھاؤں اور اپنا ہی خون پیئوں

کذبتَ لَحَاک الله یا شرّ واغِل
اے بدذات جھوٹے تجھ پر خدا کی مار!

علیٌ و عباسٌ یدان کلاهما
علیؓ وعباسؓ دونوں یکساں ہیں

یَمینٌ سواءٌ فی العُلَی والفضائل
فضائل اور شرافت میں اونچی چوٹی پر ہیں

فهذا ابو هذا وهذا کُم ابن ذا
یہ (عباسؓ) ان کے باپ ہیں وہ (علیؓ) اُن کے بیٹے ہیں۔

فهل بین هذین اتساعٌ لداخل
سو ان دونوں کے درمیان تیسرے کا کیا دخل

سَتسمَع ما یخزیک فی کُل محفل
سوائے مخاطب تو جو ہر محفل میں ہمیں بدنام کرتا ہے

وتسحُ راس العارف المُتغافِل
اور تجاہل عارفانہ کرنے والے کو دھوکہ دیتا ہے عنقریب تجھے نتیجہ معلوم ہوگا

تاریخی واقعات کے بیان میں فضائل اور مناقب کی حدیثوں سے آخر کس بات کا ثبوت بہم پہنچ سکتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ایک بزرگ اپنے ذاتی خصلتوں کے اعتبار سے بہت اچھے ہوں مگر سیاسی معاملہ میں کوئی لغزش کوئی غلطی بمقتضائے بشریت ان سے ہوگئی اس کے اظہار سے ان کے مناقب کی نفی کا ثبوت تو نہیں ہوتا۔ پھر ان فضائل ومناقب کی حدیثوں میں مبالغہ اور کذب بیانی سے بھی کام لیا

گیا ہے۔خود ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغۃ کہتے ہیں کہ:۔

ان الاصل الاکاذیب فی	فضائل کی حدیثوں میں جھوٹ اور
احادیث الفضائل کان من جهة	کذب بیانی کی ابتداء شیعوں کی
الشیعة فانهم وضعوا فی مبداء	جانب سے ہوئی کیونکہ انہوں نے
الامر احادیث مختلفة فی	اپنے صاحب (علیؓ) کے بارے میں
صاحبهم حملهم علی وضعها	مختلف حدیثیں گھڑ ڈالیں جن کے
عداوة خصومهم	گھڑنے پر انکو اس عداوت نے ابھارا
(شرح ابن ابی الحدید ج ا ص ۵۸۳)	جو ان کو انکے دشمنوں سے ہے۔

احادیث فضائل کے علاوہ بعض لوگوں نے تو ہماری تردید میں قران حکیم کی آیات کی غلط تاویل سے بھی کام لینا پسند کیا ہے خصوصاً طیب صاحب نے۔ سورہ احزاب کا چوتھا رکوع رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے بارے میں ہے۔ یہ رکوع اس جملہ سے شروع ہوتا ہے: ''اے نبی! اپنی بیبیوں سے کہہ دیجئے۔'' اور آخر رکوع تک یا نساء النبی کہہ کر براہ راست ان ہی سے خطاب ہے اور ان ہی کے فرائض اور ذمہ داریوں پر وعظ وتذکیر اور وعدووعید ہے اور ان ہی سے فرمایا گیا ہے کہ:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا (احزاب ۳۳)

''اے نبی کی اہل خانہ! اللہ چاہتا ہے تم سے ناپاکی کو دور ہٹا دے اور اچھی طرح تمہیں پاک کر دے۔''

پھر رسول اللہ ﷺ کے ان ہی اہل خانہ (اہل بیت) یعنی آپ کی ازواج مطہرات سے رکوع کے آخری آیت میں پھر یہ خطاب ہے کہ:

وَاذْكُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِكُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِیْفًا خَبِیْرًا. (احزاب ۳۴)

'' اور (اے نبی کی اہل خانہ) تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور حکمت کی باتوں کو جو تمہارے ہی گھروں میں (نزول وحی کے بعد) پڑھی جاتی ہیں یاد کرتی رہو اور اللہ بھیدوں کو جاننے والا خبیر ہے۔''

اس آیت میں ازواج نبی کے جن ''بیوت'' یعنی گھروں کا ذکر ہے وہ ہی تو نبی کریم ﷺ کے سکونہ گھر تھے وہ ہی تو مہبط وحی تھی۔ وہیں تو آیات قرانی کا نزول ہوتا تھا، وہی تو فرشتوں کے اُترنے کی جگہ تھے۔ ان ہی بیوت میں آپ کے ساتھ سکونت رکھنے والی آپ کی ازواج مطہرات ہی تو تھیں جن کو ''اہل البیت'' کہہ کر آیت تطہیر میں مخاطب کیا گیا ہے۔ آپ کے مسکونہ گھروں میں نہ آپ کے چچا (عباسؓ) رہتے تھے نہ آپ کے داماد (علیؓ) اور نہ آپ کی بیٹی فاطمہؓ اور نہ ان کی اولاد۔ صاحب روح المعانی نے صحیح کہا ہے کہ:۔

> البیت میں الف لام عوض مضاف الیہ کے آیا ہے یعنی ''بیت النبی'' اور اس سے مُراد صاف طور سے مٹی اور لکڑی کے بنے ہوئے گھر سے ہے نہ کہ قرابت اور نسب کے گھرانے سے اور یہ بیت نبی ﷺ کا بیت سکونت ہے نہ کہ مسجد نبوی۔ پس اس بناء پر آپ کے اہل سے مراد آپ کی ازواج مطہرات سے ہے باعتبار ان قرائن کے جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں اور بلحاظ ان آیات کے جو اس آیت سے ماقبل و مابعد کی ہیں۔ نیز یہ بات بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی سکونت کا کوئی اور علیحدہ گھر نہیں تھا سوائے آپ کی ان ازدواج کے گھروں کے۔

سیاسی اغراض کی خاطر نبی کریم ﷺ کے نسبی قراب داروں کو ''اہل بیت'' میں شامل کرنے کیلئے حدیثیں وضع ہوئیں۔ ایک تو وہی ہے جس کا ذکر طیب صاحب نے کیا ہے۔ حضرت حسینؓ کو ''رجس'' سے پاک ہونے کو ھولاء اھل بیتی کہہ کر ثابت کرنا چاہا ہے اور دوسری طرف حضرت عباسؓ اور اُن کی اولاد کیلئے ہے۔ **الصواعق المحرقہ** میں جس طرح حضرات علی و فاطمہ و حسن و حسین کے چادر میں لے کر ھولاء اھل بیتی کے الفاظ آپ سے منسوب کئے گئے ہیں اسی طرح حضرت عباسؓ اور ان کے بیٹوں کے لئے بھی ہیں یعنی:

انه صلي الله عليه وسلم اشتمل على العباس و بنيه بملاء ة ثم قال يارب هذا عمي و صنوابى هولاء اهل بيتى فاسترهم من النار كسترى اياهم بملاء تى هذه فامنت اسكفه الباب و حوائط البيت فقال آمين (ص۸۳)

آنحضرت صلعم نے (حضرت) عباسؓ اور اُن کے بیٹوں کو چادر سے ڈھانپ لیا اور فرمایا اے پروردگار یہ میرے چچا ہیں میرے باپ کے مثل ہیں اور یہ لوگ بھی میرے اہل بیت ہیں ان کو نار (دوزخ) سے اسی طرح بچائیو جیسے میں نے اپنی اس چادر سے پس دروازے کی چوکھٹ اور گھر کی دیواروں سے آمین کی آوازیں آئیں پھر آپ نے بھی آمین کہی۔

خاندانِ نبوت میں سے صرف ان ہی دو شاخوں کے افراد نے سیاسی میدان میں قدم رکھا تھا یعنی عباسیوں اور علویوں (اولادِ علیؓ) نے جن کے بارے میں یہ مکذوبہ روایتیں ہیں اور ان ہی کو سیاسی پروپیگنڈے میں انکی حاجت تھی۔ کسی دوسری شاخ یعنی عقیلوں، جعفریوں، حارثیوں وغیرہ کیلئے اس قسم کی کوئی روایت کوئی حدیث نہیں ہے کیونکہ نہ انہوں نے طلب خلافت اور سیاسیات ملی میں کوئی حصہ لیا تھا اور نہ ان کو اس کی ضرورت تھی۔ مفسرین ومحدثین نے آیت تطہیر کا نزول ازواج مطہرات ہی کے بارے میں بیان کیا ہے۔ عربی زبان سے ناواقفوں کو یہ کہہ کر دھوکہ دیا جاتا ہے کہ آیت تطہیر میں **عنکم و یطھرکم** میں ضمیر جمع مذکر آئی ہے اگر صرف ازواج کیلئے ہوتی تو ضمیر جمع مؤنث آتی۔ مگر یہ قطعاً مغالطہ دہی اور دھوکہ ہے۔ اہل کا لفظ جمع مذکر ہے خواہ واحد کیلئے آئے یا تثنیہ کیلئے یا جمع کیلئے۔ مذکر کیلئے یا مؤنث کیلئے ہر جگہ ضمیر مذکر ہی آئے گی۔ کلام اللہ میں متعدد جگہ یہ لفظ اس طرح آیا ہے اور ہر جگہ نبیوں کی زوجہ کیلئے ہی آیا ہے۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتہ نے آکر فرزند ہونے کی بشارت دی تو اُن کی زوجہ سارہ یہ سُن کر تعجب سے کہنے لگیں کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور میرے شوہر

بھی بوڑھے ہیں۔اس پر فرشتوں نے کہا:

قَالُوْٓا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ رَحْمَتُ اللّٰہِ وَبَرَکٰتُہٗ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ (ھود ۷۳)

''(فرشتوں نے) کہا کیا تم اللہ کے کام (امر) پر تعجب کرتی ہو، اللہ کی رحمت اور برکتیں ہیں تم پر اے اہل بیت (ابراہیم)۔''

اس آیت میں بھی وہی علیکم کی جمع مذکر آئی ہے۔قران شریف کے علاوہ پورے کلام عرب میں کہیں بھی لفظ اہل کیلئے جمع مذکر کے سوائے کسی اور ضمیر کی کوئی نظیر نہیں ہے۔نہر زبیدہ کے بننے کے بعد ایک عرب شاعر نے سیدہ زبیدہ کو یوں مخاطب کیا تھا۔

یا اھل بیت خلیفه الغنی　　بالله انتم زبدة النسوان

غرضیکہ آیت تطہیر محض اور صرف ازواج مطہرات کے بارے میں ہے اور جس سے پاکی کا وعدہ ان ہی اُمہات المؤمنین سے ہے۔رسول اللہ ﷺ کے کسی دوسرے نسبی قرابتدار کو خواہ وہ چچا ہوں یا داماد یا نواسے، رِجس سے پاک کرنے کا نہ اللہ تعالیٰ نے کوئی وعدہ فرمایا اور نہ اس آیت کا اطلاق ان میں سے کسی پر ہوتا ہے اور نہ ہوسکتا ہے۔طیب صاحب کی یہ غیر طیب کوشش جس مقصد سے ہے اُسی مقصد سے ایک اور مکذوبہ روایت کا بھی اظہار فرمایا ہے یعنی آیت مباہلہ میں آنحضور ﷺ کا حسنین وغیرہ کا ساتھ لیجانا۔مفتی محمد عبدہ وعلامہ سید رشید رضا نے تفسیر القرآن میں آیت مباہلہ کے سلسلہ میں وضعی روایتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

و مصادر هذه الروايات الشيعة و	ان روایتوں کا منبع ومصدر شیعہ ہیں اور ان کی
مقصدهم منها معروف وقد اجتهدوا	غرض اور مقصد ان سے ظاہر ومعلوم ہے ان
فی ترويجها ما استطاعوا حتی راجت	روایتوں کی اشاعت کرنے میں کچھ جدوجہد
علی كثير من اهل السنة ولكن	حتی الامکان کی گئی یہاں تک کہ اہل سنت
واضعيها لم يحسنوا تطبيقما على الآية	میں سے کثیر تعداد بھی متاثر ہوئی مگر ان

فان کلمة نساء نا لا یقولها العربی و یریدها بنته لاسیمّا کان له ازواج ولا یفهم هذا من لغتهم و ابعد من ذلک ان یراد بانفسنا علی ثم ان وفد نجران الذین قالوا ان الآیة نزلت فیهم لم یکن معهم نساؤهم و اولادهم.

روایتوں کو وضع کرنے والوں نے اس آیت پر انکی تطبیق عمدگی کے ساتھ نہیں کی کیونکہ عرب نساء کا لفظ اور کلمہ اپنی زبان پر اس طرح نہیں لاسکتا کہ مراد اسکی اس لفظ سے بیٹی ہو خاص کر جب اسی بیٹی کا شوہر بھی موجود ہو اور نہ انکی لغت میں اس لفظ کا یہ مفہوم پیدا ہوسکتا ہے اور اس سے بھی بعید بات یہ ہے کہ انفسنا سے مراد علیؓ کی ذات سے لی جائے۔ علاوہ بریں یہ بات یہی ہے کہ نجران کے (عیسائی) وفد کے ساتھ جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ آیت نازل ہوئی نہ اُنکی بیویاں تھیں اور نہ اُن کے بیٹے اور اولاد ساتھ تھے۔

نہ کوئی مباہلہ ہوا اور نہ مباہلہ کی شرائط کہ عیسائی جب تک اپنی بیویوں اور بیٹیوں کو نجران سے نہ بلا لیتے پوری ہوئیں۔ اگر شرائط پوری ہوتیں تو آپ اپنی ازواج مطہرات کو اپنے فرزند ابراہیم کو ساتھ لیتے نہ کہ بیٹی اور نواسوں کو جن پر اس آیت کے الفاظ ''نساء'' اور ''ابن'' کا اطلاق ہی نہیں ہوسکتا۔ جیسا مفتی محمد عبدہ و علامہ رشید رضا نے فرمایا ہے کہ ''نساء'' کا لفظ کوئی عرب اپنی زبان سے بیٹی کے مفہوم میں ادا نہیں کرسکتا اور ''ابن'' کا لفظ نواسہ کیلئے نہیں ہوسکتا۔ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ (احزاب ۵) فرمان خداوندی ہے ابن کا لفظ اپنے صلبی بیٹے کیلئے ہی اور بیٹی کے بیٹوں کے لئے ''سبط''۔ عرب کا قول ہے:

بنونا بنوا بنائنانا و بناتنا　　بنوهن ابناء الرجال الا باعد

طیب صاحب کو شیعوں کی وضع کردہ روایتوں کو اپنے مقصد سے پیش کرنا ضروری تھا۔ اسی طرح متعدد حضرات نے تردید مضامین میں بیشتر اسی قسم کی وضعی روایتوں سے استدلال کیا ہے ان پر تنقید جداگانہ کی گئی ہے۔ کتاب میں جو اغلاط رہ گئی تھیں، بعض عبارتیں ترک ہوگئی تھیں، نظر ثانی میں اُن کی تصحیح کردی گئی ہے۔

عدالتی کارروائی کے سلسلہ میں جن مخلصین نے طرح طرح سے امداد کی اللہ پاک اجر جزیل عنایت فرمائیں۔ محترمی تہور علی صاحب انصاری بی اے ایل ایل بی (علیگ) تو اس عاجز کے شکریہ سے مستغنی ہیں۔ انہی کی نیک دلی اور حساس طبعیت نے عدالتی کارروائی کی داغ بیل ڈالوائی۔ سید محمود رضا صاحب ایڈوکیٹ و مسٹر اسحٰق احمد صاحب ایڈوکیٹ کی نیز بعض جے پوری و بدایونی احباب کی توجہ فرمائی بھی لائق تشکر ہے۔ یہ سطریں لکھتے وقت ایک ایسے محبّ قوم کی یاد آرہی ہے جو اس کتاب کے بڑے قدردان تھے اور بڑے معاون بھی یعنی سردار احمد خان پتافی مرحوم و مغفور صدر تنظیم اہلسنت جام پور ضلع ڈیرہ غازیخان۔ مشیت ایزدی کہ مقدمہ کی کامیابی کی اطلاع پانے کے چند ہی دن بعد قدرت نے انہیں ہم سے چھین لیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مخدوم منظور احمد شاہ (قادر پور واں ضلع ملتان) کی امداد کا جو دوسری جلد کی طباعت کے بڑے خواہشمند ہیں شکریہ واجب ہے۔ کتاب کے آخر میں عزیزی اقبال احمد العمری ایم اے ایل ایل بی کے عربی اشعار جن میں کتاب کے مضامین کا خلاصہ ہے نیز انکے اور مولانا سہیل عباسی کے وہ اشعار بھی ایک محترم بزرگ کے اصرار سے شامل کرنا پڑے ہیں جن سے کتاب کی ستائش کے ساتھ اس عاجز و کم مایہ کی شاعرانہ توصیف کا وہ پہلو بھی نکلتا ہے جو شاید خودستائی کے مترادف متصور ہو۔ من آنم کہ من دانم۔ صحابہ اور تابعین کرام کی بدگوئی اور سب وشتم کی موضوعات کا پردہ چاک کرنے جو سعادت اس کتاب کی تالیف سے نصیب ہوئی ہے وہی اصل ثمرہ ہے۔

گرچہ خوردیم نسبتے است بزرگ

۲۱ دسمبر ۱۹۶۰ء کاشانہ محمود۔ لالوکھیت، کراچی

محمود احمد عباسی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مؤلف

طبع دوئم

پہلا ایڈیشن صرف ایک ہزار طبع ہوا تھا، اُس وقت ناشر کا حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کی دو ڈھائی ماہ کے قلیل عرصہ میں یہ ایڈیشن ختم ہو جائے گا اور مانگ برابر بڑھتی رہے گی۔ حتیٰ کے بعض شائقین ٹیلیگرام بھیج کر کتاب کے نسخے طلب کریں گے اور کتنے ہی آرڈر دوسرے ایڈیشن کی طباعت تک ملتوی کرنے ہونگے۔

کتاب کی اس عام مقبولیت کا راز فی الحقیقت اس امر واقعہ میں مضمر ہے اور جو موجب صد طمانیت و مسرت ہے کہ ملت کی نشاط ثانیہ (renaissance) کے موجودہ دور میں روایت پرستی، توہمات اور شخصیت پرستی کے ہزار سالہ بندھنوں سے افراد ملت کے فکر و نظر کو بالآخر چھٹکارہ ملنے لگا ہے اور تعلیم یافتہ طبقہ کو فکر صحیح کی توفیق راقم الحروف کو پاکستان و بھارت سے جو خطوط روزانہ ڈاک سے موصول ہوتے ہیں اُن سے بخوبی واضح ہے کہ اسلامی تاریخ کے بعض مستور گوشوں کے بے نقاب ہو کر حقیقت

حال کا انکشاف ہو جانے کا ملّت کے ہوشمند طبقے نے کس خوش دلی سے خیر مقدم کیا ہے۔ کتاب کے جو چند نسخے تبصرے کیلئے بھیجے گئے تھے اُن پر اب تک دو چار ہی تبصرے ہوئے ہیں۔ ماہنامہ ''تجلّی'' کے فاضل مدیر مولانا عامر عثمانی نے ماہ جولائی کے شمارہ میں کتاب پر جو تبصرہ کیا ہے وہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

''کتابیں روز لکھی جاتی ہیں لیکن زیر نظر کتاب ان کتابوں میں ہے جو صدیوں میں ایک آدھ لکھی جا سکتی ہے۔ فاضل مصنف جناب محمود احمد عبّاسی نے انتہائی دیدہ ریزی اور تلاش و تحقیق کے بعد ''خلافتِ معاویہ و یزید'' کے بارے میں وہ فرید وحید مواد پیش کیا ہے جس سے ہر انصاف پسند آدمی پر منکشف ہو جاتا ہے کہ حقیقت کیا تھی اور آج کن خرافات و کذبات کو حقیقت کہا جا رہا ہے۔''

''لامتناہی پروپیگنڈے نے (امیر) یزیدؒ کی شخصیت کو جتنا بھیانک، حضرت حسینؓ کی شہادت کو جس درجہ مظلومانہ اور دیگر تفصیلات کو جس قدر ڈرامائی بنا دیا ہے ان کے تعصّب سے بلند ہو کر ٹھنڈے اور تحقیق پسند دل و دماغ سے اگر اس کتاب کا مطالعہ کیا جائے تو چند جزئیات سے اختلاف کے باوجود یقین ہے کہ من حیث المجموع اس سے اتفاق ہی کرنا ہوگا۔ روایت اور درایت دونوں ہی کے فنی تقاضوں کا پورا لحاظ رکھتے ہوئے فاضل مصنّف نے مضبوط دلائل پیش کئے ہیں اور بے حد کاوش کے ساتھ ایسا مواد سامنے لائے ہیں جو صدیوں کے پروپیگنڈے اور افسانوی جذباتیت کی گرد میں اَٹی ہوئی ''تاریخ کربلا'' کا حقیقی چہرہ نکھارتا ہے۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء

’’ حاصلِ تبصرہ یہ ہے کہ ہر مسلمان کو دیانت داری کے ساتھ اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیئے تا کہ تاریخ کربلا پر تحقیقی زاویئے سے نگاہ ڈالنے کا موقع میسر آئے اور بعض تاریخی شخصیتوں کے متعلق جو غالی تصوّرات ذہنی وراثت میں ملے ہیں ان کی تنقیح ہو سکے۔ ہم مصنف کو اُن کی عرق ریزی محنت اور بالغ نظری کی مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ ان شاء اللہ آخرت میں انہیں بہترین اجر ملے گا کیونکہ ان کی پیش کردہ تفصیلات سے صرف امیر معاویہؓ ہی نہیں کثیر صحابہ رضوان اللہ علیہم کے دامنِ کردار کو ہرزہ سراؤں کے دروغ وافتراء کی گرد سے پاک و صاف دکھاتی ہے اور (امیر) یزیدؒ کے بارے میں جو دقیع معلومات انہوں نے پیش کی ہیں وہ یقیناً امیر معاویہؓ کو اس الزام سے صاف بچالے جاتی ہیں کہ انہوں نے خلافت کو غلط قسم کی شہنشاہیت میں تبدیل کیا اور نا اہل بیٹے کو ولی عہد بنا بیٹھے۔ وللّٰہِ درُّ المصنّف۔‘‘

فاضل تبصرہ نگار نے جس بے بنیاد الزام کا اشارہ مندرجہ بالا سطور میں کیا ہے کہ امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ نے خلافت کو غلط قسم کی شہنشاہیت میں تبدیل کیا اور نا اہل بیٹے کو ولی عہد بنا بیٹھے وہ آج بھی مدعیان علم وفضل کے زبان وقلم سے کبھی نہ کبھی دوہرایا جاتا ہے اور اُموی خلافت کے ان بہترین اور منوّر ترین ایام کو بدترین اور سیاہ ترین ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ہمارے زمانے کے ایک سُنّی عالم صاحب نے یہ باور کرانا چاہا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی دعوت معاذ اللہ ناکام رہی اور آپ کی اُمّت تیس چالیس برس بھی آپ ﷺ کا برپا کردہ نظام آپ ﷺ کے بعد برقرار نہ رکھ سکی۔ ابھی حال ہی میں اُنہوں نے اپنے ماہنامہ میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے جس پر سبائیوں نے اُن کو ہدیہ تبریک بھی پیش کیا ہے وہ یہ ہے کہ:۔

اُموی فرمانرواؤں کی حکومت حقیقت میں خلافت نہ تھی۔ اُن کی حکومت اپنی روح میں

اسلام کی روح سے ہٹی ہوئی تھی۔ان (؟) فرق کوان کی حکومت کے آغاز ہی میں محسوس کرلیا گیا تھا۔ چنانچہ اس حکومت کے بانی امیر معاویہ کا اپنا قول یہ تھا کہ **انا اول الملوک** (میں سب سے پہلا بادشاہ ہوں)۔''

ان صاحب کی جرأت کا یہ عالم ہے کہ جمہور صحابہ کرامؓ کے اجماع کو ہیچ قرار دیکر یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ بدعت کے اوّلین علمبردار ہیں۔ انہوں نے ''جمہوریت'' کے بجائے ''شخصی'' حکومت کی بنیاد ڈال کر اسلام کے سیاسی نظام کو ہمیشہ کیلئے تباہ کردیا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے جس ذاتِ گرامی کو **کرامِ بَرَرَة** میں شامل فرمایا (یعنی بہت ہی بزرگ و پاکباز گروہ ہیں) اور جن کیلئے حتماً فرمایا: '' **وَکُلاً وعداللہُ الحُسْنیٰ** '' (الحدید:۱۵) (ان سب سے اللہ نے حُسنِ سلوک کا وعدہ کیا ہے۔) نبی کریم ﷺ نے جن کے بارے میں دُعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ انہیں ذریعہ ہدایت بنائے، صحابہ کرامؓ نے جنہیں اپنا متفق علیہ امام مانا اور اُن پر اجماع کو اپنا مبارک دور جانا، حضرت حسنؓ و حسینؓ اور دوسرے اکابر اہل بیتؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ وغیرہم نے جن کی بیعت کی، وہ اِن صاحب کے نزدیک جمہوریت کُش، ظالم اور مبتدع تھے یعنی خلیفہ راشد ہونے کے بجائے ملک عضوض کے بانی۔ کاش انہوں نے سوچا ہوتا کہ جن بزرگواروں نے امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ پر اجماع کیا اور انہیں امام مفترض الطاعت جانا (یعنی ایسا امام جس کی اطاعت واجب ہو) وہ کس پایہ کے ہیں اور اللہ و رسول ﷺ اور جمہور کے نزدیک اُن کا کیا درجہ ہے۔ اسی طرح جن صحابہ کرامؓ نے امیر المؤمنین یزیدؒ کی ولایت عہد اور پھر دس برس بعد اُن کی خلافت پر اجماع کیا وہ کون تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا عبداللہ بن جعفر طیارؓ، سیدنا جابر بن عبداللہؓ، سیدنا انس بن مالکؓ اور سینکڑوں دیگر صحابہؓ جن کے تذکرے اور ترجمے راقم الحروف کی مبسوط کتاب میں درج ہیں۔ ان سب نے امیر المؤمنین یزیدؒ کی ولایت عہد کی منظوری دی اور جو ان کی خلافت کے وقت زندہ تھے انہوں نے خلافت و امامت کی تائید و توثیق کی۔ صرف دو حضرات ان کے خلاف کھڑے ہوئے صحابہ کرامؓ نے اُن حضرات کا ساتھ نہیں دیا اور اُن کے اقدامات کو درست نہ سمجھا۔

کاش ان صاحب نے مغربی جمہوریت ہی کی لچک پر غور کرلیا ہوتا کہ فرانس، امریکہ اور انگلستان کا نظام سیاسی اپنے بنیادی اختلافات اور عملی تفاوت کے باوجود ساری دُنیا کے نزدیک جمہوری سمجھا جاتا ہے۔ جب لفظ جمہوریت کی خود اصل لفظ کی پاسداری کرنے والوں کے نزدیک اتنی صورتیں ہوسکتی ہیں تو مسلمانوں کے عملی نظام کی مختلف صورتیں کیوں نہیں ہوسکتیں؟

کیا یہ صاحب کہہ سکتے ہیں کہ پہلے خلیفہ رسول ﷺ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے لیکر حضرت علی مُرتضیٰؓ تک خلیفہ کے برسرِ اقتدار آنے کا ایک ہی دستور تھا؟ انہیں یہ نظر آتا ہے یا نہیں کہ ہر ایک صاحب بالکل نئے طریقے پر سربرآرائے خلافت ہوتے اور جس جمہوریت کا نام لیا جاتا ہے اُس کے مطابق اُن میں سے کسی ایک کیلئے استصواب رائے عامہ نہیں ہوا۔ امیر المؤمنین عثمان ذوالنورینؓ کے متعلق رائے شماری البتہ ہوئی تھی لیکن صرف اہلِ مدینہ کی، باقی عالمِ اسلام سے قطعاً کچھ دریافت نہیں کیا گیا تھا۔

اسلامی تاریخ میں اگر کوئی شخص ہے جس کا انتخاب بالکل پہلی بار اُمّت کے عام استصواب سے ہوا تو وہ امیر المؤمنین یزیدؒ ہیں۔ اس کے بعد غور طلب ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے امیر المؤمنین فاروق اعظمؓ کو اپنی زندگی میں ولی عہد بنایا، اور قطعاً کسی سے مشورہ نہیں لیا۔ اس تقرر کی تمام ذمہ داری آپ نے اپنے اوپر لی۔

اب دیکھنا چاہیے کہ امیر المؤمنین معاویہؓ نے جب امیر یزیدؒ کو ولی عہد مقرر فرمایا تو اپنی مرضی سے نہیں بلکہ صحابہ کرامؓ کے مشورے سے۔ پھر اس مشورہ کو جب آپ نے قبول فرمالیا تو دوبارہ اسے عالمِ اسلام کے نمائندہ وفود کے سامنے پیش کیا۔ لیکن ان کی اکثریت کے فیصلے کے باوجود مطمئن نہیں ہوئے جب تک اہل مدینہ کی بھاری اکثریت نے تائید نہ کردی حالانکہ حضرت علیؓ کے وقت سے اہلِ مدینہ اربابِ حل وعقد نہیں رہے تھے۔

پھر کیسی عجیب بات ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ کا تقرر تو جمہوری سمجھا جائے اور علیٰ منہاج النبوۃ، لیکن امیر المؤمنین یزیدؒ کا تقرر، صحابہ کرامؓ کے اس زبردست اجماع کے باوجود غیر جمہوری

اور بدعت سیّہ قرار دیا جائے، محض اسلئے کہ وہ خلیفہ سابق کے دوست اور رفیق نہیں ہیں، فرزند ہیں۔

اب دریافت طلب ہے کہ ''الحمد'' سے لیکر ''والناس'' تک اور مؤطا سے لیکر ابن ماجہ تک وہ کون سی آیت اور کون سی حدیث ہے جس میں باپ کے بعد بیٹے کی خلافت کی حرمت یا کراہت کا ادنیٰ شائبہ بھی ثابت کیا جا سکے۔

آیتِ مبارکہ وَاَمرھُمْ شوری بَیْنَھُم (ان کے مسائل باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں) کو بڑے اہتمام سے موقع بے موقع پیش کیا جاتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ مریض کے بارے انجینئر سے، آبپاشی کے نظام کے سلسلے میں خانقاہ نشین سے، صحتِ عامہ کے بارے میں کماندار فوج سے، اور عدلیہ کے متعلق تاجر سے مشورہ کرنے والا شخص عقلمند سمجھا جائے گا یا احمق؟

اگر وَاَمرھُمْ شوری بَیْنَھُم کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ہر کس و ناکس سے بات کی جائے، وہ اہل ہو یا نہ ہو، تو ظاہر ہے کہ امورِ سیاسی میں اصحابِ سیاست اور اربابِ حل وعقد ہی سے مشورہ لیا جائے گا اور اُنہیں کی بات سُنی اور مانی جائے گی۔

سیدھی اور صاف راہ جس پر بے غل وغش چلا جا سکتا ہے اور جو ہمیشہ موجب فلاح ہوگی وہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے مہاجر وانصار اصحابؓ کی راہ ہے جنہوں نے جان و مال کی بازی لگا کر دین قائم کرنے کیلئے کسی قربانی سے دریغ نہیں اور کیا اور سخت سے سخت آزمائش میں بھی ثابت قدم رہے۔ یہی مہاجر اور انصار رضی اللہ عنہم اللہ اور بندوں کے نزدیک علمبرداران دعوتِ محمدیہ ﷺ کے پیشوا ہیں۔ حقائق دینیہ کے جزئیات وکلیات سب انہی پر کُھلے اور دین کی تمام برکتوں کا نزول انہی کے قلوب پر ہوا۔ انہی کے طریقے پر چلنے سے سکینہ نازل ہوتا ہے اور رُشد وہدایت کی راہ ملتی ہے۔

گمراہ کُن پروپیگنڈہ کرنے والے، دروغ گو، باطل پرست، ہوا و ہوس کے بندے اور نا قابل اعتبار لوگوں کی بیان کردہ باتوں پر توجہ کرنا سخت خطرناک ہے۔ بے وجہ صلحا کی عزّت وحُرمت خطرے میں پڑتی ہے اور آدمی دنیا وآخرت کا عذاب مفت میں سمیٹتا ہے۔

دین کے برپا کرنے والے رسول ﷺ ہی اچھی طرح اپنی دعوت کی حقیقت سمجھتے ہیں۔ آپ ﷺ کی سُنت اور اسوۃ حسنہ کی پیروی ہی میں نجات ہے۔ اگر آپ ﷺ بعض اُمتیوں کی

خواہشات کی پذیرائی فرماتے تو یہ اُمّت قسم قسم کی مشکلات میں مبتلا ہو جاتی۔ اگر آپ نے لگا بندھا کوئی سیاسی نظام اس اُمّت کو عطا فرمایا ہوتا تو اُس کے ہاتھ پاؤں بندھ جاتے، اور سرمُو اس سے تجاوز کی گنجائش نہ رہتی۔ لیکن چونکہ آپ ﷺ کی دعوت متحرک و فعال اور ترقی کناں ہے اور آپ ﷺ کی اُمت قید زمانی و مکانی سے آزاد ہے۔ نسل اور وطن کی بیڑیاں کاٹ کر، زبان اور رنگ کے طوق اُتار کر آپ نے اسے انتہائی آزادی عطا فرمائی ہے۔ اسلئے نہ وہ کسی خاندان سے وفاداری و وابستگی کی مکلّف ہے اور نہ کسی ذات سے، اسے چند لچکدار موزوں اور اصل اصول عطا ہوئے ہیں جنہیں ہر زمانے میں اور روئے زمین کے ہر خطہ پر وہ اپنی صوابدید کے مطابق، اپنے حالات کے تحت، اپنے مفاد کے پیش نظر اور اپنی مصلحتوں کو سمجھ کر عملی جامہ پہنانے کی مجاز ہے۔ جس عہد کے مسلمان جس سیاسی نظام کی تشکیل کریں گے وہ سیاسی نظام عنداللہ والناس مقبول ہوگا۔ بشرطیکہ تقاضہائے دعوت محفوظ رہیں جو محض یہ ہیں۔ (۱) اقامت صلوٰۃ یعنی مساجد کی تنظیم اور باقاعدہ سرکاری طور پر جماعت کا قیام (۲) زکوٰۃ کی وصولی اور احکام کے مطابق اسے کام میں لینا (۳) اچھی باتوں کا حکم اور بُری باتوں سے روکنے کا سرکاری انتظام کرنا۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ط وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ. (الحج:۴۱)

ان لوگوں کو جب ہم زمین پر حکمرانی عطا فرماتے ہیں تو وہ نماز قائم کرتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں ان اچھائیوں کا حکم دیتے ہیں جن کی خوبی عیاں ہے۔ ان برائیوں سے روکتے ہیں جن کی شناعت ظاہر ہے۔ اور اللہ ہی کے ہاتھ میں تمام امور کی انجام دہی ہے۔

اللہ تعالےٰ نے صحابہ کرامؓ کے قلوب کو آزمالیا، مہاجرین اور انصار کے سینے اپنے نور اور اپنی معرفت سے بھر دیئے اور اُن کا طرزِ عمل ہمیشہ کیلئے اُمت کے واسطے مشعلِ راہ بنا دیا۔

یہ ہے اُمت پر اللہ کا فضل اور اس کی نعمت کہ اپنے کسی مسئلے میں وہ عملی نمونہ سامنے رکھنے سے محروم نہیں۔ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ نے جس اُمت کی تشکیل کی اس کے اوّلین علم برداروں نے ایک ایک مسئلہ حل کرنے کی عملی صورتیں پیش کر دی ہیں، اور سب کے سامنے تجربہ کر کے کامیابی کی راہیں دکھا دیں۔ خلاف اور جنگ کے مسائل بھی بتا دیئے، آپسی اور عمرانی امور میں اختلاف کا طریقہ بھی بتا دیا اور صلح وصفائی کے آداب بھی۔ یہ مہاجرین وانصار جو راہ چلیں اور جس امر پر مجتمع ہو جائیں وہی حق و صواب ہے۔ **اولئک هم الراشدون.**

اور سب کا ایمان ظنی واعتباری ہے۔ صرف قوی آثار سے اسے مؤمن باور کیا جاتا ہے لیکن ازواجِ مطہرات، مہاجرین وانصار، خلفائے اسلام، غزاۃ قسطنطنیہ، فاتحین ہند، قاتلین مرتدین، مقاتلین روم وشام وفارس کے ایمان کی شہادت اللہ اور اُس کے رسول ﷺ نے دی ہے۔ اس پر شک کرنے والا اپنے ایمان کی خیر منائے۔

امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ سے یہ قول منسوب کرنا کہ ''میں سب سے پہلا بادشاہ ہوں'' کذب محض ہے۔ جس روایت سے یہ قول نقل کیا جاتا ہے، اُس کی اسناد تک منقطع ہیں۔ پہلا راوی تو مجہول الاسم ہے یعنی ''عن شیخ من المدینۃ''۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۲ ص ۱۳۵)

اُموی خلافت کے تقریباً آخر تک صحابہ کرامؓ کا دور تھا۔ امیر المؤمنین عبدالملکؒ اور اُن کے بعد اگرچہ اُموی خلفاء طبقے کے اعتبار سے سب سے سب تابعی ہیں اور امیر المؤمنین یزیدؒ بھی لیکن کاروبار خلافت صحابہ کرامؓ چلا رہے تھے۔ والیوں میں، اُمراء عساکر میں، قضاۃ میں، ارباب شوریٰ میں اور اصحاب تبلیغ واشاعت میں ہر جگہ صحابہ کرامؓ نظر آتے ہیں۔ یہ خلافت انہی کی خلافت تھی اور تمام اجتماعی نظام اُنہی کے ہاتھ میں تھا۔

چونکہ ان بزرگوں کی ترقیاں اور ان کے برپا کردہ نظام سیاسی کی برکتیں اہل کفر ونفاق پر شاق تھیں اور ان کے دل اس بے انتہا عروج کا خیال کر کے غیظ وغضب سے بھر جاتے تھے اسلئے انہوں نے اپنی روایتوں کے ذریعے اس دور کی نورانیت ماند کرنے کی کوشش کی ہے یوں اللہ کا فرمان سچ ثابت

ہوگیا لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ (تا کہ ان کے سبب کافروں میں غیظ وغضب پیدا کردے۔سورۃ فتح)
یہی مضمون آیت استخلاف میں بھی بیان ہوا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ص وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ م بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ط يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا ط وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ
(النور:۵۵)

اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے انہیں یقیناً زمین پر حکومت عطا فرمائے گا۔ایسے ہی جیسے ان سے پہلے لوگوں کو عطا فرمائی تھی اور یقیناً ان کیلئے ان کا وہی دین برپا کرے گا جو اس نے ان کیلئے پسند فرمایا ہے اور یقیناً وہ ہر خوف کے بعد انہیں امن عطا فرمائے گا وہ میری ہی عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔اب بھی کوئی منکر ہو تو یہ لوگ بدراہ ہیں۔

اس آیت نے فیصلہ کردیا کہ اللہ تعالیٰ نے تکوینی طور پر صلحائے اُمت ہی کو حکومت عطا فرمائی اور ان کے تحت جو نظام بپا رہا وہ وہی تھا جو اللہ کے ہاں مقبول ہے۔ان کی ہر مصیبت کے بعد اُس نے انہیں سکون بخشا، ہر فتنہ کے بعد امن نصیب کیا اور ہر مشکل پر انہیں قابو کردیا۔ان کی یہ صفت تھی کہ وہ سوائے اللہ کے آگے گردن نہیں جھکاتے تھے۔اب جو لوگ اس وعدے کے مطابق دینِ حق قبول کرنے سے منکر ہوئے وہ بدراہ ہیں اور جنہوں نے اس الٰہی وعدہ کے باوجود خلافت کے نظام پر نکتہ چینی کی اور اسے غیر صالح بتایا وہ بھی بدراہ ہیں۔

اس لئے

راقم الحروف تمام مسلمانوں سے عموماً اور علمِ تاریخ کے طلبہ سے خصوصاً عرض پرواز ہے کہ صحابہ کرامؓ کے حالات وسیرت پر گفتگو کرتے یا اسلامی تاریخ مرتب کرتے وقت کتاب وسُنت کے مقرر کردہ آداب پر پابندی کریں۔ دُشمنانِ دعوت کی مفتریات وتلبیسات سے بے اعتنائی برتیں۔

عدل وتقویٰ وتحقیق کا طریقہ یہ ہے کہ روایات سے قطع نظر کر کے صرف واقعات کا احصاء کیا جائے اور روایات کو یا تو محدثین کرام کے اصول پر جانچا جائے یعنی روایتاً یا پھر عہد حاضر میں درایت کی جو لچک ہے اُس پر پرکھا جائے اور اگر فقہائے اسلام کی راہ اختیار کی جائے تو سب سے اچھی کہ روایتاً اور درایتاً دونوں طرح سے بات کی تحقیق کی جائے۔

تاریخ کا منشاء روایات کا انبار لگانا نہیں اور نہ یہ جو طبری، واقدی، مسعودی اور سیوطی وغیرہ نے اختیار کیا کہ جو روایت جہاں سے ملی ٹانک دی۔ قران مجید کے مطابق تاریخ نام ہے ترتیب زمانی کے ساتھ واقعات کی تدوین کا۔ اور واقعات بھی جو اخلاف کیلئے موجب عبرت ہوں تا کہ حق کے ساتھ بزرگان پیشین کی پیروی کریں اور حق کے ساتھ ان کی غلطیوں سے بچیں۔ یعنی جس طرح اللہ نے فرمایا ہے اسی کی پیروی میں مؤرخ کہہ سکے بلکہ اسے کہنا چاہیئے۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ط مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ تَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ . (یوسف: ۱۱۱)

ترتیب زمانی کے ساتھ ان کے واقعات کی روئداد عقلمندوں کیلئے موجب عبرت ہے۔ یہ کوئی وضع کردہ جھوٹی بات نہیں بلکہ وہ ہے جس کی توثیق مبرہن محسوس واقعات سے ہوئی ہے اور اس میں ہر تفصیل ہے اور اہل ایمان کیلئے ہدایت و رحمت کے اس میں اسباب ہیں۔

یہی صحابہؓ وتابعینؒ تھے جنہوں نے اپنی مرضی سے اپنی آزاد رائے سے بلا کسی جبر واکراہ کے امیر المؤمنین یزیدؒ سے بیعتِ خلافت کی اور اُس پر مستقیم رہے۔ ان عالم صاحب نے جن کا اوپر ذکر ہوا کہا ہے کہ اگر

حسینؓ و یزیدؒ کا الیکشن آزادانہ رائے سے ہوتا تو اوّل الذکر ہی کو ووٹ ملتے اور ثانی الذکر آخر شخص ہوتا جس کو رائے دی جاتی۔ اِن صاحب نے صریحاً واقعات سے چشم پوشی کی ہے۔ الیکشن سے مراد اگر جمہور اُمت کی رائے معلوم کرنے سے ہے تو جیسا عرض کیا گیا مملکتِ اسلامی کے ہر ہر علاقے میں ان ہی کے نمائندگان کے ذریعے رائے معلوم کی گئی اور بلا کسی جبر و اکراہ کے معلوم کی گئی وہ سب کی سب آراء امیر یزیدؒ ہی کے حق میں تھیں۔ حضرت حسینؓ کو نہ ولایت عہد کے وقت اور بیعت خلافت کی توثیق کے وقت رائے عامّہ کا کوئی قابل ذکر حصہ ملا اور نہ خود بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے خاندان کے کسی فرد کا کوئی ووٹ حاصل ہوا جیسا کہ اس کتاب میں بالوضاحت بیان ہوا ہے کہ ان کے اپنے عزیزوں میں سے معدودے چند نوجوانوں کے علاوہ ان کے پندرہ (۱۵) بھائیوں میں سے صرف چار نے اُن کا ساتھ دیا۔ اُن کے گیارہ بھائیوں نے اقدامِ خروج سے اختلاف کیا اور باوجود دعوت کے کسی طرح اُن کا ساتھ نہ دیا۔

صحابہؓ و تابعین کے بارے میں اِن صاحب کی سُوءِ ظنی حد درجہ قابل ملامت ہے کہ ان صحابہؓ و تابعین نے محض لالچ سے، دھمکی سے یا جبر و اکراہ سے ایک نااہل شخص سے بیعت خلافت کی۔ سبائی راویوں کی مکذوبہ روایتوں پر اعتماد کر لینے اور طبری و مسعودی جیسے مؤرخین کے بیانات کو بغیر تنقید کے باور کر لینے ہی کا یہ سبب ہے کہ ایسے ایسے ذی علم حضرات بھی بدگمانی کا شکار ہو کر صحابہؓ و تابعین کے طرزِ عمل پر زبان طعن دراز کرنے سے اجتناب نہیں کرتے۔

یہ کتاب ابتدائے عہدِ اُموی کے واقعات اور سیرتِ معاویہؓ و یزیدؒ کا مختصر خاکہ ہے جس کے بارے میں راویوں نے صریحاً کذب بیانی کی ہے اور اچھے اچھے پڑھے لکھے لوگ اس سے متاثر ہو جاتے ہیں اس لئے یہ چند جملے لکھے گئے ہیں۔ موجودہ عہد میں مناقب و مثالب کی وضعی روایتوں سے استشہاد نہیں کیا جا سکتا۔

کذب بیانی، افتراء پردازی، سب و شتم اور تفرقہ اندازی کا نام تاریخ نہیں ہے۔

مولانا حالیؒ نے ہمارے شاعروں کے متعلق فرمایا ہے

عبث جھوٹ بکنا اگر نارواہے　　بُری بات کہنے کی گر کچھ سزا ہے

تو وہ محکمہ جس کا قاضی خدا ہے　　مقرر جہاں نیک و بد کی جزا ہے

گنہگار واں چھوٹ جائیں گے سارے

جہنم کو بھر دیں گے شاعر ہمارے

لیکن کتب تاریخ میں افتراء وتلبیسات کا مطالعہ کرنے کے بعد راقم الحروف کا جی چاہتا ہے کہ آخری مصرع میں شاعر کی بجائے راوی کردے۔ یہ ابومخنف لوط بن یحییٰ، یہ محمد بن سائب کلبی اور اُس کا بیٹا ھشام اور اسی قماش کے دوسرے مفتری اور کذّاب لوگوں نے ہماری تاریخ کو مسخ کردیا اور طبری جیسے لوگوں نے اپنے دلوں کی بیماری کو پوشیدہ رکھ کر ان مفتریوں اور کذّابوں کا تمام سرمایہ زور اُمّت کو گمراہ کرنے کیلئے جمع کردیا اور جو لوگ شیخ جلال الدین سیوطی کی طرح ''حاطب اللیل'' ہیں یعنی اندھیری رات میں لکڑیاں جمع کرنے والے، کہ کچھ پتہ نہیں چلتا کہ ہاتھ میں کام کی لکڑی آئی یا بیکار و زہریلی، انہوں نے تاریخ الخلفاء جیسی کتابیں لکھ کر اخلاف کو اسلاف سے بدظن کرنے کا سامان فراہم کردیا اور یوں اکثر لوگوں کے فکر ونظر پر مکذوبہ روایتوں کے پردے پڑ گئے۔

نعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سئيات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ٗ ومن يضله فلا هادى له ٗ و صلّى الله تعالى علىَ خير خلفه و نور عرشه محمد و صحبه و خلفائه اجمعين

کاشانۂ محمود

لالوکھیت بی ایریا

کراچی

محمود احمد عباسی

۲۰ جولائی ۱۹۵۹ء

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

عرضِ مؤلف

اُموی خلافت اپنے وقت (۴۰ ۔۱۳۲ھ) میں جیسی کامیاب اور اُمت کیلئے موجب فوز وفلاح رہی حقائق تاریخ شاہد عادل ہیں۔اسی کی برکت تھی کہ دین خالص رہا اور ایک صدی کے اندر اندر تین چوتھائی متمدن دنیا حلقہ بگوش اسلام ہوگئی۔ بنی اُمیّہ سے بڑھ کر کوئی خاندان مسلمانوں میں فاتح و مدبّر نہیں گزرا۔ظاہری و باطنی کوئی نعمت نہ تھی جو اُمت مسلمہ کو اُس دور میں میسر نہ آئی ہو اور جسے اُموی حکمت عملی کا ثمر نہ کہا جاسکے۔ ہر طرف مادی ترقیاں، روحانی برکتیں اور علوم دینیہ کی روز افزوں اشاعت تھی۔مسلمانوں کی تاریخ میں اُموی دور اپنی درخشانی وتابانی میں ہمیشہ مایۂ ناز اور موجب صد افتخار رہے گا۔خیر القرون کا یہ دور ابتداً صحابہ کرامؓ کا اور بعد ازاں تابعین عظام کا دور تھا۔خلفاء سے لیکر ادنیٰ اُمراء تک کو کہ ان ہی متعدد صحابہؓ وتابعینؒ بھی شامل تھے جو کاروبارِ خلافت چلا رہے تھے فیض یافتگان نبوی سے اکتساب فیض کا شرف حاصل رہا۔جگہ جگہ اصحاب رسول اکرم ﷺ موجود تھے جن سے استناءت پر یہ

اُمت حریص تھی اور کتاب اللہ وسُنّت رسول اللہ ﷺ پر ہی سب کا مدار کار تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اُس دور میں چند سیاسی اختلافات ومناقشات کے باوجود کوئی مذہبی فرقہ مسلمانوں میں پیدا نہ ہوسکا۔ اُموی دور کے تقریباً ایک صدی بعد سے جو مخصوص کتب حروب داخلیہ کے بارے میں تالیف ہوئیں اُن کے مؤلفین نے جو کلیتہً خاص ذہنیت کے حامل تھے۔ نیز مؤرخین سابقین نے اس عہد کے حالات قلمبند کرنے میں نہ صرف بخل ناانصافی سے کام لیا بلکہ خاص خاص واقعات کو وضعی روایات کی بناء پر اس درجہ مسخ کر کے پیش کیا کہ دے خوئے۔

De Larje جیسے آزاد و بے لاگ محقق کو بھی یہ کہنا پڑا کہ:

''تہمت تراشی وافتراء پردازی کا جو منظّم پروپیگنڈا بنی اُمیہ کی خلافت کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی غرض سے مسلسل طور سے ہوتا رہا اور جس پیمانہ پر جاری رہا اُس کی مثال شاید ہی کہیں اور ملے۔ ہر قسم کی بُرائی اور معصیت کو جو تصور کی جاسکتی ہے بنی اُمیّہ سے منسوب کی گئی۔ ان پر یہ اتہام لگایا کہ مذہب اسلام ان کے ہاتھوں میں محفوظ نہیں اسلئے یہ ایک مقدس فریضہ ہوگا کہ دُنیا سے انہیں نیست ونابود کردیا جائے۔۔۔۔۔ اس عہد کی جو مستند تاریخ ہمارے ہاتھوں تک پہنچی ہے اس میں ان ہی خیالات اور پروپیگنڈے کی اس حد تک رنگ آمیزی موجود ہے کہ سچ کو جھوٹ سے بمشکل تمیز کیا جا سکتا ہے۔'' (مقالہ بعنوان خلافت (ملخصاً) انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔ گیارھواں ایڈیشن)

کذب بیانیوں کی یہی حالت اِلّا ماشاء اللہ برابر قائم رہی۔ صدیوں پر صدیاں گزرتی گئیں، نامور سے نامور مؤرخ عہد بہ عہد پیدا ہوتے، مبسوط کتب تاریخ مرتب و مدوّن کر کے پردہ عدم میں روپوش ہوتے رہے مگر دے خوئے ''سچ کو جھوٹ سے تمیز'' کرنے کی یا وضعی روایتوں اور مبالغات کو جو کتب تاریخ میں مذکور ہیں نقد و درایت سے جانچنے کی کوئی کوشش سوائے علامہ ابن خلدون کے کسی اور مؤرخ نے نہیں کی۔ خصوصاً ابتدائے دور اُموی کے بعض مشہور واقعات کے اخلاق ومبالغت کے بارے میں روایت پرستی کی اس زمانہ میں ایسی وبا پھیلی کی متاخرین بیشتر اپنے پیش رو مؤرخین سے نقل در نقل کرنے پر اکتفا کرتے رہے۔ علامہ ابن کثیرؒ نے تو بعض ایسی روایتوں کو جنہیں وہ صحیح نہ سمجھتے تھے طبری سے نقل کرتے ہوئے یہ

کہہ کر اپنی روایت پرستانہ ذہنیت کا معناً اعتراف کیا ہے کہ:

وَلَوْلَاأن ابن جرير وغيره من الحفاظ و الأئمة ذَكَرُوهُ مَا سُقْتُهُ (البداية والنهاية ج ۸ ص ۲۰۲ ، ط دارالفكر)	اور اگر ابن جریر (طبری) وغیرہ جو حفاظ (روایات) اور ائمہ میں سے ہیں ان کو بیان نہ کرتے تو ہم بھی ترک کر دیتے۔

البتہ ایک منفرد مثال ابن خلدون کی ہے جنہوں نے اپنے شہرہ آفاق مقدمہ تاریخ میں بعض مشہور وضعی روایات کو نقد و درایت کے معیار سے پرکھنے کی کوشش کی اور نام نہاد مؤرخین کے بارے میں صاف کہا کہ تاریخ کو خرافات اور واہی روایات سے انہوں نے غلط ملط کر ڈالا۔ وہ لکھتے ہیں:

وخلطها المتطفّلون بدسائس من الباطل وهموا فيها وابتدعوها وزخارف من الرّوايات المضعفة لفّقوها ووضعوها (مقدمة علامة ابن خلدون طبع مصر)	اور نااہل وخود ساختہ (مؤرخین) نے اس (تاریخ) کو باطل اور من گھڑت خرافات سے خلط ملط کر دیا، لغو اور بے ہودہ باتیں اس میں بھر ڈالیں اور گھٹیا قسم کی وضعی روایتیں اِدھر اُدھر سے لیکر اس میں شامل کر دیں۔

اسی کے ساتھ فرماتے ہیں کہ متاخرین آنکھیں بند کر کے اگلوں کے قدم بقدم چلتے رہے۔ علامہ موصوف نے ولایت عہد کی بحث میں امیر یزیدؒ کی ولی عہدی کے متعلق جو بیان کیا ہے وہ اسی کتاب میں دوسری جگہ درج ہے۔ اس کے پیش نظر راقم الحروف کا یہ استنباط شاید غلط نہ ہو کہ تنہا وہی ایک مؤرخ ہیں جنہوں نے دیگر وضعی روایات کی طرح سانحہ کربلا کی موضوعات کو تاریخی معیار سے جانچنے کی کوشش کی تھی کہ جس کی پاداش میں ان کی کتاب کے تمام نسخوں سے صرف یہی تین ورق (یعنی چھ صفحے) جو اس حادثے کے بارے میں تھے ایسے غائب ہوئے کہ آج تک کسی فرد بشر کو چار دانگ عالم میں دستیاب نہ ہو سکے۔ تاریخ ابن خلدون (عربی) کے جتنے ایڈیشن اب تک طبع ہوئے ہیں ان کے حاشیے پر تشریح کر دی گئی ہے کہ یہ تین ورق نیز وہ چند سطریں جو امیر یزیدؒ کی ولایت کے بارے میں تھیں اصل میں سے غائب ہیں۔ اس کو بھی پانچ سو برس کا طویل زمانہ گزر گیا کسی دوسرے مؤرخ کو پھر بھی توفیق نہ

ہوئی البتہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ متوفی ۷۲۸ھ نے منہاج السنۃ میں کہ وہ کتب تاریخ میں شامل نہیں حضرت معاویہؓ ویزیدؒ کی سیرۃ کے بعض امور کی بابت انکشاف حقیقت کیا ہے۔اسی طرح حجۃ الاسلام امام غزالیؒ اور بعض دیگر مؤرخین ابن کثیر و بلاذری وغیرہ کی تحریرات میں بھی ضمنی طور سے بیان ہوا ہے۔پچھلی صدی سے مستشرقین نے اس باب میں بھی داد تحقیق دی ہے لیکن بقول امام غزالیؒ تعصّبات کے پردے میں حقیقت روپوش ہوتی چلی گئی۔اس پردے کو ہٹانے اور اس عہد کی سچی تاریخ کی ترتیب وتدوین کی شدید ضرورت کا احساس نہ صرف فن تاریخ کے تقاضے کے لحاظ سے بلکہ مصالح ملیّہ کے اعتبار سے بعض زعمائے ملّت کو ہوتا رہا۔

قیام پاکستان کے بعد سے ہز ہائی نس سر آغا خان (سر سلطان بالقابہ) نے اپنی تقریروں اور تحریروں میں اس شدید ضرورت پر پاکستانی مفکرین ومؤرخین کو بار بار متوجہ کیا تھا۔ہز ہائی نس سر آغا خان نے اپنی ایک تحریر میں فرمایا تھا:

> دنیائے اسلام کی صدیوں کی تباہی اور بربادی کے بعد پاکستان بحیثیت سب سے پہلی عظیم ترین اسلامی مملکت کے عالم وجود میں آیا ہے اس لئے موزوں ترین وقت ہے کہ اسلامی تاریخ کے اس عظیم الشان دور یعنی بنی اُمیہ کے درخشان دورِ صد سالہ کی سچی تاریخ لکھی جائے اور پاکستانی پبلک کے سامنے پیش کی جائے جن کو اپنے ماضی کے سچے اور بے لاگ تناظر وتبصرے کی شدید حاجت ہے۔
>
> مصر وشمالی افریقہ میں تو اس قسم کی تالیف کی اس سے بہت کم ضرورت ہے جتنی پاکستان میں ہے کیونکہ مصر اور شمالی افریقہ کے مسلمانوں نے اس تشکیل دور کی عظمت وشان کو فراموش نہیں کیا ہے۔لیکن جغرافیائی حالات نے اس خطہ کو جو سابق ''ہند'' تھا ایرانی اثرات سے بہت کچھ وابستہ کر رکھا تھا۔حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام کا ایک عالمگیر طاقت کی حیثیت سے رہ جانا کلیتًا خاندان بن اُمیہ کے قریشی حکمرانوں کا رہینِ منت ہے جنہوں نے مغرب کی طرف سے اندلس اور فرانس کے راستے سے رومۃ الکبریٰ اور

قسطنطنیہ کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کا شاندار خواب دیکھا تھا اور وہ یقیناً کامیابی سے ہمکنار ہو جاتے اگر تباہ کُن عباسیؒ فتح نے اسلام کی ایکتا اور صحیح متحدہ مملکت کو پامال نہ کر ڈالا ہوتا۔ اس تاریخ حقیقت کو مسلسل اور متواتر ذہن نشین رکھنا چاہیئے تا کہ پاکستان کی آنے والی نسلوں کے مسلمان اکتساب فیضان کی توقعات دمشق کے اثر آفریں اور فعال صدی سے وابستہ کریں نہ کہ کوفہ و بغداد کی جامد صدیوں سے۔

(پیش لفظ نوشتہ سر آغا خان مندرجہ ''دی گریٹ اُمّید'' مولفہ محمد اے حارث)

تقریباً دس برس پہلے ہز ہائی نس ممدوح نے کراچی میں جو تقریر بعنوان اسلامی مملکتوں کی تاریخ، اُن کا عروج و زوال و مستقبل کی توقعات، فروری ۱۹۵۰ء میں کی تھی اُس میں اِس امر کا اظہار کرتے ہوئے کہ بیشتر اسلامی کتب تاریخ بنی اُمیہ کے مخالف اثرات کے تحت لکھی گئیں، فرمایا تھا:

''یقین جانئے صحیح اسلام جامد نہیں بلکہ متحرک و فعال تھا اور ہے۔ امویوں کے شاندار عہد میں وہ فعال، سیدھا سادھ، خالص و بے میل رہا اور اُسکی بنیادیں کشادہ اور گہری رہیں۔ اتنی کشادہ اور گہری کہ آئیندہ کی تمام کمزوریوں کے باوجود منگولوں کی خطرناک تاخت و تاراج کے اور اس کے بعد اس سے بھی زیادہ خطرناک یورپ دشمنی کے باوجود وہ قائم و برقرار رہا۔

آپ اپنے مؤرخین سے مطالبہ کیجئے اور اپنے مفکرین سے کہیے کہ وہ اس شاندار صد سالہ اُموی دور پر اپنی توجہ مرکوز کریں اور اس کے سیدھے سادھے عقیدے، کشادہ ذہنیت نیز قانونی اور متکلمانہ جکڑ بندیوں سے آزاد و فعال خصوصیت کو بطور مثال کے سامنے رکھیں۔''

لہ راقم الحروف نے مبسوط تالیف میں ''انتزاع اموی خلافت و قیام خلافت عباسیہ'' کے تحت بتایا ہے کہ مضرور بیعہ کی شدید ترین دشمنی نے اُموی خلافت کی افادیت ختم کر دی تھی۔ اگر محمد الامام عباسیؒ کی تعمیری تحریک اس وقت تک کامیابی سے ہمکنار نہ ہوتی تو ملت کا شیرازہ ایسا بکھر گیا تھا کہ مسلمانوں کی سیاسی قوت ہمیشہ کیلئے پارہ پارہ ہو کر تباہ ہو جاتی۔ عرب اور غیر عرب کی چپقلس نے صورت حال نازک کر دی تھی۔ عباسی تحریک تخریبی نہیں تعمیری تھی اس بارے میں بھی روایات کو نقد و درایت سے پرکھنے کی ضرورت ہے۔

اسی کے ساتھ ہز ہائی نس نے پاکستانیوں کو خطاب کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ:

''آپ کو اپنے ملک میں بہت سے مسائل کا سامنا ہے۔ اقتصادی، فوجی اور سائنٹفک مسائل کا اور یقیناً آپ اپنی مادی مشکلات پر غالب آجائیں گے۔ لیکن آپ ملّت کی اسپرٹ اسکے جذبہ و روح وضمیر کا خیال رکھیں اسلامی تاریخ کی تیسری صدی کی جانب نہیں بلکہ پہلی صدی ہجری کی طرف نظریں جمائیں۔''

پہلی صدی ہجری میں سیاسی قیادت متفقہ طور پر سے بنو اُمیّہ کی قیادت یا بالفاظ دیگر اُموی خلافت تھی۔ ان الفاظ کی اہمیت اور قدر و قیمت بدر جہا بڑھ جاتی ہے جب اس کا لحاظ کیا جائے کہ یہ ارشادات اُس طبقے کے روحانی پیشوا اور ''امام حاضر'' کے ہیں جس کے یہاں امامت اصول دین میں ہے مگر اس کے باوجود وہ عالم اسلامی کے اتحاد کے اس درجہ ساعی رہے کہ اگر تر کی زعمائے وقت اُن کی تجویز دوبارہ احیاء خلافت مان لیتے تو شاید اسرائیل کے ناسور کی عفونت نہ پھیلتی۔

مسلمانانِ ہند کی نشاۃ ثانیہ کی تحریک سے جس کی داغ بیل سر سید علیہ الرحمۃ کے مبارک ہاتھوں سے پڑی تھی اور بالآخر پاکستان کی تشکیل پر منتج ہوئی، ہز ہائی نس عملاً وابستہ رہے اور اہم خدمات انجام دیں۔ لیکن اہم تر خدمت مسلمانان پاکستان کی اسپرٹ اور روح کی بالیدگی اور تر و تازگی کیلئے پہلی صدی ہجری کے عہد بنو اُمیّہ کی متحرک، فعال اور ملایانہ متکلمانہ جکڑ بندیوں سے آزاد مثال کے سامنے رکھنے اور اُس عہد کی سچی تاریخ مرتب و مدون کرنے کا ہے۔ کسی فرد واحد کے انجام دینے کا نہیں۔

راقم الحروف کو اپنی کم بضاعتی کا اعتراف ہے۔ مدت دراز سے اس عہد کے بعض اہم واقعات کی تحقیق و تفتیش میں ہمت مصروف رہی۔ محترمی ڈاکٹر مولوی عبدالحق مدظلہ، بابائے اُردو کی فرمائش سے کتاب ''الحسین'' پر مختصر سا تبصرہ کیا تھا جو سہ ماہی رسالہ اُردو جنوری ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا پھر اس تبصرے پر تبصرہ رسالہ ''تذکرہ'' کراچی میں دو سال تک ہوتا رہا۔ اس سلسلہ میں بارہ قسطیں راقم الحروف کے مضامین کی شائع ہوئیں۔ چند ہی قسطوں کے شائع ہونے پر پاکستان اور بھارت کے اہل علم حضرات کے ہمت افزاء اور ستائشی خطوط بکثرت آنے شروع ہوئے جن میں سے اکثر میں تقاضا تھا کہ ان مضامین کو کتابی صورت میں شائع کیا جائے۔

محبی ومحترمی جناب مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی مُدیر ''صدق جدید'' نے اپنے مکتوب مرقومہ ۱۰ جنوری ۱۹۵۸ء موسومہ مُدیر رسالہ ''تذکرہ'' فرمایا تھا کہ ''آپ کے ہاں ''الحسین'' پر تبصرہ کے عنوان سے جو مسلسل مقالہ نکل رہا ہے وہ بہت ہی جامع، نافع، بصیرت افروز ہے اسے کتابی صورت میں جلد سے جلد لائیے۔''

یہی تقاضا بہت سے اہل علم کا برابر جاری رہا اور اب تک کہ کتاب مرتب ہو کر مطبع میں دے دی گئی برابر جاری ہے۔ بلکہ ایک بزرگ مولانا مفتی سیّد حفیظ الدین احمد صاحب نے پیرانہ سالی میں دہلی سے کراچی کا سفر اسی مقصد سے کیا اور مہربانی سے ایک قطعہ تاریخ فارسی بھی ارشاد فرمایا جو دوسری جگہ درج ہے۔ غرض یہ کہ غیر متوقع طور سے ان مضامین کو بنظر استحسان دیکھا گیا جس سے اندازہ ہوا کہ پاکستان اور بھارت کے مسلمان کس درجہ مشتاق ہیں کہ اُموی عہد کے حالات جن پر کثیف پردے وضعی روایات کے پڑے ہوئے ہیں، صحیح طور سے منکشف ہو جائیں۔

حالات نامساعد رہے لیکن کتابی صورت میں لانے کیلئے ترتیب از سرِ نو کرنی پڑی اور مبسوط کتاب کی طباعت کو جس کے کچھ حصہ کی کتابت بھی ہو چکی ہے ملتوی کر دینا پڑا۔ اس کتاب کی ترتیب میں راقم الحروف کے پیش نظر یہ مقصد رہا ہے کہ واقعات اور مستند روایات کی روشنی میں ابتدائے عہد اُموی کے حالات کو اُجاگر کر کے صحیح صورت حال افراد ملّت خصوصاً نوجوانوں کے سامنے پیش کرے تاکہ غلط فہمیاں جو وضعی روایات کے بناء پر عام طور سے پھیلی ہوئی ہیں دُور ہو کر مسلمانوں کے دلوں میں محبت واُلفت کے وہ جذبات بیدار ہوں جو انما المؤمنون اخوۃ کا تقاضا ہے۔ اور اسلاف کرام کے سیاسی مناقشات کو مذہبی رنگ دے کر بدگوئی اور سبّ وشتم کو اب جبکہ ناقابل تردید حقائق سے صحیح صورت حال کا بیّن طور سے انکشاف ہو گیا، ختم کر دیا جائے۔

اس خصوص میں بھی محترم امام[1] شیعہ اسماعیلہ کی زریں مثال شمع ہدایت ہے جنہوں نے واشگاف الفاظ میں کہہ دیا کہ خلیفہ سوم کی شہادت کے وقت تک کامل اتحاد رہا کوئی اختلاف نہ تھا، حضرت علیؓ خلفائے ثلاثہ سے پورا تعاون کرتے رہے۔ خلافت کا کوئی سوال نہ اُٹھایا، جب اُنہوں نے ہی نہ اُٹھایا تو ہم بھی کیوں اُٹھائیں۔ جب وہ اُن کا احترام کرتے تھے تو ہم کیوں نہ کریں۔

---

[1] فرمان سر آغا خان بعنوان ''اسمٰعیلی اور پہلے تین خلفاء'' بحوالہ اسلامک ریویو وکنگ ''دی گریٹ اُمید'' مطبوعہ پاکستان پرنٹنگ ورکس۔ کراچی

اے کاش امت کا ہر طبقہ اختلاف عقائد کے باوصف اسی رواداری پر عمل پیرا ہو تو چمن اسلام پاکستان میں بھی اتحاد بین المسلمین سے وہی کیفیت ہو

گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونق چمن　　اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

کاشانہ محمود

لالوکھیت۔ بی ایریا۔ کراچی

محمود احمد عباسی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اموی خِلافت کا پسِ منظر

سبائی پارٹی اور حضرت علیؓ کی بیعت

حضرت عثمان ذی النورینؓ جیسے حلیم و کریم خلیفہ راشد کو بحالتِ تلاوتِ قران مجید ظلماً شہید کر دینے کے بعد سبائی لیڈر مالک الاشتر اور اُس کے ساتھی بلوائیوں نے جب حضرت علیؓ سے بیعت خلافت کرنی چاہی تو اُن کے چچیرے بھائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے منع کیا اور کہا کہ گھر میں بیٹھ رہیں یا اپنی جاگیر ینبوع چلے جائیں بلوائیوں سے کوئی واسطہ نہ رکھیں ورنہ خونِ عثمانؓ کا الزام آپ پر لگ جائے گا۔ حضرت ابنِ عباسؓ نے فرمایا تھا:۔

فَاءِ نَّكَ وَاللّٰهِ لَئِنْ نَهَضْتَ مَعَ هٰؤُلَاءِ الْيَوْمَ لَيُحَمِّلَنَّكَ النَّاسُ دَمَ عُثْمَانَ غَدًا ۔
(تاریخ طبری ج۵ ص۱۶۰)

واللہ اگر آپ ان لوگوں کے ساتھ (بیعت خلافت کیلئے) اُٹھ کھڑے ہوئے تو کل آپ پر لوگ خونِ عُثمانؓ کا الزام لگا دیں گے۔

مگر افسوس حضرت موصوف نے اپنے بھائی کا مشورہ قبول نہ فرمایا (فابی علیٰ) اور بیعت لے لی۔ یہ بیعت چونکہ بلوائیوں اور قاتلوں کی تائید بلکہ اصرار سے ہوئی تھی اور یہ خلافت ہی حضرت عثمانؓ جیسے محبوب خلیفہ راشد کو ناحق قتل کر کے سبائی گروہ نے اپنے اثر سے قائم کی تھی اور الاشتر ہی پہلا شخص تھا جس نے سب سے پہلے بیعت کی تھی اِنَّ اَوَّلَ مَنْ بَايَعَهُ الْأَشْتَرُ (ایضاً ۱۵۶) نیز قاتلین سے قصاص نہیں لیا گیا تھا جو شرعاً واجب تھا اور نہ قصاص لئے جانے کا امکان باقی رہا تھا۔ کیونکہ یہی سبائی بلوائی اور

قاتل نیز سبائی گروہ کا بانی مبانی عبداللہ بن سبا مباعین میں نہ صرف شامل بلکہ سیاستِ وقت پر اثر انداز رہے۔ اکابر صحابہؓ کی اکثریت نے جو مدینہ میں موجود تھی بیعت کرنے سے گریز کیا۔ یعنی عبداللہ بن عمرؓ، سعد بن ابی وقاصؓ فاتح ایران، اسامہ بن زیدؓ حب رسول اللہ، حسان بن ثابتؓ، کعب بن مالکؓ، مسلمہ بن مخلدؓ، ابوسعید الخدریؓ، محمد بن مسلمہؓ، نعمان بن بشیرؓ، زید بن ثابتؓ، رافع بن خدیجؓ، فضالہ بن عبیدؓ، کعب بن عجرہؓ، صہیب رومیؓ، سلمہ بن وقشؓ، قدامہ بن مظعونؓ، عبداللہ بن سلامؓ، مغیرہ بن شعبہؓ جیسے عظمائے ملّت وارباب حلّ وعقد نے بیعت نہیں کی۔ (طبری ومحاضرات الحضری)

حضرت اسامہؓ نے بیعت نہ کرنے کی وجہ کا برملا اظہار بھی کر دیا تھا جس پر الاشتر اُن پر حملہ آور ہوا تھا۔ حضرت سعدؓ نے بچالیا تھا۔ شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ نے ازالۃ الخفاء میں اِس امر کا اظہار کرتے ہوئے کہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در بسیارے از احادیثِ متواترہ مرویہ بطریق متعددہ بیان فرمودند کہ امّت بر حضرت مرتضیٰ جمع نہ شود۔'' (ج۲ص۲۷۵)

طالبینِ قصاص حضرت طلحہؓ وزبیرؓ وحضرت اُمّ المؤمنین عائشہؓ کے اقوال اس بارے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

خلافت برائے حضرت مرتضیٰ قائم نہ شُد زیرا کہ اہلِ حلّ و عقد عن اجتہاد و نصیحتاً للمسلمین بیعت نہ کردہ۔ (ازالہ الخفاج۲ص۲۷۹)	خلافت حضرت مرتضٰی کے لئے قائم نہ ہوئی کیونکہ اہل حلّ وعقد نے اپنے اجتہاد سے اور مسلمانوں کی نصیحت کی غرض سے بیعت اُن سے نہیں کی۔

ان اکابر صحابہ واہل حلّ وعقد کو حضرت علیؓ کی ذات سے مخالفت نہ تھی اور نہ اُن کے خلیفہ ہونے پر اعتراض تھا۔ یہ حضرات انتخاب وبیعت خلافت میں سبائی گروہ وقاتلینِ عثمانؓ کی دراندازیوں کو مصالح ملّیہ کے خلاف سمجھتے تھے اس لئے امّت کی بھاری اکثریت نے بیعت نہیں کی۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بھی حضرت علیؓ کی بیعت خلافت کے بارے میں لکھا ہے کہ:۔

فَاِنَّ کَثِیراً مِنَ الْمُسْلِمِینَ : اِمَّا النِّصْفُ و اما أقل أَو أَکثَرُ لَمْ یُبَایِعُوهُ وَلَمْ یُبَایِعْهُ سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ وَلَا ابْنُ عُمَرَ وَلَا غیرهما۔

(منہاج السنۃ ج ۱ ص ۲۳۷)

پس مسلمانوں کی کثیر تعداد نے یعنی نصف (ملّت) نے یا اُس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ نے اُن کی (علیؓ کی) بیعت نہیں کی۔ نہ سعد بن ابی وقاصؓ نے بیعت کی اور نہ (عبداللہ) بن عمرؓ نے اور نہ دوسرے (صحابہ) نے۔

حضرت عبداللہ بن عُمرؓ نے طلبِ بیعت پر اتنا ہی کہا تھا کہ جب سب لوگ بیعت کرلیں گے تو میں بھی کرلوں گا۔ مالک الاشتر نے قتل کردینے کی دھمکی دی اور ضامن طلب کیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں خود ان کا ضامن ہوں انہیں چھوڑ دو۔ وہ مفسدین کی من مانی کارروائیوں سے بیزار ہوکر مکہ چلے گئے۔ مالک الاشتر وغیرہ نے گرفتار کرانا چاہا۔ اُن کی سوتیلی ماں اُمّ کلثوم بنت علیؓ بیوہ حضرت عُمرؓ یہ خبر سُن کر بعجلت اپنے والد کے پاس آئیں اور کہا کہ ابن عُمرؓ آپ کی مخالفت میں نہیں گئے ہیں، اِس پر اُن کا تعاقب ترک ہوا۔

سبائیوں کی حرکات شنیعہ سے اُمّت میں جو انتشار پیدا ہوگیا تھا تمام عالمِ اسلام میں خلیفہ شہید کے مظلومانہ قتل سے اِک آگ سی لگ گئی اور ہر طرف سے انتقام انتقام کا نعرہ بلند ہوا۔ یہ صورتِ حال بہت حد تک سنبھل سکتی تھی اگر قصاص لینے کی تدبیر کی جاتی مگر قصاص نہ لیا گیا۔ محدّث دہلویؒ نے طالبینِ قصاص کے مؤقف کی وضاحت کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

دوم آنکہ قصاص حق است و حضرت مرتضیٰؓ قادر است بر اخذ قصاص ذی النورینؓ و اخذ آن نمی کند بلکہ مانع آن است و حضرت مرتضیٰؓ نیز بخطائے اجتہادی حکم فرمود۔

(ازالۃ الخفاج ۲ ص ۲۷۹)

دوسرے یہ کہ قصاص لینا حق ہے اور حضرت مرتضیٰؓ اس پر قادر تھے کہ حضرت (عثمانؓ) ذی النورین کے (مظلومانہ قتل کا) قصاص لے سکتے تھے مگر انہوں نے قصاص نہ لیا بلکہ اس کے مانع ہوئے۔ حضرت مُرتضیٰؓ نے بھی خطائے اجتہادی سے کام لیا۔

حضرت موصوف کی یہ خطائے اجتہادی تھی یا بے بسی یا مجبوری۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بخلاف حضرات خلفائے ثلاثہ جن کی بیعت پر تمام اُمّت مجتمع تھی، اتحاد و اتفاق تھا، کفّار کے مقابلے میں جہادی سرگرمیاں تھیں، بڑے بڑے ملک فتح ہو کر مسلمانوں کے زیرِ تسلط آئے۔ مگر حضرت علیؓ کے زمانے میں نہ کوئی جہاد ہوا، نہ کوئی ملک فتح ہوا، نہ ملّت ان کی بیعت و خلافت پر مجتمع ہوئی، آپس ہی میں تلواریں چلتی رہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:۔

فان الثلاثة اجتمعت الامة عليهم فحصل بهم مقصود الامامة وقوتل بهم الكفار وفتحت بهم الامصار وخلافة علي لم يقاتل فيها كافر۔ ولا فتح مصر وانما كان السيف بين اهل القبلة۔

(منہاج السنۃ ج ۱ ص ۱۴۵)

تینوں خلفاء ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ نے پوری اُمت کو اپنی خلافت پر مجتمع کر لیا تھا اور اس طرح انہیں امامت (خلافت) کا مقصود حاصل ہو گیا تھا۔ (اور ان کی اس امارت کے مسلّم ہو جائے کی وجہ سے) انہوں نے کفار پر جہاد کیا اور شہروں کو اپنے اقتدار کے تحت لے آئے اور علیؓ کی خلافت میں نہ کفار سے جہاد ہوا اور نہ شہر فتح ہوئے۔ اس دور میں بس تلوار اہل قبلہ میں چلتی رہی۔

دشمنانِ دین اور کفّار سے تیغ آزمائی کرنے کے بجائے طلب و حصولِ خلافت کی غرض سے تلوار اُٹھائی گئی تھی۔ شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ فرماتے ہیں:۔

مقاتلات وے (علی) رضی اللہ عنہ برائے طلب خلافت بود نہ بجہت اسلام۔

(ازالۃ الخفاج ا ص ۲۷۷ سطر ۲۰)

علی رضی اللہ عنہ کی لڑائیاں (مقاتلات) تو (بعد شہادت عثمانؓ) اپنی خلافت کی طلب و حصول کے لئے تھیں نہ باغراضِ اسلام۔

شاہ صاحب کے اس خیال کی تائید ایک آزاد نگار مستشرق کے بیان سے ہوتی ہے۔ دے خوئے نے اپنے مقالہ بعنوان ''خلافت'' میں یہ لکھتے ہوئے کہ: ''بلوائیوں کے جمّ غفیر نے (حضرت) علیؓ کو زمامِ خلافت ہاتھ میں لے لینے کیلئے بلایا اور طلحہؓ وزبیرؓ کو اُن کی بیعت کیلئے مجبور کیا۔'' کہا ہے کہ:

''حقیقت نفس الامر یہ ہے کہ (حضرت) علیؓ کو خلیفہ شہید کی جانشینی کا استحقاق واقعاً حاصل نہ تھا۔ علاوہ ازیں یہ بھی واضح ہے کہ تقدس و پارسائی کا جذبہ تو اُن کے (طلبِ خلافت میں) اندر کارفرمانہ تھا بلکہ حصول اقتدار وحب جاہ کی ترغیب تھی۔ اسلئے معاملہ فہم لوگوں نے اگرچہ وہ (حضرت) عثمانؓ کی طرزِ حکمرانی کی مذمت کرتے تھے، علیؓ کو اُن کا جانشین تسلیم کرنے سے انکار کردیا تھا۔''

(انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا گیارھواں ایڈیشن ج ۵ ص ۲۰)

غرض یہ کہ شہادتِ عثمانؓ سے حالات نے نازک صورت اختیار کرلی۔ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا خاتمہ ہوگیا۔ محدّث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دراحادیث بسیار تصریح وتلویح فرمودند کہ خلافت خاصہ بعد حضرت عثمانؓ منظّم نہ خواہد شد۔ (ازالۃ الخفا ج ۲ ص ۲۴۹)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی حدیثوں میں صراحت اور وضاحت سے فرمایا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے بعد خلافت خاصہ منتظم نہ ہوسکے گی۔

یہ بتا کر شاہ صاحبؒ نے اس امر کا اظہار بھی واضح طور سے کیا ہے کہ باوجود اوصافِ خلافت خاصہ رکھنے کے حضرت علیؓ کی خلافت قائم نہ ہوسکی اور نہ اُن کا حکم نافذ ہوا۔ اور آخر میں وہ لکھتے ہیں کہ:

حضرت مرتضیٰ باوجود وفور اوصاف خلافت خاصہ در وے متمکن نہ شد در خلافت او در

حضرت مرتضیٰؓ باوجودیکہ وہ خلافت خاصہ کے وافر اوصاف رکھتے تھے خلافت پر متمکن

اقطار ارض حکم او نافذ نگشت و ہر روز دائرہ سلطنت تنگ تر می شد تا آنکہ در آخر ایام بجز کوفہ و ماحول آن محل حکومت نماند۔
(ازالۃ الخفاج ۲ص ۲۴۹)

نہ ہو سکے اور نہ اُن کا حکم اقطاء ارض میں نافذ ہوا۔ اور ہر روز اُن کی سلطنت کا دائرہ تنگ سے تنگ ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ آخری ایام میں سوائے کوفہ اور اُس کے آس پاس اُن کی حکومت کا ٹھکانہ نہ رہا۔

یہ افسوسناک حالت خانہ جنگی کے نتیجہ میں پیدا ہوئی تھی۔ دشمنان اسلام نے اس حالت سے فائدہ اُٹھانا چاہا۔

لم یظھر فی خلافتہ دین الاسلام بل وقعت الفتنۃ بین اھلہ و طمع فیھم عدوھم من الکفار و النصاری و المجوس بالشام والمشرق.
(منہاج السنۃ ج ۲ص ۱۳۸)

یعنی اُن کی (حضرت علیؓ کی) خلافت میں دین اسلام کو شوکت نہ ہوئی بلکہ اہل اسلام میں فتنہ واقع ہوا اور شام و مشرق (یعنی ایران وغیرہ) کے کفار و نصاریٰ اور مجوسیوں کو جو (مسلمانوں کے) دشمن ہیں ان کے (مسلمانوں کے) تباہ کرنے کی طمع پیدا ہوئی۔

سبائیوں کا مقصود اصلی یہی تھا کہ خونِ عثمانؓ کو ناحق بہا کر جس فتنے کا دروازہ کھولا ہے وہ کبھی بند نہ ہو سکے۔ مسلمان حسبِ سابق ایک جھنڈے کے نیچے جمع نہ ہوں اور فتوحاتِ اسلامیہ کا سلسلہ جاری نہ رہے۔ عبداللہ بن سبا یہودی مفسد جس کو ابن السودا بھی کہتے ہیں بذات خود مدینہ میں موجود تھا۔ قتلِ عثمانؓ کا سارا پلان اُسی نے بنایا تھا۔ طالبین قصاص کے بصرہ کو روانگی کی خبر سُن کر حضرت علیؓ نے اُن کے مقابلے میں جانا چاہا۔ ابن سبا اور اُس کی پارٹی اُن کے ساتھ لگی رہی۔ اکابر صحابہؓ نے اس اقدام کی مخالفت کی۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ جیسے جلیل القدر صحابی نے سواری کی لگام پکڑ لی اور کہا:

يا امير المؤمنين ٭ لا تخرج منها ٭ فو الله لَئِنْ خرجت منها لا ترجع اليها وَلا يعود اليها سلطان المُسلِمِينَ أبدا فسبوه ٭ فَقَالَ: دعوا الرجل ٭ فنعم الرجل من اصحاب مُحَمَّد صلى الله عليه وسلم ! وسار حَتَّى انتهى الَى الرَّبْذَة ۔

(تاریخ طبری ج۵ص۱۷۰)

اے امیر المؤمنین آپ (مدینۃ الرسول کو) چھوڑ کر مت جائیں۔ اللہ کی قسم مدینہ چھوڑ کر چلے گئے تو پھر کبھی لوٹ کر نہ آئیں گے اور نہ مسلمانوں کی حکومت (خلافت) اِدھر کبھی پلٹے گی (یعنی مدینہ مستقر خلافت نہ رہے گا) (ان کی گفتگو پر سبائیوں نے) ان پر سبّ وشتم کیا۔ اس پر (حضرت علیؓ نے) کہا ان کو چھوڑ وا لگ رہو یہ اصحاب محمد ﷺ میں اچھے شخص ہیں یہ کہہ کر روانہ ہوگئے یہاں تک کہ مقامِ ربذہ میں پہنچ گئے۔

حضرت حسنؓ بھی اپنے والد ماجد کے مستقر خلافت چھوڑنے کے خلاف تھے اُس وقت تو وہ اُن کے ساتھ نہ گئے، بعد میں اسی مقام ربذہ میں آکر ملے۔ اور اپنے والد سے شکایت کی کہ میرا مشورہ آپ نے نہ مانا بلکہ اس کے خلاف کیا۔ میں نے عرض کیا تھا کہ جب تک تمام ولایتوں کے وفود نہ آجائیں اور وہاں کے لوگ بیعت نہ کرلیں اپنی بیعت نہ لیجئے۔ حضرت علیؓ نے جواباً کہا کہ انتخاب خلیفہ کا حق اہل مدینہ کا ہے (فان الامر اهل المدينة ۔طبری) ان کا اور ان کے ساتھیوں کا یہی مؤقف تھا کہ مدینہ میں جب بیعت خلافت ہوچکی تو اب سب کو بیعت میں داخل ہوجانا چاہیئے۔ پھر مرکز کو مضبوط کرکے داخلی فتنوں کا سدّ باب ہوسکتا ہے۔ دوسرے مسلمانوں کا جن میں اکابر صحابہؓ کی ایک جماعت شامل تھی یہ قول تھا کہ خلیفہ شہید کی بیعت ہماری گردنوں پر ہے۔ ان کی وفات طبعی نہیں ہوئی اور نہ وہ آخر وقت تک خلافت سے دستبردار ہوئے، ظلم وتعدی سے اُن کو اچانک شہید کردیا گیا۔ ہم علیؓ کی خلافت کو تسلیم کرلیں گے بشرطیکہ وہ باغیوں اور قاتلوں سے تبرّا کریں اور ہمارے ساتھ ہوکر قصاص لیں۔ نظام خلافت کی حرمت ہرگز باقی نہیں رہ سکتی اگر قاتلین کو بغیر قصاص لئے چھوڑ دیا جائے۔

حضرت طلحہؓ نے واضح الفاظ میں سامعین سے کہا تھا:

وَاِنْ تَرَکْتُمْ لَمْ یَقُمْ لَکُمْ سُلْطَانٌ ، وَلَمْ یَکُنْ لَکُمْ نِظَامٌ ۔	اگر قصاص لینا تم نے ترک کردیا تو پھر نہ تمہارے لئے حکومت قائم رہ سکتی ہے اور نہ نظامِ حکومت۔
(تاریخ طبری ج۵ص ۱۷۵، جمہرۃ خطب العرب ص ۱۲۷)	

حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ باغیوں کی جماعت پر ہمیں قدرت حاصل نہیں اِس وقت اُن کا غلبہ ہے۔ اس دوران میں بعض صحابہؓ کی مساعی سے طالبین قصاص اور حضرت علیؓ میں مفاہمت کی شکل پیدا ہوگئی۔ اور حضرت علیؓ تکمیل صلح کی غرض سے جب روانہ ہونے پر تیار ہوئے تو یہ اعلان کیا کہ:

الا ولا یرتحلن غدا احداً اعان علی عثمان رضی الله عنه.	جس شخص نے بھی عثمانؓ کے معاملے میں کچھ کیا ہو، وہ ہمارے ساتھ نہ چلے۔
(تاریخ طبری ج۵ص۱۹۴)	

یہ سُنکر ان سبائیوں نے جن میں ابن سبا اور اس کا خاص ایجنٹ مالک الاشتر نیز دوسرے باغی اور قاتل شامل تھے خفیہ میٹنگ کر کے طے کیا کہ اس صلح و مفاہمت کو ناکام بنادیا جائے کیونکہ صلح کی صورت میں ہماری خیر نہیں۔ مؤرخین کا متفقہ بیان ہے کہ عبداللہ بن سبا کی تجویز کے مطابق ان لوگوں نے اپنے ساتھیوں اور متبعین کے ذریعے جن کی تعداد ڈھائی ہزار بیان کی گئی ہے رات کو شب خون مار کر آتش جنگ مشتعل کرادی۔ حضرت علیؓ نے اس خانہ جنگی اور برادر کشی کو روکنے کیلئے قران شریف دکھا دکھا کر کہا کہ یہ کلام اللہ ہمارے تمہارے درمیان ہے، اسی کے مطابق فیصلہ ہو (طبری ج۵ص۴۰۲)۔ لیکن سبائیوں کا تیر نشانہ پر بیٹھ چکا تھا۔ ہر فریق نے اسی غلط فہمی میں قتال کیا کہ دوسرے نے شرائط صلح سے غداری کی۔ اس سانحہ کے بعد بھی سبائیوں کی ریشہ دوانیوں کا خاتمہ نہ ہوا اہل شام سے لڑائی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ سبائیوں کی من مانی کارروائیاں دیکھ کر کہ وہ جو چاہتے ہیں کسی نہ کسی حیلے بہانے سے حضرت علیؓ سے کرا لیتے ہیں، اُن کے بعض عزیز قریب بھی بیزار ہوگئے۔ حضرت علیؓ کے برادر بزرگ حضرت عقیلؓ کی دوربین نگاہوں نے اس ساری صورت حال کا جائزہ لے لیا تھا اور سمجھ گئے تھے کہ ان کے بھائی کے

گردوپیش جولوگ سبائی پارٹی کے ہیں وہ ملت کا بیڑہ غرق کئے بغیر نہ رہیں گے۔اس ضمن میں وضاعین نے کتنے ہی لطیفے اور کتنی پھبتیاں کسی ہیں لیکن اس حقیقت سے انکار کا امکان نہیں کہ حضرت علیؓ کے سگے بڑے بھائی حضرت عقیلؓ جو بزرگ خاندان تھے، وہ اپنے بھائی سے علیحدہ ہوکر اُن کے مدمقابل حضرت معاویہؓ کے پاس چلے گئے جو حضرت عثمانؓ کے ولی الدم اور طالب قصاص تھے۔صفین کے میدان میں وہ اُن کے کیمپ میں موجود رہے۔ انہوں نے اپنے بھائی کے ساتھ وفاداری اسی میں سمجھی تھی کہ اُن کی سیاست پر جولوگ مستولی ہیں وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچیں۔

حضرت علیؓ کے بڑے بھائی کا ان کے خلاف ہوکر حضرت معاویہؓ کے ساتھ صفین کے میدان جنگ میں اُن کے ساتھ ہونے کو شیعہ مؤرخ نے بھی ان الفاظ میں تسلیم کیا ہے:

و فارق (عقیل) اخاه علیاً امیر المؤمنین فی ایام خلافة و هرب الی معاویه و شهد صفین معه. (عمدۃ الطالب ص ۱۵ مطبع لکھنؤ)	اور (عقیل) اپنے بھائی امیرالمؤمنین سے اُن کے ایام خلافت میں جدا ہوگئے اور معاویہؓ کے پاس بھاگ گئے اور اُن ہی کے ساتھ صفین کی جنگ میں موجود رہے۔

نصر بن مزاحم متوفی ۲۱۲ھ نے کتاب واقعہ الصفین میں اور ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں بعنوان ''**بیعة اهل البصرة علیاً و قسمه ما فی بیت المال فیه**'' لکھا ہے کہ سات لاکھ کی رقم بیت المال میں تھی جو فوجیوں پر تقسیم کردی گئی۔ ہر ایک کے حصہ میں پانسو پانسو کی رقم آئی۔ پھر اُن سے کہا گیا کہ:

لکم ان اظفرکم الله عزو جل بالشام مثلها.	اگر خدائے عزوجل اہل شام پر تم کو فتح مند کرے تو اتنا ہی تمہیں اور ملے گا۔

مالک الاشتر وغیرہ تقریر کرکے لوگوں کو اہل شام کے مقابلے میں چلنے کی ترغیب وتحریص کررہے تھے کہ بنی فزارہ کا ایک شخص کھڑا ہوکر کہنے لگا:

اتريد ان تسيربنا الى اخواننا من اهل الشام ثقتلهم كلا كما سرت بنا الى اخواننا من اهل البصرة نقتلهم كلا والله اذا لا نفعل ذالک.	کیا تم چاہتے ہو کہ ہم اپنے شامی بھائیوں کے مقابلہ میں جائیں اور اُنہیں قتل کریں جس طرح تم ہمیں برادران بصرہ کے قتل کرنے کو لے گئے تھے واللہ ہم یہ ہرگز نہ کریں گے۔

الاشتر نے یہ سُن کر اپنے لوگوں سے کہا ذرا لینا اس کی خبر، وہ شخص جان بچانے کو بھاگا۔ لوگ اس کے پیچھے دوڑے اور لاتوں اور گھونسوں سے مار ڈالا۔ حضرت علیؓ کو اطلاع ہوئی آپ تشریف لائے اور پوچھا کس نے مارا۔ کہا گیا کہ ہمدان قبیلے کے لوگوں نے، اس پر فرمایا: **قتيل عمية لا يدرى من قتله و ديته من بيت المال المسلمين** یعنی یہ جاہلیت کے زمانے کا قتیل ہے معلوم نہیں قاتل کون ہے اس کی دیت بیت المال مسلمین سے ادا ہو۔

سبائیوں نے ہر ممکن طریقے سے لوگوں کو فوج میں بھرتی ہونے پر ابھارا اور روپیہ کا لالچ دیا۔ مؤرخین نے زید بن عتاہیہ تمیمی کا یہ مضحکہ خیز واقعہ بیان کیا ہے کہ پانسو کی رقم کے لالچ میں صفین کی جنگ میں شریک ہوا اور لڑائی کا رنگ پلٹتے دیکھ کر فرار ہو گیا۔

وكان زيدا المذكور لما عظم البلاء بصفين قدا نهزم و لحق بالكوفة فلما قدم زيد على اهله قالت له بنة اين خمس المائة ؟	زید مذکور نے جب صفین کی مصیبت کو بڑھتا اور ہزیمت ہوتی دیکھی تو بھاگ کر کوفہ آ گیا اور جب گھر والوں کے پاس پہنچا تو اس کی بیٹی نے پوچھا وہ پانسو کی رقم کہاں ہے۔

(حاشیہ ص ۱۸۸، واقعہ صفین نصر بن مزاحم)

بیٹی کے سوال کا جواب اشعار میں دیا ہے اور اقرار کیا ہے کہ تیرا باپ صفین سے بھاگ آیا ہے اب پانسو کی رقم کہاں مل سکتی ہے۔ عبداللہ بن سبا اور مالک الاشتر کو اس کی کیا پرواہ تھی کون پارٹی فتح مند ہو اور کون منہزم۔ ان کو تو مسلمانوں میں خانہ جنگی کی آگ بھڑکانی تھی۔ واقعہ صفین کے قدیم ترین مؤلف نے لکھا ہے کہ جب اہل شام کو اس کی خبر ہوئی کہ پانسو کی رقم کے لالچ میں بہت سے لوگ فوج میں بھرتی ہو کر آئے

ہیں تو انہوں نے عراقیوں سے مخاطب ہو کر کہا تھا:

یا اھل العراق لما ذا انزلتم بعجاج من الارض؟ لا خمس الاجندل احرین و الخمس قد یحمل الامرین جمزا الی الکوفه من قنسرین.

(ص ۱۸۷ واقعہ صفین نصر بن مزاحم)

اہلِ عراق ! تم اس زمین میں ایسے چھچھوروں کے ساتھ کیوں آئے ہو یعنی کرائے کے لوگوں کے ساتھ، تمہارے لئے سوائے پتھروں سے وہ پانسو نہیں ہو سکتے تم اس مقام قنسرین سے کوفہ کو چمپت ہو جاؤ۔

یہ موقع جنگ جمل وصفین کی تفصیل کا نہیں۔ وضاعین نے سبائی پارٹی کی سازشی کارروائیوں کی پردہ پوشی کیلئے صورت حال حد درجہ مسخ کر کے پیش کی ہے۔ اس لئے اشارۃً یہ چند فقرات لکھے گئے۔ حضرت علیؓ بھی اپنے ماحول سے سخت بیزار تھے۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ سبائیوں کی اس دلدل سے نکل جائیں۔ اگر اس جگہ اُن خطبوں کے اقتباسات پیش کئے جائیں جو اُنہوں نے اپنے نام نہاد پیروؤں کی غداریوں اور سرکشیوں کے متعلق دیئے ہیں تو ایک دفتر درکار ہوگا۔

جمل اور صفین کے موقعوں پر باہمی گفت وشُنید سے جو اچھے نتائج مرتب ہونے کی فضا پیدا ہوگئی تھی وہ محض غیر جانب دار عناصر ہی کی کوششوں کا نتیجہ نہ تھی بلکہ خود فریقین خانہ جنگی سے بچنا چاہتے تھے مگر دونوں مرتبہ سبائی گروہ کی پیش قدمیوں نے بنتی صورت بگاڑ دی۔ لیکن خدائے بزرگ و برتر کو ملت اسلام کی بہتری مقصود تھی اور امت کو تباہی سے بچانا تھا کہ بالآخر مصلحین کی مساعی جمیلہ سے خون عثمانؓ کے قصاص کا مسئلہ ثالثی کے سپرد ہو گیا اور دُشمنان اسلام کے عزائم فاسدہ بروئے کار نہ آسکے۔ انہوں نے اپنی ناکامی سے اہل شام پر سبّ وشتم کا آغاز کیا۔ حضرت علیؓ نے نہ صرف اُن کو اس حرکت سے باز رکھنے کی کوشش کی بلکہ گشتی مراسلہ اپنے زیر حکومت علاقہ کے لوگوں کو بھیجا جس میں واضح طور سے بتایا گیا کہ اہل شام سے جو اختلاف تھا وہ خون عثمانؓ کے مسئلے میں تھا ورنہ ہم اور وہ سب ایک ہی دین کے پیروکار ہیں۔

اس مراسلہ کو نہج البلاغۃ کے شیعہ مؤلف نے بھی شامل کتاب کیا ہے جس کی نقل یہاں درج کرنا مناسب ہے۔

من کتاب لـه علیه السلام الی الا مصار یقتص فیه ما جری بینه و بین اهل صفین و کان بدا امرنا التقینا و القوم من اهل الشام و الظاهر انَّ ربَّنا واحد و نبیّنا واحد و دعوتنا فی الاسلام واحدة ولا نستزیدهم فی الایمان بالله و التصدیق برسوله ولا یستزیدوننا الامر واحد الا ما اختلفنافیه من دم عثمان و نحن منه برا.

(ص۱۵۹، الجزء الثانی نہج البلاغۃ مطبوعہ دار الکتب الکبریٰ بمصر)

یہ گشتی مراسلہ ہے جناب (علی علیہ السلام) کا جو تمام شہروں کے اہالیان کو بھیجا گیا جس میں اس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے جو ان کے اور اہل صفین کے درمیان پیش آیا۔
ہمارے معاملے میں ابتداء یہ ہوئی کہ ہم میں اور اہل شام میں مقابلہ ہوا اور ظاہر ہے کہ ہمارا اور ان کا خدا ایک، ہمارا اور ان کا نبی ایک، ہماری اور انکی دعوت اسلام ایک، اللہ پر ایمان رکھنے اور اسکے رسول کی تصدیق کرنے میں نہ ہم ان سے زیادہ نہ وہ ہم سے زیادہ پس معاملہ واحد ہے سوائے اس کے کہ ہم میں اور ان میں خون عثمان کی بابت اختلاف ہوا حالانکہ ہم اسے بری تھے۔

سبائیوں کی ساری کوشش یہی تھی کہ خانہ جنگی جاری رہے کیوں کہ جمل کی طرح یہاں صفین کی مصالحت وثالثی سے اُن کو اپنی موت نظر آتی تھی۔ مسئلہ ایسا صاف اور سادہ تھا کہ کوئی ثالث بھی اس امر کو نظر انداز نہیں کرسکتا تھا کہ وہ لوگ جنہوں نے خلیفہ راشد کو ظلماً قتل کیا نظامِ خلافت کی بے حرمتی کا ارتکاب کیا سیاست ملیہ پر ایک لمحہ کیلئے بھی مستولی رہیں۔

خلافت سے معزولی اور شہادت

حضرت علیؓ کو بھی ثالثی کے تقرر کے ساتھ ہی اس کا بخوبی احساس ہو گیا تھا کہ اب وہ منصب خلافت پر قائم نہیں رہ سکتے۔ کیونکہ قاتلین عثمانؓ سے جو خانہ جنگیوں میں نمایاں حصہ لے رہے تھے حضرت علیؓ باوجود قدرت کے قصاص نہ لے سکے تھے اور اُن میں سے بعض کو عہدے بھی دے دیئے تھے۔ جس سے انہوں نے اپنی پوزیشن کو مشتبہ کر لیا تھا۔ سلیمان بن مہران نے یہ روایت ایک ایسے راوی کی زبانی بیان کی ہے جس نے صفین کے موقع پر حضرت علیؓ کے منہ سے یہ الفاظ سُنے تھے وہ تاسف سے فرماتے تھے۔

لو علمت ان الامر یکون هکذا ما خرجت اذهب ابا موسیٰ فاحکم ولو بجز عنقی.

(ازالۃ الخفا ج۲ ص۲۸۳ طبع اول)

اگر میں یہ جانتا کہ یہ معاملہ اس طور پر ہو جائے گا تو خُروج نہ کرتا اے ابوموسیٰ! لو تم فیصلہ کرو خواہ وہ میری گردن ہی اُڑانے کے بارے میں کیوں نہ ہو۔

وصیت ثالثوں نے اتفاق رائے سے حضرت علیؓ کو منصب خلافت سے معزول کر کے نئے خلیفہ کے انتخاب کا مسئلہ ارباب حل وعقد کے مشورہ پر منحصر کیا اور یہ قرار دیا کہ کب تک انتخاب خلیفہ کی کارروائی مکمل نہ ہو فریقین اپنے اپنے مقبوضہ علاقہ پر قائم رہیں۔ لیکن صفین کی واپسی کے بعد سے حضرت علیؓ اپنی ہی پارٹی کے ایک گروہ (خوارج) سے قتال وجدال میں اُلجھ گئے تا آنکہ ان ہی میں سے ایک خارجی عبدالرحمٰن بن ملجم نے حضرت ممدوح کو زہر آلود خنجر سے مجروح کر دیا۔ اُس کا خسر شجنہ بن عدی اور برادر نسبتی الاخضر بن شجنہ جنگ نہروان میں حضرت علیؓ کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ زخم ایسا کاری لگا کہ تین روز بعد وفات پا گئے۔ خوارج سے اُن کے جھگڑے نہ ہوتے اور یہ سانحہ پیش نہ آتا تو اُمت کے مشورے سے نئے خلیفہ کا انتخاب ہوتا اور تاریخی واقعات کا رُخ ہی دوسرا ہو جاتا، بہر حال جو مقدر تھا پیش آیا۔

وفات سے قبل حضرت ممدوح نے اپنے صاحبزادے حسنؓ سے تنہائی میں دیر تک گفتگو کی۔ نصیحتیں اور وصیتیں کیں۔ آیہ شریفہ واعتصموا بحبل اللہ جمعیاً ولا تفرقوا تلاوت فرما کر اتحاد واتفاق امت کی ضرورت پر

متوجہ کیا (ص ۳۲۷ ج ۷ ۔ البدایہ والنہایہ، ص ۸۵ ج ٦ ۔ تاریخ طبری) اور یہ ہدایت کی کہ میرے مرنے کے بعد معاویہؓ سے فوراً صلح کر لینا۔ اُن کے امیر المؤمنین ہو جانے سے کراہت مت کرنا۔ کیوں کہ اُن کو بھی تم گنوا بیٹھے تو اختلاف و انتشار اُمت کے تلخ ترین نتائج بھگتنے پڑیں گے (ص ۳۱ ج ۸ ۔ البدایہ والنہایہ)

حضرت علیؓ جیسے بزرگ کو اپنی زندگی کی آخری ساعات میں اس بات کا احساس تھا کہ اُن کی پارٹی بری طرح ناکام ہو چکی ہے۔ وہ بھی تقریروں میں اپنی پارٹی کے لوگوں کی مذمت کرتے اور فرماتے کہ کاش میں تمہارا منہ نہ دیکھتا، تم نے میرے قلب کو رنج و غم سے بھر دیا، اے کاش میں اب سے بیس پچیس برس پہلے مر گیا ہوتا۔ شیخ ابن تیمیہؒ نے اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ حضرت علیؓ اپنے فوجیوں سے عاجز تھے۔ وہ اُن کا کہنا نہیں مانتے تھے۔ لیکن حضرت معاویہؓ کے لشکر والے اُن کے مطیع و اطاعت کیش تھے۔

وکان علیؓ عاجزاً عن قهر الظلمة من العسکریین ولم تکن اعوانه یوافقونه علیٰ مایا مربه. و اعوان معاویهؓ یوافقونه.	اور (حضرت) علیؓ اپنے فوجی عالموں کے قہر سے عاجز تھے اُن کے اعوان و انصار اُن کے احکام کی موافقت نہیں کرتے تھے۔ برخلاف اُن کے (حضرت) معاویہؓ کے اعوان و انصار اُن کی موافقت کرتے تھے۔
(ص ۲۰۲ ج ۲۔ منہاج السنہ)	

ان حالات میں حضرت علیؓ کی یہ عراقی پارٹی قطعاً ناکارہ و ناکام ہو چکی تھی۔ اس زمانے میں عشرہ مبشرہ کے بعض حضرات، اصحاب بدر، اصحاب بیعت رضوان اور دیگر صحابہ کرامؓ کی کثیر تعداد بقید حیات تھی۔ لیکن اُمت کو اختلال و انتشار سے نکالنے، دشمن اسلام قوتوں کو کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرنے اور خلافت کی ڈگمگاتی کشتی کو ساحل مُراد تک سلامتی کے ساتھ پہنچانے کی اہلیت اگر کسی میں بدرجہ اتم تھی تو وہ حضرت معاویہؓ کی ذات میں تھی۔ اس لئے مفادِ اُمت کے پیش نظر حضرت علیؓ نے اپنے صاحبزادے کو خاص ہدایت کی ان کے امیر المؤمنین ہونے سے کراہت نہ کریں۔ چنانچہ حضرت حسنؓ نے اپنے گرامی قدر والد ماجد کی تدفین کے بعد عراقیوں کے مجمع کے سامنے جو تقریر کی تھی اُس میں کہا تھا کہ میں تم سے اس

بات پر بیعت لیتا ہوں کہ جس سے میں لڑائی کروں، تم اُس سے لڑائی کرو گے اور جس سے میں صلح کروں اُس سے تم صلح کرو گے۔ پھر کہا:

وان علیاً ابی کان یقول لا تکرھوا امارۃ معاویۃ فانکم لو فارقتموہ لرائیتم الرؤس کندر عن کو اھلھا کالحنظل.

(ج۳ص۳۲ شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید وازالۃ الخفا ج۲ص۲۸۳ والبدایہ والنہایہ ج۸ص۱۳۱)

اور میرے والد ماجد علیؓ فرماتے تھے کہ معاویہؓ کی امارت (یعنی امیر المؤمنین ہونے سے) تم کراہت مت کرنا۔ کیونکہ تم نے اگر اُن کو بھی گنوا دیا تو تم دیکھو گے کہ مونڈھوں پر سے حنظل کی طرح دھڑا دھڑ سر (کٹ کٹ کر) گریں گے۔

امامۃ والسیاسۃ جیس کتاب میں جو کسی غالی مؤلف نے شرارت سے امام الفقیہ ابی عبداللہ بن مسلم قتیبہ الدینوری متوفی ۲۷۶ھ سے محض غلط منسوب کر دی ہے اور ان کی تالیفات کی فہرست مندرجہ الفہرست ابن ندیم میں بھی شامل نہیں اس میں حضرت حسنؓ کی تقریر کا یہ فقرہ موجود ہے جو انہوں نے کوفیوں کو خطاب کرتے ہوئے کی تھی۔

ان ابی کان یحدثنی ان معاویہ سیلی الامر، فواللہ لو سرنا الیہ بالجبال و الشجر ما شککت انہ، سیظھران اللہ لا معقب لحکمہ ولا رادَّ لقضائہِ.

(ص۱۷۴ج۱۔ طبع اول ۱۹۳۷ء)

اور میرے والد مجھ سے فرماتے تھے کہ معاویہؓ خلافت پر ضرور فائز ہو جائیں گے اللہ کی قسم اگر ہم پہاڑوں اور درختوں جیسی بڑی فوجی قوت سے بھی ان کے مقابل آتے تو وہ ضرور غالب رہتے۔ اللہ کی حکمت کو نہ کوئی لوٹا سکتا ہے اور نہ اس کا ارادہ پلٹا جا سکتا ہے۔

سبائیوں کو یہ سُننے کی تاب کہاں تھی ان بدبختوں نے نواسہ رسول ﷺ پر بھی حملہ کر کے زخمی کر دیا۔ غالی راویوں نے حسب عادت اس واقعہ کو مسخ کر کے یہ کہا کہ حسنؓ کے کمانڈر لڑائی میں

مارے گئے اس لئے لوگوں نے اپنے امام پر حملہ کر دیا۔اس قول کی رکاکت تو خود ہی ظاہر ہے۔سبائیوں کو غیظ وغضب اس لئے تھا کہ وہ حضرت معاویہؓ کی امارت برداشت نہیں کر سکتے تھے۔کیونکہ اُنہوں نے پہلے بھی ان کی گوشمالی کی تھی اور اب تو تفویض امارت کے بعد وہ اپنی خیریت نہیں سمجھتے تھے۔

مصالحت اور بیعت خلافت:

زخم کے مندمل ہو جانے کے بعد حضرت حسنؓ نے بلا تاخیر مزید صلح و مصالحت میں سبقت کی۔سبائیوں کی برابر یہ کوشش رہی کہ صلح نہ ہونے پائے۔ان کے ایک لیڈر حجر بن عدی نے پہلے تو حضرت حسنؓ بن علیؓ سے گفتگو کی۔انہوں نے سختی سے ڈانٹ دیا پھر اُن کے چھوٹے بھائی حسینؓ بن علیؓ سے ملاقات کی اور کہا کہ تم نے عزت کے بجائے ذلت کو اور کثیر کے بجائے قلیل کو اختیار کیا ہے، اپنے بھائی کا ساتھ چھوڑ دو تو میں اہل کوفہ میں سے تمہارے لئے اعوان وانصار کی کثیر جماعت حاضر کر دوں گا۔ مگر حضرت حسینؓ نے فتنہ پردازوں کی کوئی بات نہ مانی اور صاف کہا کہ ہم نے بیعت کر لی ہے، معاہدہ ہو گیا ہے۔اب کوئی سبیل ہمارے بیعت کے توڑ ڈالنے کی نہیں ہے۔

فقال الحسین انا قد بایعنا ور عاھد نا ولا سبیل الی نقض بیعتنا۔ (اخبار الطّوال الدینوری ص ۲۳۴ مطبوعہ لیڈن ۱۸۸۸ء)	پس حسینؓ نے کہا ہم نے بیعت کر لی ہے عہد کر لیا ہے اور ہمارے بیعت توڑنے کی کوئی سبیل نہیں ہے۔

غالی راویوں کا بیان ہے کہ حضرت حسینؓ صلح و مصالحت سے متفق نہ تھے انہوں نے اپنے بھائی سے بحث ومباحثہ کیا لیکن حضرت حسنؓ نے چھوٹے بھائی کو جھڑک دیا اور کہا:

اسکت فانا اعلم باالامر منک. (طبری ج۶ ص۶۲)	تم چپ رہو، میں اس معاملہ کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے اپنی جدید تالیف ''علیؓ وبنوہ'' میں زیادہ تصریح سے لکھا ہے:

ان الحسین بن علیؓ لم یکن یری رائے اخیه ولا لیقر میله الی السُّلم و انه الحَّ علیٰ اخیه فی ان یستسمک و یمضی فی الحرب ولکن اخاه امتنع و انذره بوضعه فی الحدید ان لم یطعه. (ص۳۰۳)	حسین بن علیؓ نے اپنے بھائی کی رائے سے اتفاق نہیں کیا اور صلح وامن کی طرف ان کے میلان کو نہیں مانا انہوں نے اپنے بھائی پر لڑائی میں چلنے پر زور دیا۔لیکن ان کے بھائی نے منع کیا اور ڈرایا کہ اگر میری اطاعت نہ کی تو بیڑیاں پہنادی جائیں گی۔

بہرحال حضرت حسینؓ نے اپنے بڑے بھائی کی رائے سے اتفاق بہ جبر کیا ہو یا بخوشی، واقعہ بیعت سے تو کسی کو انکار نہیں۔اس وقت حالت یہ تھی کہ عراقی فوج کے کمانڈر قیس بن عبادہ نے اس وقت کہ حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ کی بیعت کر لی تھی۔عراقیوں سے پوچھا کہ دو باتوں میں سے ایک اختیار کرو یا تو بلا امام قتال کرو یا معاویہؓ کی اطاعت میں داخل ہو یعنی:

فاختار و الدخول فی طاعة معاویه. (اخبار الطّوال ص۲۳۳)	لوگوں نے (حضرت) معاویہؓ کی اطاعت و بیعت میں داخل ہونا اختیار کیا۔

مختصر یہ کہ عراق سے جب یہ حضرات مدینہ آئے تب بھی سبائیوں نے اُن کا پیچھا نہ چھوڑا۔ان کے بعض لیڈر مدینہ آئے جن میں سلیمان بن صرد پیش پیش تھے۔حضرت حسنؓ سے گفتگو کی: ''السلام علیک یا مذل المؤمنین'' کہہ کر سلام پیش کیا۔حضرت حسنؓ نے فرمایا کہ: ''وعلیک السلام'' بیٹھو! میں مذل المؤمنین نہیں بلکہ معزہم ہوں۔میں نے لوگوں سے قتال وجدال کو دفع کیا۔واللہ اگر پہاڑوں جیسی فوج لے کر بھی مقابلہ کو نکلتے تب بھی کوئی قوت خلافت وامارت کو معاویہؓ سے نہیں روک سکتی تھی۔(اخبار الطّوال)

پھر حضرت حسنؓ کے پاس سے اُٹھ کر یہ لوگ حضرت حسینؓ کے پاس آئے اور ان سے بھی یہی گفتگو کی۔اور ان کے بھائی نے جو جواب اُن کو دیا تھا وہ بھی بتایا۔اس پر حضرت حسینؓ نے کہا:

''ابومحمد (حسنؓ کی کنیت) نے سچ کہا۔تم سب لوگ اس وقت تک اپنے گھروں میں خاموش بیٹھے رہو۔جب تک یہ (معاویہؓ) زندہ ہیں۔'' (اخبارالطّوال)

الامامة و السیاسة کے غالی مؤلف نے بھی لکھا ہے کہ حضرت حسینؓ نے کوفی لیڈر سلیمان بن صرد کو یہی جواب دیا اور کہا:

لکن کل رجل منکم حلساً من اجلاس بیته ما دام معاویه حیا فانها بیعة کنت والله لها کارهاً فان هلک معاویه نظرنا و نظرتم و رأینا و رأیتم. (ص۱۷۳)

لیکن تم میں سے ہر شخص اپنے گھر کے اندر خاموشی سے اُس وقت تک بیٹھا رہے جب تک کہ معاویہؓ زندہ ہیں کیونکہ انکی بیعت میں نے واللہ بکراہت کی ہے، پس اگر معاویہؓ وفات پاگئے تو ہم بھی غور کریں گے اور تم بھی، ہم بھی رائے قائم کریں گے اور تم بھی۔

گویا اس غالی مؤلف کے نزدیک حضرت حسینؓ نے حضرت معاویہؓ سے بیعت بہ مجبوری وبکراہت کی تھی۔حصول خلافت وحکومت کیلئے مناسب موقع کے منتظر تھے اور حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد اُن کا لامحالہ اپنے مقصد کیلئے کھڑا ہونا ہی تھا۔

غالی راویوں کے بیان سے اس کی تائید ہوتی ہے۔چنانچہ ابومخنف نے تو یہ غلط قول حضرت حسینؓ سے منسوب کردیا کہ اپنے بھائی حسنؓ کا حضرت معاویہؓ سے بیعت کرلینا اُن کو اس درجہ شاق تھا کہ فرماتے تھے گویا میری ناک چاقو سے کاٹنے والا کاٹ ڈالتا یا میرا جسم آری سے چیر ڈالتا۔میں نے بھائی کی اطاعت کراہت سے کی ہے (فاطعته کرهاً) اسی کے ساتھ بقول ابومخنف اُنہوں نے شیعان کوفہ سے کہا:

والان کان صلحاً و کانت بیعةً و لتنظر مادام هذا الرجل حیاً فاذا مات نظرنا و نظرتم.
(مقتل ابی مخنف ص۴ مطبوعہ نجف)

اب اس وقت تو صلح ہے اور بیعت بھی ہے جب تک یہ شخص (معاویہؓ) زندہ ہے انتظار کرو جب مرجائے تو ہم بھی سوچیں گے اور تم بھی۔

حضرت معاویہؓ کا سلوک:

حضرت معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں حضرت علیؓ کے ان دونوں صاحبزادوں حضرت حسنؓ وحسینؓ کے ساتھ بڑی محبت اور عزت کا برتاؤ ہوتا رہا۔ مقررہ وظائف کے علاوہ گراں بہا عطیات دیئے جاتے اور یہ دونوں حضرات ہر سال بلا ناغہ امیر المؤمنین کی خدمت میں دمشق جاتے اور مہمان عزیز کی حیثیت میں اُن کے پاس رہتے۔

فَلَمَّا اسْتَقَرَّتِ الْخِلَافَةُ لِمُعَاوِيَةَ كَانَ الْحُسَيْنُ يَتَرَدَّدُ اِلَيْهِ مَعَ أَخِيهِ الْحَسَنِ ' فَكَانَ مُعَاوِيَةُ يُكْرِمُهُمَا اِكْرَاماً زَائِدًا ' وَيَقُولُ لَهُمَا : مَرْحَبًا وَ أَهْلًا ' وَ يُعْطِيهِمَا عَطَاءً جَزِيلًا ' وَقَدْ أَطْلَقَ لَهُمَا فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ مِائَتَيْ اَلْفٍ.

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۵۰ مطبوعہ دار الفکر، مصر)

جب خلافت معاویہؓ کی قائم ہوگئی تو حسینؓ اپنے بھائی حسنؓ کے ساتھ ان کے پاس جایا کرتے تھے اور وہ ان دونوں کی بہت زیادہ عزت کرتے اور مرحبا کہتے اور عطیات دیتے، (ایک مرتبہ) ایک ہی دن اُن کو بیس لاکھ درہم عطا کئے۔

علامہ ابن کثیرؒ نے متعدد جگہ ان گراں قدر وظائف وعطیات کا ذکر کیا ہے۔ جو امیر المؤمنین معاویہؓ حضرات حسنؓ وحسینؓ اور دیگر بنی ہاشم کو دیا کرتے تھے۔ زید بن الحباب کی روایت ہے کہ:

قَدِمَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ عَلَى مُعَاوِيَةَ فَقَالَ لَهُ: لأجيزنك بجائزة لم يجزها أَحَدٌ كَانَ قَبْلِي ' فَأَعْطَاهُ أَرْبَعَمِائَةِ أَلْفِ أَلْفٍ وَوَفَدَ اِلَيْهِ مَرَّةً الْحَسَنُ وَ الْحُسَيْنُ فَأَجَازَهُمَا عَلَى الْفَورِ بِمِائَتَيْ أَلْفٍ.

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۷)

حسنؓ بن علیؓ (ایک مرتبہ) معاویہؓ کے پاس آئے تو اُنہوں نے ان سے فرمایا کہ میں تم کو ایسا (گراں قدر) عطیہ دوں گا جو مجھ سے قبل کسی نے بھی نہ دیا ہوگا چنانچہ انہوں نے چالیس لاکھ کی رقم اُن کو دی پھر ایک دفعہ حسنؓ وحسینؓ جب آپ کی خدمت میں آئے ان حضرات کو انہوں نے فی الفور بیس بیس لاکھ دیئے۔

ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغۃ میں ان عطایا کا ذکر کیا ہے جو حضرات حسنؓ و حسینؓ و دیگر اکابر بنی ہاشم کو امیر المؤمنین معاویہؓ دیا کرتے تھے۔ لکھا ہے:

و معاویة اول رجل فی الارض وهب الف الف و ابنه (یزید) اول من ضاعف ذالک کان یجیز الحسن و الحسین ابن علی فی کل عام لکل واحد منهما بالف الف درهم و کذلک کان یجیز عبدالله بن عباس و عبدالله بن جعفر. [1]

اور معاویہؓ دنیا میں پہلے شخص تھے جنہوں نے دس دس لاکھ درہم عطا کئے اور ان کے فرزند (یزیدؒ) پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس کو دوگنا کیا اور یہ عطیات علیؓ کے ان دونوں بیٹوں حسنؓ و حسینؓ کو ہر سال دس دس لاکھ درہم کے ہوتے اور اسی طرح عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن جعفرؓ کو بھی دیئے جاتے۔

(شرح ابن ابی الحدید۔ جلد۲ ص۸۲۳)

حضرت حسنؓ کی وفات کے بعد حضرت حسینؓ بدستور امیر المؤمنین معاویہؓ کی خدمت میں ہر سال حاضر ہوتے اور عطیات حاصل کرتے رہے۔

وَلِمَا تُوُفِّيَ الْحَسَنُ كَانَ الْحُسَيْنُ يَفِدُ اِلَى مُعَاوِيَةَ فِي كُلِّ عَامٍ فَيُعْطِيهِ وَ يُكْرِمُهُ. (البدایہ والنہایہ۔ ج۸ ص۱۵۱)

جب حسنؓ کا انتقال ہوگیا تو حسینؓ ہر سال معاویہؓ کے پاس جاتے وہ ان کو عطیہ دیتے اور ان کا اکرام کرتے۔

اور تو اور ابو مخنف جیسے غالی نے بھی اس امر کی تصریح کی ہے کہ حضرت حسینؓ کو علاوہ ہدایا کے حضرت معاویہؓ دس لاکھ دینار سالانہ بھیجا کرتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ:

و کان (معاویه) یبعث الیه (الحسین) فی کل سنة الف الف دینار سوی الهدایا من کل صنف. (مقتل ابی مخنف ص۷)

اور (معاویہؓ) ہر سال (حسینؓ کو) علاوہ ہر قسم کے ہدایا کے دس لاکھ دینار بھیجا کرتے تھے۔

---

[1] یہ وظائف وعطیات یا تو خمس اور فے میں سے ہوتے تھے یا اُس مال میں سے جو ملت کی ضروریات سے زائد ہوتا اور حق والوں کو حق دیا جا چکا ہوتا۔ بعض اوقات خلفاء اپنے ذاتی حصہ میں سے انعام وغیرہ دیا کرتے تھے۔ لامن نے کہا ہے کہ معاویہؓ نے گراں بہا عطیات دے کر اُن کے ہاتھوں کو سونے چاندی کی زنجیروں سے جکڑ لیا تھا۔

عراقی سبائیوں نے حضرت حسنؓ کی وفات کی خبر سُن کر حضرت حسینؓ کو ورغلانے کی کوشش کی۔ اہل کوفہ میں سے جعدہ بن ہبیرہ بن ابی وہب نے حضرت حسینؓ کو خط لکھا جس میں تحریر تھا:۔

فان کنت تحب ان تطلب هٰذا الامر فا قدم علینا فقد وطننا انفسنا علی الموت معک. (اخبار الطّوال ص ۲۳۵)	پس اگر تم کو اس امر (خلافت) کی خواہش ہے تو ہمارے پاس آجاؤ ہم نے اپنی جانوں کو تمہارے ساتھ مرنے پر وقف کر رکھا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اس خط کے جواب میں حضرت حسینؓ نے لکھ بھیجا کہ تم لوگ بدظنی سے بچو، اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے رہو جب تک معاویہؓ زندہ ہیں کوئی حرکت مت کرو اور اگر اُن کا وقت آ گیا اور میں زندہ رہا تو اپنی رائے سے مطلع کروں گا۔

فان جاء الله به حدثا و انا هی کتبت الیکم برائی. (اخبار الطّوال ص ۲۳۵)	پس اگر اللہ کی جانب سے ان کا واقعہ پیش آجائے اور میں زندہ رہا تو تم لوگوں کو اپنی رائے سے مطلع کروں گا۔

جہاد قسطنطنیہ و بشارت مغفرت:

مجوسی و ایرانی شہنشاہیت کا تو پہلے ہی قلع قمع ہو چکا تھا۔ مگر اسلام کی مخالف ایک زبردست قوت رومی بازنطینی شہنشاہیت ابھی باقی تھی۔ امام اول وخلیفہ رسول ﷺ حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت معاویہؓ کے بڑے بھائی حضرت یزید بن ابی سفیانؓ وحضرت ابوعبیدہؓ ابن الجراح وسیف اللہ خالد بن ولیدؓ اور دیگر اُمراء کو جہاد شام پر متعین کیا تھا۔ انہوں نے شام وفلسطین وغیرہ کو فتح کیا رومیوں کو شکستیں دیں۔ حضرت یزید بن ابی سفیانؓ کی وفات پر حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت معاویہؓ کو اُن کے بھائی کی جگہ مقرر کیا۔ انہوں نے خلافت فاروقی اور خلافت عثمانی میں رومیوں کو برّی و بحری معرکوں میں شکستیں دیں لیکن مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر ابھی تک پیش قدمی نہیں کی گئی تھی۔ شجاعان عرب ملک شام فتح کرنے کے زمانہ ہی سے رومی نصرانیت کے صدر مقام قسطنطنیہ کے فتح کرنے کا خیال رکھتے تھے۔

ان العرب منذ فتحو الشام فكر وافى فتح القسطنطنيه لانها كانت لذالک العهد عاصمة النصرانية وكان الاسلام لو فتحها غلب على شمالى اوربا بلا نزاع.

ملک شام فتح کرنے کے زمانے ہی سے عرب قسطنطنیہ کو فتح کرنے کی فکر میں تھے کیونکہ اُس عہد میں یہ شہر نصرانیت کا دارالسلطنت تھا اور اگر یہ فتح ہو جاتا تو اسلام شمالی یورپ میں بلا مقابلہ غلبہ حاصل کر لیتا۔

(ص۲۱۴ حاضر العالم الاسلامی تالیف پروفیسر لوتروپ
ستودارومع تعلیقات امیر شکیب ارسلان)

صفین کی خانہ جنگی کے نتائج نے حضرت معاویہؓ کی ان جہادی سرگرمیوں کو چند سال کیلئے ملتوی کر دیا تھا جو رومی نصرانیت کے خلاف اُنہوں نے شروع کی تھیں۔ ۴۱ھ میں زمام خلافت ہاتھ میں لینے کے بعد کئی سال متواتر جدوجہد سے انہوں نے جہازوں کا عظیم الشان بیڑہ تیار کیا جو سب سے پہلا اسلامی جنگی بیڑہ تھا۔ چنانچہ ۴۹ھ میں حضرت معاویہؓ نے جہاد قسطنطنیہ کیلئے برّی اور بحری حملوں کا انتظام کیا۔ برّی فوج میں شامی عرب تھے خصوصاً بنو کلب جو امیر یزیدؒ کا ننیہالی قبیلہ تھا۔ ان کے علاوہ حجازی و قریشی غازیوں کا بھی دستہ تھا جس میں صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت شامل تھی۔ اس فوج کے امیر اور سپہ سالار امیر المؤمنین کے لائق فرزند امیر یزیدؒ تھے۔ یہی وہ پہلا اسلامی جیش ہے جس نے قسطنطنیہ پر جہاد کیا۔ اسی اسلامی فوج کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت مغفرت دی تھی۔ صحیح بخاری کی کتاب الجہاد کے باب ما قیل فی قتال الروم یعنی رومی عیسائیوں سے جہاد میں جو ذکر فرمایا گیا ہے، اس کی حدیث یہ ہے:

ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ مَدِينَةَ قَيْصَرَ مَغْفُورٌ لَهُمْ.

پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اُمت کی پہلی فوج جو قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر جہاد کرے گی اُن کے لئے مغفرت ہے۔

(صحیح بخاری باب ما قیل فی قتال الروم۔ حدیث ۲۹۲۴)

شارح صحیح البخاری علامہ قسطلانیؒ نے ''مدینہ قیصر'' کی تشریح کی ہے کہ اس سے مُراد رومی نصرانیت کا صدر مقام قسطنطنیہ ہے۔ پھر اس حدیث کے حاشیہ پر لکھا ہے۔

کان اول من غزا مدینة قیصر یزید بن معاویه و معه جماعة من سادات الصحابه کابن عمرو بن عباس و ابن الزبیر و ابی ایوب الانصاری.
(حاشیہ ص ۴۱۰ جلد ا، صحیح بخاری مطبوعہ اصح المطابع دہلی ۱۳۵۷ھ)

مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر سب سے اول جہاد یزیدؒ بن معاویہؓ نے کیا اور اُن کے ساتھ سادات صحابہ مثل ابن عمروؓ، ابن عباسؓ و ابن زبیرؓ و ابو ایوب انصاریؓ اور ایک جماعت تھی۔

علامہ ابن حجرؒ نے فتح الباری شرح بخاری میں فرمایا ہے کہ یہ حدیث حضرت معاویہؓ اور اُن کے فرزند امیر یزیدؒ کی منقبت میں ہے۔ ساتھ ہی محدّث المہلبؒ کا یہ قول ہے:

قال المهلب فی هذا الحدیث منقبةٌ لمعاویة لانه اول من غزا البحر و منقبةٌ لولده لانه اول من غزا مدینة قیصر.
(حاشیہ صحیح بخاری ج ا ص ۴۰)

اس حدیث کے بارے میں (محدث) مہلبؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث منقبت میں ہے (حضرت) معاویہؓ کے کہ انہوں نے ہی سب سے پہلے بحری جہاد کیا اور منقبت میں ہے ان کے فرزند (امیر یزیدؒ) کے کہ انہوں نے ہی سب سے پہلے مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر جہاد کیا۔

مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ سات سال متواتر رومیوں کے خلاف مسلمانون کی بحری و بری جہادی سرگرمیاں جاری رہیں جن میں امیر یزیدؒ نے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ اس حدیث کے پہلے فقرے میں مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد بھی حضرت اُم حرامؓ زوجہ حضرت عبادہ بن الصامتؓ سے مروی ہے جن کے گھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیلولہ فرمایا تھا اور بحالتِ خواب حضرت معاویہؓ کے بحری جہاد اور جہاد قسطنطنیہ کی کیفیتوں کا انکشاف ہوا تھا۔

اول جیش من امتی یغزون البحر قدا وجبوا. (صحیح بخاری ج ا ص ۴۱۰)

میری اُمت کی پہلی فوج جو بحری جہاد کرے گی اُس پر جنت واجب ہوگی۔

علامہ ابن حجرؒ ''قد اوجبوا'' کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''ای: وجبت لهم به الجنة (یعنی ان (سب غازیوں) کیلئے جنت واجب ہوگئی۔'' (فتح الباری شرح بخاری)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے صحیح بخاری کی حدیث جہادِ قسطنطنیہ کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

وَ أَوَّلُ جَيْشٍ غَزَاهَا كَانَ أَمِيرُهُمْ يَزِيدَ وَالْجَيْشُ عَدَدٌمُعَيَّنٌ لَا مُطْلَقٌ وَشُمُولُ الْمَغْفِرَةِ لِآحَادِ هَذَا الْجَيْشِ أَقْوَى وَيُقَالُ: اِنَّ يَزِيدَ اِنَّمَا غَزَا الْقُسْطَنْطِينِيَّةَ لِاجْلِ هَذَا الْحَدِيثِ.

(ص۲۵۲ ج۲، منہاج السنۃ)

اور پہلی (اسلامی) فوج جس نے (قسطنطنیہ پر) جہاد کیا اس کے سردار (امیر) یزیدؒ تھے اور لفظ فوج ایک معین تعداد ہے مطلق نہیں۔ یعنی اس فوج کے ہر شخص کا مغفرت میں شامل ہونا قوی تر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسی حدیث (مغفرت) کی خاطر (امیر) یزیدؒ نے قسطنطنیہ پر جہاد کیا تھا۔

علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ حضرت اُم حرامؓ نے نبی کریم ﷺ سے یہ سُن کر کہ بحری جہاد کے غازیوں کے لئے جنت واجب ہوگئی، عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ دعا فرمائیں کہ میں بھی اُن میں شامل ہوں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اُن میں شامل ہوگی۔ چنانچہ حضرت معاویہؓ نے جب جزیرہ قبرص پر جہاد کیا تو وہ اپنے شوہر کے ساتھ اس جہاد میں شریک تھیں اور وہیں فوت ہوئیں۔ لیکن جب دوسری مرتبہ قسطنطنیہ کے غازیوں کی مغفرت کو سُن کر جب یہی درخواست کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم ان میں نہیں ہوگی''۔ علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا ذکر ہم دلائل النبوۃ کے طور سے کرتے ہیں وقد ذکرنا هٰذا مقررا فی دلائل النبوة۔ (ص۸۱ ج۸، البدایہ والنہایہ)

اس حدیث میں جن دو اسلامی لشکروں کی غازیوں کیلئے وجوب جنت و مغفرت کی پیشنگوئی لسان نبوی ﷺ سے ہوئی، اُن میں پہلا جیش حضرت معاویہؓ کی قیادت میں تھا اور دوسرا اُن کے فرزند امیر یزیدؒ کی سرکردگی میں۔ (کتاب الجہاد صحیح بخاری، کتاب الامارۃ صحیح مسلم)

وکان (ابو ایوب انصاری) فی جیش یزید بن معاویه و الیه اوصیٰ وھو الذی صلی علیه.

(البدایہ والنہایہ۔ج۸ص۵۸)

(اور ابوایوب انصاریؓ) یزید بن معاویہ کے لشکر میں شامل تھے اور آپ نے اپنے معاملات کی وصیت بھی انہی یزیدؒ کو کی تھی۔ (یزید) ہی نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

ظاہر ہے کہ تمام مسلمانوں نے جو امیر یزیدؒ کے لشکر میں شامل تھے بشمول حضرت حسینؓ جنازہ کی نماز میں بامامت امیر یزیدؒ شرکت کی اور میزبان رسول ﷺ کی تدفین میں شریک رہے۔طبری جیسے شیعی مؤرخ کا بھی یہ بیان ہے کہ:

''ابوایوب انصاریؓ کی وفات اس سال ہوئی جب یزید بن معاویہ نے اپنے والد کی خلافت کے زمانہ میں قسطنطنیہ پر جہاد کیا تھا۔'' (ج۱۳ص۱۶)

ایک دوسرے شیعی مؤرخ (مؤلف ناسخ التواریخ) جہاں لکھتا ہے کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ نے جہاد قسطنطنیہ میں امیر یزیدؒ کے لشکر میں وفات پائی اور امیر موصوف ہی نے اُن کی تدفین کا انتظام کیا یہ بیان کرتے ہوئے کہ ''چوں ابوایوبؓ درگذشت یزید سوار شد و جیش با او سوار شد و نعش اور امشابعت نمودند'' وہیں کہتا ہے کہ امیر یزیدؒ نے رومی عیسائیوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

یا اھل القسطنطنیه ھذا رجلٌ من اکابر اصحاب محمد نبینا وقد دفنا حیث ترون و والله لئن تعرضتم له لاھدمن کل کنیسة فی ارض الاسلام ولا یضرب ناقوس بارض العرب ابداً.

(ج۲کتاب دوم ص۶۶۔ناسخ التواریخ)

اے اہل قسطنطنیہ! یہ ہمارے نبی ﷺ کے بڑے صحابی کا جنازہ ہے جن کو ہم نے یہاں دفن کیا ہے۔اللہ کی قسم اگر ان کی قبر کو کسی قسم کا ضرر پہنچا تو سرزمین اسلام میں ہر کنیسہ کو بیخ و بنیاد سے اُکھاڑ دیا جائے گا اور ارض عرب میں پھر ناقوس کی آواز سُنائی نہ دے گی۔

وکان (ابو ایوب انصاری) فی جیش یزید بن معاویه و الیه اوصیٰ وهو الذی صلی علیه.

(البدایہ والنہایہ۔ج۸ص۵۸)

(اورابوایوب انصاریؓ) یزید بن معاویہ کے لشکر میں شامل تھے اور آپ نے اپنے معاملات کی وصیت بھی انہی یزیدؒ کو کی تھی۔ (یزید) ہی نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

ظاہر ہے کہ تمام مسلمانوں نے جو امیر یزیدؒ کے لشکر میں شامل تھے بشمول حضرت حسینؓ جنازہ کی نماز میں بامامت امیر یزیدؒ شرکت کی اور میزبان رسول ﷺ کی تدفین میں شریک رہے۔طبری جیسے شیعی مؤرخ کا بھی یہ بیان ہے کہ:

''ابوایوب انصاریؓ کی وفات اس سال ہوئی جب یزید بن معاویہ نے اپنے والد کی خلافت کے زمانہ میں قسطنطنیہ پر جہاد کیا تھا۔'' (ج۱۳ص۱۶)

ایک دوسرے شیعی مؤرخ (مؤلف ناسخ التواریخ) جہاں لکھتا ہے کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ نے جہاد قسطنطنیہ میں امیر یزیدؒ کے لشکر میں وفات پائی اور امیر موصوف ہن نے اُن کی تدفین کا انتظام کیا یہ بیان کرتے ہوئے کہ ''چوں ابوایوبؓ درگذشت یزید سوار شد وجیش با او سوار شد ونعش اور امشابعت نمودند'' وہیں کہتا ہے کہ امیر یزیدؒ نے رومی عیسائیوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

یا اهل القسطنطنیه هذا رجلٌ من اکابر اصحاب محمد نبینا وقد دفنا حیث ترون و والله لئن تعرضتم له لاهد من کل کنیسة فی ارض الاسلام ولا یضرب ناقوس بارض العرب ابداً.

(ج۲کتاب دوم ص۶۶۔ناسخ التواریخ)

اے اہل قسطنطنیہ! یہ ہمارے نبی ﷺ کے بڑے صحابی کا جنازہ ہے جن کو ہم نے یہاں دفن کیا ہے۔اللہ کی قسم اگر ان کی قبر کو کسی قسم کا ضرر پہنچا تو سرزمین اسلام میں ہر کنیسہ کو بیخ و بنیاد سے اُکھاڑ دیا جائے گا اور ارض عرب میں پھر ناقوس کی آواز سُنائی نہ دے گی۔

امیر شکیب ارسلان نے کتاب ''حاضر العالم الاسلامی'' کے تعلیقات زیر عنوان ''محاصرات العرب القسطنطنیہ'' میں طبقات ابن سعد کے حوالے سے لکھا ہے:

ولما مرض (ابو ایوبؓ) اتاہ یزید بن معاویہ یعودہ فقال: حاجتک، قال: نعم، حاجتی اذا مت فارکب بی ثم سغ بی فی ارض عدو ما وجدت مساغاً فا ذا لم تجد مساغاً فادفنی ثم ارجع فلما مات رکب بہ ثم ساریہ فی ارض العدو ما وجد مساغاً ثم دفنہ ثم رجع ان ابو ایوبؓ قال لیزید بن معاویہ حین دخل علیہ اقرئ الناس منّی السلام و ساحدثکم بحدیث سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من مات لا یشرک باللہ شئیاً دخل الجنۃ فحدث یزید الناس بما قال ابو ایوبؓ و توفی ابوایوبؓ عام غزا یزید بن معاویہ القسطنطنیہ فی خلافۃ ابیہ سنہ ۵۲ صلی علیہ یزید بن معاویہ و قبرہ باصل حصن القسطنطنیہ بارض الروم ان الروم یتعاھدون قبرہ و یزورونہ و یستقون بہ اذا قحطوا.

(ص ۲۱۵ بحوالہ طبقات ابن سعد)

جب ابو ایوب (انصاریؓ) بیمار پڑے یزیدؒ بن معاویہؓ ان کی عیادت کو آئے اور پوچھا کہ آپ کی جو خواہش ہو فرمایئے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں میری خواہش ہے کہ جب مرجاؤں تو میرا جنازہ دشمن کی سرزمین میں لے جانا جہاں تک تمہیں راہ ملے اور جب راہ نہ پاؤ تو دفن کر دینا پھر لوٹ آنا۔ جب وہ فوت ہو گئے (امیر یزیدؒ) اُن کا جنازہ لیکر سرزمین عدو میں گئے جب آگے راہ نہ پائی تو اُن کو دفن کر دیا اور لوٹ آئے۔ ابوایوبؓ نے اس وقت جب یزیدؒ ان کے پاس آئے تھے ان سے کہا تھا کہ میں مرجاؤں تو میرا سلام لوگوں کو پہنچا دینا۔ اور میں تم لوگوں سے وہ حدیث بیان کرتا ہوں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سُنی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اس حالت میں فوت ہو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا'' پس (امیر یزیدؒ نے) لوگوں سے وہ باتیں بیان کیں جو ابوایوبؓ نے فرمائیں۔ ان کی وفات ۵۲ھ میں ہوئی جب امیر یزید بن معاویہؓ نے قسطنطنیہ پر اپنے والد ماجد کے زمانہ میں جہاد کیا تھا۔ یزیدؒ بن معاویہؓ ہی نے ان کی جنازہ کی نماز پڑھائی، ان کی قبر قسطنطنیہ کے قلعہ کی فصیل کے پاس ہے اور رومی ان کی قبر پر جا کر عہد کرتے، انکی زیارت کرتے اور زمانہ قحط میں انکے وسیلہ سے بارش کی دعائیں مانگتے ہیں۔☆

☆ یہ فتح قسطنطنیہ سے پہلے کی بات ہے سیدنا ابوایوب انصاریؓ کی تربت ان نصاریٰ نے دیکھی تو اختلاف دین کے باوجود آپ کے وسیلہ سے حاجت براری کی دعائیں کیں اور اللہ نے اُن کی دعائیں سُنیں۔

جہادِ قسطنطنیہ میں سپہ سالار لشکر امیر یزیدؒ نے حُسن انتظام اور ذاتی شجاعت وشہامت کا ثبوت دیا اور امتیازی درجہ حاصل کیا۔ جس کی بناء پر ملت کی طرف سے ''فتی العرب'' (عرب کا سورما) کا خطاب پایا۔ امیر یزیدؒ ہی عرب کے پہلے شخص ہیں جنہیں یہ خطاب دیا گیا۔ امیر یزیدؒ کے اس خطاب ''فتی العرب'' کو تو پروفیسر حتی نے بھی تسلیم کیا ہے۔ (ص ۲۰۱، ہسٹری آف دی عربس)

امیر یزیدؒ نے متواتر کئی سال عیسائیوں کے خلاف جہادوں میں کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:

> ''یزید کو متعدد معارک جہاد میں بھیجنے اور جزائر بحر ابیض اور بلاد ہائے ایشائے کوچک کے فتح کرنے حتیٰ کہ خود استنبول (قسطنطنیہ) پر بری افواج سے حملہ کرنے وغیرہ میں آزمایا جا چکا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ معارک عظیمیہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ خود یزید کے متعلق بھی تاریخی روایات مبالغہ اور آپس کے تخالف سے خالی نہیں۔'' (مکتوبات جلد اول ص ۲۴۳۔۲۵۲)

امارتِ حج:

امیر یزیدؒ نے تین مرتبہ امیر حج کی حیثیت سے حج کیا اور لوگوں کو حج کرایا یعنی ۵۱ھ، ۵۲ھ اور ۵۳ھ میں۔

حج بالناس یزید بن معاویه فی سنة احدی و خمسین و ثنتین و خمسین و ثلاث خمسین.	یزید بن معاویہ نے ۵۱ھ، ۵۲ھ و ۵۳ھ میں لوگوں کو حج کرایا یعنی امیر حج کے فرائض ادا کئے۔

(ج ۸، ص ۲۲۹۔ البدایہ النہایہ)

مؤرخ اسلام علامہ ذہبی ''تاریخ اسلام وطبقات المشاہیر والاعلام'' میں لکھتے ہیں کہ امیر یزیدؒ نے ان تین سالوں میں یعنی ۵۱ھ، ۵۲ھ، ۵۳ھ میں امیر الحج کی حیثیت سے حج ادا کئے۔ (ص ۹۱ ج ۳)

شیعی مؤرخ طبری نے بھی امیر یزیدؒ کے امیر الحج ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔ ۵۱ھ کے حالات میں لکھا ہے: **وحج بالناس فی هذا لسنة یزید بن معاویه** ۔(جلد۲ص۱۶۱۔طبری طبع مصر)

مذہبی وسیاسی حیثیتوں سے منصب امارت حج منصب جلیل تھا۔ فتح مکہ ۸ھ کے بعد ہی ۹ھ میں یہ منصب جلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو تفویض فرمایا۔ ۱۰ھ میں ہجرت کے بعد آپ ﷺ نے پہلا اور اپنی حیات طیبہ کا آخری حج ادا کیا جو حجۃ الوداع کہلاتا ہے۔ اس میں آپ ﷺ ہی امیر حج تھے۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد خلفاء نے بھی اسی سُنت کی پیروی کی یعنی کبھی خود امیر حج ہوتے اور کبھی نائبین کو بھیجتے جو علم وتقویٰ اور فن خطابت میں شانِ امتیاز رکھتے۔ خلفاء راشدین میں سے حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان ذی النورینؓ اپنے اپنے عہدِ خلافت میں تقریباً ہر سال حج کے لئے تشریف لے جاتے، امیر حج کے فرائض ادا کرتے، اطراف و اکناف عالم اسلامی سے جو مسلمان حج ادا کرنے مجتمع ہوتے وہ خطبات اُمرائے حج سے مستفیض ہوتے۔ خطبۂ ماثورہ کے ساتھ وقتی ضروریات ملّیہ پر ہدایتیں اور نصیحتیں ہوتیں۔ پھر یہ حضرات حاجیوں سے ملاقات کرتے۔ ان کی حاجتیں وشکایتیں رفع کرتے۔ خلیفہ شہید مظلوم حضرت عثمانؓ کا ماہ ذی الحجہ میں جب بلوائیوں نے محاصرہ کر رکھا تھا۔ آپ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو امیر حج مقرر کر کے بھیجا۔ حضرت علیؓ نے چونکہ مدینہ چھوڑ کر کوفہ کو اپنا مستقر بنالیا تھا اسلئے اپنے ایام میں نہ کوئی حج کیا اور نہ کبھی امیر حج کے فرائض ادا کئے اور نہ اُن کی اولاد واخلاف نے الّا یہ کہ ۳۸۰ھ میں شریف ابواحمد موسوی کو بویہ کے زمانہ تسلط میں امارۃ الحاج کا عہدہ دیا گیا تھا۔

امیر المؤمنین حضرت معاویہؓ نے بروایتِ مختلفہ دو مرتبہ امیر حج کے فرائض ادا کئے۔ **حج معاویه بالناس فی ایام خلافته مرتین** (ص۱۳۳ج۸، البدایہ والنہایہ) پھر ان کے نائبین میں سے اُن کے لائق فرزند امیر یزیدؒ تین سال متواتر امیر حج رہے۔ ان تین سالوں میں سے آخری سال جب امیر حج کی حیثیت سے امیر یزیدؒ دمشق سے حجاز آئے تو انہوں نے حضرت حسینؓ کی بھتیجی یعنی حضرت عبداللہ بن جعفر الطیارؓ کی نور دیدہ سیدہ اُم محمدؒ سے نکاح کیا۔ (ص۶۲ جمہرۃ الانساب ابن حزم)

اس رشتہ کے اعتبار سے امیر یزیدؒ حضرت حسینؓ کے بھتیج داماد اور دوسرے رشتہ کے اعتبار سے اُن کے بہنوئی تھے۔ یعنی حضرت حسینؓ کی زوجہ اولیٰ سیدہ آمنہ والدہ علی اکبر بن حسینؓ حضرت معاویہؓ کی حقیقی بھانجی یعنی میمونہؓ بنت ابوسفیانؓ کی دختر تھیں (ص ۲۵۵ جمہرۃ الانساب وطبری ص ۱۹ ج ۱۳)۔ ان دونوں سالا بہنوئی اور خسر و داماد کے تعلقات حضرت حسینؓ کے خروج سے پہلے تک بہت خوشگوار اور اُنس و محبت کے رہے۔

دیگر صحابہؓ و اکابرین و مجاہدین کی طرح حضرت حسینؓ نے بھی جہاد قسطنطنیہ کے ایام میں جس کی مدت قوی آثار سے چار ماہ کی تھی، اپنے امیر عساکر کی قیادت میں پنج وقتہ نمازیں ادا کیں۔ پھر ان تین سالوں کے دوران اُن کی امارت حج میں مناسکِ حج ادا کئے۔ اُن کے خطبات سُنے اور تمام حاجیوں کے ساتھ اُن کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ امیر یزیدؒ کی ولایت عہد سے پیشتر اور اس کے بعد بھی وہ ہر سال دمشق جاتے۔ عزیزوں کی طرح امیر المؤمنین معاویہؓ کے پاس مقیم ہوتے اور وظائف و عطایہ کی بیش بہا رقوم حاصل کرتے رہے۔

ولی عہدی:

اُسی زمانہ میں امیر یزیدؒ کی ولایت عہد کا مسئلہ پیش ہوا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ جیسے مدبر صحابی نے یہ تحریک پیش کی کہ امیر المؤمنین اپنی زندگی میں ولی عہدی کا انتظام کر جائیں۔ اس کے لئے انہوں نے امیر المؤمنین کے لائق فرزند یزیدؒ کا نام پیش کیا۔ جہاں تک یزیدؒ کی اہلیت و قابلیت کا سوال ہے اُن کے عہد میں سب کے نزدیک مسلّم تھی۔ مسئلے کی پیچیدگی اس خیال سے پیدا ہو رہی تھی کہ کہیں خلافت کو باپ سے بیٹے کی طرف منتقل کرنے کا رواج نہ ہو جائے اور جو کام مصلحت ملّیہ کے تحت کیا جا رہا ہے، وہ اصول نہ بن جائے۔ اس لئے حضرت معاویہؓ جیسے مخلص پشتیبان اُمت یہ کیسے گوارہ کر سکتے تھے کہ اس بارے میں پوری اُمت سے استصواب رائے نہ کریں۔ چنانچہ اس تحریک پر غور کرنے کے لئے آپ نے یہ شرط رکھی کہ تمام ولایتوں کے نمائندے جمع ہوں اور بحث کر کے اپنا متفقہ فیصلہ دیں۔

یہ اجتماع ہوا جس میں ہر خیال کی نمائندگی تھی۔ عراقیوں کو بھی بلایا گیا تھا بلکہ عراقی ہی تھے جنہوں نے ولایت عہد کے لئے یزیدؒ کا نام پیش کیا۔ اُن میں سے بعض نے مخالفانہ تقریریں بھی کیں۔

کتب تاریخ میں اس اہم فیصلہ کی بعض تفصیلات درج ہیں۔ امام ابن قتیبہ کی طرف جو کتاب غلط منسوب ہے یعنی ''الامامۃ والسیاسۃ'' اُس میں بھی یہ تفصیلات ملتی ہیں۔ بھاری اکثریت کا فیصلہ تھا کہ امیر یزیدؒ ہی کو ولی عہد المسلمین بنایا جائے۔ ''الامامۃ والسیاسۃ'' جیسی کتاب میں بھی کوئی ایسی بات نہیں جس سے یہ اندازہ لگایا جاسکے کہ امیر یزیدؒ کی صلاحیت وقابلیت اور عدالت پر کسی طرف سے نکتہ چینی کی گئی ہو۔

اس فیصلہ کُن اجتماع کے باوجود امیر المؤمنین معاویہؓ پوری طرح مطمئن نہ ہوئے کیونکہ آپ کو اطلاع ملی تھی کہ بعض قریش متفق نہیں ہیں۔ اگرچہ حضرت علیؓ نے جب سے مدینہ کو چھوڑ کر کوفہ کو مستقر بنایا تھا اور اس کے بعد دمشق کو یہ مرتبہ حاصل ہو جانے کے بعد حرمین شریفین کے باشندوں کا اہل حلّ وعقد ہونے کا وہ امتیازی حق جاتا رہا تھا جو حضرات شیخین (ابوبکرؓ وعمرؓ) کے عہد میں تھا۔ لیکن حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ جب تک وہاں کے باشندے بھی متفق نہ ہوں گے یہ فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے یہ سفر ہی اسلئے اختیار کیا تھا کہ حج و زیارت کے موقع پر اس مسئلہ میں بھی یکسوئی حاصل کرلیں۔ سب لوگوں نے اس فیصلہ کا خیر مقدم کیا اور اُمت کے مصالح کے تحت اس کی منظوری دے دی۔ امیر المؤمنین یزیدؒ کو یہ شرف حاصل ہے کہ جیسا استصواب اُن کیلئے ہوا، اس سے پہلے کسی کیلئے نہیں ہوا تھا۔ اور اُن کی سعادت ہے کہ جمہور اُمت نے نہایت خوشدلی سے اُن کی ولایت عہد کا استقبال کیا۔

لوگ چونکہ اس اجتماع کا انکار نہیں کرسکتے اسلئے اسے بے وقعت بنانا چاہتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ اُمت نے یہ رائے جبر کے تحت دی اور کبھی کہتے ہیں کہ لالچ کے سبب۔ گویا اُمت محمدیہ جو آج بھی خوف اور لالچ سے بالا ہے وہ خیر القرون میں ان دونوں قسم کی پستیوں میں مبتلا تھی۔ اور وہ بزرگوار جنہوں نے دین قائم کرنے کیلئے جانی و مالی اور ظاہری و باطنی کسی قربانی سے دریغ نہ کیا، وہ سب باطل پرست ہوگئے۔ عقبہ اور شجرہ کی بیعت، بدر واُحد وخندق کے غزوں نے اُنہیں کندن نہیں بنایا تھا، دھات کا میل کردیا تھا۔ **نعوذ باللہ من سوء الظن فی اصحاب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔**

اس ذیل میں روایات کا پہاڑ کھڑا کردیا گیا ہے اور ایسی ایسی متضاد اور بے سروپا باتیں کی گئی ہیں کہ کسی درجہ میں بھی واقعات سے اُن کی تائید نہیں ہوتی۔ مثلاً طبری کی روایت میں کہا گیا ہے کہ

جن پانچ قریشی حضرات نے اختلاف کیا تھا، حضرت معاویہؓ نے ان سے علیحدہ علیحدہ گفتگو کی۔ جب وہ متفق نہ ہوئے تو فرمایا کہ مجمع عام میں اگر تم میں سے کسی نے کوئی مخالفت کی تو تمہاری خیر نہیں، سر اُڑا دیا جائے گا۔ چنانچہ مجمع عام میں جب یہ لوگ آ کر بیٹھے تو ایک ایک فوجی تلوار لئے اُن کے پاس کھڑا کر دیا گیا اور حضرت معاویہؓ نے منبر پر بیٹھ کر تقریر میں کہا کہ حسین بن علیؓ ہیں، یہ عبداللہ بن زبیرؓ ہیں، یہ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اور یہ عبداللہ بن عمرؓ ہیں اور یہ عبداللہ بن عباسؓ ہیں اور یہ سب لوگ یزید کی ولی عہدی پر متفق ہیں۔ یہ کہہ کر منبر سے اتر آئے ان قریشی حضرات میں سے کسی کو کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی سب دم بخود بیٹھے رہے۔ الامامۃ والسیاسۃ کے غالی مؤلف نے بھی لکھا ہے کہ:

والقوم سکت لم یتکلموا شیئا حذر القتل. (ج۱ص۲۰۰)	یعنی یہ قریشی حضرات سب چپ بیٹھے رہے کسی نے کچھ نہ کہا قتل ہو جانے کے خوف سے۔

ان لغو روایات میں جہاں حضرت معاویہؓ جیسے بزرگ صحابی پر کذب بیانی کا الزام لگایا ہے وہاں حضرت حسینؓ، حضرت ابن زبیرؓ اور دوسرے بزرگوں کی بزدلی اور مداہنت بھی بیان کی ہے۔ معاذ اللہ۔

ابن جریر طبری نے بیان کیا ہے کہ یہ واقعہ ۵۶ھ کا ہے حالانکہ ان پانچ قریشی حضرات میں سے عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ تو اس وقت زندہ بھی نہ تھے۔ اس سے تین سال قبل ۵۳ھ میں وفات پا چکے تھے۔ اس غلط بیانی کے علاوہ اس روایت کی اسناد حد درجہ لغو ہیں۔ پہلا راوی تو مجہول الاسم ہے ''رج نخلہ'' یعنی مقام نخلہ میں ایک شخص نے یہ روایت بیان کی۔ اس نامعلوم الاسم نے جس شخص سے یہ روایت بیان کی اُس کا نام طبری نے ''ابوعون'' لکھا ہے۔ ذہبی نے ''میزان الاعتدال'' میں اس کو ''مجہول'' بتایا ہے (ج۲ص۲۷۴)۔ اس ابن عون یا ابوعون نے اسمٰعیل بن ابراہیم سے اور اُس نے یعقوب بن ابراہیم سے یہ وضعی روایت بیان کی، یہ دونوں بھی ضعیف و کثیر الغلط ہیں۔ غرضیکہ اسناد کے

اعتبار سے یہ روایت حد درجہ غیر معتبر اور وضعی[1] ہے۔ ان لغو بیانیوں سے یہ لوگ ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ یوں بے قیمت قرار پاتی ہے کیونکہ:

(۱) فیصلہ سے پہلے موافق ومخالف جو بھی گفتگو ہو وہ فیصلے کے بعد خود بخود کالعدم ہو جاتی ہے اور اس سے استشہاد نہیں کیا جا سکتا۔ جو چیز ناطق ہے وہ اکثریت کا فیصلہ ہے، موافق ہو یا مخالف۔

(۲) کسی شخص کی طرف ایسی کسی بات کی نسبت باطل ہے جو اس کے عمل متواتر کے خلاف ہو۔

(۳) ہزاروں، لاکھوں مسلمانوں کے فیصلے کے مقابلے میں چند نفوس کا اختلاف کوئی حیثیت نہیں رکھتا اگرچہ وہ کتنے ہی محترم کیوں نہ ہوں۔

نبی کریم ﷺ سے بڑا اور محترم کوئی فرد بشر نہیں۔ امام کی حیثیت سے آپ ﷺ نے متعدد امور میں اپنی رائے کے خلاف اکثریت کی رائے اختیار کی۔ مثلاً غزوہ اُحد میں آپ ﷺ کی رائے تھی مدینہ ہی میں مورچہ بنا کر کفار کا مقابلہ کیا جائے۔ یہی رائے حضرت صدیق اکبرؓ کی تھی مگر جو نوجوان شوق جہاد وشہادت میں سرشار تھے اور بعض دوسرے حضرات باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہتے تھے۔ صاحب وحی نبی ﷺ نے جو عیاناً مآل اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے، اکثریت کی رائے کی پیروی کی۔ کیا اس کے بعد بھی کسی شخص کو یہ حیثیت دی جا سکتی ہے کہ اُمت کی اکثریت کے فیصلے اور عمل کے خلاف اس کی رائے کو حق اور اکثریت کی رائے کو باطل قرار دے دیا جائے؟

کتب تاریخ وسیر ورجال کے صفحات پر دیکھا جا سکتا ہے کہ امیر یزیدؒ کی ولایت عہد کے فیصلے کے بعد یہ سب حضرات خاص کر حضرت حسینؓ بن علیؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ بدستور سابق ہر سال امیر المؤمنین حضرت معاویہؓ کی خدمت میں دمشق جاتے عزیزوں کی طرح اُن کے پاس مقیم رہتے اور وظائف وعطایا کی گرانقدر رقوم حاصل کر کے واپس آتے۔ اس سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟

---

[1] اس روایت کے وضع کرنے والے احمق نے اتنا نہ سوچا کہ اگر اُن میں سے کوئی بزرگ جان پر کھیل جاتے اور قتل کر دیئے جاتے تو اس سے رائے عامہ استوار ہوتی یا کئے کرائے پر پانی پھر جاتا اور پھر وہ ہنگامہ ہوتا کہ سنبھالے نہ سنبھلتا۔ اب دو ہی باتیں ہیں یا تو حضرت معاویہؓ کو ان لوگوں کی بزدلی کا یقین تھا اسلئے انہوں نے یہ ترکیب کی یا پھر اتنے عقل سے بیگانہ تھے کہ ادنیٰ صاحب سیاست بھی جو خطرہ مول نہیں لے سکتا وہ اُنہوں نے مول لیا۔ افسوس کہ گمراہ لوگ خاصانِ خدا کے متعلق کیسے لغو جذبات رکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ ایسا کوئی واقعہ ہوا اور نہ اس کا امکان تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی طرف اختلاف کرنے کی نسبت باطل ہے۔آپ کا مؤقف ظاہر ہے حتی کہ امیر یزیدؒ کی علمی قابلیت اور نیکوکاری کا اعتراف واضح الفاظ میں کرتے تھے۔رہے حضرت حسینؓ بن علیؓ تو یا تو انہوں نے بھی ولی عہدی کی بیعت کر لی تھی۔جیسا کہ اُن کے اس طرزِ عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حضرت معاویہؓ کی وفات تک ہر سال دمشق جاتے تھے یا اگر اختلاف تھا بھی تو اختلاف رائے کی حد تک تھا یا بعد میں اُن کی رائے بدل گئی۔

ولایت عہد کے سلسلے میں کذابین نے یہ فضا پیدا کی ہے گویا اس وقت صحابہ کرامؓ میں صرف یہ پانچ بزرگ ذی حیثیت تھے۔عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ (متوفی ۵۳ھ) عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور حسین بن علیؓ، ان کے علاوہ باقی سب اُمت عوام الناس پر مشتمل تھی۔حالانکہ اُس زمانہ میں اور بھی بلند اور ممتاز ہستیاں اصحاب بیعت عقبہ، عشرہ مبشرہ، اصحاب بدر، اصحاب بیعت رضوان اور دیگر معمر صحابہؓ کی موجود تھیں۔

راقم الحروف نے اپنی مبسوط تالیف میں ایسے ڈھائی سو صحابہ کرامؓ کا مختصراً تذکرہ لکھا ہے جو امیر یزیدؒ کے ولایت عہد اور زمانہ خلافت بلکہ بعض اس کے بعد تک بقید حیات تھے۔اور ان میں سے کسی نے بھی مطلق کوئی اختلاف نہیں کیا تھا۔ان جلیل القدر صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں حضرت حسینؓ اور حضرت ابن الزبیرؓ کے اختلاف کا کیا مقام تھا اور کتاب اللہ وسُنت رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں کیا مقام متعین کیا جا سکتا ہے۔عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ تو بیعت خلافت سے سات سال پہلے وفات پا چکے تھے۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ و عبداللہ بن عباسؓ نے بطیّب خاطر بیعت کی تھی اور اس پر مستقیم رہے تھے۔ باقی رہے حضرت حسینؓ اور ابن الزبیرؓ تو کیا ان حضرات کا اجتہاد ایسا وقیع ہو سکتا ہے کہ اجلہ صحابہ کرامؓ کے مؤقف پر غالب سمجھا جائے؟

اہل علم جانتے ہیں کہ حضرت حسینؓ کی عمر وفات نبوی ﷺ کے وقت پانچ برس کے قریب تھی۔اور ابن الزبیرؓ کی نو دس برس کی۔اس طرح گو طبقہ کے لحاظ سے بعض نے ان کا شمار صغار صحابہ میں کر لیا ہے مگر اُن کبار صحابہؓ کے مقابلے میں اِن حضرات کو نہیں رکھا جا سکتا جنہوں نے نبی ﷺ کے ساتھ برسہا برس گزار دیئے اور دین قائم کرنے میں آپ ﷺ کے زیر تربیت ہر قسم کی ظاہری اور

باطنی قربانیاں دیں تا آنکہ بارگاہ خداوندی سے اُنہیں بشارت مل گئی کہ وہ سب خلاصہ کائنات اور خیر الامم ہیں۔

ابن خلدون نے اپنے شہرہ آفاق ''مقدمہ'' میں ولایت العہد کے بارے میں بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''تمام صحابہ کرامؓ ولی عہدی کے جواز پر متفق تھے اور اجماع جیسا کہ معلوم ہے کہ حجت شرعی ہے پس امام اس معاملہ میں متہم نہیں ہوسکتا۔ اگر چہ یہ کارروائی اپنے باپ یا بیٹے کے حق میں کیوں نہ کرے۔ اس لئے کہ جب اس کی خیر اندیشی پر اس کی زندگی میں اعتماد ہے تو موت کے بعد تو بدرجہ اولیٰ اس پر کوئی الزام نہیں آنا چاہیئے۔ بعض لوگوں کی رائے ہے کہ باپ اور بیٹے کو ولی عہد بنانے میں امام کی نیت پر شبہ کیا جاسکتا ہے اور بعض صرف بیٹے کے حق میں رائے رکھتے ہیں مگر ہمیں ان دونوں سے اختلاف ہے۔ ہماری رائے میں کسی صورت میں بھی امام سے بدگمانی کی کوئی وجہ نہیں ہے خاص کر ایسے مواقع پر جہاں ضرورت اس کی داعی ہو۔ مثلاً کسی مصلحت کا تحفظ یا کسی مفسدہ کا ازالہ اس میں مضمر ہو۔ تب تو کسی طرح کے سوءظن کی کوئی وجہ ہی نہیں جیسے کہ حضرت معاویہؓ کا اپنے فرزند کو ولی عہد بنانے کا واقعہ ہے۔ اولاً تو حضرت معاویہؓ کا لوگوں کے عمومی اتفاق کے ساتھ ایسا کرنا اس باب میں بجائے خود ایک حجت ہے اور پھر انہیں متہم یوں بھی نہیں کیا جاسکتا کہ اُن کے پیش نظر یزیدؒ کو ترجیح دینے کے بجز اس کے اور کچھ نہیں تھا کہ اُمت میں اتحاد اور اتفاق قائم رہے اور اس کے لئے ضروری تھا کہ اہل حل وعقد صرف یزیدؒ ہی کو ولی عہد بنانے پر متفق ہوسکتے تھے کیونکہ وہ عموماً بنی اُمیہ میں سے تھے اور بنی اُمیہ اُس وقت اپنے میں سے باہر کسی اور کی خلافت پر راضی نہیں ہوسکتے تھے۔ اس وقت قریش کا سب سے بڑا اور طاقت ور گروہ ان ہی کا تھا اور قریش کی عصبیت سارے عرب میں سب سے زیادہ تھی۔ ان نزاکتوں کے پیش نظر حضرت معاویہؓ نے یزیدؒ کو ولی عہدی کے لئے ان لوگوں پر ترجیح دی جو اس کے زیادہ مستحق سمجھے

جاسکتے تھے۔ افضل کو چھوڑ کر مفضول کو اختیار کیا تا کہ مسلمانوں میں جمعیت اور اتفاق رہے جس کی شارع کے نزدیک بے حد اہمیت ہے قطع نظر اس کے حضرت معاویہؓ کی شان میں کوئی بدگمانی نہیں کی جاسکتی کیونکہ آپ کی صحابیت اور صحابیت کا لازمہ عدالت ہر قسم کی بدگمانی سے مانع ہے۔ اور پھر آپ کے اس فعل کے وقت سینکڑوں صحابہؓ کا موجود ہونا اور اس پر سکونت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس امر میں حضرت معاویہؓ کی نیک نیتی مشکوک نہیں تھی کیونکہ یہ صحابہ کرامؓ کے حق کے معاملہ میں چشم پوشی اور نرمی کے کسی بھی طرح بھی روادار نہیں ہو سکتے تھے اور نہ معاویہؓ ہی ایسے تھے کہ قبول حق میں حب جاہ اُن کے آڑے آجاتی۔ یہ سب اس سے بہت بلند ہیں اور ان کی عدالت ایسی کمزوری سے یقیناً مانع ہے۔''

(مقدمہ ابن خلدون ص ۱۷۵۔۱۷۶، مطبوعہ مصر)

علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تاریخ میں اور مؤرخ اسلام علامہ ذہبی نے تاریخ الاسلام و طبقات المشاہیر والاعلام ص ۹۲ و دیگر مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے امیر یزیدؒ کی بیعت ولایت عہد کی تکمیل پر یہ دعا مانگی:

اللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي وَلَّيْتُهُ لِأَنَّهُ فِيمَا أَرَاهُ أَهْلٌ لِذَلِكَ فأتمم له ما وليته، وأن كنت وَلَّيْتُهُ لِأَنِّي أُحِبُّهُ فَلَا تُتْمِمْ لَهُ مَا وَلَّيْتُهُ.

(ص ۸۰ ج ۸، البدایہ والنہایہ)

یا الٰہی تو جانتا ہے کہ اگر میں نے اس کو (یزید) اس لئے ولی عہد کیا ہے کہ وہ اس کا اہل ہے تو اسکی ولی عہدی کو پورا کر اور اگر میں نے اس کی محبت کی وجہ سے ولی عہد کیا ہو تو اس کی ولی عہدی کو پورا نہ ہونے دے۔

الغرض امیر یزیدؒ کا ولی عہد اور اسکے بعد خلیفہ منتخب ہونا، پوری اُمت کی رضامندی سے ہوا تھا۔ یہ رضامندی مصلحت ملیہ کے تقاضہ کی بناء پر تھی نہ کہ کسی خوف کے تحت اور لالچ کی وجہ سے۔ ان کا انتخاب کسی اندرونی اختلال کا ثمرہ اور وقتی حادثہ نہ تھا بلکہ امن کے بہترین زمانہ میں جب کہ جذبات میں

کوئی ہیجان نہ تھا۔ اجلہ صحابہ کرامؓ کی تحریک وتائید سے ہوا تھا اور نبی کریم ﷺ کے رُفقاء اور آپ ﷺ کے آل بیت اس پر مستقیم رہے۔

عالم اسلامی کے ہر ہر علاقہ میں لوگوں نے بلا کسی اختلاف کے بیعت کی تھی اور ہر جگہ کے وفود تاکید بیعت کیلئے امیر یزیدؒ کے پاس حاضر ہوئے تھے۔

فاتسقت البیعة لیزیدفی سائر البلاد

و وفدت الوفود من سائر الاقالیم

الیٰ یزید. (ص۸۰ج۸،البدایہ والنہایہ)

امیر یزیدؒ کی ولی عہدی کی اس بیعت سے پہلے کبھی اس اہتمام سے بیعت نہیں لی گئی تھی کہ مملکتِ اسلامیہ کے گوشہ گوشہ سے بیعت کیلئے وفود آتے ہوں اور ہر علاقہ کے لوگوں نے بطیّب خاطر اس طرح ایسے قریشی نوجوان کی بیعت کی ہو جو اپنی صلاحیتوں اور خدمات ملیہ کے کارہائے نمایاں کی وجہ سے ملت کا محبوب تھا۔

کردار خلیفہ یزیدؒ :

ہم عصر حضرات کو جن میں کثیر تعداد صحابہ کرامؓ اور تابعین کرامؒ کی شامل تھی، امیر یزیدؒ کی سیرت اور کردار میں کوئی خامی ایسی نظر نہ آتی تھی جس کی وجہ سے عقد بیعت خلافت ناجائز ٹھہرے یا بعد بیعت ان کے خلاف خروج ومخالفت کا جواز نکالا جا سکے۔

رجب ۶۰ھ میں جس وقت امیر المؤمنین معاویہؓ کی وفات کی خبر مکہ معظّمہ آئی، حضرت حسینؓ کے چچا حضرت عبداللہ بن عباسؓ وہاں موجود تھے۔ مؤرخ بلاذری نے المدائنی کی سند سے حضرت عامر بن مسعود الجمحیؓ صحابی کی یہ روایت نقل کی ہے کہ وفات کی خبر سن کر ہم لوگ حضرت ابن عباسؓ کے پاس گئے اُس وقت ان کے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔

یا ابا العباس، جاء البرید بموت	پھر ہم نے اُن سے کہا کہ اے ابو العباس!
معاویہ فوجم طویلاًثم قال: اللھم	قاصد موت معاویہ کی خبر لایا ہے (یہ سن کر)

اوسع لمعاویة ، اما واللہ ما کان مثل من قبلہ ولا یاتی بعدہ مثلہ وان ابنہ یزید لمن صالحی اھلہ فالزموا مجالسکم واعطوا طاعتکم و بیعتکم ، قال: فبینا نحن کذلک اذ جاء رسول خالد بن العاص وھو علی مکۃ یدعوہ للبیعۃ فمضی فبایع.

(ص۴ ، الجزء الرابع قسم ثانی ۔ الانساب و الاشراف بلاذری مطبوعہ یروشلم)

وہ دیر تک خاموش رہے پھر دعا مانگی کہ الٰہی معاویہ پر اپنی رحمت وسیع کر، واللہ وہ ان کے لوگوں کے مثل تو نہ تھے جو اُن سے پہلے گزر گئے لیکن اُن کے بعد کوئی اُن کے مثل آنے والا نہیں اور اُن کے فرزند یزید اپنے خاندان کے نیکوکاروں میں ہیں تم لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہنا اور اطاعت کرنا اور بیعت کرنا (حضرت عامر نے) کہا اسی طرح ہم ان کے (ابن عباسؓ) کے پاس تھے کہ خالد بن العاص کا جو اس وقت مکہ کے عامل تھے قاصد آیا ان (ابن عباسؓ) کو بیعت کیلئے بلایا وہ گئے اور بیعت کی۔

مؤرخ بلاذری کی مندرجہ بالا روایت کو الامامہ والسیاسہ کے غالی مؤلف نے بتغیر الفاظ لکھا ہے۔ راوی کا نام بھی عامر بن مسعود الجمحیؓ کے بجائے عتبہ بن مسعود تحریر کیا ہے۔ روایت میں بیان کیا ہے کہ جب راوی نے حضرت معاویہؓ کی وفات کی خبر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو جا کر سُنائی تو اس وقت وہ کھانا تناول کرنے کیلئے چند مہمانوں کے ساتھ بیٹھے تھے کہ خبر وفات سنتے ہی دستر خوان اٹھوا دیا اور کچھ دیر خاموش رہے، پھر فرمایا:

اما واللہ ما کان کمن کان قبلہ ولما یکن بعدہ مثلہ اللھم انت اوسع لمعاویہ فینا وفی بنی عمنا ھولا لذی لب معتبر اشتجرنا بیننا فقتل صاحبھم غیرنا وقتل صاحبنا غیرھم

لیکن واللہ وہ (معاویہؓ) ان لوگوں جیسے تو نہ تھے جو ان سے پہلے گزر گئے مگر ان کے بعد ان جیسا بھی یقیناً کوئی نہیں۔ یا اللہ معاویہ پر اپنی رحمت وسیع کر، ہم میں اور ہمارے چچا کے بیٹوں (بنوعم یعنی بنی امیہ) میں وہ بڑے

وما اغراهم بنا الا نهم لا بجدون مثلنا وما اغرانا بهم الا انا لا نجد مثلهم و والله ان ابنه لخير اهله اعد طعامک یا غلام! حتی جاء رسول خالد بن الحکم الی ابن عباس ان اطلق نبایع.

(ص ۲۱۳ ج طبع اولیٰ ۱۹۳۷ء)

ذی مرتبت دانشور تھے، ان میں اور ہم میں جھگڑا ٹنٹا بھی رہا ان کے صاحب (یعنی عثمانؓ) کو ہمارے کسی غیر نے قتل کیا اور ہمارے صاحب (یعنی علیؓ) کو ان کے کسی غیر نے۔ اگر چہ ہم سے ان کی چشمک تھی مگر ہم جیسا وہ نہ پائیں گے اور نہ ہم ان جیسا پاسکیں گے۔ اور واللہ ان کا فرزند (یعنی یزید) یقیناً اپنے خاندان میں نیک اور اچھا فرزند ہے۔ ہاں اے لڑکے کھانا لاؤ۔ دسترخوان جب اُٹھا دیا گیا خالد بن الحکم (حاکم شہر) کا قاصد ابن عباسؓ کے پاس آیا کہ چلئے (آپ گئے) اور بیعت کی۔

تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ مع دیگر اعیان بنی ہاشم کے سالہا سال تک بلا ناغہ دمشق جاتے۔ امیر المؤمنین حضرت معاویہؓ کے پاس مہینوں مقیم رہتے۔ اس طرح امیر یزیدؒ کے حالات و کردار سے بخوبی واقف تھے اور اپنی اس ذاتی واقفیت سے انہوں نے امیر موصوف کو صالح و نیکوکار بتایا۔ بلا تامل و بطیّب خاطر خود بیعت کی اور دوسروں کو بھی اطاعت و بیعت کی ترغیب دی۔ اسی طرح حضرت علیؓ کے صاحبزادہ حضرت محمد بن الحنفیہؒ نے جو اپنے علم و فضل میں شان امتیاز رکھتے تھے۔ انہوں نے بھی امیر یزیدؒ کی نیکوکاری، صوم وصلوٰۃ کی پابندی اور سُنت نبوی ﷺ کی پیروی کرنے کا ذکر ان الفاظ میں کیا تھا:

وقد حضرته واقمت عنده فرایته مواظبا علی الصلاة متحریا للخیر یسال عن الفقه ملازما للسنة.

(ص ۲۴۳ ج ۸، البدایہ والنہایہ)

میں ان (یزید) کے پاس گیا ہوں، ان کے پاس مقیم رہا ہوں ان کو نماز کی پابندی کرنے والا، نیک کاموں میں سرگرم، مسائل فقہ پر گفتگو کرنے والا اور سنت نبوی کی پیروی کرنے والا پایا ہے۔

مجالسِ علمی:

اپنے زمانہ خلافت میں امیر یزیدؒ ہمیشہ جامع مسجد دمشق میں نماز پڑھاتے خاص کر امیر المؤمنین ہونے کی حیثیت سے جمعہ وعیدین کی نمازوں کی تو ظاہر ہے کہ خود امامت کرتے اور بعد ادائے نماز وہیں مجلس علمی منعقد کیا کرتے۔ فقہ واحادیث کے علاوہ علم الانساب میں ان کو خاص مہارت تھی۔ ایک مرتبہ بنو قضاعۃ کا ایک وفد ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان کے قبیلے کے بعض لیڈر اپنے قبیلے کا انتساب معد بن عدنان سے کرنے لگے تھے۔ وفد کو اس نظریہ سے اختلاف تھا اسلئے وہ اس مسئلہ کے تصفیہ کیلئے خلیفہ وقت کی خدمت میں بادیہ شام سے حاضر ہوئے۔ جمعہ کا دن تھا اس وقت امیر یزیدؒ مسجد دمشق میں بعد فراغت نماز مجلس علمی منعقد کر رہے تھے یہ وفد وہیں پہنچا۔ صاحب فتحات تاریخ الیمن نے اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

فلما بلغ ذلک قضاعة غضبوا شدیداً وانکروا ذالک اشد الانکار فخرجوا و اجتمعوا ثم دخلوا مسجد دمشق یوم الجمعة علیٰ یزید. (ص ۸۷ مطبوعۃ بریل لیڈن)	جب اس کا (یعنی غلط انتساب کا) حال قضاعہ کو معلوم ہوا، ان کو شدید غیظ وغضب پیدا ہوا اور اس کا سختی کے ساتھ انکار کیا۔ پھر یہ لوگ احتجاجاً اکٹھے ہوئے اور جمعہ کے دن مسجد دمشق میں یزید کے پاس پہنچے۔

روایت حدیث:

امیر یزید کبار تابعین میں تھے۔ اپنے محترم والد ماجد کے علاوہ بعض اجلہ صحابہؓ سے فیض صحبت اُٹھایا۔ حضرت دحیہ الکلبیؓ سے جو جلیل القدر صحابی تھے اور رسول اللہ ﷺ کے سفیر بھی رہے تھے، اُن کی حقیقی بہن سیدہ شراف بنت خلیفہ سے آپ نے نکاح کیا تھا اور وہ امیر یزیدؒ کے رشتہ میں ماموں بھی تھے۔ نیز حضرت ابوالدرداؓ اور حب رسول اللہ ﷺ اسامہ بن زیدؓ اور دیگر متعدد صحابہ کرامؓ سے استفادہ کیا۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ اور دوسرے صحابہ اور اپنے والد ماجد سے حدیث کی روایت کی۔ امیر یزیدؒ سے ان کے صاحبزادوں نیز امیر المؤمنین عبدالملک بن مروانؒ وغیرہ نے روایت کی ہے۔

وقد ذکره ابوزرعة الدمشقی فی الطبقه التی تلی الصحابة وهی العلیا وقال له احادیث.

(ص ۲۲۷ ج۸ البدایه والنهایه)

اوران کا (یزید) تذکرہ (محدث) ابوزرعہ دمشقی نے اس طبقہ (راویانِ حدیث) میں کیا ہے جو صحابہؓ کے بعد ہی آتے ہیں اور یہ مقام بلند ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان کی (یزید کی) مرویات سے احادیث ہیں۔

تہذیب التہذیب میں امام حجر بن عسقلانی نے امیر موصوف کا ذکر رواۃ احادیث میں کرتے ہوئے محدث یحییٰ بن عبدالملک بن عتبہ الکوفی کا جن کو وہ احد الثقات یعنی ثقہ راویوں میں شمار کرتے ہیں۔ یہ قول اپنے ہی طرح کے ایک اور ثقہ راوی نوفل بن ابی عقرب کی سند سے نقل کیا ہے کہ اموی خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے محض اتنی سی بات پر کہ وہ شرعی جرم نہیں ایک شخص کے بیس کوڑے لگوائے تھے کہ امیر یزیدؒ کا ذکر اس نے امیر المؤمنین کہہ کر کیا تھا۔ مگر ان ثقہ راویوں کی روایت کا جو سب کے سب مجہول الحال ہیں، اندازہ خلیفہ موصوف ہی کے عمل اور قول سے ہو جاتا ہے جو ان ہی ابن حجر عسقلانی نے اپنی دوسری تالیف لسان المیزان میں نقل کیا ہے:

وقال ابن شوزب سمعت ابراهیم بن ابی عبد یقول سمعت عمر بن عبدالعزیز یترحم علی یزید بن معاویه.

(لسان المیزان ج۶ ص ۲۹۴)

اور ابن شوزب نے بیان کیا کہ میں نے ابراہیم بن ابی عبد سے یہ بات سنی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ میں نے (خلیفہ) عمر بن عبدالعزیز کو یزید بن معاویہ پر رحمۃ اللہ علیہ کہتے سُنا ہے۔

ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن شوزب الخراسانی (متوفی ۱۵۶ھ) جو عام طور سے ابن شوزب کہلاتے تھے بڑے پائے کے ثقہ راوی ہیں۔ بخاری میں ان سے روایت لی گئی ہے۔ ابن معین و نسائی و ابن حبان سب ہی نے ان کو ثقہ وصدوق بتایا ہے برخلاف وضعی روایات کے راویوں یحییٰ بن عبدالملک ونوفل بن ابی عقرب کے جو مجہول الحال ہیں۔

امام ابن تیمیہؒ نے الصارم المسلول علی شاتم الرسول (ص ۵۶۹) میں ابراہیم بن میسرہ کی روایت نقل کی ہے کہ:

''میں نے (خلیفہ) عمر بن عبدالعزیزؒ کو کسی انسان کو مارتے پیٹتے نہیں دیکھا سوائے ایک شخص کے جس نے معاویہؓ کی بدگوئی کی تھی، خلیفہ موصوف نے اس کے کوڑے لگوائے تھے۔''

بات کیا تھی کذابین نے کیا سے کیا بنادی۔ تہذیب التہذیب میں ہی ابن حجرؒ نے امیر موصوف کے فرزند عبدالرحمٰن کا ذکر رواۃ احادیث میں کرتے ہوئے محدث ابن حبان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ ان کو ''فی الثقات'' یعنی ثقہ راویوں میں شمار کرتے ہیں۔ ابن حجرؒ یہ بھی لکھتے ہیں کہ عبدالرحمٰن نے اپنے والد (امیر یزیدؒ) سے روایت حدیث کی ہے۔ بیٹا تو ثقہ اور باپ جس سے روایت لے وہ غیر ثقہ۔ ایں چہ بوالعجبی است۔

مراسیل ابو داؤد میں ان سے روایت ہے۔ امیر یزیدؒ سے ان کے صاحبزادوں یعنی معاویہ وعبدالرحمٰن اور خالد نے بھی حدیث کی روایت کی ہے۔ محدثین نے ان تینوں فرزندانِ امیر یزیدؒ کو صالحین میں شمار کیا ہے۔ محدث معصب الزبیری نے عبدالرحمٰن بن یزیدؒ کے بارے میں کہا ہے: کان رجلا صالحاً (تہذیب ج ۶ ص ۳۰۰)۔ اسی طرح محدث ابوزرعہ ان تینوں فرزندانِ امیر یزیدؒ کے بارے میں فرماتے ہیں: کانوا فی صالحی القوم (یعنی یہ لوگ امت کے صالحین میں سے تھے) (تہذیب التہذیب)

امیر یزیدؒ نے زمانہ طالب علمی ہی سے احادیث نبوی ﷺ کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور اس علم میں ان کو بصیرتِ خاص حاصل تھی۔ اس زمانہ کا ایک دلچسپ واقعہ مؤرخین نے لکھا ہے جس کو علامہ ابن کثیرؒ کے الفاظ میں یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

وفی روایة ان یزید لما قال له ابوه سلنی حاجتک قال له یزید ؟ اعتقنی من النار اعتق الله رقبتک	اور روایت میں ہے کہ یزیدؒ سے جب ان کے والد نے کہا کہ جو بات وخواہش تمہاری ہو، مجھ سے کہو، تو یزیدؒ نے ان سے کہا کہ

منها ، قال و کیف ؟ قال: لانی وجدت فی الاثار انه من تقلد امر الامة ثلاثه ایام حرمه الله علی النار.
(ص۲۲۷ ج۸ ، البدایة و النهایة)

مجھے نار (دوزخ) سے بچالیں اللہ تعالیٰ آپ کی گردن کو اس سے آزاد رکھے۔ (معاویہؓ) نے پوچھا وہ کیونکر؟ (یزید نے) کہا: میں نے احادیث میں پایا ہے کہ جس کو تین دن کیلئے بھی امت کا امر (خلافت) سونپا جائے اللہ تعالیٰ اُس پر نار (دوزخ) کو حرام فرمائے گا

یہ حدیث بھی امیر یزیدؒ نے اپنے والد ماجد حضرت معاویہؓ کی سند سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من یرد الله به خیراً یفقهه فی الدین.

یعنی اللہ تعالیٰ جس کو بھلائی پہنچانا چاہتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔

خود ان کو علوم دین میں یہ سمجھ اللہ تعالیٰ نے عنایت کی تھی۔ حدیث وفقہ سے واقفیت کے علاوہ اچھے قاری تھے۔ الامامۃ والسیاسۃ کے غالی مؤلف نے بھی لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اپنی تقریر میں امیر یزیدؒ کی علمی فضیلت اور قراءۃ قران کا بھی ذکر کیا تھا۔ ثم ذکر یزید و فضله و قراءته القران۔ (ج۱ص۱۹۸)

پھر اس غالی مؤلف نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت حسینؓ نے اپنی تقریر میں یزیدؒ پر اپنی برتری ثابت کرنے کی غرض سے اپنی پدری و مادری اور ذاتی فضیلت کا ذکر چھیڑا تو حضرت معاویہؓ نے اس پر فرمایا تھا کہ تمہاری والدہ تو رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی تھیں، ان کی فضیلت کا کیا کہنا یزید کی ماں کو ان سے نسبت ہی کیا ہے۔ البتہ تمہارے والد اور یزید کے باپ کے معاملہ میں تو اللہ تعالیٰ نے یزید کے باپ کے حق میں فیصلہ کر دیا تھا۔ اپنی ذاتی فیضیلت کا جو ذکر کرتے ہو تو قسم بخدا اُمتِ محمدیہ ﷺ کے (سیاسی مسائل و معاملات) کیلئے یزید تم سے بہتر ہے (واما ذکرت من انک خیر من یزید نفساً فیزید والله حیر لامة محمد منک) (ج۱ص۱۹۸)

امیر یزیدؒ نے نہ صرف حربی مہموں اور جہادوں میں نمایاں حصہ سالہا سال تک لیا بلکہ سیاسی معاملات اور کاروبار سلطنت وخلافت کا عملی تجربہ بھی حاصل کیا تھا۔ یہ روایت اگر صحیح ہے تو حضرت معاویہؓ نے اسی بات کا ذکر کیا ہوگا۔

خطبات جمعہ وعیدین:

امام شہاب الدین معروف بہ ابن عبدربہ (متوفی ۳۲۸ھ) نے اپنی مشہور کتاب العقد الفرید (ص ۴۱۵۔۳۵۶ ج ۲) میں نبی کریم ﷺ کے خطبہ حجۃ الوداع کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ و عمر فاروقؓ وعلی المرتضیٰؓ اور امیر معاویہؓ کے خطبات درج کئے ہیں۔ ان ہی خطبات کے ساتھ امیر یزیدؒ کے چند خطبے بھی شامل کئے ہیں جو امیر المؤمنین کی حیثیت سے دیئے تھے۔ ان کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ امیر موصوف کو قران حفظ تھا۔ خطبہ دیتے ہوئے کلام اللہ سے آیتیں ہی نہیں رکوع اور سورتیں تلاوت کرتے اور سامعین کے قلوب کو گرماتے۔ اس عہد میں زر و مال کی بہتات تھی۔ اسلئے ضروری تھا کہ امیر المؤمنین لوگوں کو عیش پرستی سے اجتناب پر نصیحتیں کریں۔ صاحب العقد الفرید نے ان کے ایک خطبہ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

الحمدلله أحمده وأستعينه ، وأومن به أتوكل عليه ، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ، ومن سيئات أعمالنا ، من يهد الله فلا مضلّ له ، ومن يضلل هادي له، وأشهد أن لااله الا الله وحده لا شريك له، وأن محمدا عبده و رسوله ، اصطفاه لوحيه، واختاره لرسالته، بكتاب فصّله و فضّله ، وأعزّه وأكرمه، ونصره و حفظه ، ضرب فيه الأمثال ، وحلّل	سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں اسی کی حمد کرتا ہوں اور اسی سے مدد مانگتا ہوں۔ اسی پر ایمان لایا ہوں اور اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اپنے نفسوں کی شرارت اور بُرے اعمال سے پناہ مانگتا ہوں جسے اللہ گمراہ کرے اُسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور جسے ہدایت دے اُسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور تحقیق محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔

فيه الحلال وحرّم فيه الحرام وشرع فيه الدين اعذارا و انذارا: لئلا يكون للناس على الله حجّة بعد الرسل ' ويكون بلاغا لقوم عابدين.

أوصيكم عباد الله بتقوى الله العظيم الذي ابتدأ الأمور بعلمه واليه يصير معادها' وانقطاع مدتها ' وتصرم دارها. ثم اني أحذّركم الدنيا. فانها حلوة خضرة ' حفّت بالشهوات' وراقت بالقليل' وأينعت بالفاني' وتحببت بالعاجل. لايدوم نعيمها' ولا تؤمن فجيعتها' أكّالة عوّالة غرّارة. لا تبقي على حال. ولا يبقى لها حال. لن تعدو الدنيا ' اذا تناهت الى أمنّية أهل الرغبة فيها. والرضا بها ' أن تكون كما قال الله عزوجل: وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلَ الْحَياةِ الدُّنْيا كَماءٍ أَنْزَلْناهُ مِنَ السَّماءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَباتُ ....(الى قوله مُقْتَدِراً) . نسأل الله ربّنا والهنا و خالقنا ومولانا أن يجعلنا واياكم من فزع يومئذ آمنين.

اپنی وحی کیلئے اللہ نے اُنہیں منتخب کیا اور اپنی رسالت اور اپنی کتاب اور اپنے فضل کیلئے انہیں اختیار کیا۔ انہیں معزز ومکرم کیا ان کی مدد کی اور ان کی حفاظت کی ۔ اس کتاب (قران) میں مثالیں بیان فرمائیں حلال و حرام کو واضح کیا۔ دین کے شرائع بیان کئے۔ اعذار وانذار کئے تا کہ لوگوں کو رسولوں کے بعد کوئی حجت نہ رہے اور قوم عابدین تک یہ کتاب پہنچے۔ اے اللہ کے بندو! میں تمہیں خدائے بزرگ و برتر سے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں جس نے اپنے علم سے امور کی ابتداء فرمائی اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ میں تمہیں دنیا سے ڈراتا ہوں، دنیا دیکھنے میں سرسبز ہے اور مزے میں شیریں، خواہشوں سے مملو ہے۔ تھوڑے پر قناعت نہیں کرتی، فانی چیزوں سے اُنس رکھتی ہے اور جلد بازی سے محبت کرتی ہے۔ دنیا کی نعمتیں ہمیشہ نہیں رہیں گی۔ اس کے حوادث سے امن نہیں ۔ دنیا موذی ، ڈائن، فریب دینے والی کو ایک حال پر قرار نہیں۔ دنیا سے رغبت رکھنے والوں کے ساتھ دنیا باقی نہیں رہتی اور نہ اُن سے راضی رہتی ہے۔

ان احسن الحديث وابلغ الموعظة كتاب الله يقول الله به، واذا قرى القران فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون. اعوذ بالله من الشيطن الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم : لقد جاء كم رسول من انفسكم ..... الى آخر السورة.

(العقد الفريد ۔ ج۲ ص ۳۷۸ طبع مصر ۱۳۵۳ھ)

اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: اور آپ (اے پیغمبر) ان لوگوں سے دنیاوی زندگی کی حالت بیان فرمادیں کہ وہ ایسی ہے جیسے آسمان سے ہم نے پانی برسایا ہو پھر اس کے ذریعہ سے زمین کی نباتات خوب گنجان ہوگئی ہو پھر وہ ریزہ ریزہ ہوجائے کہ اس کو ہوا اُڑائے لئے پھرتی ہو اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔

ہم اپنے رب سے التجا کرتے ہیں اپنے معبود سے اپنے خالق سے زاری کرتے ہیں اے ہمارے مولیٰ ہمیں اس دن (قیامت) کے خوف سے امن دے ۔ (اے لوگو!) بہترین کتاب اور اعلیٰ نصیحت کی کتاب، کتاب اللہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب قران پڑھا جائے اسے (غور سے) سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

[(اس کے بعد) اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کے بعد سورۃ انفال کی آیات تلاوت کر کے تفسیر بیان فرمائی اور سامعین کو نصیحتیں کیں۔]

لقب الخطیب الاشدق:

امیر یزیدؒ خطبائے قریش میں امتیازی شان رکھتے تھے ''الخطیب الاشدق'' لقب پڑ گیا تھا یعنی برجستہ اور زور کی تقریر کرنے والے۔ کسی نے حضرت سعید بن المسیبؒ سے دریافت کیا کہ ابلغ الناس کون ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ۔ سائل نے کہا سوال یہ نہیں تھا۔ یہ بتایئے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد قریش میں کون بڑا خطیب ہوا ہے؟ انہوں نے فرمایا معاویہؓ وابنہ (ص ۷۰۶ ج البیان والتبین للجاظ) یعنی حضرت معاویہؓ نے اور ان کے فرزند یزیدؒ نیز دونام اور بھی لئے۔

ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ نے لکھا ہے:

کان یزید بن معاویه خطیباً شاعراً وکان اعرابی اللسان بدوی اللهجة. (ص ۸۲۴ و ۸۲۵ ج ۲)	یزید بن معاویہ خطیب اور شاعر تھا زبان اعرابی اور لہجہ بدوی تھا۔

۴۹ھ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ دمشق میں امیر المؤمنین معاویہؓ کے پاس مقیم تھے کہ حضرت حسنؓ بن علیؓ کی وفات کی خبر پہنچی۔ حضرت معاویہؓ نے اس سانحہ پر حضرت ابن عباسؓ سے خود بھی تعزیت کی۔ جس کو شیعہ راویوں نے مسخ کر کے لکھا ہے۔ پھر امیر یزیدؒ تعزیت کیلئے آئے اور ایسے بلیغ اور جامع الفاظ میں تعزیت کے کلمات ادا کئے کہ حضرت ابن عباسؓ کو ان کی لیاقت پر استعجاب ہوا۔ جب امیر یزیدؒ ان کے پاس سے اُٹھ گئے تو ابن عباسؓ نے جو کچھ فرمایا، علامہ ابن کثیرؒ کے الفاظ میں سُنیئے۔

فلما نهض یزید من عنده قال ابن عباس اذا ذهب بنو حرب ذهب علماء الناس. (ص ۲۲۹ ج ۸، البدایه والنهایه)	جب یزید ان کے پاس سے اُٹھ گئے تو ابن عباسؓ نے فرمایا: بنو حرب (یزید کے دادا پر، دادا کا نام حرب تھا) اُٹھ گئے تو علمائے الناس (لوگوں کے عالم) اُٹھ جائیں گے۔

خصائل محمودہ :

علم وفضل، تقویٰ و پرہیزگاری، پابندی صوم وصلوٰۃ کے ساتھ امیر یزیدؒ حددرجہ کریم النفس سلیم الطبع سنجیدہ ومتین تھے۔ایک عیسائی رومی مؤرخ نے اُن کی سیرت کے بارے میں اُن کے ہم عصر کا بیان ان الفاظ میں لکھا ہے:

''وہ (یعنی امیر یزیدؒ) حددرجہ سلیم وکریم، سنجیدہ ومتین، غرور وخود بینی سے مبرّا، اپنی زیردست رعایا کے محبوب، تزک واحتشامِ شاہی سے متنفر تھے۔ عام شہریوں کی طرح سادہ معاشرت سے زندگی بسر کرنے والے اور مہذب تھے۔''

(انسائیکلوپیڈیا آف اسلام۔ص۱۱۶۳)

علامہ ابن کثیرؒ نے ان کے خصائل کے بارے میں اسی قسم کے الفاظ تحریر کئے ہیں۔ لکھتے ہیں:

وقد كان يزيد فيه خصال محموده من الكرم و الحلم والفصاحة و الشجاعة و حسن الرائے فى الملك وكان ذا جمال حسن المعاشره.[1]

(ص۲۲۰ ج۸۔البدایہ والنہایہ وتاریخ الاسلام ذہبی ص۹۳ ج۳)

اور یزید کی ذات میں قابل ستائش صفات حلم وکرم، فصاحت وشعرگوئی اور شجاعت و بہادری تھی نیز معاملات حکومت میں عمدہ رائے رکھتے تھے اور وہ خوبصورت اور خوش سیرت تھے۔

---

[1] اس عبارت کے بعد ہی لفظ ایضاً کے ساتھ جو الفاظ درج ہیں وہ اسلئے حذف کردیئے گئے ہیں کہ جن بزرگوں کو امیر یزیدؒ کے حالات سے ذاتی واقفیت تھی انہوں نے امیر موصوف کی پابندی نماز اور اتباع سُنت کا حال بیان کیا ہے۔مثلاً برادرِ حسینؓ محمد بن الحنفیہ وغیرہم نے جو دوسری جگہ درج ہے۔نیز اس موقع پر ان کی کریم النفسی کا ذکر کیا گیا ہے۔

حکمرانی کا مطمح نظر:

حکمرانی وفرمانروائی سے مطلب ومقصد امیر یزیدؒ کے نزدیک خدمت خلق تھا۔ اوراس خدمتِ خلق کا آئیڈیل ومطمح نظر امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کی عادلانہ صالح حکومت وسیاست تھی۔ ایک مرتبہ امیر المؤمنین معاویہؓ نے یزیدؒ سے دریافت کیا کہ تم کس طرح عمل کروگے اگر تمہیں والی بنادیا جائے۔ یزیدؒ کے جواب کو علامہ ابن کثیرؒ نے معہ حضرت معاویہؓ کے کلمات کے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

قال (یزید) کنت واللہ یا ابت عاملاً فیھم عمل عمرؓ بن الخطاب فقال معاویہ: سبحان اللہ یا بنّی واللہ لقد جھدتُ علی سیرۃ عثمانؓ بن عفان فما اطقتھا فکیف بک و سیرۃ عمرؓ.

یزید نے کہا واللہ اے ابا جان عمر بن خطابؓ نے جو عمل (اُمت کے ساتھ) کیا، میں بھی اُن کے ساتھ وہی کروں گا۔ اس پر معاویہؓ نے کہا سبحان اللہ اے بیٹے! میں نے تو واللہ عثمان بن عفانؓ کی سیرت (کی پیروی) کی کوشش کی مگر کرنہ سکا۔ پھر کہاں تم اور سیرت عمرؓ کی پیروی؟

امیر یزیدؒ کو حکومت وسیاسی امور میں ہی حضرت فاروق اعظمؓ کی پیروی کا اہتمام نہ تھا بلکہ طرزِ معاشرت میں بھی اُن کی پیروی کرتے۔ زندگی حد درجہ سادہ تھی۔ عام باشندوں کی طرح ان کا لباس سادہ ہوتا۔ حکومت کے طمطراق اور تزک شاہی سے سخت متنفر تھے۔ لاکھوں روپیہ وظائف وعطایا کا دوسروں کو دریا دلی سے دیتے مگر اپنی ذات پر معمولی خرچ کرتے۔ زہاد وعبادت امت کی مجالس میں شریک ہوتے۔ حضرت ابوالدرداءؓ جیسے صحابی سے بہت مانوس تھے۔ انہی کی صاحبزادی کی نکاح کا پیام بھی دیا تھا۔ وہ یزیدؒ کو پسند کرتے تھے مگر اپنی بیٹی ایسے گھرانے میں بیاہنے کو تیار نہ تھے جہاں کام کاج کیلئے خادمہ موجود ہو۔ پھر انہوں نے اپنی بیٹی یزیدؒ ہی کے ایک ہم جلیس کے عقد میں دے دی۔ امیر یزیدؒ کے یہ ہم جلیس ضعفاء المسلمین یعنی غریب مسلمانوں میں سے تھے۔ اور انہوں نے امیر یزیدؒ سے اجازت بھی لی تھی کہ آپ کو انکار ہوگیا اب میں پیام دوں؟ (کتاب الزہد۔ ص ۱۴۲، امام احمد بن حنبل)

اس واقعہ کے ذکر سے راقم الحروف یہ بتانا چاہتا ہے کہ امیر یزیدؒ کے ہم جلیس زہاد وعباد اُمت تھے۔ علماء وفضلاء تھے، طلاب وشیدائیان علم تھے۔ ان ہی کا گھرانہ مسلمانوں کا پہلا گھرانہ ہے جہاں مختلف علوم کا جو اس زمانہ میں مدون ہو چکے تھے، کتب خانہ قائم ہوا۔ امیر یزیدؒ کے فرزندوں میں کیسے کیسے فاضل اور صالح عالم تھے۔ خاص کر علامہ خالد بن یزید جو مسلمانوں میں علم کیمیا کے موجد ہیں۔ جنہوں نے یونان اور مصر وغیرہ سے یونانی اور سریانی کتب کے ذخیرے فراہم کئے، دارالترجمہ قائم کیا، خود بھی تصانیف کیں۔ الولد سرٌّ لابیہ ۔اولاد میں علم وفضل کے حصول کی اس درجہ خواہش اور تڑپ اپنے باپ ہی کی علمی مجالس اور گھر کے ماحول سے پیدا ہوئی۔ جہاں اکثر قال اللہ وقال الرسول ﷺ کی آوازیں آتیں اور بقول کذابین فنار موسیقی کی۔

سیرتِ یزیدؒ وامام احمدؒ وامام غزالیؒ:

قاضی ابی بکر عربی شاگرد حجۃ الاسلام امام غزالیؒ اپنی کتاب العواصم (ص۲۳۳) میں بیان کرتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ نے امیر یزیدؒ کا ذکر کتاب الزہد میں زہاد صحابہ کے بعد اور تابعین سے پہلے اس زمرہ میں کیا ہے کہ جہاں زہد وورع کے بارے میں زہاد امت کے اقوال نقل کئے ہیں۔ قاضی موصوف فرماتے ہیں:

وهذا يدل على عظيم منزله (اى يزيد) عنده حتى يدخله فى جمله الزهاد من الصحابة والتابعين الذين يقتدى لقولهم ويرعوى من وعظهم ونعم وما ادخله الى فى جملة الصحابة قبل ان يخرج الىٰ ذكر التابعين فاين هذا من ذكر المورخين له فى الخمر و انواع الفجور الا تستحيون؟[1] (ص ۳۳۳)

اور یہ دلیل اس کی ہے کہ ان کے (امام احمدؒ) کے نزدیک ان کی (امیر یزیدؒ) کی عظیم منزلت تھی یہاں تک کہ ان کو زہاد صحابہ وتابعین کے زمرہ میں شامل کیا ہے جن کے اقوال کی پیروی کی جاتی اور ان کے مواعظ سے ہدایت حاصل کی جاتی اور ہاں انہوں نے تابعین کے تذکرے سے قبل ہی صحابہ کے زمرہ کے ساتھ ہی ان کو شامل کیا ہے۔ پس کہاں ہیں اس کے سامنے خمر اور طرح طرح کے فسق و فجور کے اتہامات جس کا ذکر مؤرخین کرتے ہیں! کیا ان لوگوں کو اس پر شرم نہیں آتی۔

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے شافعی فقیہہ عماد الدین ابو الحسن علی الکیا الھراسی متوفی ۵۰۳ھ کے ایک استفسار کے جواب میں امیر یزیدؒ کے صحیح العقیدہ مسلمان ہونے اور ایک مومن کی حیثیت سے ان پر ''رحمۃ اللہ علیہ'' کہنے کو جائز بلکہ مستحب قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

ویزید صح اسلامه، وما صح قتله الحسین، رضي الله عنه، ولا أمره لا رضاه بذلك، ومهما لم یصح ذلك منه لا یجوز أن یظن ذلك به فان اساء ة الظن بالمسلم أیضاً حرام، وقد قال تعالي: اجتنبوا کثیراً من الظن ان بعد الظن، وقال النبي، صلی الله علیه وسلم: ان الله حرم من المسلم دمه وماله و عرضه وأن یظن به ظن السوء، ومن زعم أن یزید أمر بقتل الحسین، رضي الله عنه، أو رضي به فینبغي أن یعلم به غایة حماقة، فان من قتل من الأکابر والوزراء والسلاطین في عصره لو أراد أن یعلم حقیقة من أمر بقتله ومن الذي کرهه لم یقدر علی ذلك، وان کان قد قتل في جواره و زمانه وهو یشاهده، فکیف لو کان في بلد

اور یزید صحیح الاسلام ہے اور یہ صحیح نہیں کہ انہوں نے حسین کو قتل کرایا یا اُس کا حکم دیا یا اُس پر راضی ہوئے۔ پس جب کہ یہ قتل اُن (یزید) سے پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا تو پھر اُن کے ساتھ ایسی بدگمانی رکھنا حرام ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: ''بدگمانی سے بچتے رہو اسلئے کہ بعض بدگمانیاں سخت گناہ ہیں'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: ''مسلم کا مال، اس کی جان، اسکی عزت اور اسکے ساتھ بدگمانی کرنے کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے''۔ جو شخص یہ گمان رکھتا ہو کہ یزید نے قتل حسین کا حکم دیا اس پر رضامندی کا اظہار کیا تو جاننا چاہیئے کہ وہ شخص پرلے درجہ کا احمق ہے۔ جو لوگ بھی اکابر اور وزراء و سلاطین میں سے اپنے اپنے زمانے میں قتل ہوئے، اگر کوئی شخص ان کی یہ حقیقت معلوم کرنا چاہے کہ ان کے قتل کا حکم کس نے دیا تھا

(حاشیہ صفحہ ۱۰۵) ؎ کتاب الزہد سے یہ ذکر اب نکال دیا گیا ہے لیکن قاضی ابوبکرؒ کے زمانے میں یہ ذکر موجود تھا۔ مسند احمد بن حنبل تک میں منقصت یزیدؒ کی وضعی روایتوں کا بعد میں اضافہ کیا گیا ہے۔

بعيد و زمن قديم قد انقضى، فكيف يعلم ذلك فيما انقضى عليه قريب من أربعمائة سنة في كان بعيد وقد تطرق التعصب في الواقعة فكثرت فيها الأحاديث من الجوانب فهذا أمرٌ لا تعرف حقيقة أصلاً، واذا لم يعرف وجب احسان الظن بكل مسلم يمكن احسان الظن به، وأما الترحم عليه جائز، بل هو مستحب، بل هو داخل في قولنا في كل صلاة (اللهم اغفر للمؤمنين والمؤمنات)، فانه كان مؤمناً والله أعلم" كتبه الغزالي.

(وفیات الاعیان لابن خلکان ج۱ص۴۶۵ مطبوعہ مصر)

کون اس پر راضی تھا اور کس نے اس کو ناپسند کیا تو وہ شخص اس پر ہرگز قادر نہیں ہوگا کہ اس کی تہہ تک پہنچ سکے۔ اگرچہ یہ قتل اس کے پڑوس میں، اس کے زمانہ میں اور اس کی موجودگی میں ہی کیوں نہ ہوا ہو تو پھر اس واقعہ کی حقیقت تک کیونکر رسائی ہوسکتی ہے جو دُور کے شہر اور قدیم زمانہ میں گزرا ہے۔ پس کیونکہ اس واقعہ کی صحیح حقیقت کا پتہ چل سکتا ہے جس پر چار سو برس کی طویل مدت بعید مقام میں منقضی ہوچکی ہو اور پھر امر واقعہ یہ بھی ہو کہ اس کے بارے میں تعصب کی راہ اختیار کی گئی ہو، جس کی وجہ سے متعدد فرقوں کی طرف سے اس کے بارے میں بکثرت روایتیں مروی ہوں پس ایک ایسا واقعہ ہے جس کی صحیح حقیقت کا ہرگز پتہ نہیں چل سکتا اور جب حقیقت تعصب کے پردوں میں روپوش ہے تو پھر مسلمانوں کے ساتھ حسن ظن کے قرائن ممکن ہوں۔ رہا ان پر رحمۃ اللہ علیہ کہنا سو یہ جائز ہے بلکہ مستحب ہے اور وہ تو ہر نماز کے اس قول اللھم اغفرلنا للمومنین و المومنات میں داخل ہیں کیونکہ وہ مومن تھے۔

علامہ ابن کثیرؒ نے بھی فقیہہ الکیا الھراسی کے استفتاء اور امام غزالیؒ کے فتوے کا تذکرہ کرتے ہوئے یزیدؒ پر سبّ وشتم کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ وہ مسلمان تھے اور یہ ثابت نہیں کہ وہ قتلِ حسینؓ سے راضی تھے۔

ومنع من شتمه ولعنه، لأنه مسلم، ولم يثبت بأنه رضي بقتل الحسين، وأما الترحم عليه فجائز، بل مستحب، بل نحن نترحم عليه في جملة المسلمين والمؤمنين، عموما في الصلوات.
(ص۱۷۳ ج۱۲ البداية والنهاية)

اور امام غزالیؒ نے (امیر یزیدؒ) پر سبّ وشتم کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ وہ مسلمان تھے اور یہ ثابت نہیں کہ وہ قتل حسینؓ سے راضی تھے، رہا اُن پر (یزیدؒ پر) رحمۃ اللہ علیہ کہنا سو یہ جائز ہے بلکہ مستحب ہے اور ہم پر رحمت کی دعا اپنی نمازوں میں تمام مسلمین ومومنین کے شمول میں مانگا کرتے ہیں۔

کتاب فضل یزیدؒ :

پانچویں وچھٹی صدی ہجری کا وہ زمانہ ہے۔ جب بنی اُمیہ اور خاص کر امیر یزیدؒ کے مخالفانہ پروپیگنڈہ نے شدت اختیار کرلی تھی۔ کذب وافتراء سے طرح طرح کے بہتان تراشے گئے تھے۔ بعض صلحائے اُمت احقاق کی خاطر انکشافِ حقیقت پر کمربستہ ہوئے۔ منجملہ ان کے شیخ عبدالمغیث بن زہیر الحربیؒ تھے جن کے متعلق علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: كان من سخاء الحنابلة و كان يزار (یعنی وہ حنبلی صالحین میں سے مرجع عوام تھے) (ص۳۳۸ ج۱۲، البدایہ والنہایہ) ۔ انہوں نے امیر یزیدؒ کی حسنِ سیرت اور اوصاف پر مستقل تصنیف کی۔

وله مصنف في فضل يزيد بن معاويه اتى فيه بالغرائب والعجائب.
(ص۳۲۸ ج۱۲، البدايه و النهايه)

اور ان کی (شیخ عبدالمغیثؒ) کی تصنیف سے فضلِ یزید بن معاویہ پر ایک کتاب ہے جس میں بہت سے عجیب وغریب حالات بیان کئے ہیں۔

اس سلسلہ میں علامہ ابن کثیرؒ نے یہ لطیفہ بھی بیان کیا ہے کہ جب کتاب ''فضل یزید'' کی شہرت ہوئی تو خلیفہ وقت الناصر الدین اللہ عباسی شیخ موصوف کی خدمت میں پوشیدہ طور سے بہ تبدیل ہئیت اس طرح آئے کہ کوئی پہچان نہ سکے۔ شیخ نے پہچان تو لیا مگر اظہار نہ کیا۔ خلیفہ الناصر نے امیر یزیدؒ کے بارے میں شیخ سے جو سوال کیا اور جو جواب اُنہوں نے دیا اسے یوں بیان کیا گیا ہے:

فسأله الخليفة عن يزيد أيلعن أم لا؟ فقال لا أسوغ لعنه لأني لو فتحت هذا الباب لأفضى الناس الى لعن خليفتنا. فقال الخليفة: ولم ؟ قال: لأنه يفعل أشياء منكرة كثيرة' منها كذا و كذا ' ثم شرع يعدد على الخليفة أفعاله القبيحة ' وما يقع منه من المنكر لينزجر عنها ' فتركه الخليفة و خرج من عنده وقد أثر كلامه فيه ' وانتفع به.

(ص ۳۲۸ ج ۱۲ ' البداية النهاية)

خلیفہ نے (شیخ عبدالمغیثؒ سے) سوال کیا کہ یزید پر لعن کیا جائے یا نہیں۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ لعن ہرگز جائز نہیں اور لعن کا دروازہ کھول دیا جائے تو لوگ ہمارے موجودہ خلیفہ پر بھی لعن کرنے لگ جائیں گے۔ خلیفہ نے پوچھا وہ کیوں؟ شیخ نے کہا کہ وہ بہت سی منکرات پر عمل پیرا ہوئے ہیں جن میں سے یہ اور یہ امور ہیں۔ انہوں نے خلیفہ کے بُرے افعال گنانے شروع کر دیئے۔ خلیفہ نے گفتگو ترک کر دی۔ اور ان کے پاس سے اُٹھ آئے لیکن ان کے کلام کا اثر اُن کے دل پر ہوا اور اس سے ان کو نفع پہنچا۔

امیر المؤمنین الناصر الدین اللہ عباسی متوفی ۶۲۲ھ کو جن کا ذکر اس روایت میں ہے، یہ امتیاز حاصل تھا کہ خلفائے اسلام میں اُن کی مدت خلافت سب سے زیادہ رہی یعنی ۴۹ برس۔ بذات خود بلند پایہ عالم تھے اور علماء وفضلاء کے قدر دان۔ علم حدیث سے شغف تھا اور متعدد شیوخ اور محدثین سے اجازہ بھی حاصل تھا اور فن حدیث میں اُن کی کتاب روح العارفین کے نام سے ہے۔ (الاعلام زرکلی)۔ ۵۸۹ھ میں دار العلوم نظامیہ بغداد میں دار الکتب بصرف کثیر تعمیر کرایا جس میں دس ہزار کتابیں اپنے یہاں سے منتقل کیں۔ (مراءۃ الزماں ج ۸ ص ۴۲۱)

نیک کاموں اور خیر خیرات میں دریا دل تھے۔ صاحب مراءۃ الزماں لکھتے ہیں کہ ماہِ صیام میں روزہ داروں کی روزہ کشائی وافطار اور مسکینوں وفقراء کے کھانے کیلئے شہر کے مختلف حصوں میں دس مکانوں میں طعام کثیر کا جس میں روغنی روٹی، حلوہ اور دیگر اغذیہ ہوتی تھیں، اُن کی جانب سے کچھ اسی طرح اہتمام ہوتا تھا۔ جس طرح اُن کے جدّ اعلیٰ حضرت عباسؓ زمانہ حج میں حاجیوں کیلئے اپنے مال سے رفادہ (سقایہ) کا اہتمام کرتے تھے۔ ایسے عالم وفاضل اور ان صفات کے عامل امیر المؤمنین کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ بہ تبدیل ہئیت اپنے ہمعصر محدث کے پاس صرف یہ پوچھنے آئے کہ یزیدؒ پر لعن کیا جائے یا نہیں، محض لغو ہے۔

صاحب کتاب الذیل علیٰ طبقات الحنابلہ نے ایک فقیہہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ امیر المومنین موصوف کی پہلی ملاقات شیخ عبدالمغیثؒ سے امام احمد بن حنبلؒ کے مزار پر اچانک ہوگئی تھی اور اس ملاقات میں ہی انہوں نے شیخ سے دریافت کیا کہ تم ہی وہ حنبلی ہو جنہوں نے ''مناقب یزید'' پر کتاب لکھی ہے۔ شیخ نے جواباً کہا کہ مناقب پر تو نہیں لکھی البتہ میرا مذہب ومسلک یہ ہے کہ یزید خلیفۃ المسلمین تھے۔ اُن پر فسق کا الزام بھی تھوپا جائے تب بھی اُن کی بیعت توڑنے کا جواز تو ہرگز نہ ہوگا۔ یہ جواب سُن کر امیر المؤمنین خوش ہوئے اور فرمایا: **احسنت یا حنبلی**، شیخ عبدالمغیث میں اور ابن الجوزی میں مناظرہ وبحث ومباحثہ ہوتا تھا جو اُن کی وفات تک جاری رہا۔

ابن الجوزی نے ان کی کتاب کا ردعمل لکھا ہے جس کے نام سے ہی اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ موصوف جو صاحب کتاب الذیل علیٰ الطبقات الحنابلہ کے الفاظ میں المحدث الزاہد، متدین، راست گفتار، جمیل السیرۃ، متبع سنت وحمید الاخلاق تھے، خلیفہ یزیدؒ کی مذمت کے مانع تھے۔ اُن کے مخالف ابن الجوزی نے اپنی کتاب کا نام رکھا تھا **الرد علی المتعصب العنید المانع من ذم یزید** (اس ضدی متعصب کا رد جو مذمتِ یزید کا مانع ہے)۔

شیخ عبدالمغیثؒ نے آنحضرت ﷺ کے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پیچھے نماز ادا فرمانے کے ثبوت میں جو تصنیف کی تھی، ابن الجوزی نے اُس کا رد بھی لکھا تھا جس کا نام تھا **آفۃ الحدیث للرد علی عبدالمغیث**۔

سیرۃ یزیدؒ کے سلسلے میں یہ باتیں اس موقع پر ضمناً یوں بیان ہوئیں کہ سیاسی مشاجرات کے پروپیگنڈے کے نتائج چند صدیوں بعد سبّ وشتم کی کیا نوعیت اختیار کرتے گئے تھے۔ امیر یزیدؒ کے ساتھ اُن کے والد ماجد سیدنا معاویہؓ اور دوسرے اکابر صحابہؓ پر سبّ وشتم کا آغاز کیا گیا تھا۔

مدینۃ النبی سے اُنس :

امیر یزیدؒ کو مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور جوار رسول ﷺ کے رہنے والوں سے بڑا اُنس تھا۔ تینوں سال امیر حج کی حیثیت سے جب دمشق سے حرمین شریفین آتے تو مدینہ میں ضرور قیام کرتے۔ ایک وسیع مکان بھی یہاں بنوایا تھا جو ''دار یزید'' کہلاتا تھا۔ خلافت عباسیہ کے زمانے میں سیاسی قیدیوں کیلئے استعمال ہوتا تھا۔ اہل مدینہ کو وظائف وعطایا بکثرت دیتے۔ بلاذری نے المدائنی جیسے قدیم ترین اور ثقہ مؤرخ کی یہ روایت نقل کی ہے:

دخل عبدالله بن جعفر علی یزید فقال کم کان ابی یعطیك فی کل سنة ؟ قال الف الف ، قال فانی قد اضعفتها لك ، فقال ابن جعفر فداك ابی و امی والله ما قلتها لاحد قبلك فقال فقد اضعفتها لك فقیل اتعطیه اربعة آلاف الف ، فقال نعم، انه یفرق ماله فی عطائی ایّاهُ اعطائی اهل المدینة۔

(ص ۳ قسم ثانی جزء رابع من الاشراف بلاذری مطبوعه یروشلم)

عبداللہ بن جعفرؓ (طیّار) یزیدؒ کے پاس آئے تو اُنہوں نے پوچھا کہ میرے والد ماجد آپ کو سالانہ کیا دیا کرتے تھے۔ (ابن جعفرؓ) نے کہا دس لاکھ۔ (امیر یزیدؒ) نے فرمایا میں نے اس کو دوگنا کیا۔ (یہ سن کر ابن جعفرؓ نے کہا) کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان! یہ وہ قول ہے جو اس سے پہلے میں نے کسی کیلئے نہیں بھی کہا۔ (امیر یزیدؒ نے) فرمایا کہ میں نے اس کو بھی دوگنا کیا (ان کے خزانچی نے یہ سن کر) عرض کیا کہ کیا آپ ان کو چالیس لاکھ سالانہ دیں گے؟ (امیر یزیدؒ نے) فرمایا: ہاں (تم جانتے نہیں) یہ اپنا مال تقسیم کردیتے ہیں۔ ان کو دینے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اہل مدینہ کو دے رہے ہیں۔

مدینہ طیبہ سے اُنس ومحبت ہی کی وجہ تھی کہ اپنی شریک زندگی کے لئے وہاں کی دو خواتین کو اپنے حبالہ عقد میں لائے۔ایک سیدہ اُم محمد بنت حضرت عبداللہ بن جعفر طیّارؓ ہاشمیہ خاتون، جن کا ذکر پہلے ہو چکا۔ دوسری خاتون حضرت عمر فاروقؓ کی حقیقی پوتی سیدہ اُم مسکین بنت عاصم بن عمر بن الخطاب تھیں۔ بلاذری نے ان کو عمر بن عاصم بن عمر فاروقؓ لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے وہ لکھتے ہیں:

فتزوج (یزید) فی حجۃُ حجھا ام مسکین بنت عمر بن عاصم بن عمر بن الخطاب.	ایک حج کے موقع پر (امیر یزیدؒ نے) عمر بن عاصم بن عمر الخطابؓ کی بیٹی اُم مسکین سے شادی کی۔

(کتاب الانساب الاشراف)

یہ اُم مسکین عمر بن عاصم مذکور کی بیٹی نہیں بہن تھیں۔ بلاذری سے قدیم تر مؤرخ و نساب ابن قتیبہ نے سیدہ اُم مسکین کو حضرت عاصم بن عمر فاروقؓ کی دختر بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ امیر یزیدؒ نے اُن سے نکاح کیا وہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ اموی کی سگی خالہ تھیں۔ (کتاب المعارف ص ۸۰)

یہ خاتون عابدہ وزاہدہ تھیں۔ حدیث کی روایت بھی ان سے ہے۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال فی نقد الرجال (ج ۳) میں بذیل الکنیٰ للنسوۃ سیدہ اُم مسکین کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

ام مسکین بنت عاصم بن عمرؓ خالۃ عمر عبدالعزیز و زوجۃ یزید بن معاویہؒ لھا روایۃ عن ابی ھریرۃ تفرد عنھا ابو عبداللہ. (ص ۲۰۰)	اُم مسکین جو عاصم بن عمرؓ کی دختر اور عمر بن عبدالعزیزؒ کی خالہ اور یزید بن معاویہؒ کی زوجہ تھیں وہ ابو ہریرہؓ سے حدیث کی روایت کرتی ہیں اور ان سے ان کے غلام ابو عبداللہ تنہا راوی ہیں۔

مدینہ طیبہ کی اس خاتون اور حضرت عمر فاروقؓ کی ان پوتی سے نکاح کرنے کا ذکر کس اشتیاق سے ان اشعار میں کیا ہے جو اپنی زوجہ اولیٰ اُم خالد کو مخاطب کر کے کہے تھے، فرماتے ہیں:

أراک أم خالد تضجین　　باعت علی بیعک أم مسکین

میمونة من نسوةٍ میامین　　زارتک من طیبة فِي حوّارین

فِي بلدة کنت بها تکونین　　فالصبر أم خالد من الدین

ان الذي کنت به تدلین　　لیس کما کنت به تظنین

ترجمہ: اُم خالد میں دیکھتا ہوں، تمہیں یہ شکوہ ہے کہ تمہاری جگہ اُم مسکین نے لے لی ہے۔ یہ برکت والی بیبیوں میں برکت والی ہیں۔ اور حوارین میں تمہارے پاس (مدینہ) طیبہ سے آئی ہیں۔ اب یہ اس شہر میں آئی ہیں جہاں تمہارا طوطی بولتا تھا۔ اُم خالد صبر کرو کہ صبر کرنا دین ہے۔ وہ جس پر تم کو ناز تھا اس کی حالت اب ایسی نہیں رہی جیسا تم سمجھتی تھیں۔ (انساب الاشراف للبلاذری طبع مصر)

یوں تو امیر یزیدؒ طبعاً نہایت فیاض اور بخشش وعطا میں وسیع القلب تھے لیکن جوار رسول اللہ ﷺ کے رہنے والوں کو اور خاص کر اہل مدینہ کے اُن اشخاص کو جو اپنے مال وزر کو وہاں کے حاجت مندوں میں تقسیم کرتے۔ بیش بہا عطیات دیتے تھے۔ المدائنی نے یہ روایت بیان کی ہے کہ عبداللہ بن زیاد جو عامل تھے، ایک مرتبہ جب امیر المؤمنین یزیدؒ کے پاس خراسان سے آئے اور وہاں سے کثیر رقم ساتھ لائے۔ اس زمانے میں حضرت عبداللہ بن جعفر طیّار دمشق میں موجود تھے۔ امیر یزیدؒ نے ان کو حکم دیا کہ پانچ لاکھ درہم وہ حضرت عبداللہ بن جعفر طیّارؓ کو دے دیں۔ ابن زیاد نے بجائے پانچ لاکھ کے دس لاکھ درہم یہ کہہ کر دیئے کہ پانچ لاکھ امیر المؤمنین یزیدؒ کی طرف سے اور پانچ لاکھ میری طرف سے۔

(ص ۷ کتاب انساب الاشراف بلاذری مطبوعہ یروشلم)

سیرت امیر یزیدؒ کا یہ مختصر سا تذکرہ اس سلسلہ میں کیا گیا ہے کہ اُن کے کردار میں کوئی خامی ایسی نہ تھی کہ اُن کے خلاف خروج کا جواز نکالا جا سکتا۔ امیر موصوف کے بچپن سے وفات تک کے حالات آخری حصہ کتاب میں ملاحظہ ہوں۔

اطاعتِ امیر وممانعت خروج :

نبی کریم ﷺ نے جس مذہبی اور سیاسی وحدت (امت مسلمہ) کی بنیاد ڈالی، اُس کی تعمیر میں اخوت، مساوات اور یک جہتی کی تعلیم عملاً ہمیشہ کارفرما رہی۔ مدینہ میں آپ ﷺ کی تشریف

آوری کے بعد سے عربوں کے صدیوں کے قبائلی وطبقاتی کشمکش کا دس برس کی قلیل ترین مدت میں استصال ہوگیا۔نسلی وخاندانی خصائص وامتیازات کے باوجود تمام افراد اُمت جنس واحد بن گئے۔شوریٰ فی الامر سے مملکت اسلامیہ کی بنیادیں استوار ہوئیں۔اللہ اور رسول کی اطاعت کے ساتھ ساتھ امیر (اولی الامر) کی اطاعت واجب کی گئی۔فرمان ایزدی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ.
(سورة النساء : ٥٩)

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور جو تمہارا امیر (اولی الامر) ہو اُس کی۔

اولی الامر (امیر) کے لئے نسل ورنگ، قبیلہ وخاندان کی کوئی قید نہ تھی۔جس کسی فرد ملت پر اہل حل وعقد کا اتفاق رائے ہو کر بیعت عامہ ہو جائے، خواہ نسل ورنگ اور حیثیت کے اعتبار سے حبشی غلام، بدہیئت، سر سے گنجا ہی کیوں نہ ہو، اس کی اطاعت کرنا اور حکم ماننا واجب ولازم کیا گیا۔صحیح بخاری میں آنحضرت ﷺ کا صاف حکم بسند صحیح موجود ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ وَسَلَّمَ: "اسْمَعُوا وَ أَطِيعُوا ، وَ ان اسْتُعمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ ، كَأَنَّ رَأْسَهُ زَبِيبَةٌ"
(صحيح البخاري باب سمع والطاعة للامام، حديث رقم: ۷۱۴۲)

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حکم مانو اور اطاعت کرو اگر تم پر ایک حبشی غلام جس کا سر گنجا ہو، حاکم مقرر ہو جائے۔

صحیح مسلم میں بھی حضرت ابوذر غفاریؓ سے یہی ارشاد منقول ہے۔

انَّ خَلِيلِي أَوْصَانِي أَنْ أَسمَعَ وَأُطِيعَ ، وَانْ كَانَ عَبْدًا مُجَدَّعَ الْأَطْرَافِ.
(صحيح مسلم باب وجوب طاعة الامراء: ح ٣٦)

میرے خلیل نے مجھے وصیت فرمائی کی حکم مانوں اور اطاعت کروں اگرچہ وہ (امیر) حبشی غلام ہو جس کے سر پر بال نہ ہوں۔

حضرت ابو ذر غفاریؓ نے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد لوگوں کے سامنے اُس وقت بیان کیا تھا جب مفسدین نے حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے خلاف شورش وفتنہ بپا کرنے کی ابتداء کی تھی اور صاحب موصوف نے خلیفہ وقت کی اطاعت اور اُن کے احکام وارشادات کی تعمیل اپنے اوپر لازم کر لی تھی اور یہ ظاہر ہے کہ اطاعت معروف میں ہے، معصیت میں نہیں۔ **لا طاعة فی معصية انما الطاعة فی المعروف۔**

شارع علیہ السلام نے اُمت کو فتنہ وفساد سے محفوظ اور اُمت مسلمہ کے سیاسی نظام کو اختلال وانتشار سے معصون ومامون رکھنے کیلئے امیر المؤمنین وحاکم وقت کے خلاف خروج ومخالفت کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے۔ سوائے ارتداد کے کسی حالت میں بھی ولاۃ الامر کے خلاف خروج کو جائز نہیں کیا گیا۔ صحیحین سے یہ چند ارشاداتِ نبوی ﷺ جن کی اسناد صحیح وجیّد ہیں اس موقع پر نقل کرنا بے محل نہ ہوں گے۔

عن ابن عباس يرويه ، قال : قال النبی صلی الله عليه وسلم: " من رای من اميره شيئاً فكرهه فليصبر ، فانه ليس احد يفارق الجماعة شبرا فيموت، الا مات ميتة جاهلية"۔
(صحیح البخاری باب سمع والطاعۃ للامام ح:۷۱۴۳)

حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص اپنے امیر میں کوئی برائی دیکھے اور اس سے ناگواری محسوس کرے تو اسے صبر سے کام لینا چاہیئے، کیونکہ جو شخص بالشت بھر بھی جماعت سے باہر ہوا اور مر گیا، جاہلیت کی موت مرا۔

عن زياد بن علاقة ، قال: سمعت عرفجة، قال سمعت رسول الله صلی الله عليه وسلم ، يقول: " انه ستكون هنات و هنات ، فمن اراد ان يفرق امر هذه الامة وهی جميع فاضربوه بالسيف كائناً من كان"
(صحیح مسلم باب حکم من فرق امرہ ح:۵۹)

زیاد بن علاقہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرفجہؓ سے سُنا کہ اُنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ عنقریب فتنے ہونگے اور بڑے فتنے اگر کوئی شخص اس امت کے سیاسی نظام میں اختلال پیدا کرنا چاہے اور امت متفق ہو چکی ہو تو تلوار سے اُس کی گردن اُڑا دو خواہ وہ کوئی ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس مبحث پر دیگر متعدد احادیث نقل کر کے احکامِ شریعت کی ان الفاظ میں وضاحت کی ہے۔

''جب کسی شخص کیلئے بیعت منعقد ہو جائے اور اُس کی حکومت قائم ہو جائے پھر اگر کوئی دوسرا شخص اس پر خروج کرے اور اس پر قتال کرے تو چاہیئے کہ اس دوسرے کو قتل کر دیں خواہ وہ افضل ہو یا مساوی یا کمتر۔'' (ص ۱۳۸ جلد اول: ازالۃ الخفا طبع اول)

اسی سلسلہ میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی مروی حدیث میں بھی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے نقل کی ہے۔

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : اذا بویع لخلیفتین فاقتلوا الاخر منھما۔ (اخرج البغوی)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر دو خلفاء کیلئے بیعت ہو جائے تو اُن میں سے آخر شخص کو قتل کر دو۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی مروی حدیث کا بھی تقریباً یہی مضمون ہے کہ جس کسی شخص کی اول بیعت ہو جائے اور بعد میں دوسرا شخص اپنی بیعت لینے کیلئے کھڑا ہو تو اس اول شخص کی بیعت کی پاسداری کی جائے۔ الغرض شارع علیہ السلام کے ارشادات سے بخوبی واضح ہے کہ جب کسی شخص کو اُمت اپنا امیر اور حاکم تسلیم کر لے یعنی بھاری اکثریت کا تعاون اُسے حاصل ہو جائے تو اُس کے حقوق کی پاسداری اور اطاعت واجب ہو جاتی ہے۔ سوائے کفر بواح (ارتداد) کے اور کسی صورت میں اس کے خلاف خروج جائز نہیں۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں۔ ان کی مروی حدیث سے احکام شریعت کی اس بارے میں مزید وضاحت ہوتی ہے۔

عن جنادة بن ابي امية' قال: دخلنا على عبادة بن الصامت وهو مريض ' فقلنا: حدثنا اصلحك الله ' بحديث ينفع الله به سمعته من رسول الله صلى الله عليه

حضرت جنادہ بن اُمیہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عبادہ بن الصامتؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہ اس زمانہ میں علیل تھے۔ ہم نے عرض کیا، اللہ تعالیٰ آپ کو سلامتی بخشے

وسلم ' فقال : دعانا رسول الله ﷺ فبايعناه ' فكان فيما اخذ علينا: ان بايعنا على السمع والطاعة في منشطنا ومكرهنا ' وعسرنا ويسرنا ' واثرةٍ علينا' وان لا نُنازع الامر اهله' قال : الا ان تروا كفرا بواحاً عندكم من الله برهان.

(صحیح مسلم باب وجوب طاعۃ الامراء: ح ۴۲)

کوئی حدیث ایسی بیان فرمایئے جو آپ کیلئے نفع بخش ہو اور آپ نے نبی ﷺ سے سنی ہو۔ فرمایا ہمیں آنحضرت ﷺ نے طلب فرمایا اور ہم سے جن امور پر بیعت لی ان میں امیر کی بات سُننا اور اس کی اطاعت کرنا بھی تھا۔ اگرچہ وہ ہمیں پسند ہو یا ناپسند، اس پر عمل مشکل ہو یا سہل اور اس کیلئے ہمیں کچھ قربانی ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔ اور یہ کہ حکومت کے بارے میں برسرِ اقتدار شخص سے جھگڑا نہ کریں جب کہ اُس کے کھلم کھلا کفر ظاہر نہ ہو جب اس کے خلاف خروج کو جائز کردے اور اللہ کی طرف سے اس بارے میں کوئی قطعی دلیل موجود ہو۔

مسلمانانِ عالم کی عظیم ترین اکثریت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے اجتہاد و مذہب کی متبع رہی ہے اور اس اکثریت اور سوادِ اعظم کا اپنے امام کی پیروی میں ہمیشہ یہ نظریہ رہا ہے کہ **لانری الخروج علی الائمة ولو جاروا** ۔یعنی ہم حاکمانِ وقت کے خلاف خروج کو جائز نہیں سمجھتے اگر وہ ظلم کریں۔ یہی اجتہاد اور مذہب دیگر ائمہ مجتہدین کا ہے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا بھی علیٰ ہذا یہی مسلک تھا جو ان بزرگواروں کے عمل سے بخوبی واضح ہے اور اسے وضعی روایتوں سے مسخ نہیں کیا جا سکتا۔ امام ابن تیمیہؒ نے اس مسلک کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

كان المشهور من مذهب اهل السنة انهم لا يرون الخروج على الائمة و قتالهم السيف وان كان فيهم كما

اہل سُنت کے مذہب و مسلک میں یہ بات مشہور ہے کہ وہ حاکمانِ وقت کے خلاف خروج کرنے اور ان کے مقابلے میں تلوار

دلت علی ذالک الاحادیث الصحیحة المستفیضة عن النبی ﷺ لان الفساد فی القتال و الفتنة اعظم من الفساد الحاصل بظلمهم بدون القتال.

(ص۸۷ ج۳، منهاج السنة النبوية)

اُٹھانے کو جائز نہیں سمجھتے اگرچہ وہ ظلم کریں اور اس پر نبی ﷺ سے صحیح احادیث مستفیضہ دلالت کرتی ہیں کیونکہ حاکمانِ وقت سے جنگ و جدال کرنے کا فساد اور فتنہ اس فساد سے کہیں بڑھ کر ہے جو بغیر قتال کے ان کے ظلم کی وجہ سے پیدا ہو۔

امام احمد بن حنبلؒ امام شافعیؒ کے شاگرد تھے اور وہ امام مالکؒ کے۔ امام احمدؒ کے مندرجہ ذیل قول سے ان شیوخ کے مسلک کی بھی تشریح ہو جاتی ہے اور اس طرح جملہ ائمہ اہلسنت والجماعت کا مسلک ہویدا ہوتا ہے۔ امام احمدؒ خلفاء کی اطاعت کے وجوب اور ان کے خلاف خروج کی ممانعت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

''امام وقت اور خلیفہ قائم کی اطاعت خواہ وہ فاسق و فاجر ہو یا نیکوکار اور پرہیزگار واجب ہے۔ وہ جب مسند خلافت پر اس طرح متمکن ہوا ہو کہ لوگ اس کی امامت پر جمع ہو گئے ہوں اور اس پر راضی ہوں یا بزور شمشیر وہ خلیفہ بن بیٹھا ہو اور لوگ اسے امیر المومنین کہنے لگے ہوں کسی شخص کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ ان ائمہ اور خلفاء پر طعن کرے یا اس بارے میں منازعت کرے۔ جس نے امام المسلمین کے خلاف خروج کیا جس پر لوگ جمع ہو گئے ہوں اور جس کی خلافت ماننے لگے ہوں خواہ یہ اقرار برضا و رغبت ہو یا بہ جبر و اکراہ، تو اس شخص نے مسلمانوں کی قوت کو پارہ پارہ کر دیا۔ اور رسول اللہ ﷺ کے اثار کے خلاف کیا اور خروج کی حالت میں اس کی موت واقع ہوئی تو یہ شخص جاہلیت کی موت مرا۔''

(حیات احمد بن حنبل ص۲۴۶ بحوالہ المناقب لابن الجوزی ص۱۷۶)

حضرت حسینؓ کی یہ سعادت کبریٰ ہے بالآخر آپ نے رجوع کر کے خروج عن الجماعت کے شر سے اپنے آپ کو بچا لیا۔

خلافت کے اُمیدوار :

مؤرخین نے پانچ حضرات کے نام اس سلسلے میں گنائے ہیں جو امیر المؤمنین معاویہؓ کی وفات پر سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے خواہش مند تھے۔ ان میں چاروں خلفائے راشدین کے صاحبزادوں کو شامل کیا ہے اور پانچواں نام حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا ہے بایں تفصیل۔

۱۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیقؓ

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر فاروقؓ

۳۔ حضرت سعید بن عثمان ذوالنورینؓ

۴۔ حضرت حسین بن علی المرتضیٰؓ

۵۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ (حواری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

ان حضرات میں سے اول الذکر (حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیقؓ) تو ۵۳ھ میں یعنی حضرت معاویہؓ کی وفات سے سات سال پہلے وفات پا چکے تھے۔ ۵۳ھ میں مکہ جاتے ہوئے فوت ہوئے۔ ان کا ذکر زمرہ اُمیدواران میں محض عبث ہے[1]

دوسرے بزرگ یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ سیاسی مناقشات سے ہمیشہ الگ تھلگ رہے۔ خلیفہ مظلوم حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جو فتنہ عظمیٰ اُمت میں پیدا ہوا اور جنگ و جدل تک نوبت پہنچی حضرت ابن عمرؓ متحارب جماعتوں سے قطعاً علیحدہ رہے۔ تحکیم کے وقت اُن کا نام بے شک لیا گیا تھا کہ حضرت علیؓ کے بجائے زمامِ خلافت وہ اپنے ہاتھ میں لے لیں لیکن یہ تجویز بروئے کار نہ آئی اور

---

[1] صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ جس وقت امیر مروانؓ نے صحابہؓ کے مجمع میں وہ فرمان پڑھ کر سُنایا جو ولایت عہد کے بارے میں امیر المومنین معاویہؓ کی طرف سے آیا تھا تو حضرت عبدالرحمٰنؓ بول اُٹھے کیا اب ہرقل کے بعد ہرقل اور قیصر کے بعد قیصر بیٹھے گا۔ پورے مجمع میں بس یہی ایک آواز اُٹھی تھی اس پر مروانؓ نے انہیں تنبیہ کی اور اُنہیں پکڑ لینے کا حکم دیا۔ وہ بھاگ کر اُم المومنین (سیدہ عائشہؓ) کے حجرے میں چلے گئے اور معاملہ ختم ہو گیا اور باقی مجمع جو اکابر پر مشتمل تھا سب نے یہ فیصلہ قبول کر لیا۔ لیکن یہ اہل مدینہ سے استصواب سے پہلے کی بات ہے۔ امیر المومنین معاویہؓ نے خود مدینہ حاضر ہو کر جب یہ معاملہ پیش کیا تو قطعی طور پر طے ہو گیا کہ بعض مؤرخوں نے اس واقعہ کو نہایت مکروہ طریقہ پر پیش کیا ہے لیکن صحیح بخاری ان لغو تفصیلات سے خالی ہے۔

نہ حضرت ابن عمرؓ کے طرزِ عمل سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ ان کو خلافت کی خواہش کسی وقت میں یا کسی درجہ میں بھی رہی ہو۔ امیر یزیدؒ کی ولایت عہد اور خلافت کی بیعت انہوں نے بطیّب خاطر کی اور اس پر مستقیم رہے۔ جیسا کہ اسی کتاب میں دوسری جگہ بالوضاحت بیان کیا گیا ہے، اُمیدواران خلافت کے ضمن میں اُن کا نام لینا قطعاً غلط ہے۔

تیسرے صاحب حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے صاحبزادے سعید ہیں۔ جن کے متعلق بعض مورخین خصوصاً طبری نے اور امامہ والسیاسہ کے غالی مؤلف نے لکھا ہے کہ انہوں نے امیر یزیدؒ کی ولی عہدی کے بارے میں امیر المومنین حضرت معاویہؓ سے گفتگو کی اور یہ کہہ کر اپنا حق مرجح جتایا کہ میرے باپ یزید کے باپ سے افضل تھے۔ میری ماں یزید کی ماں سے بہتر تھیں اور میں خود یزید سے افضل ہوں۔ تقریباً اسی قسم کے الفاظ ان راویوں نے حضرت حسینؓ کی زبان سے ادا کرائے ہیں جن کا ذکر امیر یزیدؒ کے قطعہ اشعار میں بھی ہے۔ حضرت سعید بن عثمانؓ بڑے مجاہد اور حضرت معاویہؓ کے کارگزار عامل تھے۔ ان کی جانب سے اس قسم کی روایت محض باطل ہے۔ نہ وہ خلافت کے اُمیدوار تھے اور نہ اس اُمیدواری کے بارے میں کسی اقدام کا اُن کی جانب سے ظہور ہوا۔ مؤخر الذکر دو حضرات کے اقدام حصول خلافت کے بعض حالات مختصراً ان اوراق میں بیان کئے گئے ہیں۔

حضرت حسینؓ کا اقدام اور صحابہؓ کے نصائح :

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور احکام شریعت کی تصریحات سے واضح ہے کہ امیر المومنین یزیدؒ کے خلاف حضرت حسینؓ کے اقدام خروج کا جواز مطلق نہ تھا۔ جیسا کہ بعد میں خود آپ نے اس سے رجوع کر کے عملاً ثابت کر دیا۔ صحابہ کرامؓ نے جو اُن سے ملے اُنہیں طرح طرح سے سمجھایا اور اس غلط اقدام سے باز رکھنے کی کوششیں کیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ابن الزبیرؓ اور حسینؓ دونوں سے فرمایا:

اتقیا اللہ ولا تفرقا جماعۃ المسلمین۔ (تم دونوں اللہ سے ڈرو اور مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ نہ ڈالو)۔ (طبری ج ۶ ص ۱۹۱)

حضرت ابن عمرؓ نے یہ نصیحت ان دونوں افراد کو اس وقت کی تھی جب یہ بیعت سے گریز کر کے مدینہ سے مکہ آ رہے تھے۔ ابن زبیرؓ نے تو مکہ پہنچ کر اپنے آپ کو ''عائذ البیت'' (بیت اللہ کا پناہ گزین) کہا اور حضرت حسینؓ مکہ آ کر اپنے دادا حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کے مکان پر اُترے۔ **فنزل الحسین دار العباسؓ** (ص۱۶۲ ج۸، البدایہ والنہایہ)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اُن کے چچا اُس وقت مکہ میں موجود تھے۔ ان ہی کے پاس مقیم ہوئے۔ امیر یزیدؒ کو جب ان حالات کی اطلاع ہوئی کہ عراق کے لوگ حضرت حسینؓ کو طلب خلافت پر آمادہ کر رہے ہیں تو انہوں نے حضرت ابن عباسؓ کو جو اُس وقت خاندان بنی ہاشم کے بزرگ اور سردار تھے، تحریر بھیجی کہ حسینؓ کو تفرقہ ڈالنے کی کارروائی سے روکیں۔

وکتب یزید بن معاویة الی ابن عباس یخبره بخروج الحسین الی مکة، وأحسبه قد جاءه رجال من اهل المشرق فمنوخ الخلافة، وعندک منهم خبر و تجربة، فان کان قد فعل فقد قطع راسخ القرابة، وأنت کبیر أهل بیتک والمنظور الیه، فاکففه عن السعي في الفرقة.
(ص ۱۶۴ ج۸، البدایة و النهایة)

اور یزید بن معاویہؒ نے ابن عباسؓ کو مکہ خط لکھا جس میں انہیں مطلع کیا کہ حسینؓ (مدینہ سے نکل کر) مکہ کو چلے گئے ہیں۔ اہل مشرق (یعنی عراقیوں) میں سے چند آدمی اُن کے پاس آئے ہیں اور اُنہیں حصول خلافت پر آمادہ کیا ہے۔ آپ کو حالات کا علم اور تجربہ (سابقہ واقعات کا) ہے اگر واقعی ایسا ہے تو انہوں نے (حسینؓ نے) قرابت کے مضبوط رشتہ کو قطع کر دیا ہے۔ آپ اہل بیت کے بزرگ ہیں اور حسینؓ کے پسندیدہ شخص ہیں۔ اس لئے آپ اُنہیں تفرقہ ڈالنے سے روکیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے اس کے جواب میں جو تحریر امیر یزیدؒ کو بھیجی تھی، جسے شیعہ مؤرخین نے مسخ کر کے بیان کیا ہے، اس میں لکھا تھا:

انـي لأرجـو أن لا يـكـون خـروج الـحسيـن لأمر تكرهه ' ولست أدع الـنـصيـحة لـه فـي كـل ما تجتمع به الألفة وتطفي به الثائرة.
(ص ۱۶۴ ج۸ ' البداية والنهاية)

مجھے اُمید ہے کہ حسینؓ کوئی ایسا خروج نہ کریں گے جو برائی کا موجب ہو اور میں اُنہیں اس بات کی نصیحت کرنے میں کوتاہی نہ کروں گا جس سے اُلفت قائم رہے اور ہنگامہ کی آگ بجھ جائے۔

دیگر مؤرخین کے علاوہ ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف محمد تقی سپھر کاشانی نے ذکر نگارش نامہ یزیدؒ بعبد اللہ بن عباس اور امر حسین بن علیؓ کے عنوان سے جو جو مکتوب امیر المومنین یزیدؒ سے منسوب کر کے درج کیا ہے اس میں بھی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت حسینؓ کے مدینہ سے مکہ چلے جانے کا ذکر کرتے ہوئے وہی عبارت موجود ہے جو علامہ ابن کثیر وغیرہ مؤرخین نے لکھی ہے یعنی:

واما الـحسيـن فقد احببت الاعذار اليـكـم اهل البيت مما كان منه وقد بـلـغـنـي ان رجـالاً من شيعة من اهل الـعراق يكاتبونه و يكاتبهم و يمنونه الـخـلافة و يـمـنيهـم الامـرة وقـد تـعلمون ما بيني و بينكم من الوصلة و عظيم الحرمة و نتائج الارحام وقد قـطـع ذلک الـحسيـن وبتّـهُ وانـت زعيـم اهـل بيتک و سيـد اهـل بـلادک فـالـقه ، فارده عن السعي فى الفرقة و رد هذا الامة عن الفتنة.
(ج۲ از كتاب دويم ص ۱۷۱)

لیکن حسینؓ کے بارے میں آپ حضرات (اہل بیت) سے یہ شکوہ کرتا ہوں کہ مجھ کو یہ اطلاعیں پہنچی ہیں کہ عراقیوں میں سے ان کے طرفداروں سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری ہے اور وہ ان کو حصول خلافت پر آمادہ کر رہے ہیں، اور حسینؓ بھی اپنی بشارت ان کو دے رہے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ ہم میں اور آپ لوگوں میں (یعنی بنواُمیہ اور بنو ہاشم) میں صلہ رحم اور رشتہ کی عظیم حرمت ہے اور حسینؓ اس حرمت کو توڑ رہے ہیں۔ اور آپ (ابن عباسؓ) ان کے خاندان کے بزرگ اور ان مقامات (حجاز) کے سردار ہیں۔ آپ ان سے مل کر ان کو اس امت میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش سے باز رکھئے۔

مکتوبات کے آخر میں امیر موصوف کے وہ اشعار بھی درج کئے ہیں جو آئندہ اوراق میں قطعہ اشعار امیر یزیدؒ کے عنوان سے آپ مطالعہ کریں گے۔ اور اسی کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی جانب سے جوابی خط بھی درج ہے جس کی ابتدائی سطور میں یہ لکھا ہے کہ حسینؓ کے مدینہ چھوڑ کر چلے جانے کا سبب یہ ہوا کہ مدینہ میں جو عمال تمہارے ہیں انہوں نے ناشائستہ کلمات ان کے بارے میں کہے: ''وعجلو علیه بالکلام الفاحش فاقبل الیٰ حرم الله مستجیراً به '' ،اسلئے وہ بیت اللہ میں پناہ لینے چلے آئے۔ پھر لکھا ہے:

وسالقاه فیما اشرت الیه ولن ادع النصیحة فیما یجمع الله به الکلمة و یطفی به الثائرة و یخمد به الفتنة و یحصن به دماء الامة.	تم نے جو چاہا اس کے پورا کرنے کے لئے میں حسینؓ سے گفتگو کروں گا اور اُنہیں نصیحت کروں گا جس سے اختلافات رفع ہو جائیں اور اُمت کے لوگوں کا خون نہ بہنے پائے۔

(ج ۲ از کتاب دویم ص ۱۷۲)

یہ مکاتیب بیّن ثبوت ہیں عراقی سبائیوں کی ریشہ دوانیوں کے جو انہوں نے حضرت حسینؓ کو حصول خلافت پر آمادہ کرنے کے لئے شروع کیں اور یہ خطوط جو شیعہ مؤرخین نے درج کئے ہیں مسکت ثبوت ہیں اس بات کا کہ حضرت حسینؓ کا اقدام محض سیاسی اقتدار کے حصول کے لئے تھا۔

حضرت حسینؓ کے بزرگوں، عزیزوں، ہمدردوں کے علاوہ جو صحابہؓ و تابعینؒ کے زمرہ میں شامل تھے خود امیر المومنین نے حتی الامکان کوشش کی کہ حضرت حسینؓ کوئی اقدام ایسا نہ اُٹھائیں جس کے نتیجہ میں بجائے اتحاد کے تفرقہ اُمت میں پڑے۔

ثقہ مؤرخین نے صحابہ کرامؓ کی نصیحتوں کے فقرات نقل کئے ہیں جو انہوں نے حضرت حسینؓ کے اقدام خروج پر اُن کو کیں۔ حضرت ابوسعید الخدریؓ نے فرمایا تھا:

غلبنی الحسین علی الخروج وقلت له: اتق الله فی نفسک والزم بیتک ولا تخرج علیٰ امامک.	حسینؓ نے مجھ پر خروج کرنے کیلئے زور دیا تو میں نے کہا: اپنے دل میں اللہ سے ڈرو اپنے گھر میں بیٹھے رہو اور اپنے امام (خلیفہ یزیدؒ) کے خلاف خروج نہ کرو۔

(ص ۱۶۳ ج ۸، البدایه و النهایه)

حضرت ابو واقد اللیثیؓ نے اُن کو روانگی کے بعد راستہ میں جا کر اُن کو روکا اور فرمایا:

فناشدته الله ان لا تخرج فانه من يخرج غير وجه خروج انما خرج يقتل نفسه.

میں نے اُنہیں اللہ کا واسطہ دلایا کہ خروج نہ کریں، کیونکہ جو بے وجہ خروج کرتا ہے وہ اپنی جان کھو دیتا ہے۔

(ص ۱۶۳ ج۸ ، البدايه و النهايه)

حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں:

كلمتُ حسيناً فقلت له : اتق الله ولا تضرب الناس بعضهم ببعض.

میں نے حسینؓ سے گفتگو کی اور کہا کہ اللہ سے ڈرو اور آدمیوں کو آدمیوں سے نہ مرواؤ۔

(ص ۱۶۳ ج۸ ، البدايه و النهايه)

اسی طرح دیگر صحابہ کرامؓ کی گفتگوؤں کے کلمات مؤرخین نے نقل کئے ہیں۔ خود اُن کے سوتیلے بھائی محمد بن علیؒ (ابن الحنفیہ) اور اُن کے بہنوئی حضرت عبداللہ بن جعفرؓ بن ابی طالب نے اس اقدام کی شدید مخالفت کی تھی۔ حضرت ابن جعفرؓ امیر یزیدؒ کے خُسر بھی تھے۔

یمن سے ایک سرکاری قافلہ امیر المومنین امیر یزیدؒ کی خدمت میں یمن کے محاصل لے کر جا رہا تھا۔ حضرت حسینؓ نے اُسے گرفتار کر لیا۔ حضرت ابن جعفرؓ نے گورنر مکہ سے تحریر لکھوا کر اپنے دو بیٹوں کے ہاتھ اُنہیں بھیجی کہ آگے نہ بڑھیں لوٹ آئیں۔ گورنر مکہ نے اپنے بھائی کو بھی مزید اطمینان دلانے کی غرض سے ساتھ بھیجا تھا اور یقین دلایا تھا کہ اُن کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے گی۔ مگر حضرت حسینؓ نے واپس آنے سے انکار کر دیا۔ اِدھر سے اصرار اُدھر سے انکار ہوتا رہا۔

پیغامبروں کا مشن جب ناکام رہا اور حضرت حسینؓ آگے بڑھ گئے۔ ان لوگوں نے بھی بالآخر اُن سے وہی کہا جو صحابہ کرامؓ اور دوسرے اُن کے عزیز و ہمدردان اُن سے کہتے رہے۔

يا حسين الا تتقى الله ! تخرج من الجماعة و تفرق بين الامة بعد اجتماع الكلمة.

اے حسینؓ! کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟ تم جماعت سے خارج ہو رہے ہو، اور اُمت میں تفرقہ ڈلوا رہے ہو حالانکہ وہ سب ایک بات پر مجتمع ہو چکے ہیں۔

(ص ۱۶۶ ج۸ ، البدايه و النهايه)

کہا جاتا ہے کہ اس پر حضرت حسینؓ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

لَّي عَمَلِي وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ أَنتُم بَرِيئُونَ مِمَّا أَعْمَلُ وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ. (سورۃ یونس: ۴۱)

میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا۔ تم میرے عمل سے بری ہو اور میں تمہارے اعمال سے۔

حکومت کا نرم رویہ :

مکہ میں حضرت حسینؓ چار مہینے سے زیادہ عرصے تک مقیم رہے۔ اور اس تمام مدت میں عراقیوں کی تحریرات اور اُن کے وفود آتے جاتے رہے۔ خروج کی تیاریاں ہوتی رہیں لیکن حکومت کی جانب سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ نہ اُن کی نگرانی ہوئی نہ عراقیوں کو اُن کے پاس آنے جانے سے روکا۔ حتیٰ کہ اسلحہ وغیرہ کی فراہمی پر بھی کوئی قدغن نہیں لگائی گئی۔ قوی آثار سے ظاہر ہے کہ خود امیر یزیدؒ نے اُن کو مخاطب کیا اور اللہ کا عہد یاد دلایا جیسا کہ اس قطعہ اشعار میں صاف اشارہ ہے جو امیر موصوف نے باغیانِ مدینہ کی تنبیہ کے لئے لکھ کر بھیجے تھے۔ اس قطعہ اشعار کو شیعہ مؤرخ طبری نے بھی (جلد ۶ ص ۴۱۹) درج کیا ہے اور دیگر مؤرخین خصوصاً علامہ ابن کثیرؒ نے بھی (ص ۱۹۴ ج ۸) اور ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف نے (ص ۱۷۲ ج ۶ کتاب دویم) درج کیا ہے۔ وہ قطعہ یہ ہے (کسی کسی شعر کے بعض الفاظ مختلف نقل ہوئے ہیں):

يا أيها الراكب العادى مطيته[1] على غدافرةٍ في سيرها فحم[2]

اے سوار جو طیبہ (مدینہ) کی طرف ایسی اونٹنی پر جا رہا ہے جس کی چال میں بانکپن ہے کہ تھکاوٹ کے باوجود قدم جم کر پڑتا ہے

أَبْلِغْ قُرَيْشًا عَلَى نَأْيِ الْمَزَارِبِهَا بَيْنِي وَ بَيْنَ حُسَيْنِ اللّٰهُ وَالرَّحِمُ

میرا پیغام قریش کو پہنچا دے کیونکہ ان سے ملنے کو فاصلہ بہت ہے کہ میرے اور حسین کے درمیان اللہ کا اور رشتہ داری کا واسطہ ہے

---

[1] تاریخ دمشق ابن عساکر میں ''الغادی لطیته'' ہے۔

[2] تاریخ دمشق ابن عساکر میں ''عذافرة فی سیرة قحم'' ہے۔

وَمَوْقِفٌ بِفِنَاءِ الْبَيْتِ أَنْشُدُهُ عَهْدَ الْإِلٰهِ وَمَا تُوفَى بِهِ الذِّمَمُ

اور صحن حرم میں کھڑے ہو کر کہی ہوئی بات ہے

میں اُنہیں اللہ کا عہد اور ہر اُس چیز کی یاد دلاتا تھا جو ذمہ داریوں سے عہدہ براء ہوتے وقت قابل لحاظ ہوتی ہے

عَنَّيْتُمْ قَوْمَكُمْ فَخْرًا بِأُمِّكُمْ أُمٌّ لَعَمْرِي حَصَانٌ بَرَّةٌ كَرَمُ

تم اپنی ماں پر فخر کر کے اپنی قوم کے سامنے ناک چڑھاتے ہو

ہاں وہ ماں ایسی ہی ہیں پاک دامن اور میری جان کی قسم بڑی نیک کردار اور عزت والی

هِيَ الَّتِي لَا يُدَانِي فَضْلَهَا أَحَدٌ بِنْتُ الرَّسُولِ وَخَيْرُ النَّاسِ قَدْ عَلِمُوا

وہ ایسی ہیں کہ اُن کے شرف کو کوئی نہیں پہنچ سکتا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی اور دنیا جانتی ہے سب سے اچھی

وَفَضْلُهَا لَكُمْ فَضْلٌ وَغَيْرُكُمْ مِنْ قَوْمِكُمْ[1] لَهُمْ فِي فَضْلِهَا قِسَمُ

ان کی فضیلت میں تمہاری (حسین کی) فضیلت ضرور ہے

مگر تمہارے علاوہ بھی تمہاری قوم میں ایسے لوگ ہیں جو اُن کے شرف سے بہرہ مند ہیں

إِنِّي لَأَعْلَمُ أَوْ ظَنًّا كَعَالِمِهِ[2] وَالظَّنُّ يَصْدُقُ أَحْيَانًا فَيَنْتَظِمُ

میں جانتا ہوں یا جاننے والوں کی طرح گمان کرتا ہوں

کیونکہ بسا اوقات گمان سچ نکلتا ہے اور بات پوری ہو کر سامنے آجاتی ہے

أَنْ سَوْفَ يَتْرُكُكُمْ مَا تَدَّعُونَ بِهَا قَتْلَى تَهَادَاكُمُ الْعِقْبَانُ وَالرَّخَمُ

کہ عنقریب تم پر (اے باغیان مدینہ) وہی چیز نازل ہوگی جو اس بغاوت سے تم حاصل کرنا چاہتے ہو

یعنی مقتولوں کی لاشیں جو تمہاری طرف سے عقابوں اور کرگسوں کے لئے سامان ضیافت ہونگی

---

[1] ابن الاعثم میں ''من یومکم'' مرقوم ہے۔

[2] ابن الاعثم میں '' انی لا علم حقا غیر ما کذب و الظن ... ویقتصم'' ہے۔

يَا قَوْمَنَا لَا تُشِبُّوا الْحَرْبَ اذْ مسكت
اے میری قوم جنگ کی آگ بجھ چکی
اسے مت بھڑکاؤ

ومسكوا بحبال السلم واعتصموا
اور صلح کی رسی کو مظبوط پکڑو اور اسی پر
قائم رہو

لا تركبوا البغي ان البغي مصرعة
بغاوت کا ارتکاب مت کرو بغاوت
پچھاڑ دینے والی ہے

وان شارب كأس البغي يتخم [1]
اور جام بغاوت پینے والا اسے ہضم
نہیں کرسکتا

قد جرب الْحَرْبُ مَنْ قَدْ كَانَ قَبْلَكُمُ
لڑائی کا تجربہ انہیں ہو چکا جو تم سے پہلے
گزر چکے

مِنَ الْقُرُونِ وَقَدْ بَادَتْ بِهَا الْأُمَمُ
اقوام عالم کے لئے یہ بھولی بسری باتیں
ہو چکیں

فَأَنْصِفُوا قَوْمَكُمْ لَا تهلكوا برحاً
اپنی قوم کے حق میں عدل کی راہ اختیار
کرو اور بے جا حرکتوں سے اپنے آپ
کو ہلاکت میں مت ڈالو

فَرب ذي برحٍ زَلَّتْ بِهِ الْقَدَمُ
کیونکہ اکثر بے جا حرکتوں سے ہی آدمی
ٹھوکر کھاتا ہے

امیر یزیدؒ کے مندرجہ بالا قطعہ اشعار سے اُس وقت کے احوال کا بہت کچھ صحیح اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ تیسرے شعر کے مضمون سے ثابت ہے کہ حضرت حسینؓ نے بھی امیر المومنین معاویہؓ کی زندگی میں امیر یزیدؒ کی ولی عہدی کی بیعت کی تھی۔ وہ مضمون شعر کا یہ ہے: اور صحنِ حرم میں کھڑے ہو کر کہی ہوئی بات ہے، میں اُنہیں اللہ کا عہد اور اُس چیز کی یاد دلاتا تھا جن کا ذمہ داریوں سے عہدہ براء ہوتے وقت لحاظ رکھا جاتا ہے۔ ان الفاظ سے صاف اشارہ اسی طرف ہے۔

آزاد اور بے لاگ مؤرخین نے حضرت حسینؓ کے اقدام خروج کے سلسلے میں اسی بات کو بیان کیا ہے۔ مشہور مؤرخ رینہارٹ دوزی (Reinhart Dozy) کا ایک فقرہ اس بارے میں قابل لحاظ ہے۔ وہ لکھتا ہے:

''اخلاف (یعنی آنے والی نسلوں) کا عموماً یہ شعار رہا ہے کہ وہ ناکام مدعیوں کی ناکامی پر جذبات سے مغلوب ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات انصاف، قومی امن اور ایسی خانہ

---

[1] یہ شعر صرف تاریخ الطبری میں ہے۔

جنگی کے ہولناک خطروں کو نظر انداز کر دیتے ہیں جو ابتداء میں نہ روک دی گئی ہو۔ یہی کیفیت اخلاف کی حسینؓ کے متعلق ہے جو ان کو ایک ظالمانہ جرم کا کشتہ خیال کرتے ہیں۔ شدید ایرانی تعصب نے اس تصویر میں خدوخال بھرے اور حسینؓ کو بجائے ایک معمولی قسمت آزما کے جو ایک انوکھی لغزش وخطائے ذہنی اور قریب قریب غیر معمولی حبِ جاہ کے سبب ہلاکت کی جانب تیز گامی سے رواں دواں ہوں، ولی اللہ کے روپ میں پیش کیا ہے۔ ان کے ہم عصروں میں اکثر وبیشتر انہیں ایک دوسری نظر سے دیکھتے تھے۔ وہ انہیں عہد شکنی اور بغاوت کا قصوروار خیال کرتے تھے۔ اس لئے کہ انہوں نے معاویہؓ کی زندگی میں یزیدؒ کی ولی عہدی کی بیعت کی تھی اور اپنے حق اور دعویٰ خلافت کو ثابت نہ کر سکے تھے۔''

(ص ۴۷ تاریخ مسلمانان اسپین مؤلفہ رینہارٹ دوزی ترجمہ فرانس گریفن اسٹوکس۔ مطبوعہ لندن ۱۹۱۳ء)

برادرانِ حسینؓ کا مؤقف :

قطع نظر اس امر کے حضرت حسینؓ نے امیر یزیدؒ کی ولایت عہد کی بیعت مثل دیگر صحابہؓ اور تابعین کرام کے کی تھی یا نہیں، یہ حقیقت ثابت ہے کہ اُن کے اس اقدام کی تائید میں مدینہ منورہ یا مکہ معظّمہ یا حجاز کا ایک متنفس بھی سوائے اُن کے چند نوجوان عزیزوں کے اُن کے ساتھ نہ ہوا۔ اور اُن کے اپنے گھر کی بھی یہ کیفیت تھی کہ حضرت علیؓ کے منجملہ پندرہ صاحبزادوں کے جو اس زمانہ میں حیات تھے صرف چار اپنے بھائی کے ساتھ گئے اور گیارہ برادرانِ حسینؓ نے اُن کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت حسینؓ نے اپنے بھائی حضرت محمدؒ (ابن الحنفیہ) پر جو فرزندانِ علیؓ میں علم وفضل ورع وتقویٰ میں امتیازی شان رکھتے تھے۔ جسمانی قوت اور شجاعت میں اپنے والد ماجد کے صحیح جانشین تھے، اس مہم میں اُن کا ساتھ دینے کیلئے بہت زور ڈالا یہاں تک کہا کہ اگر خود نہیں ساتھ دیتے تو اپنی اولاد ہی کو اجازت دیں کہ میرے ساتھ چلیں، مگر اُنہوں نے صاف انکار کر دیا۔ (ص ۱۶۵ ج ۸، البدایہ والنہایہ)

حضرت محمد بن علیؒ (ابن الحنفیہ) نے بلا تامل اور بطیّب خاطر ابتداء میں امیر یزیدؒ کی

ولی عہدی کی اور پھر خلافت کی بیعت کی تھی اور اس بیعت پر اس درجہ مستقیم رہے تھے کہ مدینہ منورہ میں جب امیر المومنین کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکائی گئی تو انہوں نے سختی سے اس کی مخالف کی۔

بلاذری نے اپنی مشہور تالیف ''انساب الاشراف'' (جلد۳) میں باغیوں کے ایک وفد کے مکالمے کو جو حضرت ابن الحنفیہؒ سے اُن کا ہوا تھا، ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''عبداللہ ابن مطیع وغیرہ ایک وفد لے کر ابن الحنفیہؒ کے پاس آئے اور کہا کہ یزیدؒ کی بیعت توڑ کر ہمارے ساتھ اس سے لڑنے نکلو۔

ابن الحنفیہؒ نے کہا: ''یزید سے کیوں لڑوں اور بیعت کس لئے توڑوں؟''

ارکان وفد: ''اسلئے کہ وہ کافروں کے سے کام کرتا ہے۔ فاجر ہے۔ شراب پیتا ہے اور دین سے خارج ہو گیا ہے۔

ابن الحنفیہؒ: اللہ سے نہیں ڈرتے ہو؟ کیا تم میں سے کسی نے اس کو یہ کام کرتے دیکھا ہے؟ میں اس کے ساتھ تم سے زیادہ رہا ہوں۔ میں نے تو اس کو یہ کام کرتے نہیں دیکھا۔

ارکان وفد: تو کیا وہ تمہارے سامنے برے کام کرتا؟

ابن الحنفیہؒ: تو کیا تم کو اُس نے اپنے کرتوتوں سے باخبر کر دیا تھا؟ اگر اس نے یہ برائیاں تمہارے سامنے کی تھیں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ تم بھی اس میں شریک تھے اور اگر تمہارے سامنے نہیں کی تھیں تو تم ایسی بات کر رہے ہو جس کا تمہیں علم نہیں ہے۔

یہ سن کر ارکان وفد ڈرے کہ کہیں ابن الحنفیہؒ کے عدم تعاون سے لوگ یزید کے خلاف شریک جنگ ہونے سے انکار نہ کر دیں۔ اس لئے اُنہوں نے کہا: اچھا ہم تمہاری بیعت کرتے ہیں اور تمہیں خلیفہ بناتے ہیں۔ اگر تم ابن زبیرؓ کی بیعت کیلئے تیار نہیں ہو۔

ابن الحنفیہؒ: میں تو لڑوں گا نہیں، نہ اپنی خلافت کیلئے اور نہ کسی اور کی۔ **لست اقاتل تابعاً ولا متبوعاً**۔ (جلد۳ انساب الاشراف للبلاذری)

اس مکالمہ کو دیگر مؤرخین نے بھی تقریباً ان ہی الفاظ میں بیان کیا ہے۔ خاص کر علامہ ابن کثیرؒ نے (صفحہ ۲۳۳ جلد ۸، البدایہ والنہایہ)۔ جیسا ابھی ذکر ہوا کہ حضرت محمد بن علی (ابن الحنفیہؒ) فضیلت علمی، اتقا و پرہیزگاری، شجاعت و بہادری میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ اگر مناقب کی وضعی

احادیث اور عقیدت کے مبالغات وتوہمات سے غض بصر کر کے حقیقت کے زاویہ نگاہ سے دیکھا جائے تو فرزندانِ علیؓ میں اُن کا درجہ بہت بلند تھا۔ خود ایک شیعہ مؤرخ ونسابہ مؤلف عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب نے اُن کے بارے میں لکھا ہے:

کان محمد بن الحنیفه احد رجال الدهر فی العلم و الزهد و العبادة و الشجاعة ، وهو افضل ولد علی بن ابی طالب بعد الحسن و الحسین.

محمد بن حنفیہؒ علم وزہد وعبادت اور شجاعت میں اپنے زمانہ کی ایک بلند شخصیت تھے اور وہ علی بن ابی طالب کی اولاد میں حسن اور حسین کے بعد سب سے افضل تھے۔

(ص ۳۴۷۔ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب۔ طبع اول۔ مطبوعہ لکھنؤ)

خیر الدین زرکلی نے خود ان ہی کا یہ قول اپنی تالیف اعلام (قانوس التراجم) میں نقل کیا ہے۔ حضرت ابن الحنفیہؒ فرماتے ہیں:

الحسن و الحسین افضل منی و انا علم منهما.

(ج ۷، ص ۱۸۲)

حسن وحسین مجھ سے برتر ہیں (فرزندان بنت نبی صلعم ہونے کی وجہ سے) مگر میں علم میں ان دونوں سے بڑھ کر ہوں۔

کان واسع العلم ،،، و اخبار قوته و شجاعته کثیرة (ایضاً)

وہ وسیع العلم تھے۔ ان کی قوت اور شجاعت کی روایتیں بکثرت ہیں۔

بہ ایں ہمہ طبعاً صلح پسند تھے۔ اپنے والد ماجد کے معرکہ ہائے جمل وصفین کو ناپسند کرتے تھے اور خانہ جنگیوں کو اندھی مصیبت کہا کرتے تھے۔

حضرت حسینؓ کے ان بھائی اور حضرت علیؓ کے ایسے قابل اور شجاع، زاہد وعالم فرزند کا امیر یزیدؒ سے بیعت کرنا، اُس پر مستقیم رہنا اور باوجود خلافت کی پیش کش کے اپنے مؤقف سے جنبش نہ کرنا، اُن کے بار بار اصرار کرنے پر نہ خود ساتھ دینا اور نہ اپنے فرزندوں میں سے کسی کو بھی ان کے ساتھ جانے دینا، آخر کس بات کا ثبوت ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ وہ بھی دیگر تمام صحابہ کرامؓ کی طرح اس خروج کو

طلب حکومت وخلافت کا ایسا سیاسی مسئلہ سمجھتے تھے جو مقتضیات زمانہ اور احکام شرع کے اعتبار سے جائز اور مناسب نہ تھا۔

حضرت حسینؓ کے ایک دوسرے بھائی عمر الاطرف بن علی بن طالب تھے۔ جن سے نسل چلی اور اُن کی نسل کے بعض افراد ابتدائے عہد اسلامی میں علاقہ ملتان پر حاکمانہ اقتدار بھی رکھتے تھے۔ وہ بھی حضرت حسینؓ کے اقدام خروج کے مخالف تھے۔ شیعہ مؤرخ نساب مؤلف ''عمدۃ الطالب فی النساب آل ابی طالب'' اُن کے اختلاف کا ذکر ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

وتخلف عمر بن اخیه الحسین ولم یسار معه الیٰ الکوفة وکان قد دعاه الیٰ الخروج معه فلم یخرج یقال: انه لما بلغه قتل اخیه الحسین خرج فی معصفات له، وجلس بفناء داره وقال انا الغلام الحازم ولو اخرج معهم للذهبت فی المعرکة وقتلت.

(ص۳۵۷ .عمدة المطالب فی انساب آل ابی طالب. مطبوعه لکھنؤ)

اور عمر نے اپنے بھائی حسینؓ سے اختلاف کیا اور اُن کے ساتھ کوفہ کو خروج نہ کیا حالانکہ انہوں نے ان کو اپنے ساتھ خروج کرنے کی دعوت بھی دی۔ مگر یہ اُن کے ساتھ نہ گئے۔ کہتے ہیں کہ جب ان کو اپنے بھائی حسینؓ کے قتل ہو جانے کی خبر ملی تو وہ زرد لباس پہن کر نکلے اور اپنے مکان کے صحن میں آ کر بیٹھے اور کہا کہ میں ایک عقل مند اور محتاط جوان ہوں اور اگر میں بھی ان (حسینؓ) کے ساتھ نکلتا تو لڑائی میں شریک ہوتا اور مارا جاتا۔

ظاہر ہے کہ حضرت حسینؓ کے یہ بھائی بھی اُن کے خروج کو طلب حکومت وخلافت ہی کا ایسا اقدام سمجھتے تھے جو کسی طرح جائز ومناسب نہ تھا۔

مؤقف صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم :

حضرت حسینؓ کے اس اقدام خروج کے وقت جیسا کہ پہلے ضمناً ذکر ہو چکا ہے کہ حجاز و عراق و دیگر ممالک اسلامیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کی وہ بزرگ ومقدس ہستیاں

موجود وضوفشاں تھیں۔ جنہوں نے سالہا سال شمع نبوت ﷺ سے براہ راست اخذ نور کیا تھا۔ ان میں سے وہ متعدد حضرات بھی تھے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں غزوات اور آپ ﷺ کے بعد جہادوں میں شریک ہو کر باطل قوتوں کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ وہ کسی حالت میں بھی نہ باطل سے دبنے والے تھے اور نہ کسی جابر کی جبروت کو خاطر میں لا سکتے تھے۔ مگر ان میں سے کسی ایک صحابی نے بھی متفق علیہ خلیفہ کے خلاف خروج میں حضرت حسینؓ کا ساتھ کسی طرح نہ دیا۔ مؤلف (محمد الخضری) ''اتمام الوفاء فی سیرۃ الخلفاء'' لکھتے ہیں:

وقد كان فى ذالک العصر كثير من الصحابة بالحجاز والشام والبصرة والكوفة ومصر و كلهم لم يخرج على يزيد لا وحده ولا مع الحسين.
(اتمام الوفاء فی سیرۃ الخلفاء۔ ص ۱۴)

اس زمانہ میں صحابہ (رسول اللہ ﷺ) کی کثیر تعداد حجاز وشام و بصرہ وکوفہ ومصر میں موجود تھی۔ ان میں سے کوئی ایک بھی نہ از خود یزید کے خلاف کھڑا ہوا اور نہ حسینؓ کے ساتھ ہو کر۔

صحابہ کرامؓ کے اس مؤقف سے بالبداہت ثابت ہے کہ نظام خلافت یا کردار خلیفہ میں کوئی ایسی خرابی اور خامی نہ تھی جو خلیفہ کے خلاف خروج کو جائز کر دے۔

نظام خلافت :

نظام خلافت بالکل اسی طرح برپا تھا جس طرح امیر یزیدؒ سے پہلے خلفاء کے زمانے میں رہا۔ خلفاء کے عمال میں متعدد صحابہؓ موجود تھے۔ مہاجرین وانصار اور اُن کی اولاد جو تابعین کے زمرہ میں شامل تھی، کاروبار مملکت چلا رہے تھے۔ امراء ولایت، امراء عساکر اور قضات میں متعدد صحابہ کرامؓ کے اسماء کتب تاریخ وسیر ورجال کے صفحات پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ ڈھائی سو صحابہ کرامؓ کے مختصر حالات وتراجم راقم الحروف نے اپنی دوسری مبسوط کتاب میں شامل کئے ہیں جو امیر المومنین یزیدؒ کے عہد خلافت نیز اُن کے زمانہ ولایت عہد میں حیات تھے۔ اُن میں سے کسی ایک صحابی نے بھی اختلاف نہیں کیا تھا۔

نظام ملّیہ:

عرب کی زندگی ہمیشہ قبائلی رہی ہے۔ اُس وقت بھی یہی کیفیت تھی۔ ہر قبیلہ اپنی جگہ ایک واحدہ تھا اور اپنے سیاسی معاشرتی اور معاشی امور میں خود کفیل۔ موجودہ زمانہ میں بھی ان کی اجتماعی زندگی کی یہ کیفیت کچھ نہ کچھ موجود ہے۔ خلفائے راشدین کے عہد سے لے کر اُموی دور کے آخر تک یہ اصول کارفرما رہا کہ ہر علاقہ اندرونی حیثیت سے خود مختار نظم ونسق کے امور وہیں کے لوگوں کے ہاتھ میں رہیں اور اپنی عسکری قوت بھی ہر علاقہ خود ہی مہیا کرے۔ حکومت کا نظام اگر مستبدانہ ہوتا یا کوئی ایسی خرابی پیدا ہوگئی ہوتی جو مذہبی امور میں خلل انداز ہوتی تو حکومت کے خلاف فوجی قوت مہیا کر لینا کچھ بھی دشوار نہ تھا۔

نظام عسکری :

(۱) خلافت کی باقاعدہ فوج بہت محدود پیمانہ پر رہتی تھی اور وہ بھی زیادہ تر سرحدوں پر یا مستقر خلافت میں چھوٹی بڑی ہر مہم میں فوجی خدمت رضا کارانہ تھی۔ اُموی خلافت کے آخر تک تقریباً یہی کیفیت رہی۔ خلیفۃ المسلمین کو جب کسی مہم پر فوج بھیجنی ہوتی تو سرکاری نمائندہ اعلان کرتا کہ فلاں مہم پر امیر المومنین فوج بھیجنا چاہتے ہیں جسے شرکت کرنا منظور ہو وہ فلاں وقت فلاں جگہ پہنچ جائے۔

(۲) عالمِ اسلام کا ہر فرد پوری طرح مسلح تھا اور اکثر وبیشتر ماہر حرب وضرب۔

(۳) مرکزی اسلحہ خانہ میں کوئی ہتھیار ایسا نہ تھا جو پرائیویٹ شخص کے پاس نہ ہو۔ یا جس کے ذریعہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کو مفلوج کیا جا سکے۔ گویا طاقت کے بل پر صرف وہی خلیفہ کامیاب رہ سکتا تھا جسے اُمت کی اکثریت کی حمایت حاصل ہو اور بکثرت لوگ اس کی آواز پر مجتمع ہو سکیں۔ واقعات سے ثابت ہے کہ یہ حمایت امیر یزیدؒ کو حاصل تھی اور اُن کے مخالف یہ حمایت کسی طرح نہ حاصل کر سکے۔

اُمت کی حرارت دینیہ :

اُمت مسلمہ میں آج بھی نبی کریم ﷺ کی حرمت پر کٹ مرنے کا جذبہ فنا نہیں ہوا۔ حالانکہ علم وتقویٰ، قوت ایمانیہ اور اخلاق وکردار میں اُنہیں سلف صالحین سے دور کی نسبت بھی نہیں۔ بڑی

سے بڑی جابر حکومت کو سب سے زیادہ مشکل اگر کوئی کام نظر آتا ہے تو وہ ہے مسلمانوں کو محکومی پر راضی رکھنا۔ انتہائی بے سروسامانی کے باوجود نہایت باجبروت قوت سے ٹکر لینا اور اس کے لئے مسلمانوں کو مجتمع کر لینا مشکل نہیں۔ پھر کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ ازواج مطہراتؓ اور کبار صحابہؓ اور اکابر اہل البیتؓ کی موجودگی میں قرن اول کے وہ مسلمان جنہوں نے قیصر و کسریٰ کو ہزیمت دی اور بڑھاپے میں بھی کافروں اور باطل قوتوں سے جا ٹکرائے، اُس وقت دین سے ایسے برگشتہ اور تقاضائے ملّیہ سے اتنے بے پرواہ ہو گئے تھے کہ انہوں نے ایک فاسق اور جابر شخص کو اپنے اوپر مسلط رہنے دیا، اُس کے مخالفوں کی حمایت نہیں کی۔ اور باوجود دعوت نبی کریم ﷺ کے نواسے کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ یہ وہ اُمت تھی جس نے اُس واقعہ سے پہلے بھی سرفروشی میں کبھی کمی نہ کی اور نہ اُس کے بعد۔ پھر اُس وقت اس اُمت کو کیا ہو گیا تھا؟ لیکن حقیقت نفس الامری یہ ہے کہ اس وقت نظام خلافت نہ مستبدانہ تھا نہ خاندانِ خلافت یعنی بنی اُمیہ و بنی ہاشم میں کوئی سیاسی رقابت تھی نہ کردار خلیفہ میں کوئی خرابی۔ زمام خلافت اسی امیر المجاہدین کے ہاتھ میں تھی جس کی سپہ سالاری میں حضرت حسینؓ اور اُن کے چچا حضرت ابن عباسؓ مع دیگر صحابہ کرامؓ جہاد قسطنطنیہ میں شریک تھے۔ اور چند سال ان کی امارت حج میں مناسک حج بھی ادا کئے تھے اور اُن کی امامت میں نمازیں پڑھیں تھیں۔

بنی ہاشم اور اُموی خلافت :

تاریخی واقعات شاہد ہیں کہ ۴۰ھ میں ایک خارجی کے ہاتھ سے حضرت علیؓ کے مقتول ہو جانے کے بعد سے بنی ہاشم نے اپنے بنوالعم (بنوامیہ) کی خلافت کی بالفاظ دیگر اُن کی سیاسی قیادت کی خوشدلی کے ساتھ پوری پوری حمایت اور تائید کی۔ کسی قسم کی کوئی سیاسی یا نسلی و خاندانی مخالفت و مغائرت ان دونوں خانوادوں میں جو ایک ہی دادا کی اولاد تھے، ہرگز نہ تھی۔

جمل و صفین کی خانہ جنگیاں تو سب جانتے ہیں کہ سبائی گروہ کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھیں۔ سبائی لیڈر الاشتر نخعی اور اُس کے ساتھی آتش جنگ مشتعل کرنے والوں میں پیش پیش رہے۔ یہی لوگ ''المحرصین علی القتال'' تھے۔ (ص ۲۲۴ ج ۲، منہاج السنہ)

ان لوگوں کی تحریصوں کے برخلاف حضرت علیؓ کے بڑے صاحبزادے (حسنؓ) ہمیشہ اپنے والد ماجد اور چھوٹے بھائی (حسینؓ) کو جدال وقتال کے جھگڑوں میں پڑنے سے روکتے رہے اور صلح ومصالحت کا مشورہ دیتے رہے۔

وَكَذَلِكَ الْحَسَنُ كَانَ دَائِمًا يُشِيرُ عَلَى أَبِيهِ وَأَخِيهِ بِتَرْكِ الْقِتَالِ ، وَلَمَّا صَارَ الْأَمْرُ إِلَيْهِ تَرَكَ الْقِتَالَ ، وَأَصْلَحَ اللَّهُ بِهِ بَيْنَ الطَّائِفَتَيْنِ الْمُقْتَتِلَتَيْنِ . وَعَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي آخِرِ الْأَمْرِ تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّ الْمَصْلَحَةَ فِي تَرْكِ الْقِتَالِ أَعْظَمُ مِنْهَا فِي فِعْلِهِ.

(ص۲۴۳ ج۲ منہاج السنۃ ابن تیمیہ)

اور اسی طرح حسنؓ ہمیشہ اپنے والد اور بھائی کو جنگ و جدل کے ترک کرنے کا مشورہ دیتے تھے جب حکومت ان کے ہاتھ میں آئی انہوں نے جنگ ترک کردی اور اللہ تعالیٰ نے دونوں نبرد آزما گروہوں میں صلح اُن کے ذریعہ کرادی۔ (حضرت) علیؓ پر بھی یہ بات آخر الامر واضح ہوگئی تھی کہ جنگ ترک کردینے میں مصلحت (مفاد اُمت کی خاطر) اس سے بڑھ کر ہے کہ جدال وقتال جاری رہے۔

حضرت حسنؓ طبعاً جتھہ بندی سے متنفر اور صلح ومصالحت کے حامی تھے۔ لسان نبوی ﷺ سے اُن کے اقدامِ صلح کی پیش گوئی کی گئی اور اس اقدام کو مستحسن عمل فرمایا گیا۔ جس سے واضح ہے کہ صاحبِ شریعت علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے نزدیک اُمت کے متحارب گروہوں میں صلح ومصالحت کس درجہ پسندیدہ اور نصوص قرآنیہ کی متابعت میں مستحسن کام تھا۔

وَهَذَا يُبَيِّنُ أَنَّ الْإِصْلَاحَ بَيْنَ الطَّائِفَتَيْنِ كَانَ مَمْدُوحًا يُحِبُّهُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ ، وَأَنَّ مَا فَعَلَهُ الْحَسَنُ مِن ذَلِكَ كَانَ مِن أَعْظَمِ فَضَائِلِهِ وَمَنَاقِبِهِ الَّتِي أَثْنَى بِهَا عَلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ. وَلَو كَانَ الْقِتَالُ وَاجِبًا

اور اس (اظہار پسندیدگی سے) یہ واضح ہوتا ہے کہ (اُمت محمدیہ کے) دوگروہوں میں صلح ومصالحت اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے نزدیک کس درجہ پسندیدہ اور قابل مدح ہے۔ چنانچہ حسنؓ نے اس بارے میں جو عمل کیا وہ

أَو مُستَحَبًّا لَم يُثنِ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى أَحَدٍ بِتَركِ وَاجِبٍ أَو مُستَحَبٍّ.
(ص۱۴۲ ج ۲، منہاج السنۃ ابن تیمیہ)

اُن کے فضائل و مناقب میں بڑا درجہ رکھتا ہے جس کی نبی کریم ﷺ نے ستائش کی ہے اور اگر قتال و جدال واجب اور مستحب ہوتا تو نبی ﷺ واجب و مستحب فعل کے ترک کر دینے کی تعریف نہ فرماتے۔

حضرت حسنؓ کی یہ صلح ایک گروہ کو جیسا کہ ابتدائی اوراق میں اشارہ کیا گیا ہے، ناپسند تھی اور اسی وجہ سے وہ اُن کے یہاں مبغوض ہیں۔ علاوہ ازیں اکابر بنی ہاشم کے لئے نبی کریم ﷺ کے اسوۂ وعمل حسنہ کی مثالیں بھی اس خصوص میں شمع ہدایت تھی کہ اسلامی مملکت کے انتظامی و سیاسی امور کی انجام دہی کے لئے آپ ﷺ نے بنی اُمیہ کے افراد کو زیادہ منتخب و متعین فرمایا۔

عمّال نبوی ﷺ میں بھاری اکثریت اُموی بزرگوں ہی کی تھی۔ اور یہ اکثریت یقیناً ان حضرات کی فطری صلاحیت اور حسن کارکردگی کے اعتبار سے تھی۔ حضرت ابوسفیانؓ کو آنحضرت ﷺ نے نجران جیسے اہم سرحدی علاقہ کا حکمران مقرر کیا اور اُن کے بڑے صاحبزادے حضرت یزیدؓ کو تیمار کا۔ دیگر اُموی حضرات کو دوسرے علاقوں کا لیکن کسی ہاشمی بزرگ کا نام عمّالِ نبوی ﷺ کی فہرست میں شامل نہیں تھا۔ حالانکہ ان میں سے بعض حضرات نے نیز حضرت ابوذر غفاریؓ نے تقرری کی خواہش کا اظہار بھی کیا تھا مگر انتظامی امور کی صلاحیت کی بناء پر منظور نہیں فرمایا گیا۔ امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

وَكَانَ بَنُو أُمَيَّةَ أَكثَرَ القَبَائِلِ عمَّالا لِلنَّبِيِّ ﷺ، فَإِنَّهُ لما فتح مكة استعمل عليها عتّاب ابن أسيد بن أبي العاصي بن أُمَيَّةَ، وَاستَعمَلَ خَالِدُ بنُ سَعِيدِ بنِ العَاصِ بنِ أُمَيَّةَ، وَأَخَوَيهِ أَبان بن سَعِيدٍ وَسَعِيد بن سَعِيدٍ عَلَى أَعمَالٍ أُخر، وَاستَعمَلَ أبا سفيان بن حَربِ بنِ أُمَيَّةَ عَلَى نَجرَانَ أَوِ ابنَهُ يَزِيدَ، وَمَاتَ وَهُوَ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمال میں دوسرے قبیلوں و خاندانوں کی بہ نسبت بنی اُمیہ کے افراد اکثر و بیشتر تھے کیونکہ جب مکہ فتح ہوا آپ نے عتابؓ بن اسید بن ابی العاص بن اُمیہ کو وہاں کا عامل مقرر کیا اور خالدؓ بن سعید بن ابی العاص بن اُمیہ اور اُن کے دونوں بھائیوں ابانؓ وسعیدؓ کو دوسرے علاقوں کا عامل بنایا نیز ابو سفیانؓ اور اُن کے

عَلَيهَا ، وَصَاهَرَ نَبِيُّ اللّٰهُ ﷺ ببناته الثلاث لِبَنِي أُمَيَّةَ.
(ص ۱۴۵ ج ۲ منہاج السنۃ)

صاحبزادے یزیدؒ کو بھی عامل مقرر کیا۔ جب آپ ﷺ کی وفات ہوئی وہ اس منصب پر فائز تھے۔ نیز نبی ﷺ نے اپنی تین بیٹیوں کو بھی بنی اُمیہ میں بیاہا۔

ہاشمیوں کے سیاسی مسلک اور اُموی خلافت کی تائید وحمایت کی روشن مثال اس امر واقعہ سے ملتی ہے کہ حادثہ کربلا کے بعد جب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے والیوں اور ایجنٹوں نے امیر یزیدؒ کے خلاف مدینہ میں بغاوت کی آگ کے شعلے کچھ ایسی تندہی سے بھڑکائے کہ امیر المومنین کے قبیلہ بنی اُمیہ کے افراد کو بھی جلاوطن ہونے پر مجبور کر دیا گیا۔ اس پُر آشوب زمانہ میں ہاشمی خاندان نے یعنی عباسیوں، جعفریوں، عقیلیوں علویوں نے بشمول اولادِ حسنؓ وحسینؓ نہ صرف اس بغاوت سے قطعاً علیحدگی اختیار کی بلکہ امیر یزیدؒ کی بیعت پر مستقیم رہے۔ اور جو اتہامات امیر یزیدؒ پر شراب نوشی اور ترکِ صلوٰۃ کے لگائے گئے، اُس کی تردید وتکذیب کی بلکہ بعض افراد نے بنواُمیہ کے اہل وعیال کی حفاظت بھی کی۔ خاص کر حضرت علی بن الحسین (زین العابدین) نے۔

علامہ ابن کثیرؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے طرزِ عمل کی کیفیت لکھتے ہوئے کہ حضرت موصوف نے اپنے اہل خاندان کو خلیفہ یزیدؒ کی بیعت پر قائم رہنے اور بغاوت سے علیحدگی اختیار کرنے کی تاکید کی تھی۔ خاندان نبوت (بنی ہاشم) کے اکابر کے مؤقف کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

وكذلك لم يخلع يزيد احد من بنى عبدالمطلب وقد سئل محمد بن الحنفيه فى ذالك فامتنع من ذالك اشد الامتناع و ناظرهم و جادلهم فى يزيد و رد عليهم ما اتصموة من شرب الخمر و تركه بعض الصلوٰة۔
(ص ۲۱۸ ج۸ ، البدايه و النهايه)

اور اسی طرح بنوعبدالمطلب کے کسی ایک فرد نے بھی یزیدؒ کی بیعت نہ توڑی اور جب محمد بن علیؒ (الحنفیہ) سے اس بارے میں کہا گیا تو انہوں نے بہت سختی سے انکار کیا اور ان لوگوں سے بحث و مباحثہ کیا اور یزیدؒ کی موافقت میں اُن سے لڑے اور جو اتہامات شراب نوشی اور ترک صلوٰۃ کے لوگ لگاتے تھے ان کی تردید وتکذیب کی۔

غرض یہ کہ خاندان نبوت کے یہ سب افراد خلیفہ وقت کی بیعت پر مستقیم رہے۔ حضرت حسینؓ کے صاحبزادے اور ولی الدم امیر المومنین کی حمایت میں سب ہاشمیوں کے ساتھ تھے۔ باوجود طرح طرح کی سختیوں اور تخویف کے کسی ہاشمی نے امیر یزیدؒ کی بیعت کی مخالفت میں ابن زبیرؓ کی بیعت نہیں کی بلکہ متفق علیہ خلیفہ کے خلاف خروج و بغاوت کو ایسا غلط اقدام سمجھا گیا تھا کہ امیر موصوف کی وفات کے بعد جب ابن زبیرؓ کا عارضی تسلط حجاز پر ہو گیا تھا، حضرت ابن عباسؓ مع اپنے بھتیجے محمد بن علیؒ (الحنفیہ) مکہ سے طائف چلے گئے۔

کچھ عرصہ بعد جب اُن کا آخری وقت آپہنچا تو اپنے صاحبزادے (علی السجاد بن عبداللہ بن عباس) کو وصیت فرمائی کہ میری تدفین کے بعد ہی تم لوگ حجاز سے ترک سکونت کر کے اپنے بنوالعم (بنواُمیہ) کے پاس ملک شام چلے جانا۔ چنانچہ یہ حضرات قصبہ حمیمہ چلے گئے جو ملک شام وحجاز کا سرحدی مقام ہے۔

اسی طرح حضرت محمد بن علیؒ (الحنفیہ) بھی حجاز کی سکونت ترک کر کے سرحد شام کے مقام ایلہ چلے گئے۔ امیر المومنین عبدالملک اُموی کے تسلط کے زمانہ میں واپس آئے۔ ان واقعات کی تصریحات فتح الباری شرح صحیح البخاری (ج ۸ ص ۲۶۴۔۲۶۳) میں ملاحظہ ہوں۔

غرض یہ کہ خاندان نبوت (بنی ہاشم) اور خاندان خلافت (بنواُمیہ) میں بعد صلح حسنؓ و معاویہؓ کوئی سیاسی مخالفت یا کش مکش مطلق نہ تھی۔ حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول بھی فتح الباری (ج ۸ ص ۲۶۵) محدث التیمیؒ کی تصریح کے ساتھ موجود ہے کہ بنی اُمیہ نسباً بھی بنی ہاشم سے بہ نسبت بنی اسد (زبیریوں) کے اقرب ہیں، ان کی اطاعت اس لئے بھی ان کو محبوب و مرغوب تھی۔

حضرت حسینؓ کا امیر یزیدؒ سے بیعت نہ کرنا اور کوفی سبائیوں کی دعوت پر خروج کا اقدام اُن کا ذاتی اجتہاد اور انفرادی فعل تھا۔ یہ بھی واقعات سے ثابت ہے کہ ان دونوں بھائیوں (حسنؓ و حسینؓ) کی مزاجی کیفیت یکساں نہ تھی۔ دونوں کے نقطہ نظر میں نمایاں فرق تھا۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت حضرت حسنؓ کی عمر چھ سات[1] برس کی تھی۔ ان کے بارے میں آپ ﷺ نے پیشن گوئی

---

[1] کتاب المعارف ابن قتیبہ (ص ۶۹) میں یہ روایت بھی ہے کہ حسنؓ کی ولادت ۶ھ میں بعد غزوہ خیبر ہوئی نیز حضرت علیؓ و فاطمہؓ کی شادی کا بعد غزوہ اُحد ہونا بھی بعض روایتوں میں بیان ہوا ہے۔ اس اعتبار سے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت حسنؓ و حسینؓ بالترتیب ۴ اور ۳ برس کے ہوتے ہیں۔ غزوہ خیبر کے بعد کا لفظ شاید کتابت کی غلطی ہے۔

فرمائی تھی کہ مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں میں اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ صلح ومصالحت کرادیں گے۔ اس حدیث کے الفاظ اِنَّ ابنِي هَذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰهَ أَن يُصلِحَ بِهِ بِينَ فِئَتَينِ عَظِيمَتَينِ مِنَ المُسلِمِينَ (صحیح بخاری باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم للحسن بن علی، ح: ۲۷۰۴) کی صحت میں اگر شک وشبہ بھی کیا جائے تو حقائق تاریخ سے تو کسی کو بھی انکار نہیں ہوسکتا۔

حضرت حسنؓ ہمیشہ جتھہ بندی علیحدہ رہے اور صلح ومصالحت کے کوشاں۔ برخلاف اس کے اُن کے چھوٹے بھائی کے بچپن کا بھی ایک واقعہ خود اُن ہی کی زبانی اصحاب سیر تاریخ نے بیان کیا ہے۔ حضرت حسینؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمر فاروقؓ اپنے زمانہ خلافت میں جب مسجدِ نبوی کے منبر پر خطبہ دینے کھڑے ہوئے ہیں، میں نے اُن سے کہا آپ میرے نانا جان کے منبر سے اُتر جایئے اور اپنے باپ کے منبر پر چلے جایئے۔ اصحاب تاریخ وسیر نے اُن کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

فَقُلتُ: انزِل عَن مِنبَرِ أَبِي وَاذهَب اِلَى مِنبَرِ أَبِيكَ، فَقَالَ: اِنَّ أَبِي لَم يَكُن لَهُ مِنبَرٌ، فَأَقعَدَنِي مَعَهُ، فَلَمَّا نَزَلَ ذَهَبَ بِي اِلَى مَنزِلِهِ، فَقَالَ: أَيَّ بَنَيَّ، مَن عَلَّمَكَ هَذَا؟ قُلتُ: مَا عَلَّمَنِيهِ أَحَدٌ.

(ج۳ص۹، تاریخ الاسلام مؤلفہ شمس الدین ذہبی)

میں نے اُن سے (یعنی حضرت عمر فاروقؓ سے) کہا کہ میرے نانا کے منبر سے اُتر جاؤ اور اپنے والد کے منبر پر چلے جاؤ۔ (یہ سن کر) انہوں نے فرمایا کہ میرے باپ کا تو کوئی منبر نہیں ہے۔ پھر انہوں نے مجھ کو اپنے پاس ہی بٹھالیا۔ اور خطبہ تمام کرنے کے بعد جب منبر سے اُتر آئے اور اپنے گھر جانے لگے مجھے بھی ساتھ لیتے گئے اور مجھ سے دریافت کیا کہ اے بیٹے! یہ تو بتلاؤ کہ یہ بات تمہیں کس نے سکھلائی تھی؟ میں نے عرض کیا کسی نے بھی نہیں سکھائی۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت علیؓ نے امیر المومنین موصوف کے پاس آکر یقین دلایا تھا کہ یہ بات اُسے کسی نے نہیں سکھائی بلکہ خود اپنے دل سے کہی ہے۔

یہ واقعہ بچپن کے زمانہ کا ہے اور بچپن کی باتیں قابل لحاظ نہیں سمجھی جاتیں۔ لیکن اسی کے ساتھ نہج البلاغہ کے مشہور شارح ابن ابی الحدید نے حضرت معاویہؓ کے آخر عہد خلافت کا یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے جس کو ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف نے بھی ۵۴ھ کے وقائع کے سلسلے میں یعنی حضرت حسنؓ کی وفات کے چھ سال بعد کے حالات میں بیان کیا ہے۔ (ص ۸۲ ج از کتاب دوم ناسخ التواریخ مطبوعہ ایران) یعنی ابن ابی الحدید نے حضرت علیؓ کے اس قول کی شرح کرتے ہوئے کہ **آلة الریاسة سعة الصدر** یعنی سرداری وحکمرانی کا آلہ کار قلب کی وسعت ہوتا ہے، حضرت معاویہؓ کی مثال دی ہے اور لکھا ہے کہ **وکان معاویه واسع الصدر، کثیر الاحتمال وبذالک بلغ ما بلغ**۔ یعنی معاویہؓ بہت فراخ دل (وسیع القلب) اور نہایت درجہ بُردبار تھے اور ان ہی صفات کی بدولت وہ اس درجہ پر پہنچے جو ان کو حاصل تھا۔ پھر بعض واقعات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

کان مالا حمل من الیمن الیٰ معاویة فلما مرّ بالمدینة وثب علیه الحسین بن علیؓ فاخذه وقسمه فی اهل بیته و موالیه و کتب الی معاویة.
(شرح ابن ابی الحدید ج ۲ ص ۲۸۱ مطبوعہ ایران)

صوبہ یمن سے (جو مال عامل یمن نے خلیفہ کو بھیجا تھا) معاویہؓ کے پاس جا رہا تھا۔ جب (قافلہ) مدینہ سے گزرا، حسین بن علیؓ نے اُس پر قبضہ کرلیا اور اپنے عزیزوں اور موالیوں میں تقسیم کردیا۔ اور معاویہؓ کو خط کے ذریعہ اطلاع کردی۔

حضرت حسینؓ اور حضرت معاویہؓ کے ان مکتوبات کو شیعہ مؤرخین ومؤلفین نے بتمام و کمال نقل بھی کردیا ہے۔ حضرت معاویہؓ نے جواباً تحریر بھیجی، اس میں حضرت حسینؓ کو لکھا تھا۔

لان الوالی احق بالمال ثم علیه المخرج منه و ایم الله لو ترکت ذالک حتی صار الی لم ابخسک حصتک منه ولکنی قد ظننتُ یا ابن اخی ان فی راسک نزوة و بودی ان

کیونکہ والی کو اس کا سب سے زیادہ حق ہوتا ہے کہ مال (خراج وزکوٰۃ وغیرہ) کا وصول کرے اور پھر اس کو اپنے اختیارات سے خرچ کرے۔ اگر اس کو نہ لیتے اور میرے پاس آنے دیتے تو جو کچھ اس میں تمہارا حصہ

یکون ذالک فی زمانی فاعرف لک قدرک و اتجاوز عن ذالک ولکنی واللہ اتخوف ان تبتلی بمن لا ینظرک فواق ناقہ.

(ص ۹۸۲ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید و ناسخ التواریخ ج۲ ص ۸۲ از کتاب دوم مطبوعہ ایران)

نکلتا اس کی ادائیگی میں ہرگز دریغ نہ ہوتا لیکن اے میرے بھتیجے! میں یہ گمان کرتا ہوں کہ تمہارے دماغ میں حدّت و جوش بھرا ہے۔ میرے زمانے میں تو خیر ایسا عمل تم کر بھی گزرو کہ میں تمہاری قدر کرتا ہوں اور تمہاری ان باتوں سے درگزر کرسکتا ہوں لیکن واللہ مجھے خوف ہے کہ میرے بعد تمہارا معاملہ کسی ایسے سے نہ پڑ جائے جو تمہارا مطلق پاس ولحاظ نہ کرے۔

قطع نظر اس کے کہ ان شیعہ مؤرخین نے یہ مکاتیب صحیح صحیح نقل کئے ہیں یا حسب عادت کچھ کمی بیشی کردی ہے، نفس واقعہ کے بارے میں تو کوئی اختلاف نہیں۔ اسی قسم کے ایک اور واقعہ کے ایک اور واقعہ کے سلسلے میں جو قدیم ترین مؤرخ مؤلف ''اخبار الطّوال'' نیز شیعہ مؤرخین طبری، ناسخ التواریخ نے غالی راوی ابومخنف کی روایت سے بیان کیا ہے۔ جس کا ذکر اپنے محل پر آگے آتا ہے۔ مؤلف ناسخ التواریخ فرماتے ہیں:

حسین علیہ السلام کہ رتق وفتق امور مسلمانان از جانب خدائے خاص او بود آں اعمالِ (مال قافلہ) را ماخوذ داشت۔

(ص ۲۰۹ ج۲ از کتاب دوم، ناسخ التواریخ مطبوعہ ایران)

حسین علیہ السلام نے کہ مسلمانوں کے معاملات کا انتظام وانصرام خدائے تعالیٰ کی جانب سے خاص اُن کے سپرد تھا (قافلہ کے مال کو ماخوذ کرلیا تھا)۔

شیعہ مؤرخین کے بیان کردہ اس واقعہ کے ذکر کرنے سے جو حادثہ کربلا کے قدیم ترین راوی ابومخنف کی سند سے بیان ہوا ہے، راقم الحروف کا مقصد حضرت حسینؓ کے اس اجتہاد ونظریہ پر کسی تنقید ومحاکمہ کرنے کا نہیں کہ خلیفہ وحکمران وقت سے معاملہ رجوع کرنے یا اس کی اجازت حاصل

ہو جانے سے قبل کسی فرد اُمت کو خواہ وہ کیسی ہی اعلیٰ اور امتیازی حیثیت کیوں نہ رکھتا ہو، پبلک مال کی تقسیم کرنے کا جواز ہو سکتا ہے یا نہیں۔ بلکہ مقصود اعلیٰ اس واقعہ کے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ اُموی خلافت کی جانب سے بنی ہاشم خاص کر حضرت حسینؓ کے ساتھ کس درجہ مراعات کا سلوک ہوتا رہا۔ کسی کچھ ملاطفت و درگزر کا برتاؤ باوجود ایسے اقدام کے اُن کے ساتھ کیا جاتا رہا۔

ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف نے لکھا ہے کہ جب گورنر مدینہ نے یہ رپورٹ ارسال کی کہ عراق کے لوگ (بعد وفات حضرت حسنؓ) حضرت حسینؓ کے پاس زیادہ آجا رہے ہیں اور کسی فتنے کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ تو حضرت معاویہؓ نے جواباً لکھ بھیجا کہ حسینؓ سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے۔ حضرت معاویہؓ کی یہ درگزر طبیعت ثانیہ تھی۔ وہ طبعاً حد درجہ حلیم و کریم تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ اُن کو ''سید کریم'' فرمایا کرتے تھے۔

ثُمَّ مِنَ الْمَعْلُومِ مِن سِيرَةِ مُعَاوِيَةَ أَنَّهُ كَانَ مِن أَحلَمِ النَّاسِ ، وَأَصبَرِهِم عَلَى مَن يُؤذِيهِ ، وَأَعظَمِ النَّاسِ تَألِيفًا لِمَن يُعَادِيهِ .

(ج ۲ ص ۲۱۹ منہاج السنۃ)

(حضرت) معاویہؓ کی سیرت کے حالات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حد درجہ حلیم تھے اور جو کوئی اُن کو ایذا دیتا تھا وہ سب لوگوں سے زیادہ برداشت کرنے والے تھے اور جو کوئی اُن کی مخالفت اور دُشمنی کرتا وہ سب لوگوں سے زیادہ اس کی تالیف قلب کرتے۔

غیروں کے ساتھ جب یہ سلوک و برتاؤ تھا تو حضرت حسینؓ سے تو اُن کی قرابت قریب تھی۔ اُم المومنین حضرت اُم حبیبہؓ کے رشتہ سے وہ حضرت فاطمہؓ کے ماموں اور حضرت حسینؓ کے نانا ہوتے تھے۔ وہ اُن کو بہت عزیز رکھتے، حُسنِ سلوک سے پیش آتے جس کا ذکر ابتدائی اوراق میں ہو چکا۔

غالی مؤرخین کے یہ بیانات کہ بنی ہاشم و بنی اُمیہ میں پشتینی مخالفت تھی اور اُموی خلافت کے ایام میں بنی ہاشم سے ظالمانہ برتاؤ ہوتا رہا، قطعاً بے بنیاد اور پایہ اعتبار سے ساقط ہیں۔ البتہ یہ امر واقعہ ہے کہ حضرت حسینؓ نہیں چاہتے تھے کہ اُن کے بھائی خلافت کے بارے میں حضرت معاویہؓ سے صلح مصالحت کر لیں۔ لیکن جب بڑے بھائی نے سختی سے کہا تو اُن کے اتباع میں بیعت کی اور اُس پر مستقیم رہے۔

علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

فَلَمَّا آلَتِ الخلافة الى أخيه وأراد أن يصالح شقَّ ذَلِكَ عَلَيهِ وَلَم يُسَدِّد رَأيَ أَخِيهِ في ذلك ' بل حثّه على قتل أَهل الشَّام ' فَقَالَ لَهُ أَخُوهُ: وَاللّهِ لَقَد هَمَمتُ أَن أَسجُنَكَ فِي بيتٍ وَأُطبِقَ عَلَيكَ بَابَهُ حَتّى أَفرُغَ مِن هَذَا الشَّأنِ ثُمَّ أُخرِجَكَ. فَلَمَّا رَأَى الحُسَينُ ذَلِكَ سَكَتَ وَسَلَّمَ.

(ص۱۵۰ ج۵، البدایہ والنہایہ)

جب خلافت ان کے بھائی (حسنؓ) کو ملی انہوں نے مصالحت کرنے کا ارادہ کیا تو یہ بات (حسینؓ) کو شاق گزری اور اس بارے میں اپنے بھائی کی رائے کو درست نہ جانا بلکہ اہل شام (حضرت معاویہؓ وغیرہ) سے لڑائی کرنے پر زور دیا تو ان کے بھائی نے کہا کہ اللہ کی قسم تم کو میں گھر میں قید کردوں گا اور اس کا دروازہ تم پر بند کردوں گا یہاں تک کہ میں اس کام سے (یعنی صلح مصالحت سے) فراغت پاجاؤں اس کے بعد تمہیں نکلنے دوں گا۔ جب حضرت حسینؓ نے یہ حالت دیکھی تو خاموش رہے اور اُن کی پیروی کی۔

لیکن حضرت معاویہؓ سے بیعت کرنے کے بعد وہ دیگر بنی ہاشم کی طرح اُموی خلافت کے نہ صرف موید تھے بلکہ اُموی سپہ سالار کی قیادت میں مجاہدانہ سرگرمیوں میں شامل رہے۔ جہاد قسطنطنیہ کی شرکت کا تذکرہ ابتدائی اوراق میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ امیر یزیدؒ کے خلاف حضرت حسینؓ کا اقدام اُموی خلافت یا بنی اُمیہ کی دیرینہ مخالفت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ کوفی سبائی گروہ کی تحریص وترغیب اور اُن کی دراندازیوں کی بناء پر تھا۔

کوفی سبائیوں کی ریشہ دوانیاں :

مؤرخین نے ابومخنف قدیم راوی کی سند سے تفصیلاً لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد جب امیر یزیدؒ کی بیعت سے گریز کرکے فرار من بیعة یزید (ص۱۵۱، البدایہ) حضرت حسینؓ مدینہ سے مکہ تشریف لے آئے اور کوفی سبائیوں کو یہ حال معلوم ہوا تو اُن کی تحریرات اور وفود آنے لگے۔

وَقَدكَثُرَ وُرُودُ الكُتُبِ عَلَيهِ مِن بِلَادِ العِرَاقِ يَدعُونَهُ اِلَيهِم، وَجَعَلُوا يَستَحِثُّونَهُ وَيَستَقدِمُونَهُ عَلَيهِم، لِيُبَايِعُوهُ عِوَضًا عَن يَزِيدَ بنِ مُعَاوِيَةَ : وَيَذكُرُونَ فِي كُتُبِهِم أَنَّهُم فَرِحُوا بِمَوتِ مُعَاوِيَةَ.

(ص۱۵۱ج۸،البدایہ والنہایہ)

اُن کے (حسینؓ) پاس عراق کے علاقے سے کثرت سے خطوط آ گئے جن میں ان کو اپنے پاس چلے آنے کی دعوت دی گئی تھی اور ان تحریرات میں اُن کو تحریص بلانے کی کی گئی تھی کہ یزید بن معاویہؓ کے بجائے وہ اُن سے بیعت کرلیں گے۔ اور ان خطوط میں معاویہؓ کی موت پر خوشی کا اظہار کیا گیا تھا۔

مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان خطوط کا شمار سینکڑوں سے متجاوز تھا۔ بعض خطوط کے مضامین کو نقل بھی کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک خط کا مضمون جس کو علامہ ابن کثیرؒ کی تاریخ کے علاوہ ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف نے بھی درج کیا ہے، یہ تھا:

أما بعد فقد أخضرت الجنان وأينعت الثمار ولطمت الجِمَامُ، فَإِذَا شِئتَ فَاقدَم عَلَى جُندٍ لَكَ مجندة وَالسَّلَامُ عَلَيكَ.

(ص۱۵۱ج۸، البدایہ والنہایہ، درج ۶ ص۱۷۴ ناسخ التواریخ)

اما بعد۔ باغ و بوستان سرسبز ہو گئے ہیں۔ میوہ و پھل تیار ہیں۔ زمین میں سبزہ اُگ آیا ہے۔ اب موقع ہے کہ آپ اس فوج و لشکر کی جانب تشریف لے آئیں جو آپ کی خدمت کے لئے موجود و مستعد ہے۔

اسی مؤرخ کے بیان کے مطابق ڈیڑھ سو افراد جو کوفہ کے ممتاز لوگ تھے، سفر کر کے حضرت حسینؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن میں سے ہر شخص کے پاس دو دو تین تین مکاتیب و خطوط کوفیوں کے تھے جن میں حضرت حسینؓ کو کوفہ آنے کی اور بیعت خلافت لینے کی دعوت دی گئی تھی۔

(ص۱۷۵ج۶، ناسخ التواریخ)

اقدام خروج میں غلطی :

کردارِ خلیفہ میں کوئی خامی یا برائی ایسی نہ تھی کہ اس کے خروج کا جواز نکالا جا سکتا۔ زمانہ حال کے مؤرخ محمد الخضری حادثہ کربلا کے بارے میں اظہار تاسف کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اما الحسین فانه خالف علی یزید وقد بایعه الناس ولم یظهر منه ذالک الجور ولا الحسف عند اظهار هذا الخلاف.

(محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ ص ۲۳۵)

لیکن (حضرت) حسینؓ نے یزیدؒ کے خلاف قدم اُٹھایا حالانکہ تمام لوگ ان کی بیعت میں داخل ہوگئے تھے اور ان سے اس مخالفت کے وقت کسی ایسے ظلم و جور کا اظہار نہیں ہوا تھا (جو خروج کو جائز کر دیتا)۔

اسی مؤرخ نے اسی کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ:

فان الحسین احطاء خطا عظیما فی خروجه هذا الذی جر علی الامة وبال الفرقه والاختلاف و زعزع عما دالفتها الیٰ یومنا هذا.

(محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ ص ۲۴۵)

اور (حضرت) حسینؓ نے اپنے خروج میں بڑی خطا و غلطی کی جس سے اُمت میں اختلاف و افتراق کا وبال پڑا۔ اور آج کے دن تک محبت والفت کے ستون کو جھٹکا لگا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ حسینؓ کے لئے یہ بہتر تھا کہ وہ اپنی جگہ سے نہ ہلتے اور لوگوں کی طرح بیعت میں داخل ہو جاتے۔ **فان الجماعة خیر** کیونکہ جماعت کے ساتھ رہنا بہتر تھا۔ (ص ۱۶۳ ج ۸، البدایہ والنہایہ)

بزرگوں سے ردّ و قدح :

۴۸ھ میں حضرت حسنؓ نے وفات پائی۔ آپ تپ دق کے مہلک مرض میں فوت ہوئے تھے نہ کہ زہر خوانی سے جو محض غلط مشہور ہے[1]۔ اس وقت حضرت حسنؓ کے قریب ترین بزرگوں میں

---

[1] مرض الحسن اربعین یوماً (تاریخ الخمیس ج ۶ ص ۳۲۶) یعنی حسنؓ چالیس دن بیمار رہے، زہر کھا کر کوئی اتنی مدت زندہ نہیں رہ سکتا۔

دو ہم نام حضرات زندہ تھے یعنی عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن جعفر الطیّارؓ۔ اول الذکر حضرت علیؓ کے رشتہ سے حضرت حسینؓ کے چچا ہوتے تھے اور حضرت فاطمہؓ کے رشتہ سے اُن کے نانا۔ بیعت یزیدؒ کے زمانے میں یہی بزرگ خاندان تھے اور قبیلہ بنی ہاشم کے سردار۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا حضرت حسینؓ مدینہ سے مکہ آ کر اپنے ان ہی چچا اور بزرگ خاندان کے پاس مقیم ہوئے تھے۔ امیر یزیدؒ نے بھی معاملہ ان ہی سے رجوع کیا تھا۔ قاصد کے ذریعہ مراسلہ بھیج کر ان سے استدعا کی تھی کہ حسینؓ کو غلط اقدام سے منع کریں اور روکیں۔

دوسرے بزرگ حضرت عبداللہ بن جعفر الطیّارؓ نسبی رشتہ سے حضرت حسینؓ کے تایا زاد بڑے بھائی اور سیدہ زینبؓ کے شوہر ہونے سے بہنوئی بھی تھے۔ یہ دونوں بزرگ سن وصال میں حضرت حسینؓ سے نو دس برس بڑے تھے اور دونوں کو بدو شعور سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت خاص میں تعلیماتِ اسلامی و تزکیہ روحانی سے بہرہ مند ہونے کی سعادت اور منزلتِ صحابیت حاصل تھی۔ خصوصاً حضرت ابن عباسؓ کو کہ بچپن سے وہ اپنی حقیقی خالہ اُم المومنین حضرت میمونہ صلوات اللہ علیہا کے پاس رہتے، راتوں کو اُٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز تہجد ادا کرتے، وضو کا پانی لا کر رکھتے، خدمتیں کرتے اور ازدیاد علم کی دعائیں لیتے۔ اسی کی برکت تھی کہ حبرِ اُمت (اُمت کے بڑے عالم) ہوئے، ترجمان القرآن کہلائے اور بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، **فکان ابن عباسؓ من کبار اھل البیت و اعلمھم بتفاسیر القرآن۔** (ص ۱۱۸ ج ۲، منہاج السنۃ)

یعنی ابن عباسؓ اہل بیت نبوی ﷺ کے اکابر میں سے تھے اور ان سب میں تفاسیر قران کے سب سے بڑے عالم تھے۔ ایسے ذی مرتبت و اعلم و اعقل اہل زمانہ بزرگ نے جو متفق علیہ خلیفہ وقت کی بیعت میں خود بھی بطیّب خاطر داخل تھے اور دوسروں کو بھی جماعت سے وابستگی کی اور تفرقہ سے محترز رہنے کی ہدایت فرماتے، اولی الامر کی اطاعت اور اس کے خلاف خروج کے جواز و عدم جواز کے بارے میں احکامِ شریعت حضرت حسینؓ کو یقیناً اسی طرح بتائے اور سمجھائے جس طرح دوسروں کو بتاتے اور سمجھاتے تھے۔ کیونکہ یہ چھوٹے نواسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت پانچ ساڑھے پانچ برس کے اتنے صغیر السن[1] اور کم عمر تھے کہ ان کو اپنے مقدس اور ہادیٔ برحق نانا کے نہ حالات و معمولات

---

[1] حضرت علیؓ و حضرت فاطمہؓ کی شادی غزوہ احد کے بعد اور حضرت حسنؓ کی ولادت ۶ھ میں ہونے کی روایت کے اعتبار سے جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے، حضرت حسینؓ کی عمر رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت چار پانچ سال کی ہوتی ہے۔

کی کوئی بات یاد تھی نہ زبانِ مبارک سے سُنا ہوا اسلامی سیاست کے بارے میں آپ ﷺ کا کوئی ارشاد۔ حضرت ابن عباسؓ نے جو گفتگو اُن سے کی، جماعت سے وابستگی اور تفرقہ سے اجتناب پر جو نصیحتیں فرمائیں اُن کے بعض فقرات غالی راویوں کی روایتوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ جو اکثر و بیشتر مسخ صورت میں پیش کی گئی ہیں، بلکہ صریح غلط بیانیوں سے کام لیا گیا ہے۔ خاص کر ابومخنف لوط بن یحییٰ کی روایتوں میں جو مسلکاً غالی اور ضعیف الحدیث تھا (ص ۲۰۲ ج ۸، البدایہ والنہایہ) اور یہی تنہا اس قسم کی روایتوں کا راوی ہے اور بقول علامہ ابن کثیرؒ **عنده من هذه الاشياء ما ليس عند غيره** (ص ۲۰۲ ج ۸، البدایہ والنہایہ) یعنی اسی کے پاس اس قماش کی روایتیں ہیں اس کے سوائے کسی اور کے پاس نہیں ہیں۔

طبری نے اس قسم کی روایتوں ہی کو نہیں بلکہ اس غالی راوی اور مؤلف کے تمام تر مواد کو اپنی کتاب میں یکجا کر دیا اور اس طرح ان وضعی روایتوں کو اعتبار کا درجہ حاصل ہوتا گیا۔ لیکن ذرا غور کیا جائے تو ان وضعی روایتوں کی ملمع کاری کی قلعی پوری طرح کھل جاتی ہے۔ یہ موقع تفصیلی بحث کا نہیں۔ مثال کے طور پر ابومخنف کی اس غلط روایت کو لیجئے۔ معلوم ہے کہ حضرت حسینؓ مکہ میں اپنے چچا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس ایک ہی مقام اور ایک ہی گھر ''دارالعباس'' میں مقیم ہیں۔ مگر ابومخنف لکھتا ہے:

> ''عبداللہ بن عباسؓ نے حسینؓ کی روانگی کا ذکر (لوگوں کی زبانی) سُنا تو اُن کے پاس آئے اور کہا: اے ابن عم! لوگوں میں یہ کیا چرچا ہو رہا ہے کہ تم عراق کی طرف روانہ ہونے کو ہو۔ ذرا مجھ سے تو بیان کرو تم کیا کرنے کا قصد کر رہے ہو'' **خبرنی ما ترید ان تصنع**'' (طبری ص ۲۱۶ ج ۶)

پھر ان ہی ابن عباسؓ سے جو یزیدؒ سے بیعت خلافت کر چکے ہیں اور دوسروں کو بیعت کی ہدایت فرماتے ہیں؛ یہ کلمات منسوب کئے ہیں جو بقول ابومخنف انہوں نے دوسری ملاقات میں حضرت حسینؓ سے کہتے تھے:

''اگر تم کو اہل عراق بلاتے ہیں تو انہیں لکھ بھیجو کہ اپنے دشمن سے پیچھا چھڑا لیں (**فلینعوا اعدوهم**) اس کے بعد ان کے پاس جاؤ۔'' (ص ۲۱۷ ج ۶، طبری)

گویا اس غالی راوی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ پر یہ اتہام لگایا ہے کہ انہوں نے اہل عراق کو اس اولوالامر خلیفہ وقت کے خلاف بغاوت پر اُبھارنے کا مشورہ دیا تھا جس کی بیعت میں وہ خود بھی داخل تھے اور حسب احکام شریعت اس کی اطاعت اپنے اوپر لازم جانتے تھے۔

اس وضعی روایت کے مندرجہ بالا الفاظ کے بعد حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے حبر الامۃ (اُمت کے سب سے بڑے عالم) کی زبان سے متفق علیہ خلیفہ کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کا سارا منصوبہ بھی بیان کروادیا ہے۔ یعنی انہوں نے اپنے بھتیجے کو اپنی حکومت وخلافت قائم کرنے کے لئے مشورہ دیا۔

> ''اگر تم کو یہاں سے نکل جانا ہی منظور ہے تو یمن کی طرف چلے جاؤ۔ وہاں قلعے ہیں، گھاٹیاں ہیں، وہ ایک عریض وطویل ملک ہے۔ تمہارے والد کے طرف دار (شیعہ) وہاں موجود ہیں۔ تم سب لوگوں سے الگ تھلگ رہ کر اپنے لوگوں سے خط وکتابت کرو۔ اپنے داعیوں اور قاصدوں کو بھیجو۔ اس طریقہ سے مجھے اُمید ہے کہ جو بات تم کو محبوب ہے اور تم چاہتے ہو (یعنی حکومت وخلافت) وہ تمہیں امن وعافیت کے ساتھ حاصل ہوجائے گی۔'' (ص ۲۱۷ ج ۶، طبری)

اس صریح کذب بیانی کی پوری تکذیب حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور آپ کے اہل بیت کے مؤقف وطرزِ عمل سے ہوجاتی ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ خاندانِ بنی ہاشم کے تمام افراد خصوصاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ امیر یزیدؒ کی بیعت خلافت پر اس درجہ استقامت سے قائم رہے کہ سانحہ کربلا کے بعد بھی باغیان مدینہ کی طرح طرح کی کوششوں کے باوجود اُن میں سے کسی نے بھی بیعت فسخ نہیں کی۔ امیر یزیدؒ کی وفات کے بعد جب ابن زبیرؓ نے اپنی بیعت کے لئے زور دیا، دباؤ ڈالا، دھمکیاں دیں، ہاشمی خاندان نے اپنے بنوالعم (بنواُمیہ) کی سیاسی قیادت اور خلافت کی مخالفت کو مفادِ اُمت واتحاد ملت اور اسلامی سیاست کے حق میں مضر سمجھا اور کوئی قدم اُن کے خلاف نہ اُٹھایا۔

حضرت حسینؓ کے غلط اقدام کو صحیح ثابت کرنے کے لئے طرح طرح کی غلط بیانیوں سے کام لیا گیا ہے۔ ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف تو یہ بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ

نے حضرت حسینؓ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:

نصرت تو بر ذمت ایں امت چناں فرض است کہ نماز وزکوٰۃ۔۔سوگند بخدای اگر در راہ تو شمشیر زنم تا ہر دو دست من قطع شود ہنوز از حق تو آنچہ بر ذمت من ست ادا نہ کردہ باشم۔

(ص۱۷۰ج۶،از کتاب دوم ناسخ التواریخ)

اس اُمت پر تمہاری مدد کرنا اسی طرح فرض ہے جیسے نماز اور زکوٰۃ ۔۔۔قسم بخدا اگر تمہاری راہ میں تیغ زنی کروں یہاں تک کہ میرے دونوں ہاتھ کٹ جائیں تب بھی اس حق کو پورا ادا نہ کرسکوں گا جو تمہارا میرے ذمہ ہے۔

اس گروہ کے دوسرے راویوں کی غلط بیانیوں کی بھی یہی کیفیت ہے۔شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے ایک موقع پر لکھا ہے:

ان العلماء کلھم متفقون ان الکذب فی الرافضة اظھر منه فی سائر طوائف اھل القبلة۔

(ص۱۵منہاج السنہ)

تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ روافض میں کذب بیانی اہل قبلہ کے تمام گروہوں سے زیادہ اظہر ونمایاں ہے۔

مگر حق بات ہمیشہ ظاہر ہو کر رہتی ہے۔انہی راویوں کے بیان سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ خروج کی کارروائی کے مخالف تھے۔اُن کا بس چلتا تو حسینؓ کو بجبر روک لیتے۔ خود ابومخنف کی ایک روایت میں کہا گیا ہے کہ اُنہوں نے اپنے بھتیجے سے فرمایا:

واللہ الذی لااله الا ھو لو اعلم انك اذا اخذت بشعرك و ناحیتك حتی یجتمع علی و علیك الناس اطعتنی لفعلت ذالك۔

(ص۲۱۷ج۶،طبری)

قسم ہے وحدہ لاشریک کی کہ اگر میں سمجھتا کہ تمہارے مال اور گردن پکڑ کر روک لوں یعنی دست وگریباں ہو جاؤں یہاں تک کہ لوگ میرا تمہارا تماشہ دیکھنے جمع ہو جائیں اور تم میرا کہنا مان لوگے تو میں ایسا ہی کر گزرتا۔

طبری کے علاوہ دوسرے مؤرخین نے بھی اسی قسم کے کلمات کو بتغیر الفاظ لکھا ہے۔ مثلاً علامہ ابن کثیرؒ نشب یدی فی راسک لکھتے ہیں۔ جس کا مفہوم بھی یہی ہے کہ بجبر روک لوں۔ غرضیکہ چچا بھتیجے میں بحث ومباحثہ اور ردّ وقدح اسی بناء پر ہوئی تھی کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس خروج کے اصولاً مخالف تھے۔ اسی ردّ وقدح میں کہا جاتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے اپنے چچا سے کہا کہ آپ بہت بوڑھے ہوگئے ہیں، گویا سٹھیا گئے ہیں انک شیخ قد کبرت (ص۱۶۴ ج۹، البدایہ والنہایہ) مگر مفادِ اُمت کے علاوہ بھتیجے کی محبت، اُن کی اور اُن کے اہل وعیال کی سلامتی کا خیال مضطرب کئے ہوئے تھا۔ مجبوراً کہا اور عاقلانہ مشورہ دیا۔

فان کنت سائرا فلا تسر بنسائك و صبیتك فو الله انی الخائف ان تقتل کما قتل عثمانؓ و نساؤه و ولده ینظرون الیه۔

(ص۲۱۷ ج۶ طبری، ص۱۶۰ ج۸ البدایہ والنہایہ، ص۱۱۰ مقاتل الطالبین)

پس اگر تم (میری بات نہیں مانتے اور) جاتے ہو (تو اتنی بات مان لو) کہ اپنی خواتین اور اولاد کو ساتھ مت لے جاؤ۔ اللہ کی قسم مجھے خوف ہے کہ کہیں تم بھی اسی طرح قتل نہ ہو جاؤ جس طرح عثمانؓ کہ اُن کے بیوی بچے دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔

لیکن افسوس حضرت حسینؓ نے اپنے چچا کی یہ بات بھی نہ مانی۔ حالانکہ ان ہی راویوں نے بیان کیا ہے کہ وہ اُن کو اپنا ناصح مشفق جانتے تھے اور کہتے تھے: انی والله لا علم انک ناصح مشفق (ص۲۱۷ ج۶ طبری)۔

ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف نے تو حضرت حسینؓ کے یہ کلمات نقل کئے ہیں:

تو پسر عم پدر منی وہموار پدر مرا برای امر زرین واندیشہ متین درکار ہا متفق بودہ و ناصحی مشفق گشتہ۔

(ص۱۷۱ ج۶ از کتاب دوم)

آپ میرے والد کے چچیرے بھائی ہیں اور میرے والد ہمیشہ آپ کی وقیع رائے اور عمدہ خیال سے تمام کاموں میں متفق رہتے اور آپ ان کے ناصح مشفق تھے۔

ان ہی راویوں کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا وہ عاقلانہ مشورہ اُن کو اُس وقت یاد آیا جب کربلا میں خواتین کی گریہ کی آوازیں آئیں۔

قال الحسین لا یبعد الله ابن عباس فظننا انه انما قالها حین سمع بکاء هن لانه قد کان نها ان یخرج بهن.

(ص۲۴۲ ج۶ طبری۔ص۱۷۱ ج۸ البدایہ والنہایہ)

(حسینؓ) نے کہا۔ اللہ کی قسم ابن عباسؓ نے کیا صحیح بات کہی تھی۔ یہ الفاظ (حسینؓ) نے اس وقت کہے تھے جب اہل حرم کی گریہ و بکا سُنی۔ کیونکہ ابن عباسؓ نے اُن کو منع کیا تھا کہ بیبیوں کو ساتھ لے کر نہ جائیں۔

دوسرے بزرگ حضرت عبداللہ بن جعفر الطیّار تھے جو اس خروج کے شدید مخالف تھے۔ یہ مخالفت محض اس بناء پر نہ تھی کہ امیر المومنین یزیدؒ اُن کے داماد تھے بلکہ سیاسی اور مذہبی حیثیت سے اس اقدام کو ناجائز سمجھتے تھے۔ اس سلسلہ میں اُن کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اُن کی زوجہ سیدہ زینبؓ اپنے بھائی کی طرف دار تھیں اور اُن کی اولاد سے بڑی محبت کرتی تھیں۔ وہ اُن کا ساتھ چھوڑنا نہ چاہتی تھیں۔ ان دونوں میاں بیوی میں اس سبب سے ایسی ناچاقی پیدا ہوئی کہ نوبت علیحدگی تک پہنچ گئی۔ سیدہ زینبؓ سے علیحدگی کے بعد عبداللہ بن جعفرؓ نے اپنی سالی سیدہ اُم کلثومؓ سے جو اُس وقت بیوہ تھیں نکاح کرلیا۔ علامہ ابن حزمؒ اس نکاح کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''اُم کلثوم بنت علیؓ بن ابی طالب و بنت فاطمہؓ عمر فاروقؓ کے عقد میں تھیں۔ ان سے زید اور رقیہ دو اولادیں ہوئیں۔ اُن کے انتقال کے بعد عون بن جعفرؓ کے نکاح میں آئیں وہ وفات پا گئے تو محمد بن جعفرؓ سے عقد ہوا۔ اُن کے فوت ہو جانے کے بعد عبداللہ بن جعفرؓ نے نکاح کیا۔''

ثم خلف علیها بعده عبدالله بن جعفر ابن ابی طالب بعد طلاقه لاختها زینب.

(جمہرۃ الانساب ابن حزم ص۲۲)

ان کے بعد عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کی زوجیت میں اُن کی بہن زینب کو طلاق دے دینے کے بعد آئیں۔

سیدہ زینبؓ کے بطن سے حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کی دو اولادیں تھیں ایک فرزند علی جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے داماد تھے اور دوسری صاحبزادی اُم کلثوم جن کو حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے اپنے بھتیجے قاسم بن محمد بن جعفرؓ کے عقد میں دیا تھا۔ اُن کے فوت ہو جانے پر حجاج بن یوسف نے نکاح کیا تھا۔ (جمہرۃ الانساب ابن حزم ص ۶۱)

حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے اپنے صاحبزادے علی کو جو علی الزینبی کہلاتے تھے اور صاحب نسل ہیں اپنی والدہ زینبؓ کے ساتھ حسینی قافلہ میں شامل نہ ہونے دیا تھا۔ ان کے جو دو بیٹے عون و محمد جو دوسری بیویوں سے تھے، ایک دوسرے واقعہ کے سلسلے میں جس کا ذکر آتا ہے قافلے کے ساتھ جانے پر مجبور ہوئے۔ غالی راویوں نے حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کے اقدام خروج کی مخالفت کو چھپانے کے لئے روائتیں وضع کی ہیں۔ جن کا ذکر آئندہ اوراق میں حسینی قافلہ کی روانگی کے سلسلہ میں ملاحظہ ہو۔

تذبذب و تحقیق مزید :

کچھ تو عزیزوں، ہمدردوں اور بزرگوں کی ان گفتگوؤں اور نصیحتوں کے اثر سے اور کچھ اپنے والد ماجد اور برادرِ بزرگ کے واقعات پر غور کرنے سے حضرت حسینؓ کو عراقیوں اور کوفیوں کے قول وقرار پر کامل اعتماد نہ تھا۔ کبھی ارادہ کرتے تھے کہ ان لوگوں کے پاس چلے جائیں اور کبھی خیال کرتے تھے کہ اُن سے دُور ہی رہیں۔ مرة يريد ان يسير اليهم و مرة يجمع الاقامة عنهم . (ص ۱۶۱، البدایہ والنہایہ)

اطمینان مزید کے لئے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیلؓ کو جو دوسرے رشتہ سے بہنوئی بھی تھے، تحقیق حال کے لئے کوفہ بھیجا اور ہدایت کی کہ کوفیوں کو اپنے قول وقرار پر مستحکم پانا تو ہمیں لکھ دینا ورنہ واپس چلے آنا۔ وان تكن الاخرى فعجل الانصراف (ص ۲۴۴، اخبار الطّوال)۔ مسلم بن عقیلؓ کو شروع ہی سے اپنے مشن کی کامیابی کا یقین تھا۔ قدیم راوی ابومخنف کا بیان ہے کہ مسلم نے اثنائے راہ میں ایک شخص کو شکار کھیلتے دیکھا۔ جب اُس نے ہرن کو تیر مار کر شکار کر لیا، اُنہوں نے اس واقعہ سے شگون لیا اور کہا کہ ان شاء اللہ دشمن ہمارا مارا جائے گا۔ فقال مسلم يقتل عدونا ان شاء الله۔ (ص ۱۹۹، طبری)

مسلم بن عقیلؓ کے کوفہ پہنچنے کے بعد لوگوں نے حضرت حسینؓ کی خلافت کے لئے اُن کے ہاتھ پر بیعت کرنی شروع کیں اور قسمیں کھائیں کہ اس کام میں ان کی مدد اور نصرت کے لئے اپنی جانوں اور اپنے اموال سے بھی دریغ نہ کریں گے۔

فبایعوہ علیٰ امرۃ الحسین و حلفوا لینصرنہ بانفسھم و اموالھم۔

(ص۱۵۲ ج۸، البدایہ والنہایہ)

طبری اور دیگر مؤرخین کا بیان ہے کہ مسلم نے اہل کوفہ کی آمادگی کا یہ حال دیکھ کر حضرت حسینؓ کو حسب ذیل تحریر ارسال کی۔

اما بعد فان الرائدلا یکذب اھلہ وقد بایعنی من اھل الکوفۃ ثمانیۃ عشر الفاء، فعجل الاقبال حین یاتیك کتابی، فان الناس کلھم معك، لیس لھم فی آل معاویہ رای ولا ھوی، والسلام۔

(ص ۲۱۱ ج٦، طبری)

اما بعد۔ پیغامبر اپنے لوگوں سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ مجھ سے آپ کے لئے اٹھارہ ہزار اہل کوفہ نے بیعت کر لی ہے۔ میرے خط کو دیکھتے ہی آپ جلدی اس طرف روانہ ہو جائیں کیونکہ سب لوگ آپ کے ساتھ ہیں۔ آل معاویہ (یعنی امیر یزید سے) ان کو کچھ مطلب نہیں نہ وہ ان کی خواہش رکھتے ہیں۔

اُس زمانہ میں کوفہ کے والی رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی حضرت نعمان بن بشیر انصاریؓ تھے۔ اُن کو جب ان لوگوں کی باغیانہ سرگرمیوں کا حال معلوم ہوا تو اختلاف اور فتنہ وفساد سے باز رکھنے کے لئے فہمائش کی۔

أَمِيرَالكُوفَةِ النُّعمَانَ بنَ بشير خَطَبَ النَّاس وَنَهَاهُم عَن الِاختِلَافِ وَالفِتنَةِ، وَأَمَرَهُم بِالِائتِلَافِ وَالسُّنَّةِ، وَقَالَ: إِنِّي لَا أُقَاتِلُ مَن لَايُقَاتِلُنِي، وَلَا أَثِبُ عَلَى

امیر کوفہ نعمان بن بشیرؓ نے لوگوں کے سامنے تقریر کی اور اُن کو اختلاف وفتنہ وفساد سے منع کیا اور اتحاد واتفاق اور سُنت کی پیروی کا حکم دیا اور فرمایا کہ جو مجھ سے نہ لڑے میں اُس

مَـن لَا يَثِبُ عَلِيَّ ، وَلَا آخُذُكُم بِالظِّنَّةِ ، وَلَـكِن وَاللَّهِ الَّذِي لَا الَّا هَو لَئِن فَارَقتُم وَنَكَثتُم بَيعَتَهُ لَأُقَاتِلَنَّكُم مَا دَامَ فِي يَدِي مِن سَيفِي قَائِمَتُهُ.

(ص ۱۵۲ ت ۸، البداية و النهاية)

سے نہ لڑوں گا جو مجھ پر حملہ نہ کرے میں اُس پر حملہ نہ کروں گا۔ اور کسی پر تم میں سے میں بدظنی نہ کروں گا۔ لیکن قسم وحدہ لاشریک کی اگر تم لوگ اپنے امام (خلیفہ یزیدؒ) سے برگشتہ ہوگئے اور بیعت ان کی فسخ کروگے تو میرے ہاتھ میں جب تک تلوار قائم رہے میں تم سے قتال کرتا رہوں گا۔

بایں ہمہ لوگوں کی باغیانہ سرگرمیاں بڑھتی گئیں۔ حضرت نعمانؓ صورت حال پر پوری طرح قابو نہ پاسکے۔ خلیفہ وقت نے مجبوراً امیر بصرہ عبیداللہ بن زیاد کو کوفہ کی حالت درست کرنے کے لئے امور و متعین کیا اور بصرہ کی حکومت کے ساتھ کوفہ کی تولیت بھی عارضی طور پر سپرد کردی۔ چنانچہ عبیداللہ بن زیاد نے بہ عجلت تمام چند سرداران قبائل کی معیت میں کوفہ پہنچ کر مسلم کے میزبان کو گرفتار کرلیا۔

مسلم کا عاجلانہ حملہ اور ناکامی :

مسلم نے اپنے میزبان ہانی بن عروہ کو قید سے چھڑانے اور عبیداللہ کا قلع قمع کرنے لئے اپنے مبایعین کو جن کی تعداد چالیس ہزار بیان کی گئی ہے، مجتمع کیا ''یا منصور امت'' شعار (Watch Word) قرار دے کر فوجی قاعدہ سے اُنہیں مرتب کیا۔

فعقد لعبد الرحمن بن كريز الكندى على كنده وربيعه، وعقد لمسلم بن عوسجة على مذحج واسد، وعقد لأبي ثمامة الصيداوى على تميم وهمدان، وعقد للعباس بن جعدة بن هبيرة على قريش والانصار، فتقدموا

پس (مسلم نے) عبدالرحمٰن بن کریز کندی کو قبیلہ کندہ و ربیعہ پر مقرر کیا اور مسلم بن عوسجہ کو مذحج و اسد پر اور ابوثمامہ صیداوی کو تمیم و ہمدان پر اور عباس بن جعدہ بن ہبیرہ کو قریش اور انصار پر متعین کیا۔ اور یہ سب لشکر قصر امارت کی طرف بڑھا اور اس کو گھیر لیا اور

جـميعا حتى أحاطوا بالقصر ' واتبعهم هـو فـي بقية الناس. وتحصن عبيدالله بـن زيـاد فـي الـقـصـر مع من حضـر مجلسه في ذلك اليوم من اشراف اهل الـكـوفة والأعـوان والشـرط ' وكـانوا مقدار مائتي رجل.

(ص ۳۵۲ ' اخبارالطوال)

ان کے بقیہ لوگ بھی پہنچ گئے۔ عبیداللہ بن زیاد مع ان لوگوں کے جو اس وقت ان کی مجلس میں موجود تھے جن میں اہل کوفہ کے ممتاز لوگ ان کے اعوان اور پولیس کے لوگ تھے ان سب کی تعداد دوسو اشخاص سے زیادہ نہ تھی، محصور ہو گئے۔

ان ہی راویوں کا بیان ہے کہ عبیداللہ بن زیاد کی فرمائش پر اشراف اہل کوفہ نے جو قصر میں موجود تھے اپنے لوگوں کو جو مسلم کے لشکر میں شامل ہو کر قصر کا احاطہ کئے ہوئے تھے، فتنہ وفساد کے نتائج بد سے ڈرایا اور کہا:

يـا اهـل الـكـوفة اتقوا الله ولا تتعجلوا الـفتـنة ولا تشـقوا عصا هذه الامة ولا تـوردوا علىٰ انفسكم خيول الشام فقد ذقتموهم و جربتم شوكتهم۔

(ص ۳۵۲ ' اخبارالطوال)

اے کوفہ والو! اللہ سے ڈرو اور فتنہ وفساد کو نہ بھڑکاؤ اور اس اُمت کے اتحاد و اتفاق کو ٹکڑے ٹکڑے مت کرو اور اپنی جانوں پر شام کی افواج کو حملہ کرنے کے لئے مت آنے دو جن کا ذائقہ تم چکھ چکے ہو اور جن کی حرب وضرب کا تم تجربہ کر چکے ہو۔

ان باتوں کو سُن کر اور قوی آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ خود ابن زیاد کی تقریر کے الفاظ سن کر جس میں اطاعت امیر کے وجوب اور خروج و بغاوت کی ممانعت کے بارے میں احکام شریعت بیان کئے گئے تھے، لوگوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ جو لوگ قصر امارت کو گھیرے ہوئے تھے اُن کے اعزہ و اقرباء آن آن کر اُن کو ہٹانے اور اپنے ساتھ واپس لے جانے لگے۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ:

وتـجـيء المراءة الى ابنها و زوجها و اخيها فتعلق به حتى يرجع۔

(ص ۳۵۲ ' اخبارالطوال)

عورتیں بھی اپنے بیٹوں، شوہروں اور بھائیوں کے پاس پہنچیں اور ہٹ جانے کے لئے منتیں کرتی رہیں یہاں تک کہ لوٹا لے گئیں۔

غرضیکہ چالیس ہزار یا اٹھارہ ہزار یا بارہ ہزار کی فوجی جمعیت چند گھنٹوں میں ایسی منتشر ہوئی کہ آخر میں مسلم تن تنہا رہ گئے۔ گرفتار ہو کر بغاوت کی پاداش نیز قصر امارت پر لشکر کشی اور گورنر اور اس کے ساتھیوں پر نیز پولیس پر جو گرفتار کرنے گئی تھی، تلوار چلانے کی سزا میں قتل کئے گئے۔ اُن کے جرم کی نوعیت ایسی تھی کہ اگر سزا نہ دی جاتی تو کوئی حکومت یا اُس کا عامل ملک کے نظم و نسق کو ہرگز قائم و برقرار نہیں رکھ سکتا تھا۔ قتل کئے جانے سے پہلے اُنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ماموں اور فاتح ایران حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے فرزند عمر بن سعدؓ امیر عسکر کو بوجہ قرابت کے وصیت کی کہ ایک ہزار دینار جو مجھ پر قرض ہے اس کو ادا کرنا، میری لاش کی تدفین کرنا، اور حضرت حسینؓ کے پاس قاصد بھیج کر ان سب حالات سے مطلع کر دینا اور کہلوا دینا کہ وہ یہاں آنے کا قصد نہ کریں راستہ ہی سے لوٹ جائیں کیونکہ کوفہ کے لوگ بڑے غدار ہیں۔ مؤرخین نے ان کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

وابعث الى الحسين بن على رسولا قاصدا من قبلك، يعلمه حالي، وما صرت اليه من غدر هؤلاء الذين يزعمون انهم شيعته، واخبره بما كان من نكثهم بعد ان بايعني منهم ثمانية عشر الف رجل، لينصرف الى حرم اللّٰه، فيقيم به، ولا يغتر باهل الكوفه.

(ص ٣٥٤ اخبار الطّوال)

حسین بن علیؓ کے پاس تم اپنی طرف سے قاصد بھیج دینا جو اُن سے میرا یہ سب حال بتائے جو ان لوگوں کی غداری کی وجہ سے ہوا جو اپنے آپ کو شیعہ کہتے تھے۔ وہ ان کو یہ بھی اطلاع دیدے کہ ان لوگوں میں سے جن اٹھارہ ہزار اشخاص نے میرے ہاتھ پر اُن کیلئے بیعت کی تھی وہ اپنی بیعت سے ہٹ گئے ہیں لہذا وہ حرم اللہ (مکّہ معظّمہ) ہی کو واپس لوٹ جائیں اور وہیں مقیم رہیں اور اہل کوفہ پر غرّہ نہ کریں اور ان کے دھوکے میں نہ آئیں۔

عمر بن سعدؓ نے مسلم بن عقیلؓ کی وصیتوں کی پوری تعمیل کی۔ مؤرخین کی تصریحات سے یہ بھی ثابت ہے کہ ابن زیاد نے حضرت حسینؓ کو مسلم بن عقیلؓ کا پیغام قاصد کے ذریعے پہنچانے میں کسی قسم

کی رکاوٹ ڈالنے کی بجائے عمر بن سعدؓ کو اجازت دی۔ فاجاز ذالک کلہ (ص ۱۵۷ ج ۸، البدایہ والنہایہ) اور کہا اگر حسینؓ یہاں نہ آئیں اور لوٹ جائیں تو ہمیں اُن سے کوئی تعرض نہیں۔

کوفہ کو روانگی :

اپنے معتمد نمائندے مسلم بن عقیلؓ کی کوفہ سے یہ رپورٹ موصول ہو جانے کے بعد کہ یہاں کے سب لوگ بیعت اطاعت کرنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔ اٹھارہ ہزار میرے ہاتھ پر بیعت بھی کر چکے ہیں، حضرت حسینؓ کو کوفیوں کی وفاداری و جاں نثاری کے بارے میں کوئی شبہ و تذبذب باقی نہ رہا، عزم سفر مصمم ہو گیا۔ دار العباس سے اُٹھ کر شہر کے باہر پڑاؤ ڈالا۔ سامان سفر اور اسلحہ کی درستگی ہونے لگی۔ ابو مخنف و ہشام کلبی جیسے قدیم غالی رایوں نے عراقی شاعر فرزدق کا یہ قول نقل کیا ہے جو اُن ہی ایام میں عراق سے فریضۂ حج کی ادائیگی کیلئے مکہ پہنچا تھا:

دخلت الحرم فِي أيام الحج ' وَذَلِكَ فِي سنة ستين ' اذ لقيت الحُسَين بن علي خارجا مِن مَكَّةَ مَعَهُ أسيافه وتراسه' فقلت: لمن هَذَا القطار؟ فقيل: للحسين بن علي.

(ص ۲۱۸ ج ٦ تاريخ الطبرى)

میں جب حرم میں داخل ہوا اور یہ ایام حج کے تھے اور ۶۰ھ کا واقعہ ہے کہ میں نے حسین بن علیؓ کو مکہ کے باہر پایا۔ تلواریں اور ڈھالیں اُن کے ساتھ تھیں میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ قطار (اونٹوں کی) کس کے ساتھ ہے تو بتایا کہ حسین بن علیؓ کے ساتھ ہے۔

فرزدق کے بیان میں اس کی تو تصریح نہیں کہ یہ واقعہ ماہ ذی الحجہ کی کون سی تاریخ کا تھا لیکن راویوں نے تاریخ روانگی ۸ ذی الحجہ بتائی ہے اور اسی کو اکثر مؤرخین نے نقل کر دیا ہے۔ برخلاف ان کے علامہ ابن کثیرؒ نے ۱۰ ذی الحجہ بیان کی ہے اور لکھا ہے کہ:

فَخَرَجَ مُتَوَجِّهًا اِلى العِرَاقِ في أَهلِ بَيتِهِ وَسِتِّينَ شَيخًا مِن أَهل الكُوفَةِ وَذَلِكَ يَومَ الِاثنَينِ في عَشرِ ذِي الحِجَّةِ سَنَةَ سِتِّينَ.

(البداية و النهاية)

پس (حسینؓ) اپنے اہل خاندان اور ساٹھ کوفی اشخاص کی معیت میں (مکہ سے) اہل کوفہ کے پاس پہنچ جانے کیلئے روانہ ہو گئے اور ان کی روانگی کی تاریخ ماہ ذی الحجہ کی دسویں تھی اور دن پیر کا تھا۔

معمولی حالات میں تاریخ روانگی میں ایک دو دن کا فرق قابل لحاظ نہ ہوتا۔لیکن یوم حج سے ایک دن پہلے حضرت حسینؓ اور اُن کے سب ساتھیوں کا جن کی تعداد ۱۰۰ نفوس کے لگ بھگ تھی، فریضہ حج ترک کر کے مسافت بعیدہ پر یکا یک چل پڑنا ضرور استعجاب کا موجب تھا یا ہوسکتا ہے کہ فرزدق شاعر سے ایک سوال منسوب کر کے غالی راویوں کی حضرت حسینؓ کے منہ سے تعجیل سفر کی وجہ یہ بیان کرانا مقصود ہو:

مَا أَعجَلَكَ عَنِ الحَجِّ ؟
فَقَالَ: لَو لَم أَعجَل لَأُخِذتُ.
(ص ۱۶۷ ج ۸ البدایۃ والنہایۃ)

(سوال فرزدق): ایسی کیا جلدی ہے کہ آپ فریضہ حج چھوڑ کر جا رہے ہیں؟
(جواب حسینؓ): میں ایسی جلدی نہ کرتا تو گرفتار کرلیا جاتا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ تعجیل سفر کی جو وجہ بیان کرائی گئی ہے آیا وہ صحیح اور قابل قیاس ہے یا نہیں۔اس خصوص میں مندرجہ ذیل امور توجہ طلب ہیں:

اولاً: حضرت حسینؓ اور اُن کے اعزاء اقرباء اور ساتھیوں کا غیر مرعوب کردار تو سب پر روشن ہے۔ان ہی راویوں نے تفصیلاً بیان کیا ہے کہ یہ سب حضرات کس استقلال اور بسالت سے اپنی بات اپنی آن پر قائم رہے حتیٰ کہ اپنی عزیز جانوں کو عزت نفس کی خاطر قربان کر دینے میں بھی کچھ باک نہ ہوا۔ ایسے بے باک بہادروں کو اتنا کمزور طبع کون کہہ سکتا ہے کہ گرفتاری کے خوف سے فریضہ حج بھی ترک کر دیتے۔خصوصاً ایسی حالت میں کہ جب مناسکِ حج کی ادائیگی کیلئے کچھ زیادہ وقفہ بھی نہ تھا، صرف ایک رات ہی تو درمیان میں تھی۔

ثانیاً: جملہ مؤرخین متفق البیان ہیں کہ حضرت حسینؓ پورے چار مہینے اور چند دن مکہ معظّمہ میں قیام پذیر رہے۔یعنی ماہ شعبان، رمضان، شوال و ذی قعدہ نیز ماہ ذی الحجہ کے چند ابتدائی ایام اور اس تمام عرصے میں کوفیوں کے صدہا خطوط، بیسیوں وفود اور سینکڑوں اشخاص عراق سے اُن کے پاس آتے جاتے اور بیعت اطاعت کے حلف اُٹھاتے رہے۔ساٹھ کوفی معیت میں چلنے کے انتظار میں ٹھہرے رہے جو بعد میں اُن کے قافلے کے ساتھ روانہ ہوئے۔ان تمام حالات سے حکومت باخبر تھی بایں ہمہ اُن کے

خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی، نہ عراقیوں کو اُن کے پاس آنے جانے سے روکا گیا۔ نہ خط و کتابت پر کوئی سنسر بٹھایا گیا اور نہ کوئی پابندی عائد کی گئی۔

ثالثاً: حکومت چاہتی تو ان چار ماہ کے دوران جب مکہ معظّمہ میں کسی مذہبی تقریب سے کوئی خاص اژدہام نہ ہوا تھا، شہر کی محدود آبادی اپنے معمول پر تھی، عامل مکہ کو بھیج کر بآسانی اُن کے خلاف کارروائی کی جاسکتی تھی۔ مگر حکومت کے کسی تشدد کا کوئی ثبوت اوراق تاریخ میں نہیں پایا جاتا۔

رابعاً: جبر و تشدد کے بجائے اُن کے ساتھ نرمی اور ملاطفت و مفاہمت کا برتاؤ ہوتا رہا۔ جیسا کہ سابق میں ضمناً ذکر ہو چکا۔ خود امیر المومنین نے حضرت حسینؓ کے عم محترم اور بزرگ خاندان حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو تحریراً متوجہ کیا کہ اپنے بھتیجے کو سمجھائیں۔ کیونکہ عراق کے لوگ ان کے پاس زیادہ آجا رہے ہیں اور حصولِ خلافت پر آمادہ کر رہے ہیں۔

خامساً: جب اس چار ماہ کی مدت میں حکومت کی جانب سے کوئی کارروائی اُن کے خلاف نہیں کی گئی تو پھر کیونکر باور کیا جاسکتا ہے کہ ایام حج خصوصاً ایام ترویہ میں کہ اس دن سے حج کے ابتدائی مراسم شروع ہو جاتے ہیں، حدود حرم کے اندر جہاں لاکھوں مسلمانوں کا عظیم اجتماع موجود ہو، حضرت حسینؓ جیسی ممتاز و محبوب ہستی کی گرفتاری کا کہ جن کی ذات سے ہر مسلمان کے جذبات محبت قدرتاً وابستہ ہوں، کوئی اقدام اس مقام پر کیا جان ممکن ہوسکتا تھا جس کی تقدیس اور حرمت کا جذبہ زمانہ جاہلیت سے عرب کے بچے بچے کی طبیعت ثانیہ تھا۔

زمانہ اسلام میں تو حدود حرم کے بارے میں صریح احکام شریعت ہر کس و ناکس پر ہویدا اور مبرہن تھے۔ باوجود اس کے اگر کوئی حکمران یا اُس کا والی ایسے احمقانہ اقدام کی جسارت کر بھی بیٹھتا تو یقیناً و حتماً اس کی حکومت کا تختہ اُلٹ دیئے جانے میں دیر نہ لگتی۔ اور اس طرح جس مقصد کے حصول کیلئے یہ کوفی اور عراقی حضرت حسینؓ کو عراق تشریف لے جانے پر آمادہ کر رہے تھے وہ مقصد دشوار گزار اور طویل سفر کی صعوبتیں اُٹھائے بغیر سرزمین حجاز ہی میں بہ سہولت اور بآسانی حاصل ہو جاتا۔ اور اگر کردار خلیفہ میں ایسی کوئی بُرائی تھی کہ اُس کو معزول کرنا یا اُس کے خلاف خروج کرنا احکام شریعت کے اعتبار سے جائز تھا جیسا کہ کذابین باور کرانا چاہتے ہیں تو اس کا بہترین موقع مکہ معظّمہ میں تھا جہاں مملکت اسلامی کے گوشہ گوشہ سے دیندار مسلمانوں کا اجتماع عظیم موجود تھا نہ کہ صحرا و بیاباں کی تیس منزلیں طے کر کے کوفہ میں جہاں کے لوگوں کی غداری کا تجربہ اُن کے والد اور دادا بزرگ کو پہلے ہی ہو چکا تھا۔

غرضیکہ تعجیل سفر کی جو وجہ ان راویوں نے بیان کی ہے، کسی طرح بھی قابل پذیرائی نہیں۔ بلکہ قوی آثار سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت حسینؓ اور اُن کے ساتھی بعد ادائے حج کوفہ کو روانہ ہوئے۔

سانحہ کربلا کے قدیم اور مشہور راوی اور مؤلف کتاب ''مقتل حسین بن علیؓ ''یعنی ابو مخنف لوط بن یحییٰ الکوفی الازدی المتوفی ۱۷۵ھ کی بیان کردہ ایک روایت سے جس کو متعدد مؤرخین نے نقل کیا ہے، روانگی کوفہ کی صحیح تاریخ کے تعین کا مزید ثبوت بہم پہنچتا ہے۔

تاریخ روانگی کوفہ کا مزید ثبوت :

واضح رہے کہ جزیرۃ العرب کے جنوبی صوبہ یمن میں علاقہ نجران بھی شامل ہے۔ حجاز و نجد وغیرہ کی بہ نسبت یمن میں پارچہ بافی کی صنعت کو قدیم الایام سے بہت فروغ تھا۔ ۹ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس علاقہ کے محاصل واخماس کی تحصیل وتقسیم کے لئے حضرت علیؓ کو صحابہؓ کی ایک جماعت کی معیت میں متعین کیا تھا۔ کار مفوضہ کی انجام دہی کے بعد وہ مع قافلہ اموال حج کے ایام میں مکہ معظّمہ پہنچے تھے اور حجۃ الوداع میں شریک ہوئے تھے۔ (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو کتاب مغازی صحیح بخاری۔ نیز اسد الغابہ جز اوّل ص ۷۶ ومسند احمد بن حنبل جز ۵ ص ۳۵۸۔۳۵۱) اسی کے اتباع میں یمنی علاقہ کے محاصل واخماس قافلہ کے ذریعہ سال تمام پر اس اہتمام اور پروگرام سے مستقر خلافت بھیجے جاتے کہ یمنی قافلہ ایام حج میں مکہ معظّمہ پہنچ جاتا اور اہل قافلہ حج ادا کرنے کے بعد مدینہ منورہ حاضر ہوتے یا خلیفہ کے مستقر (دمشق) جا کر یہ اموال اور کاغذات حساب عامل بیت المال وخلیفہ وقت کو پیش کر دیتے۔ محاصل واموال میں یمنی چادریں، حلّے و پوشاکیں ودیگر اشیاء نفیسہ ہوتیں۔ علاقہ نجران کے عیسائی وفد نے مباہلہ سے انکار کے بعد جو معاہدہ صلح عہد نبوی ﷺ میں کیا تھا اُس میں دیگر شرائط کے علاوہ دو ہزار حلّے سالانہ پیش کرنے کی شرط بھی شامل تھی۔

دیگر کتب تاریخ وسیر علاوہ مؤرخ مسعودی نے بھی لکھا ہے:

وصار الیہ فی ھذہ السنۃ السید والعاقب وافدا اھل نجران یسالانہ الصلح ، فصالحھما عن اھل نجران علی الفی حلۃ فی السنۃ وغیر ذلک.

(ص ۲۷۵ التنبیہ والاشراف مطبوعہ بریل ۱۸۹۴ء)

اس سنہ (یعنی ۹ھ) میں اہالیان نجران کی جانب سے (ان کے مذہبی سرداروں نے جو) السید اور العاقب (کہلاتے تھے) اہل نجران کی طرف سے وفد لیکر آئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آپ ﷺ سے معاہدہ صلح کے بارے میں عرض کریں۔ پس آپ ﷺ نے اُن کے ذریعہ اہل نجران کی طرف سے دو ہزار حلّے سالانہ کی ادائیگی پر معاہدہ صلح کیا اس میں دیگر شرطیں بھی تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے خلیفہ بلافصل اور امام اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تجدید معاہدہ میں ادائے جزیہ کا ان الفاظ میں اظہار کیا تھا: **وعلیھم النصح والاصلاح فیما علیھم من الحق** (تاریخ الطبری) یعنی ان پر جو واجب ہے ٹھیک ٹھیک ادا کرتے رہیں۔ چنانچہ اہل نجران (عیسائی اور یہودی وغیرہ) جن کی آبادی عرصے تک اس علاقہ میں رہی تھی اور ان ہی میں مشہور مفسد و منافق ابن سبا بھی تھا۔ معاہدہ کے مطابق اموال جزیہ میں حلّے (پوشاکیں) برد یمانی و دیگر اشیاء نفیسہ برابر ادا کرتے رہے جن کو عامل یمن مع دیگر محاصل و اخماس کے خلیفہ وقت کو سال تمام پر ارسال کیا کرتا تھا۔

ان توضیحی کلمات کے بعد اب وہ روایت ملاحظہ ہو جسے سانحہ کربلا کے اولین راوی و مؤلف ''مقتل حسین بن علیؓ'' نے بیان کیا ہے اور قدیم مؤرخین خاص کر طبری نے بغیر کسی تنقید کے اس طور سے نقل کر دیا ہے جس پر نقل را چہ عقل کی مثال صادق آتی ہے۔

یہی روایت دیگر کتب تاریخ الطّوال ابوالفدا، ابن اثیر وابن کثیر وغیرہ میں بھی درج ہے جسے ناسخ التواریخ کے مؤلف نے ان الفاظ میں درج کیا ہے:

چون حسین علیہ السلام از مکہ بیرون شد و چند میل طے مسافت فرمود بہ منزل تنعیم رسید کاروانے رانگریست کہ مبلغ بر دیمانی و پارہ درس وبعضے اشیاء نفیسہ حمل میداد واین جملہ را بحرین بن یسار حمیری کہ عامل یمن بود بنزدیک یزید انفاذ داشتہ بود، حسین علیہ السلام کہ رتق وفتق امور مسلمانان از جانب خدائے خاص اوبود آں اموال را ماخوذ برداشت وشتر بانان را فرمود اگر خواہید باما سفر عراق میکنید وشتران خود را بہای کری از مامی ستانید واگر نہ بہای کری تاایں جا کہ حمل دادہ اید بگیرید و باز شوید جماعتے ملازمت رکاب آنحضرت اختیار کردند وگروہے بہای کرمی بگرفتند باز شدند۔

(ص ۲۹ ج ۶ از کتاب دوم ناسخ التواریخ مطبوعہ ایران)

جب حسین علیہ السلام مکہ سے باہر نکلے اور چند میل مسافت طے فرمائی اور تنعیم کی منزل پر پہنچے ایک قافلہ پر نظر پڑی جو یمنی چادروں کی ایک تعداد کچھ درس (خوشبوئیں) اور کچھ نفیس اشیاء لے جارہا تھا اور ان سب کو بحیر بن یسار حمیری نے جو یمن کا عامل تھا یزید کے پاس ارسال کیا تھا۔ حسین علیہ السلام نے کہ مسلمانوں کے امور کا انتظام و انصرام خدائے تعالیٰ کی جانب سے ان سے مخصوص تھا ان اموال کو ماخوذ کرلیا اور اونٹ والوں سے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو ہمارے ساتھ عراق کے سفر پر چلو اور اپنے اونٹوں کا کرایہ ہم سے لے لو ورنہ یہاں تک کی باربرداری کا جو کرایہ ہوتا ہے وہ لے لو۔ شتربانوں کی ایک جماعت نے آنحضرت کی معیت میں چلنا اختیار کیا اور ان کے ایک گروہ نے اپنے کرایہ کی رقم لے لی اور لوٹ گئے۔[1]

---

[1] یہ واقعہ امیر المومنین یزیدؒ کے زمام خلافت ہاتھ میں لے لینے کے تقریباً پانچ ماہ بعد کا ہے اور اس سے ثابت ہے کہ جمیع اقطاع مملکت اسلامیہ میں متفق علیہ خلیفہ کا حکم نافذ تھا۔

مؤرخین میں سے کسی نے بھی ابومخنف یا سانحہ کربلا کے دیگر راویوں کے بیانات کو نقد و روایت کی میزان سے جانچنے کی زحمت گوارا نہیں کی اور بے چون و چرا نقل کرتے رہے۔ مقام تنعیم اور راہ کوفہ (جس کی پہلی منزل بستان ابن عامر ہے) یہ دونوں قطعاً مخالف سمت میں واقع ہیں۔

یمن سے جو قافلہ مکہ سے گزر کر دمشق جا رہا تھا وہ بھی اسی تنعیم کے مقام سے ہوتا ہوا جا سکتا تھا جو کوفہ کے راستے سے بالکل مخالف سمت میں ہے۔ بالفاظ دیگر مکہ سے جو شخص تنعیم کی راہ اختیار کرے وہ کوفہ کی راہ سے نہیں بلکہ مدینہ اور دمشق کے راستے پر سفر کرے گا اور جو کوفہ کی راہ چلے وہ ہرگز تنعیم نہیں پہنچ سکتا الّا یہ کہ مکہ سے چار میل چل کر تنعیم جائے اور وہاں سے لوٹ کر واپس مکہ آئے اور پھر دوسری سمت میں کوفہ کے راستے پر جائے۔ لیکن حضرات مؤرخین نے ابومخنف کی یہ روایت نقل کر دی کہ حج سے ایک دن پہلے یوم ترویہ کو حضرت حسینؓ جب کوفہ کے سفر پر مکہ سے روانہ ہوئے اور تنعیم کے مقام پر پہنچے یمنی قافلہ پر نظر پڑی جو امیر المومنین یزیدؒ کے پاس یمن کے عامل کا بھیجا ہوا جا رہا تھا۔ آپ نے اس کو ماخوذ کر لیا۔ جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا کسی شخص کا سفر کوفہ پر روانہ ہو جانے کے بعد تنعیم کے مقام پر پہنچ جانا ممکن الوقوع نہیں۔

مگر ان مؤرخین کے ارشادات ذرا ملاحظہ ہوں۔ مؤلف اخبار الطّوال لکھتے ہیں:

ولما فصل الحسين بن علي من مكة سائرا، وقد وصل الى التنعيم لحق عيرا مقبلة من اليمن، عليهما ورس وحناء، ينطلق به الى يزيد بن معاوية، فأخذها وما عليها. وقال لأصحاب الابل: من أحب منكم ان يسير معنا الى العراق اوفيناه كراه.

(ص ۲۵۸ اخبار الطّوال)

جب حسین بن علیؓ سفر پر جاتے ہوئے مکہ سے علیحدہ ہوئے اور تنعیم کے مقام پر پہنچے انہیں ایک قافلہ یمن سے آتا ہوا ملا۔ جس پر ورس اور حنا لدا تھا اور یہ (مال) یزید بن معاویہ کے پاس جا رہا تھا۔ آپ نے اُس کو ماخوذ کر لیا اور جو مال تھا اس کو لے لیا اور اونٹ والوں سے کہا کہ جو تم میں سے ہمارے ساتھ عراق چلنا پسند کرے اُس کو وہاں تک کا کرایہ ملے گا۔

ابن جریر طبری علامہ وقت تھے لیکن روایت پرستی کی بناء پر یا اپنے خاص مسلک کی وجہ سے ابومخنف کی کتاب کا شاید کُل مواد بغیر کسی تنقید کے نقل کر دیا ہے۔ ان علامہ زماں کا ارشاد ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

ان الحسين أقبل حَتّى مر بالتنعيم، فلقي بِهَا عيرا قَد أقبل بِهَا من اليمن، بعث بِهَا بحير بن ريسان الحميري الَى يَزِيد بن مُعَاوِيَة، وَكَانَ عامله على اليمن وعلى العمير الورس والحلل ينطلق بِهَا الَى يَزِيد مُعَاوِيَةفأخذها الحُسَين، فانطلق بِهَا، [ثُمَّ قَالَ لأَصحَاب الابل: لا أكرهكم، من أحب أن يمضي معنا الَى العراق (الى آخره)

(ص ۲۱۸ ج ٦، تاریخ الطبری)

جب حسینؓ (سفر عراق پر) روانہ ہوئے پہاڑوں تک کہ مقام تنعیم پر پہنچے تو ایک قافلہ ملا جو یمن سے آرہا تھا اور جسے بحیر بن ریسان حمیری نے یزید بن معاویہ کے پاس بھیجا تھا وہ اُن کا عامل یمن تھا اور اس قافلہ کے پاس ورس اور حلّے (پوشاکیں) تھیں جو یزید بن معاویہ کے پاس بھیجے جارہے تھے۔ حسینؓ نے (قافلہ کو) ماخوذ کرلیا اور وہ سب چیزیں لے لیں اور اونٹ والوں سے کہا کہ میں کسی پر جبر نہیں کرتا تم میں سے جو کوئی میرے ساتھ عراق چلے (اس کو کرایہ دیا جائے گا)۔

اب ایک اور علامہ وقت، مؤرخ ومحدث (ابن کثیرؒ) کا ارشاد بھی ملاحظہ ہو جنہوں نے ایک موقع پر یہ بھی فرمایا کہ ابومخنف کی روایتیں قابل اعتبار نہیں لیکن ابن جریر طبری جیسے ائمہ نے چونکہ ان کو درج کر دیا ہے اس لئے ہم بھی نقل کئے دیتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ابن جریر طبری کی مندرجہ بالا روایت کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''جب حضرت حسینؓ سفر کوفہ پر روانہ ہوئے اور تنعیم کے مقام پر پہنچے اُن کو عامل یمن بحیر بن زیاد الحمیری کا بھیجا ہوا قافلہ ملا جس پر ''درس وحلل کثیرہ'' یعنی خوشبوئیں اور کثیر تعداد میں پوشاکیں تھیں اور یہ سب سامان یزیدؒ بن معاویہؓ کے پاس جارہا تھا، اس کو حضرت حسینؓ نے لے لیا۔ واستاجر اصحاب الجمال علیہا الی الکوفۃ رفع علیہم اجرتہم (یعنی اونٹ والوں کو کوفہ تک سامان لے جانے کو کرایہ پر کیا اور اُجرتیں بھی ادا کر دیں)۔

یمن کے صدر مقام صنعاء سے مکہ معظّمہ کی مسافت ۲۱ دن کی ہے۔ (ص۱۶۶ ج۸، البدایہ والنہایہ)

من مكة الى صنعاء احدى و عشرون مرحلة. (ص۱۰۳ کتاب البلدان یعقوبی مطبوعہ ۱۸۶۰ء)

یعنی قافلہ اکیس دن کی مسافت طے کرنے کے بعد جب ایام حج میں مکہ معظّمہ وارد ہوا تو اہل قافلہ کو جن عامل یمن کے فرستادہ اہلکار بھی شامل تھے جو اموال بیت المال کو بحفاظت خلیفہ وقت کے پاس لے کر جا رہے تھے۔ ایسا کیا خوف دامنگیر تھا کہ حج سے ایک رات پہلے یوم الترویہ کو مکہ سے نکل کر مضافاتِ شہر میں تنعیم کے مقام پر پہنچ جاتے جو مدینہ کے راستے میں مکہ سے چار میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ واقعاتی شہادت سے حتماً ثابت ہے کہ حسب معمول و دستور قدیم یمنی قافلہ بعد ادائے حج دمشق کو براہ مدینہ منورہ جاتے ہوئے مقام تنعیم سے گزرا۔ اور اگر ماخوذی قافلہ کی یہ روایت صحیح اور قابل وثوق ہے تو ظاہر ہے کہ حضرت حسینؓ کے کوفہ کے سفر پر روانہ ہونے کی تاریخ بھی حج کے بعد ہی کی یعنی ایام التشریق میں سے ۱۰ تا ۱۱ ذی الحجہ کی قرار دینا انسب اور قرین صحت ہوگا۔

مقام تنعیم کا محل وقوع ذیل کے خاکے سے واضح ہوگا۔

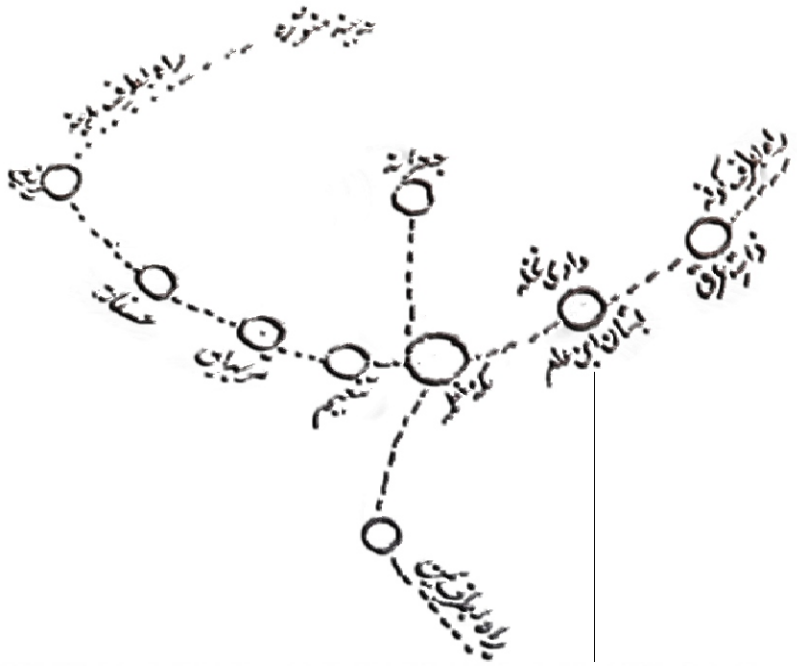

تنعیم کا مقام آج بھی موجود ہے اور مکہ سے بطرف راہ مدینہ عسفان جاتے ہوئے چار میل کے فاصلہ پر یہ مقام آتا ہے۔ عمرہ کے لئے یہیں سے احرام باندھتے ہیں۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ صلوات اللہ علیہا کا اس مقام پر احرام باندھنا کتب سیر میں مذکور ہے اور ایک مسجد بھی مسجد عائشہؓ نام کی یہاں اب تک موجود ہے۔ یاقوت حموی نے مقام تنعیم کا ذکر اپنی معجم البلدان میں اس طرح کیا ہے:

التَّنعيمُ : موضع بمكة في الحل ' وهو بين مكة وسرف' على فرسخين من مكة وقيل على أربعة' وسمي بذلك لأن جبلا عن يمينه يقال له نعيم وآخر عن شماله يقال له ناعم' والوادي نعمان وبالتنعيم مساجد حول مسجد عائشة وسقايا على طريق المدينة' منه يحرم المكيون بالعمرة.

(ص۴۱۶ج۲' معجم البلدان یاقوت حموی مطبوعۃ ۱۹۷۰ء)

تنعیم مکہ میں ایک موضع ہے جو سفر کی منزل ہے، اُترنے کا مقام ہے اور مکہ وسرف کے درمیان دو فرسخ یا چار فرسخ ہے اور اس نام سے موسوم اسلئے ہے کہ دو پہاڑ ہیں ایک داہنی طرف جس کو نعیم کہتے ہیں اور ایک وادی نعمان ہے۔ تنعیم میں مساجد ہیں جو مسجد عائشہؓ کے گرد ہیں اور یہاں پینے کے پانی کے مقامات راہ مدینہ پر ہیں۔ اہل مکہ عمرہ کیلئے یہیں سے احرام باندھتے ہیں۔

یاقوت حموی کے علاوہ دیگر متعدد مؤلفین کتب بلدان وجغرافیہ نیز مسلم وغیر مسلم سیاحوں نے اس مقام کا ذکر کیا ہے اور اس کا محل وقوع اسی راستہ پر بتایا ہے جو مکہ سے مدینہ کو ساحلی علاقہ سے متصل جاتا ہے۔ مشہور سیاح ابن بطوطہ جن کا گزر مکہ سے مدینہ جاتے ہوئے اس مقام پر ہوا تھا، اپنے رحلہ (جزواول) میں تنعیم کا بیان ان الفاظ میں کرتے ہیں:

التنعيم وهو على فرسخ من مكة و منه يعتم اهل مكة هو ادنى الحل الى الحرام ومنه اعتمرت ام المومنين عائشه رضى الله عنها حين بعثها

التنعیم۔ مکہ سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر یہ (مقام) ہے اور یہیں سے اہل مکہ احرام باندھتے ہیں اور یہ حدود حرم سے قریب ترین فرودگاہ ہے اور یہیں سے اُم المومنین عائشہؓ

رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم تسلیماً فی حجۃ الوداع مع اخیھا عبدالرحمن رضی اللّٰہ عنہ وامرہ ان یعمرھا من التنعیم وبینت ھنالک مساجد ثلاثۃ علی الطریق انتسب کلھا الی عائشۃ رضی اللّٰہ عنھا وطریق التنعیم طریق فسیح (الی آخرہ)

(ص۸۸ رحلۃ ابن بطوطۃ مطبوعۃ مصر)

رضی اللہ عنہا نے اُس وقت احرام باندھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو حجۃ الوداع میں اُن کے بھائی عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے ساتھ ادائے حج کیلئے بھیجا تھا اور حکم دیا تھا کہ وہ تنعیم کے مقام سے احرام باندھیں۔ یہاں تین مسجدیں راستہ پر تعمیر ہوئیں جو سب حضرت عائشہؓ سے منسوب ہیں۔ تنعیم کا راستہ کشادہ راستہ ہے۔ (الی آخرہ)

ابن بطوطہ نے اسی کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ تنعیم کے راستہ میں ہر دو جانب باغات اور بازار ہیں اور اہل مکہ سیر وتفریح کے لئے اکثر وہاں جاتے ہیں۔ سر رچرڈ برٹن جنہوں نے ایک صدی پہلے ۱۸۵۳ء میں حرمین شریفین کا سفر کر کے دو جلدوں میں اپنا سفر نامہ مکمل کیا تھا۔ جلد دوم میں اس مقام کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اہل مکہ اسی مقام پر احرام باندھتے ہیں اسلئے تنعیم کو العمرہ بھی کہتے ہیں۔ اس کے نواح میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خالہ اُم المومنین حضرت میمونہؓ زوجہ مطہرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر ہے۔ لوگ کثرت سے فاتحہ خوانی کو جاتے ہیں۔ مکہ کے باشندے تنعیم میں پکنک کے لئے جایا کرتے ہیں۔ (حاشیہ ص۲۴۳ سفر نامہ رچرڈ برٹن)

لیڈن یونیورسٹی کے پروفیسر ہرگونج نے اپنی تالیف ''مکہ انیسویں صدی میں'' تنعیم کا تذکرہ کرتے ہوئے برٹن کے اس قول کی تائید مزید کی کہ اہل مکہ تنعیم کے مقام پر احرام باندھتے ہیں۔ اس لئے اس کو العمرہ بھی کہتے ہیں۔ (ص۴۵)

زمانہ حال کے ہندی عالم اور محقق ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے غزوات نبی کریم ﷺ کے سلسلہ میں تاریخی مقامات کی تحقیق موقع پر جا کر کی ہے اور اس سلسلے میں تنعیم کا محل وقوع بھی راہ مکہ و مدینہ میں اسی مقام پر دکھایا ہے جو مندرجہ بالا خاکہ میں ہے۔ دیگر متعدد سیاحوں کے بیانات کا حوالہ بخوف طوالت ترک کیا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا تصریحات سے راویوں کے اس بیان کی تغلیط وتکذیب ہوجاتی ہے کہ حضرت حسینؓ قبل حج سفر کوفہ پر روانہ ہوئے اور سفر شروع کرتے ہوئے مقام تنعیم پر پہنچے۔ یمنی قافلہ کو جو امیر المومنین یزیدؒ کے پاس جارہا تھا ماخوذ کیا اور شُتر بانانِ قافلہ کو اپنے ساتھ عراق لیتے گئے۔

مؤرخین نے اسی ابومخنف کے حوالے سے ایسی روایتیں بھی اپنی تالیفات میں درج کی ہیں جن سے گویا اس بات کا اظہار مقصود ہے کہ حضرت حسینؓ نے قبل روانگی ارکان حج کلیتہً ترک بھی نہیں کئے تھے۔ ترویہ کے دن بعد نماز ظہر بیت اللہ کا طواف کیا۔ صفا ومروہ کے درمیان دوڑے، بال کتروائے یعنی عمرہ (حج صغیر) سے فارغ ہوکر سفر پر روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھیوں کے عمرہ کرنے کا البتہ کوئی ذکر روایت میں نہیں ہے۔ کوفہ کے دو اسدیوں کی زبانی یہ روایت بیان کی گئی ہے:

خَرَجنَا حَاجِّينَ مِنَ الكُوفَةِ حَتَّى قَدِمنَا مَكَّةَ فَدَخَلنَا يَومَ التَّروِيَةِ ، فَإِذَا نَحنُ بِالحُسَينِ وَعَبدِاللّٰهِ بنِ الزُّبَيرِ . إِنَّهُمَا أَخفَيَا كَلَامَهُمَا دُونَنَا ، فَمَا زَالَا يَتَنَاجَيَانِ ، حَتَّى سَمِعنَا دُعَاءَ النَّاسِ رَائِحِينَ مُتَوَجِّهِينَ إِلَى مِنًى عِندَ الظَّهِيرَةِ. قَالَا: فَطَافَ الحُسَينُ بِالبَيتِ وَبَينَ الصَّفَا وَالمَروَةِ ، وَقَصَّرَ مِن شِعرِهِ ، وَحَلَّ مِن عُمرَتِهِ ، ثُمَّ تَوَجَّهَ نَحوَ الكُوفَةِ، وَتَوَجَّهنَا نَحنُ مَعَ النَّاسِ إِلَى مِنًى.

(ص۱۶۶ ج۸، البدایہ والنہایہ: ص۲۱۷ ج۶، طبری)

حج کرنے کے لئے ہم لوگ کوفہ سے چلے یہاں تک کہ مکہ پہنچے اور ترویہ کے دن حرم میں داخل ہوئے۔ تو ہم نے حسینؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کو آپس میں باتیں کرتے ہوئے دیکھا۔ ہمارے اُن کے قریب پہنچنے پر وہ چپکے چپکے باتیں کرتے اور برابر سرگوشی کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ہم نے ظہر کے وقت سُنا کہ لوگوں کو منیٰ کی طرف چلنے کو بلایا گیا پس حسینؓ نے بیت اللہ کا طواف کیا۔ صفاو مروہ کے درمیان دوڑے، بال ترشوائے، عمرہ سے فارغ ہوئے پھر وہ تو کوفہ کی جانب چلے گئے اور ہم ان لوگوں کی طرف جو منیٰ کو جارہے تھے۔

اب اگر ابومخنف کی اس روایت کو بھی صحیح مان لیا جائے کہ ترویہ کے دن عمرہ سے فارغ ہوکر قافلوں کی روانگی کے عام دستور کے خلاف صبح صادق کے بجائے شام کے وقت حضرت موصوف مسافت بعیدہ پر روانہ ہوئے تو یہ سوال پھر بھی حل طلب باقی رہتا ہے کہ مکہ سے جانب مشرق کوفہ کو جاتے ہوئے وہ تنعیم کے مقام پر جو بجانب غرب راہِ کوفہ پر نہیں بلکہ راہ مدینہ و دمشق آتا ہے کیونکر پہنچ گئے اور یمنی قافلے کو جو حج کے بعد کم از کم دس ذی الحجہ کو مدینہ و دمشق کی راہ جاتے ہوئے تنعیم سے گزرتا، دو دن پہلے کیسے ماخوذ کرلیا۔ اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو حضرت حسینؓ کا ۸ ذی الحجہ کو تنعیم پہنچنا اور یمنی قافلہ کو اُسی دن ماخوذ کرلینا صحیح نہیں یا پھر وہ بھی ۸ کے بجائے ۱۰ ذی الحجہ کو جیسا کہ علامہ ابن کثیرؒ نے صراحتاً لکھا ہے، کوفہ روانہ ہوئے۔

پس اگر سرکاری قافلہ کے ماخوذ کرنے کی روایت صحیح ہے جیسا کہ جملہ مؤرخین اخبار الطّوال، طبری، ابوالفداء، ابن اثیر و ابن کثیر وغیرہم نے نیز ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف نے بھی صراحتاً بیان کیا ہے تو ظاہر ہے کہ روانگی کوفہ کے وقت ہی تنعیم کے مقابلہ پر جس کا فاصلہ آپ کے پڑاؤ بیرون شہر سے تین چار میل سے زیادہ نہ تھا یہ قافلہ بآسانی ماخوذ کیا جاسکتا تھا۔ فرزدق[1] شاعر کے کلام سے بھی ایسا ہی مترشح ہوتا ہے۔ ان مؤرخین نے یہ قول بھی اس کا نقل کیا ہے کہ حج ادا کرنے کے بعد میں اپنے اہل وعیال کے پاس عسفان چلا گیا تھا۔ عسفان جانے کا راستہ تنعیم سے ہوکر ہے۔ فرزدق نے اپنے ایک شعر میں یہ بھی بتایا ہے کہ حضرت حسینؓ سے اس کی ملاقات ارض الصفاح پر جس وقت ہوئی تھی اُن کے پاس ''پوشاکیں اور ڈھالیں'' تھیں۔ مقام الصفاح وادی حنین اور انصاب الحرم (قرب حدود حرم) کے درمیان مشاش سے مضافات مکہ میں داخل ہوتے ہوئے آتا ہے۔

---

[1] فرزدق بن غالب صعصعہ بن ناجیہ کا خسراعین بن صعصعہ جو رشتہ میں اس کا چچا بھی تھا، حضرت عثمانؓ کے قاتلین میں شامل تھا۔ (اعان علی قتل عثمانؓ ص ۲۱۹ جمہرہ ابن حزم)۔ فرزوق اور اس کا بھائی انطل کہ وہ بھی شاعر تھا سبائی پارٹی کے لوگ تھے۔ اس کے بیٹے لبطہ سبطہ اور خبط بھی اسی قماش کے تھے۔ لبطہ تو ابراہیم بن عبداللہ المحض حسنی کی بغاوت میں مارا گیا تھا۔ یہ بیٹا غیر معقب ہے۔ فرزوق مقطوع النسل ہے۔

فرزدق کے بیان اور شعر کے مضمون میں اونٹوں کی قطار، پوشاکوں، تلواروں اور ڈھالوں کے حضرت موصوف کے ساتھ ہونے کا ذکر آیا ہے۔ فرزدق کہتا ہے:

لقيت الحسين بأرض الصفاح　　عليه اليلامق و الدرق

ارض صفاح پر میں نے حسینؓ سے ملاقات کی　　ان کے ساتھ پوشاکیں اور ڈھالیں تھیں

(ص ۳۶۶، ج ۵، معجم البلدان)

یہی مؤلف مقام الصفاح کے وقوع کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

الـصِفَّاحُ : موضع بين حنين وأنصاب الـحـرم على يسرة الداخل الى مكّة من مشـاش ' وهناك لقي الفرزدق الحسين بن عليّ رضي اللّه عنه.
(ص ۳۶۶ ج ۵، معجم البلدان)

الصفاح : یہ ایک موضع وادی حنین اور انصاب (قرب حدود حرم) کے مابین ہے۔ جو مشاش سے مکہ میں داخلہ کے راستہ پر آتا ہے اور یہیں فرزدق کی ملاقات حضرت حسین بن علیؓ سے ہوئی تھی۔

فرزدق کے مندرجہ بالا شعر میں ''الیلامق'' (پوشاکیں) بصیغہ جمع آیا ہے اس کا واحد یلمق ہے جو ایک دھاری دار پوشاک تھی اور یمن کی خاص صنعت تھی۔ بمرور ایام دوسرے ممالک میں بھی تیار ہونے لگی تھی۔ شاعر کی مُراد اگر حضرت حسینؓ کی اپنی ذاتی پوشاک سے ہوتی تو یقیناً صیغہ واحد استعمال کرتا۔ جمع کا صیغہ لانے اور یلمق کی بجائے الیلامق (پوشاکیں) کہنے سے ظاہر ہے کہ اس کی مُراد ان ہی (حلل کثیرہ) بکثرت پوشاکوں سے ہوسکتی ہے جو سرکاری قافلہ یمن سے مع دیگر اشیائے نفیسہ براہ مکہ و مدینہ مستقر خلافت دمشق کو لے جا رہا تھا۔ اونٹوں کی قطاروں، تلواروں اور ڈھالوں کے ساتھ ''الیلامق'' کا ہونا اس امر کی قوی اور مزید دلیل ہے کہ حضرت حسینؓ کی روانگی ۱۰ ذی الحجہ کو بعد ادائے فریضہ حج ہوئی تھی اور روانگی کے ساتھ ہی سرکاری قافلہ کو مقام تنعیم سے ماخوذ کرلیا گیا تھا۔ اور قافلہ کے ساتھ عاملِ یمن کی بھیجی ہوئی یہ پوشاکیں تھیں۔

اجتہادی غلطی:

قافلہ کی ماخوذی کا واقعہ راویوں کے بیانات کے بموجب روانگی کوفہ کے ساتھ ہی اس وقت پیش آیا جب مُسلم بن عقیلؓ کی یہ رپورٹ حضرت حسینؓ کو موصول ہو چکی تھی کہ عراقیوں اور کوفیوں کی کثیر تعداد نے آپ کی بیعت خلافت کر لی ہے اور آل ''معاویہ'' سے اُن کو اب کوئی سروکار نہیں رہا۔ ان حالات میں حضرت موصوف کا یہ مؤقف واقعاتی شہادت سے مبرہن ہو جاتا ہے کہ خلافت کے معاملات کے سلسلے میں عملی طور سے دخل دینے کا جواز آپ کو حاصل ہو گیا۔ آپ کی رائے اجتہاد ان حالات کے اعتبار سے صحیح ہو یا غلط، صاحب ناسخ التواریخ کی یہ توجیہہ ضرور محل نظر ہے کہ ''حسین علیہ السلام کہ رتق وفتق امور مسلمانان از جانب خدائی خاص او بود آن احمال را ما خود داشت'' اللہ تعالیٰ کے ارشاد انما المومنون اخوۃ (مومنین سب بھائی بھائی ہیں) کی روشنی میں سب مسلمانوں کے حقوق اور ذمہ داریاں یکساں ہیں، رشتہ اور نسبی تعلقات کی کوئی تخصیص نہیں۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نسباً ہاشمی و مطلبی ہیں۔ لیکن قرآن حکیم نے متعدد جگہ اس کی تحدید کی ہے کہ آپ ﷺ کو صرف رسالت کے زاویہ نگاہ سے دیکھا جائے۔ آپ ﷺ کا تعلق براہ راست ہر اُمتی سے ہے اور آپ ﷺ کے فیضان میں رنگ و نسل اور زبان و مُلک کا قطعاً کوئی امتیاز نہیں۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ . (آل عمران:۱۴۴)

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں۔

اس سے بھی زیادہ قوت کے ساتھ وضاحت کی گئی ہے:

مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيِّينَ. (الاحزاب:۴۰)

محمد تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں بلکہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور سلسلہ نبوت کو ختم کرنے والے۔

آپ ﷺ کی ذات ستودہ صفات کو نسبی پابندیوں میں نہیں لایا جاسکتا اور نہ آپ ﷺ نے اپنے خاندان کو اس کی اجازت دی کہ آپ ﷺ سے تعلق رشتہ کی بناء پر وہ اُمت پر مسلّط ہونے کی کوشش کریں۔ آپ ﷺ کی تحریک کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپ ﷺ نبی ہیں اور باقی سب اُمتی۔ اُمتی ہونے کی حیثیت سے سب افرادِ ملّت کے حقوق یکساں ہیں۔ ایک کو دوسرے پر نسباً کوئی فضیلت نہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ .
(سورۃ الحجرات:۱۳)

اے انسانوں! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنادیئے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو یقیناً تم اللہ کے نزدیک وہی سب سے زیادہ معزز ہے جو زیادہ متّقی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کے دریافت کرنے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تھا:

كان اللّٰه تعالى قد حكم بأن الأكرم هو الأتقى ، ولو أنه ابن زنجية لغية.
(مقدمہ مؤلف جمہرۃ انساب العرب۔ ابن حزم)

اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمادیا ہے کہ سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے خواہ وہ بے نکاحی حبشن کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

اُمتیوں میں صرف ایک استثناء ہے اور وہ ہے ازواجِ مُطہراتؓ کی حیثیت کا۔ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم تمام اُمت کے روحانی باپ ہیں بالکل اُسی طرح آپ ﷺ کی ازواجِ مُطہرات تمام اُمت کی روحانی مائیں ہیں اور ہر اُمتی اُن کا فرزند ہے۔ یہی ازواجِ مُطہرات اہل بیت رسول اللہ ﷺ ہیں۔ ان ہی کی شان میں آیت تطہیر نازل ہوئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم اور آپ ﷺ کی ازواجِ صلوات اللہ وسلامہ علیہم سب سے بالا ہیں اور سب اُمتیوں سے صرف ایک رشتہ رکھتے ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلنَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ. (الاحزاب:٦)

نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اہل ایمان کے نزدیک ان سب کی جانوں سے افضل واعلیٰ ہیں اور آپ کی ازواج اُن سب کی مائیں ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے عمل سے بھی قطعی طور سے ثابت کر دیا کہ حقوق و فرائض میں ہر اُمتی کی حیثیت یکساں ہے۔ آپ ﷺ سے نسبی رشتہ کے کچھ حقوق ایسے ہوتے ہیں جن کی پاسداری آپ ﷺ کی عظیم دعوت اور شریعت کے تحت فرض ہوتی تو یقیناً اس کا کچھ نہ کچھ ظہور تو آپ ﷺ کی زندگی میں ہوتا۔ آپ ﷺ کو چونکہ اس امر کا اچھی طرح احساس تھا کہ بمرورایام آپ ﷺ کی انقلابی دعوت کو مسخ کرنے کی کوششوں میں رشتہ داریوں کو حجت بنایا جاسکے گا۔ اس لئے آپ ﷺ نے خاص اہتمام رکھا کہ سوائے اس دعوت کی پیروی کے اور کسی طرح کوئی فرد آپ ﷺ کے خاندان کا اُمت پر مسلّط نہ ہونے پائے۔

عہدِ نبوی ﷺ کے واقعات سے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ثابت ہے کہ حکومتِ اسلامیہ کا کوئی ادنیٰ ترین عہدہ بھی آپ ﷺ نے خاندان نبوت (بنوعبدالمطلب بنو ہاشم) کو نہیں دیا۔ آپ کے عم محترم حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب، آپ ﷺ کے بنوالاعمام حضرت عقیلؓ وحضرت علیؓ وغیرہم اور تمام عصبات موجود تھے لیکن اُن میں سے کسی ایک کا بھی نام نہیں لیا جاسکتا جسے آپ ﷺ نے کوئی سرکاری عہدہ دیا ہو خواہ وہ عارضی طور سے کیوں نہ ہو۔ اٹھائیس (۲۸) مرتبہ آپ ﷺ غزوات کے سلسلے میں میں مدینہ سے باہر تشریف لے گئے اور ہر مرتبہ مدینہ میں انتظامی امور کی انجام دہی کے لئے نائبین کا تعین کیا۔ ان نائبین کی فہرست میں اُموی، کلبی، انصاری، غفاری ومخزومی بزرگوں کے نام موجود ہیں۔ لیکن کسی مطلبی وہاشمی بزرگ کا نام شامل نہیں جیسا کہ ذیل کی مختصر فہرست سے واضح ہوگا:

نمبر شمار	نائب مدینہ بہ ایام غزوہ نبی ﷺ	تعداد نیابت
۱	عثمانؓ بن عفان اُموی	۲

نمبر شمار	نائب مدینہ بہ ایام غزوہ نبی ﷺ	تعداد نیابت
۲	زیدؓ بن حارثہ کلبی	۲
۳	ابوسلمہ عبدالاسدؓ مخزومی	۱
۴	محمد بن مسلمہ انصاریؓ	۳
۵	سعد بن معاذ انصاریؓ	۱
۶	سعد بن عبادہ انصاریؓ	۱
۷	عبداللہ بن رواحہ انصاریؓ	۱
۸	سباع بن عرفطہؓ	۳
۹	ابارہم بن غفاریؓ	۴
۱۰	عمرو بن قیس (ابن اُم مکتومؓ)	۹
		۲۸

آپ ﷺ کا آخری غزوہ تبوک تھا۔ جب ۹ھ میں تیس ہزار نفوس کے لشکر کے ساتھ بیرون حجاز تشریف لے گئے۔ اس عظیم لشکر کی سرداری حضرت ابوبکر صدیقؓ کو تفویض کی گئی۔ مدینہ کے انتظامی امور کے لئے حضرت ابن اُم مکتومؓ کو بعض کہتے ہیں کہ حضرت محمد بن مسلمہ انصاریؓ کو نائب مقرر فرمایا اور اپنے اہل بیت کی خبر گیری کے لئے حضرت علیؓ کو متعین کیا۔ مختلف علاقہ جات میں جو عمال مقرر فرمائے ان میں کوئی ہاشمی فرد شامل نہ تھا۔ اُن کی اکثریت جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اُموی بزرگوں کی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو اس بارے میں اتنا اہتمام تھا کہ آپ ﷺ نے اپنے رشتہ داروں پر صدقہ اور زکوٰۃ کا مال لینا حرام قرار دے دیا۔

اقوام عالم کا شعار ہمارے سامنے ہے کہ کس طرح لوگ نسلی برتری کی بناء پر عوام کے صدقات کو اپنا ''حق'' سمجھتے ہیں اور اپنی بارگاہ میں نذر و نیاز اس کا نام دیتے ہیں۔ اسلام میں اس تصور کی جڑ کاٹ دی گئی تھی۔ حکومت اسلامیہ کے مستقل ذرائع آمدنی میں بنو ہاشم کا کوئی امتیازی حصہ نہیں۔ عام مسلمانوں کی طرح صدقات جاریہ سے وہ مستفیض ہو سکتے ہیں۔ لیکن خزانہ عامرہ کی کوئی مَد اُن کے

لئے مخصوص نہیں البتہ ان کے غرباء اور حاجت مند افراد کی ضروریات پوری کرنے کے لئے غیر مستقل دو مدیں ہیں جن میں اُن کا حصہ رکھا گیا یعنی خمس اور فے۔ فقہاء کے مابین اس بارے میں اختلاف ہے۔ اُمت کی اکثریت کا مذہب یہ ہے کہ بنو ہاشم کا جو پچیسواں حصہ غنیمت اور فے میں متعین کیا گیا وہ اوائل اسلام کی بات تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جس طرح آپ ﷺ کا حصہ جاتا رہا اور ائمہ اسلام (خلفاء) کی طرف منتقل ہو گیا اسی طرح بنو ہاشم کا حصہ بھی سوخت ہو گیا۔ لیکن عہد راشدین سے لے کر اُموی اور عباسی خلفاء کا یہ عمل رہا کہ غیر مسلموں کے ساتھ جنگوں میں چونکہ مال غنیمت بکثرت آتا تھا اور بغیر جنگ غیر مسلم حریف حکومتیں بطور تاوان یا محکومیت جو جو مال وزر پیش کرتی تھیں اُن سب کی مقدار ضروریات عامہ سے بہت زیادہ ہوتی تھی اس لئے یہ روپیہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کے ان کے نقیبوں[1] کے ذریعہ تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ جن کے پاس اپنے خاندان کے خورد و کلاں، ذکور و اناث سب افراد کی مکمل فہرستیں ہوتی تھیں۔ اس طرح ان رقوم کے علی السویہ تقسیم میں دشواری نہ ہوتی تھی۔ لیکن یہ حق ہمیشہ کیلئے قائم نہ تھا۔ عند الضرورت اس پر عمل ہوتا تھا۔ چنانچہ جب بعض سلاطین خصوصاً خلفائے آلِ عثمان (ترکوں) نے اس طرف توجہ نہ کی تو ان کا یہ طرز عمل کسی درجے میں بھی مستبدعانہ قرار نہیں دیا گیا۔ خمس اور فے کا یہ حصہ کوئی سیاسی اہمیت نہیں رکھتا اور بنو ہاشم و عبدالمطلب اسے اپنا ایسا حق نہیں سمجھ سکتے جیسا کہ برہمنوں کا ہندوؤں میں ہے۔ اسلام میں امتیاز پست و بالا کا تصور نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل کہ آپ ﷺ نے سیاسیات اسلامیہ میں رشتہ کی بناء پر ہاشمیوں کے مستولی ہونے کا سد باب کر دیا اور ادنیٰ درجہ میں بھی کوئی ایسی بات قولاً یا فعلاً نہیں کی جسے بعد کے لوگ حجت بنا سکیں۔ نیز یہ کہ آپ ﷺ نے بطور طبقہ حکومت اسلامیہ کے مستقل مالیہ پر اُن کا کوئی حق نہیں رکھا۔ یہ اس کی عملی دلیل ہے کہ آپ ﷺ صرف اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ اور آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات کو عالمگیر اُخوّت کے داعی کی حیثیت سے ہی دیکھا جا سکتا ہے نہ کہ ایسے شخص کی طرح جو رُوئے زمین پر اپنی یا اپنے خاندان کی حکومت کا خواب دیکھ رہا ہو۔

---

[1] خلافت ہاشمیہ عباسیہ کے بعد سے ایک بزرگ کے مزار و خانقاہ کے بعض لوگ اپنے کو اس نام سے موسوم کر کے جلب منفعت کے کاروبار میں لگے گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بڑی کوئی ایذا نہیں دی جاسکتی کہ آپ ﷺ کے نجی اور شخصی وجود کو سرکاری حیثیت دے کر آپ ﷺ کے رشتہ داروں کو اُمت پر مسلط رکھنے کا خیال پیدا کرنے کی کوشش کی جائے اور کہا جائے کہ ان کو یا ان میں سے کسی شخص کو ''رتق وفتق امور مسلمانان کے لئے خدائے تعالیٰ کی جانب سے خاص حق ملا ہوا تھا''۔ حضرت حسینؓ کا سرکاری قافلے کو ماخوذ کرنا اسی اجتہاد سے تھا یا ہوسکتا ہے کہ جس کا اشارہ ابتدائی سطور میں کیا گیا۔ لیکن عمالِ حکومت نے آپ کے اس اجتہاد وطرزِ عمل کو جس نظر سے دیکھا وہ عامل مکہ کی کارروائی سے واضح ہوجاتا ہے۔

عامل مکہ اقدام مزاحمت :

مؤرخین نے ابومخنف کی سند سے یہ روایت بھی لکھی ہے کہ مکہ سے جب حضرت حسینؓ سفر کوفہ پر روانہ ہوگئے تو عامل مکہ نے اُنہیں روکنے کی غرض سے اپنے بھائی کی سرکردگی میں کچھ آدمی اُن کے پیچھے دوڑائے۔ مگر حضرت موصوف نے اُن لوگوں کا سختی سے مقابلہ کیا اور سفر جاری رکھا۔ وہ روایت ابومخنف کی یہ ہے:

لَمَّا خَرَجَ الحُسَينُ مِنْ مَكَّةَ اعترَضَهُ رُسُلُ عَمرِو بنِ سَعِيدِ بنِ العَاصِ يَعنِي نَائِبَ مَكَّةَ عَلَيهِم أَخُوهُ يَحيَى بنُ سَعِيدٍ، فَقَالُوا لَهُ : انصَرِف، أَينَ تَذهَبُ؟ فَأَبَى عَلَيهِم وَمَضَى، وَتَدَافَعَ الفَرِيقَانِ فَاضطَرَبُوا بَالسِّيَاطِ، ثُمَّ إِنَّ حُسَينًا وَأَصحَابَهُ امتَنَعُوا مِنهُمُ امتِنَاعًا قَوِيًّا، وَمَضَى الحُسَينُ عَلَى وَجهِهِ، فَنَادَاهُ : يَا حُسَينُ، أَلَا تَتَّقِي اللّٰهَ! تَخرُجُ مِنَ الجَمَاعَةِ وَتُفَرِّقُ بَينَ هَذِهِ الأُمَّةِ؟!

(ص۱۶۶ ج۸، البدایہ والنہایہ۔ ص۳۱۷ ج۶، طبری)

جب حسینؓ مکہ سے روانہ ہوگئے عمرو بن سعید بن العاصؓ عامل مکہ نے اپنے بھائی یحییٰ بن سعیدؓ کی سرکردگی میں اپنے آدمی اُن کے پیچھے بھیجے تاکہ ان کو روک لیں۔ ان لوگوں نے (حسینؓ کے) پاس پہنچ کر کہا کہ لوٹ چلو، کہاں جارہے ہو؟ مگر اُنہوں نے انکار کیا اور چلے گئے۔ فریقین میں دھکا پیل اور کوڑوں اور لاٹھیوں سے مار پیٹ بھی ہوئی۔ حضرت حسینؓ اور اُن کے ساتھیوں نے شدید مقاومت کی اور حسینؓ بایں ہمہ جدھر جارہے تھے چلے گئے۔ اُن لوگوں نے اُن

سے پکار کر کہا۔ اے حسینؓ! کیا تم اللہ سے
نہیں ڈرتے جماعت سے نکلے جا رہے ہو
اور اُمت جب ایک بات پر متفق ہو چکی ہے
اس میں تفرقہ ڈال رہے ہو۔

عامل مکہ عمرو بن سعید[1] کی جانب سے مزاحمت کا جو حال مندرجہ بالا روایت میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے پیش نظر یہ سوال قدرتاً پیدا ہوتا ہے کہ جب ان چار مہینوں کے دوران حکومت کی طرف سے کوئی مزاحمت کی کوئی کارروائی نہیں کی گئی حالانکہ سفر کوفہ کی تیاریاں ہو رہی تھیں اور کوفہ کے لوگ برابر آ جا رہے تھے تو پھر عدم مداخلت کی پالیسی کے خلاف مزاحمت کا یہ اقدام یکا یک اور بالخصوص اُس وقت کیوں کیا گیا جب حضرت حسینؓ سفر پر روانہ ہو چکے تھے۔ عامل مکہ کی اس غیر معمولی کارروائی کا باعث ظاہر ہے کہ کوئی غیر معمولی واقعہ ہی ایسا ہو سکتا ہے جس کے سلسلے میں فوری کارروائی کرنا اس کے اختیارات تمیزی میں شامل ہو۔

---

[1] عمرو بن سعید بن العاص بن اُمیہ حضرت حسینؓ اور ابن زبیرؓ کے مکہ چلے آنے کے زمانے سے پہلے وہاں کے عامل تھے۔ بعد میں مکہ و مدینہ دونوں کا انتظام ان کے سپرد ہوا۔ وہ پشتینی عامل تھے۔ بنی اُمیہ کے اس گھرانے کو یہ شرف و امتیاز حاصل تھا کہ ابتدائے بعثت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ان میں سے متعدد حضرات مشرف بہ اسلام ہو کر سابقون الاولون کے زمرہ میں شامل ہوئے۔ اُن میں سے بعض نے حبشہ ہجرت بھی کی۔ عمرو بن سعید کے تین چچاؤں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مقامات کا عامل مقرر کیا۔ الحکم بن سعید بن العاص بن اُمیہ کو جن کا نام آپ ﷺ نے عبداللہ رکھا قری عربیہ کا۔ اُن کے بھائی خالد بن سعید کو صنعاء کا اور ابان بن سعیدؓ کو بحرین کے مقام الخط کا عامل بنایا۔ یہ دونوں بزرگ کاتبانِ وحی کا شرف بھی رکھتے تھے۔ عمرو بن سعید کے والد حضرت سعید بن العاصؓ بن اُمیہ فتح مکہ کے زمانے میں کمسن تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دھاریدار یمنی کپڑے کی پوشاک پہنائی جو بعد میں اُن کے نام کی مناسبت سے ''سعیدیا'' پوشاک کہلانے لگی۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں یہ کوفہ کے عامل رہے۔ عمرو بن سعید بڑے منتظم، سخی اور خطیب شخص تھے۔ اُن کے بھائی یحییٰ بن سعید کے اخلاف میں متعدد اشخاص محدث اور صاحب تصنیف ہوئے۔ خود سیدنا سعید بن العاصؓ اتنے بڑے عالم قاری اور فصیح و بلیغ تھے کہ آپ کی زبان معیاری سمجھی جاتی تھی۔ اور لسانی اعتبار سے عربی زبان کے بارے میں آپ کا قول حجت تھا۔ چنانچہ امیر المومنین حضرت عثمانؓ نے جب قرآن مجید کی نقلیں بلادِ اسلامیہ کیلئے تیار کروائیں تو سیدنا سعیدؓ کو مقرر کیا کہ املا اور تلفظ کی غلطیاں درست کریں اور قبائل کی قراءت کی بجائے قریش کی واحد قراءت پر کلام اللہ کی کتابت کروائیں۔

ابومخنف کی روایتوں میں اس قسم کا واقعہ سرکاری قافلہ کی ماخوذی کا ملتا ہے جسے عامل مذکور نے جارحانہ اقدام تصور کر کے مزاحمت کی کارروائی کرنا اپنا فرض منصبی سمجھا۔ برخلاف اس کے حضرت حسینؓ اور اُن کے ساتھیوں کا مؤقف جیسا ابھی عرض کیا گیا تھا یہ ہوسکتا تھا کہ جب ہزاروں کوفیوں کی بیعت اطاعت وخلافت کر لینے کی اطلاع آپ کو مل گئی تو اس کے بعد اب آپ کو بھی حکومت وخلافت کے معاملات میں مداخلت کرنے اور عملاً حصہ لینے کا جواز حاصل ہوگیا۔ لیکن عمالِ خلافت اور دوسرے لوگوں نے جن میں اکابرِ صحابہؓ وتابعین بہ تعداد کثیر شامل تھے اس رائے اور اجتہاد سے اختلاف کیا۔ واقعات سے ثابت ہے کہ خلیفہ وقت کی جانب سے ذمہ دار حکام کو صریح ہدایت تھی کہ حضرت حسینؓ سے اُس وقت تک کوئی تعرض نہ کیا جائے اور نہ اُن کے خلاف کوئی قدم اُٹھایا جائے جب تک کہ خود اُن ہی کی جانب سے کوئی اقدام حکومت کے خلاف عمل میں نہ آجائے۔ چنانچہ بلاذری نے عامل مدینہ کے یہ فقرے نقل کئے ہیں جو اُنہوں نے حضرت موصوف کو مخاطب کر کے کہتے تھے:

ليست حملناعنك لا يدعوا جهل غيرنا اليك فجناية لسانك مغفورة لك ما امسكت يدك فلا تخطر بها محظرتك۔	ایسا نہ ہو کہ آپ کے ساتھ ہمارا نرمی اور بردباری کا برتاؤ ہمارے سوائے دوسروں کو جہالت پر آمادہ کرے پس آپ کی زبان کی لغزشیں اس وقت تک معاف ہیں جب تک آپ کا ہاتھ رُکا ہے اسلئے آپ اپنے آپ کو اس طرح مہلکات میں نہ پڑنے دیجئے۔

یہ بیان بھی ان ہی راویوں کا ہے کہ عامل مکہ کے علاوہ حضرت حسینؓ کے ہمدردوں اور عزیزوں میں سے بعض افراد اُن کے پیچھے پیچھے گئے۔ اُن میں سے ایک بزرگ کے بارے میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ تین راتوں کی مسافت طے کر کے اُن کے پاس پہنچے۔ یہ بزرگ حضرت عبداللہ بن عُمرؓ اپنے زمانے کے شیخ الصحابہ تھے جن کا سَن اُس وقت تقریباً ۷۵ سال کا تھا کہ وہ حضرت حسینؓ سے تقریباً سولہ سترہ برس بڑے تھے اور شروع ہی سے اُن کو اور حضرت زبیرؓ کو جماعت سے وابستگی کی نصیحتیں کرتے رہتے تھے۔

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں:

فلحقه علی میسرة ثلاث لیال ۔ (حضرت ابن عمرؓ) تین راتوں کی مسافت طے کر کے اُن کے (حسینؓ) پاس پہنچے۔

(ص ۱۶۰ ج۸ البدایة و النهایة)

اور اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سُنا کر کہ آپ ﷺ کو دُنیا و آخرت کی دونوں نعمتیں پیش ہوئیں۔ آپ ﷺ نے آخرت کی نعمتوں کو ترجیح دی تھی۔ حضرت حسینؓ سے فرمایا کہ تم چونکہ اُن کی ذریّت میں سے ہو، دُنیاوی حکومت و خلافت کی طلب سے علیحدہ رہو یہ تم کو حاصل نہ ہوگی۔ انک بضعة منه ولا تنالها یعنی الدنیا (ص۱۶۳ ایضاً)۔ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن جعفرؓ دونوں بزرگوں کی کوشش شروع ہی سے تھی کہ حضرت حسینؓ کوفیوں سے علیحدہ رہیں اور اُن کے دھوکہ میں نہ آئیں۔

حضرت ابن جعفرؓ کی شدید مخالفت کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ علامہ ابن حزم کی تصریح کے مطابق (ص۶۱ جمہرۃ الانساب) اُن کے سترہ بیٹے تھے۔ بعض نسابین نے چوبیس تک شمار کئے ہیں۔ عمدۃ المطالب فی انساب آل ابی طالب نے حضرت جعفرؓ کی اولاد کے حالات بہ نسبت دیگر نسابین کے زیادہ تفصیل سے لکھے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن جعفرؓ کے بیس بیٹے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ چوبیس تھے (عمدۃ المطالب)۔ مؤلف عمدۃ المطالب نے صراحت سے بیان کیا ہے کہ سیدہ زینبؓ کے بطن سے عبداللہ بن جعفرؓ کے صرف ایک بیٹے علی تھے جو اپنی والدہ کی نسبت سے علی الزینبی کہلاتے تھے۔ اُن کے سوائے اور کوئی زینبی نہیں کہلاتا تھا (ص۶۱ جمہرۃ الانساب ابن حزم و ص۲۱ عمدۃ المطالب)۔ یہ علی زینبی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے داماد بھی تھے اور صاحب نسل ہیں۔ یہ اپنی والدہ کے ساتھ حسینی قافلہ میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ عمدۃ المطالب کے مؤلف نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جعفرؓ بن ابی طالب کے اسماء بنت عمیس سے آٹھ بیٹے تھے۔ یعنی عبداللہ، عون، محمد الاکبر، محمد الاصغر، حمید، حسین، عبداللہ الاصغر، عبداللہ الاکبر (ص۲۰)۔ یہی مؤلف صراحتاً بیان کرتے ہیں کہ جو عون اور محمد کربلا میں مقتول ہوئے وہ جعفرؓ بن ابی طالب کے بیٹے تھے یعنی عبداللہ بن جعفرؓ کے بیٹے نہیں بھائی تھے۔

ان کے اپنے الفاظ ہیں:

و اما عون و محمد الاصغر فقتلا مع ابن عمها الحسين عليه السلام يوم الطف.

لیکن عون اور محمد الاصغر دونوں اپنے چچیرے بھائی حسین علیہ السّلام کے ساتھ یوم عطف (کربلا) میں مقتول ہوئے۔

(ص ۲۰ عمدۃ الطالب فی الانساب آل ابی طالب مطبوعہ لکھنؤ)

ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں البتہ یہ لکھا ہے کہ علی الزینبی کے علاوہ جعفر الاکبر و عون الاکبر و عباس یہ تین بیٹے بھی سیدہ زینبؓ کے بطن سے تھے لیکن یہ عون الاکبر کربلا نہیں گئے بلکہ پہلے ہی فوت ہو گئے تھے (ص ۶۱ جمہرۃ الانساب ابن حزم)۔ بہر حال عمدۃ الطالب کی تصریح کے اعتبار سے عون و محمد مقتول کربلا حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کے بیٹے نہیں بلکہ بھائی تھے۔ اور اگر یہ بیان صحیح نہ ہو اور یہ دونوں حضرات حضرت عبداللہؓ کے بیٹے ہی مانے جائیں تب بھی یہ عون الاصغر سیدہ زینبؓ کے بطن سے نہیں تھے بلکہ حجاز بنت المسیب الفراریہ کے بطن سے تھے اور اُن کے سوتیلے بھائی محمد مقتول کربلا کی والدہ الحوصا بنت حفصہ بنی تیم اللہ بن ثعلبہ کے قبیلہ سے تھیں۔ (کتاب المعارف ابن قتیبہ ص ۹ مطبوعہ مصر)

راقم الحروف نے یہ تفصیل اس غرض سے پیش کی ہے کہ حضرت ابن جعفرؓ[1] جب اس خروج کے ایسے شدید مخالف تھے کہ اپنی زوجہ محترمہ سے جو اپنے بھائی کا ساتھ چھوڑنا نہ چاہتی تھیں، جُدائی

---

[1] حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ کی ولادت ملک حبشہ میں اس وقت ہوئی تھی جب اُن کے والدین ابتدائے بعثت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں مکہ سے وہاں ہجرت کر گئے تھے۔ اُن کے والد ماجد اپنے چھوٹے بھائی حضرت علیؓ سے عمر میں دس سال بڑے تھے اور خاندانِ رسالت (بنی ہاشم) میں وہی پہلے جوان تھے جو سب سے پہلے اسلام لائے اور وہی پہلے اور آخری ہاشمی تھے جنہوں نے دو ہجرتوں کا امتیاز حاصل کیا تھا یعنی ہجرت مکہ سے حبشہ کو اور دوسری حبشہ سے مدینہ کو۔ اور پھر وہی تنہا ایسے صحابی اور ہاشمی تھے جنہوں نے عہدِ نبوی ﷺ میں عرب سے باہر غیر ممالک میں تبلیغ اسلام کا شرف حاصل کیا۔ حضرت اصمعہ نجاشی اُن کی صحبت سے مستفیض ہوئے۔ اُن کے بھی ایک بیٹا اُسی زمانہ میں پیدا ہوا جس زمانہ میں یہ عبداللہ تولد ہوئے تھے۔ (باقی صفحہ آئندہ)

گوارا کر لی تھی اور اپنے بڑے بیٹے علی الزینبی کو بھی اُن کی ماں کے ساتھ نہ جانے دیا تھا تو سترہ یا چوبیس بیٹوں میں سے صرف دو کو حسینی قافلہ کے ساتھ جانے کی کیونکر اجازت دے سکتے تھے۔ روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ عون و محمد فرزندان عبداللہ بن جعفرؓ عامل مکہ کے بھائی یحییٰ بن سعید کے ساتھ حسینی قافلے کو روکنے کی غرض سے بھیجے گئے تھے تو ظاہر ہے کہ فرستادگان عامل کی معیت میں اُن کا بھیجا جانا حسینی قافلہ میں شرکت کی غرض سے تو نہ تھا بلکہ اسی غرض سے تھا جس کیلئے گئے تھے۔ فرستادگان کی طرح اپنے مشن میں ناکام رہ کر واپس لوٹ آئے تو اس نام کے مقتولین کربلا حسب تصریح عمدۃ الطالب عبداللہ بن جعفرؓ کے بھائی تھے۔ اور اگر یہ دونوں بھی خود اپنی طبیعت سے یا اپنے عزیزوں کے جبر سے قافلہ کے ساتھ چلے گئے تھے تو یہ سیدہ زینبؓ کے سوتیلے بیٹے تھے، اُن کے اپنے بیٹے نہیں تھے۔ ابومخنف نے حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کی ان کوششوں کو جو اپنے چچیرے بھائی اور برادرِ نسبتی حضرت حسینؓ کو خروج سے روکنے کی کیں اپنے خاص مسلک کے اعتبار سے دوسرے رنگ میں پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اُنہوں نے عون و محمد اپنے دو بیٹوں کے ہاتھ ایک تحریر حضرت حسینؓ کی روانگی کوفہ کے بعد بھیجی تھی۔ اُس پر لکھا تھا:

اِن هَلَكتَ اليَومَ طَفِيَء نُورُ الأَرضِ ' فَاِنَّكَ عَلَمُ المُهتَدِينَ ' وَرَجَاءُ المُومِنِينَ.	اگر تم یوں ہلاک ہوگئے تو نُور اسلام جاتا رہے گا۔ کیونکہ تم اہل ہدایت کے رہنما ہو اور اہل ایمان کا سہارا ہو۔

(ص ۱۱۷ ج ۸، البدایہ والنہایہ۔ ص ۲۱۹ طبری)

(باقی صفحہ گذشتہ) اُس کا نام بھی عبداللہ رکھا گیا اور زوجہ حضرت جعفرؓ نے اپنے بیٹے کے ساتھ اس کو بھی دودھ پلایا تھا۔ حضرت جعفرؓ کے جنگ موتہ میں شہید ہو جانے پر عبداللہ اور اُن کے دوسرے بھائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظلِ عاطفت اور شفقت میں پرورش پاتے رہے۔ آپ ﷺ نے حضرت جعفرؓ کے ان بچوں کے بارے میں فرمایا تھا أَنَا لَهُمْ عِوَضًا مِنْ أَبِيهِمْ یعنی میں ان بچوں کے باپ کے بجائے ہوں۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کی عُمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت دس اور گیارہ برس کے درمیان تھی یعنی سنِ تمیز میں شرفِ صحابیت حاصل تھا۔ تیرہ حدیثیں ان سے مروی ہیں۔ وہ حضرت حسینؓ کے خروج کے سخت مخالف تھے حتیٰ کہ اپنی زوجہ سیدہ زینبؓ کو جو اپنے بھائی کے ساتھ جانے پر مُصر ہوئیں طلاق دیدی تھی۔

طبری نے نور اسلام کے بجائے ''نورالارض'' کے الفاظ رکھے ہیں۔ بہرکیف ''نورالاسلام'' کے لفظ ہوں یا ''نورالارض''، یہ فقرے ان راویوں کے وضعی ہیں اور خاص ذہنیت کے ترجمان۔ وہ اسلام کا نُور ہو یا دُنیا کا، کسی فانی انسان کی موت وزیست پر نہ نورِ اسلام کا مدار ہے نہ نورِ ارض کا۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ سے ان کلمات کو منسوب کرنا درست نہیں جنہوں نے اپنی آنکھوں کے نور سے اسلام سے منور بزرگ ترین ہستیوں کی وفات اور شہادت کے واقعات یکے بعد دیگرے اور پے در پے دیکھے تھے۔ ان بزرگ ترین ہستیوں کے دارِ فانی سے گزر جانے پر نہ تعلیمات اسلام کے نُور کی تابانی میں کوئی فرق آیا تھا اور نہ نُور ارض کی درخشانی میں۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے یومِ وفات سے زیادہ اور کون سا دن مسلمانوں کے لئے غم واندوہ کا ہوسکتا تھا۔ اس دن کا سارا حسرت ناک سماں عبداللہ بن جعفرؓ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اپنے ہی کانوں اُنہوں نے بعد رسول ﷺ اسلام کی سب سے بڑی شخصیت آپ ﷺ کے یارِ غار حضرت ابوبکر صدیقؓ نصفی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے ہمیشہ زندہ رہنے والے یہ الفاظ بھی سُنے تھے:

أَيُّهَا النَّاسُ انه مَن كَانَ مِنكُم يَعبُدُ مُحَمَّدًا، فَاِنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ قَد مَاتَ، وَمَن كَانَ يَعبُدُ اللَّهَ فَاِنَّ اللَّهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ. (صحیح ابن حبان)	اے لوگو! جو شخص محمد (ﷺ) کو پوجتا تھا (وہ سمجھ لے کہ) محمد (ﷺ) نے وفات پائی اور جو کوئی اللہ کو معبود جانتا ہے تو (وہ جان لے کہ) اللہ زندہ ہے وہ کبھی نہیں مرے گا۔

اس کے بعد صدیق اکبرؓ کا قرآن مجید کا اس آیت کو برمحل تلاوت فرمانا دیگر صحابہؓ کی طرح جو یہاں موجود تھے، عبداللہ بن جعفرؓ کو بھی یاد رہا:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُولٌ قَد خَلَت مِن قَبلِهِ الرُّسُلُ أَفَاِن مَّاتَ أَو قُتِلَ انقَلَبتُم عَلَىٰ أَعقَابِكُم وَمَن يَنقَلِب عَلَىٰ عَقِبَيهِ فَلَن	اور محمد سوائے اسکے اور کچھ نہیں کہ اللہ کے رسول ہیں آپ سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں تو کیا اگر وہ مرجائیں گے یا قتل کردیئے

يَضُرَّ اللّٰهَ شَيْئاً وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِينَ. (آل عمران:۱۴۴)

جائیں گے تو تم برگشتہ ہو جاؤ گے اور جو شخص برگشتہ ہو جائے گا وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچائے گا اور اللہ شکر گزاروں کو عنقریب جزا دے گا۔

ان حقائق کے علاوہ یہ بھی حقیقت ہے کہ حضرت حسینؓ تو جیسا ذکر ہو چکا ہے سن و سال میں حضرت عبداللہ بن جعفرؓ سے کئی سال چھوٹے مثل برادر خورد کے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت تقریباً پانچ برس کی عمر تھی۔[1]

ادرک الحسین من حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم خمس سنین او نحوھا.

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں حسینؓ نے کوئی پانچ برس کا زمانہ پایا تھا۔

(ص۱۵۰ ج۸، البدایہ والنہایہ)

اتنی چھوٹی عمر سنِ تمیز کی نہیں ہوتی۔ بعض ائمہ نے تو اُن کے بڑے بھائی حضرت حسنؓ کو جو اُن سے سال بھر کے قریب بڑے تھے، زمرہ صحابہ کے بجائے تابعین میں شامل کیا ہے۔

وَقَد رَوَى صَالِحُ بنُ أَحمَدَ بنِ حَنبَلٍ، عَن أَبِيهِ، أَنَّهُ قَالَ فِي الحَسَنِ بنِ عَلِيٍّ: اِنَّهُ تَابِعِيٌّ ثِقَةٌ. وَهَذَا غَرِيبٌ، فَلَأَن يَقُولَ فِي الحُسَينِ: اِنَّهُ تَابِعِيٌّ بِطَرِيقِ الأَولَى.

صالح بن احمد بن حنبلؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حسن بن علیؓ ثقہ تابعی تھے۔ یہ قول غریب ہے تاہم حسینؓ کے بارے میں بدرجہ اولیٰ کہا جائے گا کہ وہ تابعی تھے (صحابہ کے زمرہ میں شامل نہ تھے)۔

(ص۱۵۰ ج۸، البدایہ والنہایہ)

---

[1] ابن قتیبہ کی ایک روایت کے مطابق (المعارف ص ۶۹) ان کے بڑے بھائی کی ولادت جب ۶ ہجری میں ہوئی تو یہ ۷ ہجری میں تولد ہوئے اس اعتبار سے ان کی عمر اُس وقت تین چار سال کی ہوگی۔

ان تمام حالات کے پیش نظر یہ کیسے باور ہوسکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے اپنے ایک خورد (چھوٹے بھائی) کیلئے یہ الفاظ کہے ہوں یا تحریر کئے ہوں۔ یہ تو ان ہی سبائی راویوں کی ساختگی ہے اُن ہی کے وضع کردہ یہ کلمات ہیں جو باعتبار معنی ومطالب حقیقت سے قطعی بعید ہیں۔ قطع نظر اس کے راویوں کی یہ روایت اگر صحیح بھی ہو کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور فرزندان عبداللہ بن جعفرؓ حسینی قافلہ کے پیچھے پیچھے گئے تو اس صورت میں یہ بھی یقینی امر ہے کہ یوم ترویہ ۸ ذی الحجہ کے بجائے جیسا یہ راوی باور کرانا چاہتے ہیں حسینی قافلہ ۱۰ ذی الحجہ کو بعد ادائے حج روانہ ہوا ورنہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسی شخصیت کا فریضہ حج ترک کر کے قافلہ کے پیچھے پیچھے چلا جانا اور وہ بھی تین راتوں کی مسافت پر ہرگز قرین قیاس نہیں۔ راویوں کا یہ بیان بھی قابل پذیرائی نہیں کہ حسینی قافلہ نے اس سرعت اور تیز رفتاری سے سفر کیا کہ ایک ہی دن میں دو منزلیں طے کرلیں یعنی پہلی منزل بُستانِ ابن عامر چھوڑ کر دوسری منزل ذاتِ عرق پر جا کر دم لیا۔ طبری کی روایت کے الفاظ ہیں کہ:

وأقبل الحُسَين مغذا لا يلوي عَلَى شَيء حَتَّى نزل ذات عرق.
(ص۲۱۹ ج۶: طبری)

اور حسینؓ نے ایسی تیز رفتاری سے سفر کیا کہ کسی شے کی طرف مُڑ کر نہ دیکھا یہاں تک کہ منزلیں چھوڑتے ہوئے ذات عرق جا کر اُترے۔

سفر شروع کرتے ہوئے تیز رفتاری سے چلنا تو قدرتی سی بات ہے۔ لیکن ایسے قافلہ کا جس میں تقریباً دوسو اونٹوں کی قطاریں شامل ہوں جن کی رفتار کا اوسط دو (۲) یا خاص حالات میں اڑھائی میل فی گھنٹہ ہوتا ہو، ۵۴ انگریزی میل کی مسافت ایک ہی دن میں طے کر لینا خصوصاً ایسی حالت میں کہ خواتین اور بچے بھی قافلہ میں شامل ہوں ہرگز صحیح نہیں۔

کوفہ جاتے ہوئے جیسا کہ آگے تفصیلی بیان آئے گا کہ پہلی منزل ۲۴ عربی اور ۲۸ انگریزی میل کے فاصلہ پر بُستانِ ابن عامر ہے۔ وہاں سے ۲۲ عربی اور ۲۶ انگریزی میل کے فاصلہ پر دوسری منزل ذاتِ عرق ہے۔ ان دونوں منزلوں کا فاصلہ ۴۲ عربی اور ۵۴ انگریزی میل کا ہوتا ہے۔

راویوں نے یہ نہیں بتلایا کہ وہ ایسا کون سا خطرہ درپیش تھا کہ ۵۴ انگریزی میل کی مسافت یوں طے کی گئی کہ کسی شے کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھ سکے۔ بالفاظ دیگر تمام دن اور تمام رات گویا بلاتوقف اس طرح مسلسل چلتے رہے کہ اثنائے راہ میں کوئی شخص اپنی معمولی ضروریات کیلئے یا کھانے پینے اور نماز پنجگانہ ادا کرنے کے لئے بھی نہ اُترا۔ عامل مکہ کے بھیجے ہوئے لوگ تو جیسا آپ پڑھ آئے ہیں پہلے ہی بے نیل و مرادلوٹ گئے تھے۔اس کے پاس ایسی کون سی فوج تھی جس کے تعاقب کا خوف وہراس غیر معمولی طریق سفر اختیار کردینے پر مجبور کردیتا۔مؤلف ناسخ التواریخ کے اس بیان کو کون صحیح العقل باور کرسکے گا۔

یزید بن معاویہ سی (۳۰) تن از شیاطین بنی اُمیہ را مامور داشت کہ با زائرین بیت اللہ کوچ دادہ در مکہ حسینؓ را ماخوذ دارند و اگر نتوانند مقتول سازند چون حسینؓ بر مکیدت اور عالم بود ناچار سفرِ عراق را صمیم عزم داد۔
(ص ۲۰۷ جلد ۶ ، از کتاب دوم ناسخ التواریخ مطبوعہ ایران ۱۳۰۹ھ)

یزید بن معاویہ نے بنی اُمیہ کے شیطانوں میں سے تیس شخص اس کام پر مامور کئے کہ بیت اللہ کے حاجیوں کے ساتھ سفر کرکے حسینؓ کو مکہ میں گرفتار کرلیں اور اگر یہ نہ کرسکیں تو قتل کردیں۔ حسینؓ چونکہ اس کے مکر سے آگاہ تھے ناچار انہوں نے سفرِ عراق کا مصمم ارادہ کرلیا۔

حضرت حسینؓ کے سفرِ عراق کی وجہ جس کسی نے بھی تراشی ہے اُس نے یہ نہ سوچا کہ حضرت موصوف اور اُن کے ساتھ کوفی ساتھیوں نیز اُن کے بعض اہل خاندان کی دلیری اور شجاعت و شہامت کا کیسا غلط نقشہ کھینچ رہا ہے کہ تیس شیاطین بنی اُمیہ کے خوف سے سفرعراق کا عزم صمیم کرلیا اور فریضہ حج بھی ترک کرکے سفر کوفہ پر روانہ ہوگئے۔ راویوں نے جس مقصد کے پیش نظر ۱۰ ذی الحجہ کے بجائے ۸ ذی الحجہ تاریخ روانگی کی قرار دی ہے وہی غرض اور مقصد ایک منزل کے بجائے دو منزلوں کی مسافت ایک دن میں طے کرادینے کی ہے۔یعنی ۱۰ محرم ۶۱ھ سے چند دن پیشتر حسینی قافلہ کا کربلا پہنچا دینا جو بعد میں مسافت وتعداد منازل ومراحل راہ کے اعتبار سے کسی طرح بھی پایہ ثبوت کو نہیں پہنچ سکتا جیسا ذیل کی تفصیل سے بخوبی ہویدا ہے۔

سفرِ عراق کی منزلیں اور فاصلے :

مکہ مکرمہ سے کربلا کا فاصلہ اس راستہ ''طریق الاعظم'' نے جو حسینی قافلہ نے کوفہ جاتے ہوئے قادسیہ سے کچھ آگے بڑھ کر اور پھر واپس ہو جانے کے بعد براہ العذیب وقصر مقاتل اختیار کیا تھا، آٹھ سو (۸۰۰) عربی میل اور تقریباً ساڑھے نو سو (۹۵۰) انگریزی میل ہوتا ہے۔ یہی وہ طریق الاعظم ہے جو ظہورِ اسلام سے صدیوں پہلے کا روانی راستہ چلا آتا تھا۔ اس راستے کی منزلیں، مرحلے، پڑاؤ، رات گزارنے اور پانی کے مقامات یہ سب ایسے فاصلوں پر موجود و معین چلے آتے تھے کہ قافلے تو قافلے جریدہ سفر کرنے والے بھی ان سے مستغنی نہیں رہ سکتے تھے۔ مُستند کتب بلدان وجغرافیہ، سفرناموں نیز قدیم وجدید نقشوں میں یہی منزلیں اور فاصلے ان تمام تصریحات کے ساتھ درج ہیں کہ ہر منزل میں کہاں فرودگاہیں، کہاں کنویں اور حوض وتالاب ہیں، پانی اُن کا وافر اور شیریں اور لطیف ہے یا نہیں، کس قوم وقبیلے کے لوگ وہاں آباد ہیں، خورد ونوش کی کیا کیا اشیاء دستیاب ہوتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

مکہ مکرمہ سے روانہ ہو کر جیسا کہ ابھی ذکر ہو چکا چوبیس (۲۴) عربی میل کے فاصلے پر پہلی منزل بُستان ابن عامر آتی ہے۔ یہ مقام بنی تیم بن مرہ کے ایک شخص سے موسوم ہے۔ بعض اس کو عامر الحضرمی سے اور دوسرے ابن عامر بن کریز اُموی سے منسوب کرتے ہیں (ص ۵۸ فتوح البلدان البلاذری)۔ یہاں سے ایک راستہ صنعاء (یمن) کو جاتا ہے اور دوسرا کوفہ کو۔ اس کے بعد دوسری منزل ذاتِ عرق بائیس عربی میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں سے ایک راستہ اوطاس ہو کر بصرہ کو اور دوسرا کوفہ جاتا ہے۔ ذاتِ عرق سے آٹھ منزلوں کے بعد نویں منزل معدنِ نقرہ ہے جہاں سے ایک راستہ مدینہ منورہ کی جانب جاتا ہے اور دوسرا سیدھا کوفہ کو۔ مدینہ سے کوفہ جانے والے مسافر اور قافلے بھی سب اسی راستہ سے سفر کرتے ہیں۔ معدن نقرہ کے بعد الحاجر ہے اور وہاں سے پندرھویں منزل قادسیہ آتی ہے جو نجف سے ۱۵ میل جنوب میں ہے۔ اس مقام سے تین پہلے ہی حسب روایت جناب ابوجعفر محمد (الباقر) حضرت حسینؓ نے کوفیوں کی غداری کا حال سُن کر کوفہ جانے کا قصد ترک کر دیا تھا اور واپس ہو کر وہ راستہ

اختیار کیا تھا جو قصر مقاتل وقریاتِ ارض الطف ہو کر دمشق جاتا تھا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہاں سے چند میل آگے بڑھ کر واپس ہوئے تھے۔

الغرض مکہ مکرمہ سے براہ قادسیہ کربلا تک پہنچنے کیلئے تیس (۳۰) درمیانی منزلیں طے کرنا لازم ولابد تھیں۔ اکتیسویں (۳۱) منزل پیش آمدہ حالات وواقعات کے لحاظ سے ارض الطف کے قریہ العقر کے مضافاتی ومتصلہ کھیڑے کی زمین کربلا ہوئی جو قریہ مذکورہ کی فصل غلہ پچھوڑنے یا بھوسہ اُڑا کر صاف کرنے کا میدان تھا جو مؤلف معجم البلدان (امام شہاب الدین عبداللہ یاقوت حموی) کے الفاظ میں ''منقاة من الحصی والدغل'' تھا یعنی کنکر روڑے جھاڑ جھنکاڑ سے صاف تھا۔

راویوں نے ان تیس منزلوں کے بجائے صرف گیارہ درمیانی اور چند آخری منزلوں کے نام لئے ہیں اور یہ بھی اس طور سے کہ مکہ مکرمہ کے بعد پہلی منزل بُستان ابن عامر کا نام ترک کر کے دوسری منزل ذاتِ عرق کا نام لیا۔ اس کے بعد اکٹھی نو منزلیں ترک کر کے زرود اور خزیمیہ اور ثعلبیہ کاوقس علیٰ ہذا ان منزلوں کے ناموں، تعداد اور فاصلہ کا اظہار شاید اس لئے مناسب نہیں سمجھا گیا کہ حسینی قافلے کے دو (۲) محرم ۶۱ھ کو کربلا جیسے بعید مقام پر جو کہ مکہ معظّمہ سے تقریباً ساڑھے نو سو (۹۵۰) انگریزی میل کی مسافت پر واقع ہے، آٹھ دن پہلے ہی پہنچا دینے کی روایت کی اس سے تغلیط وتردید ہو جاتی ہے۔ بہرحال جو وجہ اور سبب بھی عدم اظہار واخفاء کا ہو حقائق ہمیشہ پردہ خفا میں مستور نہیں رہ سکتے کبھی نہ کبھی تو ظاہر ہو کر رہتے ہیں۔

ذیل کی جدول میں سب منزلوں کے نام اور اُن کے فاصلے بااعتبار عربی میل اس تصریح کے ساتھ درج ہیں کہ حسینی قافلہ اگر ۱۰ ذی الحجہ ۶۰ھ کو مکہ مکرمہ سے روانہ ہوا جیسا کہ تفصیلاً بیان ہو چکا ہے اور روزانہ بلاناغہ سفر کرتا رہا تو کس کس منزل سے اُس کا گزر ہوا اور قادسیہ سے کچھ آگے چل کر جب کوفہ جانے کا قصد ترک کر کے العذیب کی جانب واپس ہوا اور دمشق کا راستہ اختیار کیا تو کس تاریخ کو کربلا پہنچا یا پہنچ سکتا تھا۔

ان تمام منزلوں کے نام اور فاصلے بھی جیسا پہلے عرض کیا گیا مستند کتب بلدان وجغرافیہ اور سفرناموں سے اخذ کر کے درج کئے گئے ہیں۔ کتاب البلدان یعقوبی کے مؤلف احمد بن ابی یعقوب ابن واضح متوفی ۲۸۴ھ مسلکاً شیعہ تھے۔ ان کی کتاب البلدان کے نسخہ مطبوعہ بریل ۱۸۶۰ء (ص ۹۷ تا ۶۶) میں المنازل من الکوفه الی المدینه و مکة ، کے تحت جو منزلیں کوفہ سے مدینہ (مکہ تک تفصیلاً درج ہیں وہی سب منزلیں اور اُن کے فاصلے دوسری کتب بلدان وجغرافیہ میں بھی اسی سلسلے میں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً تاریخ گزیدہ کے مؤلف حمد اللہ مستوفی قزوینی نے جو حُر ریاحی کو اپنا ہم جد بتاتے ہیں اپنی دوسری کتاب نزہۃ القلوب میں جو ۷۴۰ھ میں تالیف کی۔ اس کا مقالہ سوم جغرافیہ عالم کے بیان میں بعنوان ''درصفت بلدان وولایات وبقاع'' یہی سب منزلیں اور ان کے درمیانی فاصلے بغداد وکوفہ و نجف سے مکہ مکرمہ و مدینہ مدینہ منورہ تک تفصیل سے درج ہیں۔ ان سب منزلوں اور فاصلوں کی تائید مزید دیگر کتب سے ہوتی ہے۔ مثلاً کتاب الخراج وصنعۃ الکتابت کے مؤلف ابوالفرج[1] قدامہ بن جعفر نے بھی اسی ترتیب سے یہ سب منزلیں اور فاصلے بیان کئے ہیں۔ اس مؤلف کا زمانہ نزہتہ القلوب کے مؤلف کے زمانہ سے تقریباً پانچ سو برس قبل کا ہے۔ اس کے زمانے سے پانسو برس بعد مشہور سیاح عالم ابن بطوطہ نے حجاز سے عراق کے سفر کا حال بیان کرتے ہوئے ان منازل کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ رحلہ ابن بطوطہ کے انگریز مترجم مسٹر گب نے ان منازل اور ان کے درمیانی فاصلوں کی مزید وضاحت کے لئے نوٹ بھی لکھے ہیں۔ اس میں ایک موقع پر لکھا ہے کہ بارہ سو برس کی مدت میں اس راستہ اور اس کی منازل میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی۔ یاقوت حموی نے اپنی مشہور تالیف معجم البلدان میں ان منازل کا تفصیلی بیان کیا ہے۔ اسی طرح اور متعدد قدیم وجدید تالیفات میں جن کا ذکر باعث طوالت ہے اس راستہ کی منزلوں اور فاصلوں کی تفصیلات ملتی ہیں۔ خاص کر بعض مستشرقین کی تالیفات اور جدید نقشہ جات میں دو

---

[1] ابوالفرج قدامہ مذہباً عیسائی تھے۔ امیر المومنین المکتفی باللہ عباسی کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ دیوان خراج کی خدمت پر مامور تھے اور مستثنیٰ قابلیت کے شخص تھے۔ مدینۃ الاسلام بغداد سے اطراف واکناف عالم کے جو راستے جاتے تھے ان سب کا بڑی وضاحت سے حال لکھا ہے۔

تین مقامات کے ناموں میں تبدیلی ہوگئی ہے۔ مثلاً القاع کو حرف ''گ'' سے ''الگا'' کہنے لگے ہیں۔ زرود کا نام الخزیمیہ اس وجہ سے پڑ گیا کہ جنرل الخزیمہؒ نے یہاں حوض تعمیر کرائے تھے۔ کسی کسی منزل کے فاصلے میں ایک دو میل کا فرق بعض تالیفات میں پایا جاتا ہے۔ الغرض یہ مقامات اور ان کے فاصلے آج بھی موجود ہیں۔ کسی کو شوق اور ہمت ہو تو خود سفر کر کے ان منازل کی تعداد اور فاصلوں کی موقع پر تصدیق کر سکتا ہے۔

نمبر شمار	منزلیں اور فاصلے		تاریخ آمد اور روانگی قافلہ		راویوں کی بیان کردہ منزلیں	کیفیت
	منزل	فاصلہ عربی میل	آمد	روانگی		
۱	مکہ معظّمہ			۱۰ ذی الحجہ ۶۰ھ		
۲	بُستان ابن عامر	۲۴	۱۰	۱۱	X	
۳	ذاتِ عرق	۲۲	۱۱	۱۲	ذاتِ عرق	
۴	الغمرہ	۲۶	۱۲	۱۳	X	
۵	المسلح	۱۸	۱۳	۱۴	X	
۶	افیعیہ	۳۴	۱۴	۱۵		
۷	العمق	۳۲	۱۵	۱۶		
۸	سلیلہ	۲۱	۱۶	۱۷	X	
۹	معدن بنی سلیم	۲۶	۱۷	۱۸	X	
۱۰	ربذہ	۲۴	۱۸	۱۹	X	
۱۱	مغیثۃ الماوان	۲۴	۱۹	۲۰	X	
۱۲	معدن فقرہ	۳۳	۲۰	۲۱	X	
۱۳	الحاجر	۳۴	۲۱	۲۲	الحاجر	

نمبر شمار	منزلیں اور فاصلے		تاریخ آمد اور روانگی قافلہ		راویوں کی بیان کردہ منزلیں	کیفیت
	منزل	فاصلہ عربی میل	آمد	روانگی		
۱۴	سمیراء	۳۴	۲۲	۲۳	X	
۱۵	تود	۲۰	۲۳	۲۴	X	
۱۶	فید	۳۱	۲۴	۲۵	X	
۱۷	الاجفر	۳۳	۲۵	۲۶	X	
۱۸	خزیمیہ	۲۴	۲۶	۲۷	زرود	پہلے اس کا نام زرود تھا
۱۹	ثعلبیہ	۳۳	۲۷	۲۸	ثعلبیہ	
۲۰	قبرالعبادی	۲۹	۲۸	۲۹	X	اس کو بطال بھی کہتے ہیں
۲۱	الشقوق	۲۹	۲۹	یکم محرم ۶۱ھ	X	
۲۲	زیالہ	۲۱	یکم محرم	۲ محرم	زیالہ	
۲۳	القاع	۲۴	۲	۳	X	
۲۴	عقبہ	۲۴	۳	۴	X	عقبہ الشیطان کہلاتا تھا اب نقشوں میں ہے
۲۵	واقصہ	۲۴	۴	۵	شراف	ناقصہ ہے چند میل فاصلے پر شراف ہے۔
۲۶	القرعا	۲۴	۵	۶	X	
۲۷	المغیثہ	۳۲	۶	۷	X	
۲۸	قرب قادسیہ براہ العذیب اور واپسی	۳۴	۷	۸	قادسیہ	
۲۹	ذوحسم		۸	۹	X	
۳۰	قصر مقاتل	۵۴	۹	۱۰	X	
۳۱	کربلا		۱۰		X	

کل فاصلہ مکہ سے کربلا تک ۸۰۰ عربی میل

کل مدت سفر ۳۰ یوم

حجازی قافلوں کی اوسط رفتار :

حجازی قافلوں کی رفتار ریگستانی میدانی اور پتھریلی جگہوں میں سفر کرنے کی حالت میں عموماً کیا ہوتی ہے اس کا ذکر ضمناً آچکا ہے۔ سر رچرڈ فرانسس برٹن نے حجازی قافلوں میں سفر کیا ہے۔ وہ اپنے تجربہ کی بناء پر لکھتے ہیں:

''میں نے اس کا اندازہ لگایا ہے کہ حجازی اونٹ کی رفتار جو کارواں کی قطار میں بوجھ سے لدا چل رہا ہو معمولی حالت کے تحت ایک گھنٹہ میں دو جغرافیائی میل[1] ہوتی ہے۔ ریگستانی میدان یا چٹانی گھاٹی کے سفر میں البتہ آدھ میل کا فرق کم یا زیادہ پڑ سکتا ہے مگر اس سے زیادہ نہیں۔'' (حاشیہ ص ۳۴۴ ج ۲، سفرنامہ برٹن)

برٹن کے اس قول کی تائید محمد بک لبیب البتیونی مؤلف ''رحلہ الحجازیہ'' کے بیان سے بھی ہوتی ہے جنہوں نے حذیوں مصر عباس حلمی پاشا مرحوم کے زیر سرپرستی یہ کتاب غایت تحقیق سے مرتب کی تھی جو باعتبار مضامین وحسن طباعت ونقشہ جات وغیرہ اپنی مثال آپ ہے۔ مؤلف موصوف مصری قافلہ کے اونٹوں کی رفتار کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وعلی الحساب ان الجمل یقطع فی الساعة الواحدة اربعة کیلومترات.	ایک اونٹ تخمیناً چار کلومیٹر (کی مسافت) ایک گھنٹے میں طے کرتا ہے۔

(ص ۳۷)

ایک کلومیٹر ۵/۸ میل[2] کے برابر ہوتا ہے۔ اس حساب سے بھی وہی اوسط یعنی ڈھائی میل فی گھنٹہ کا آتا ہے۔ جس کا ذکر برٹن نے بھی کیا ہے۔ قافلہ کی رفتار کے کم زیادہ ہونے کا انحصار صرف

---

[1] ایک جغرافیائی میل خط استوا پر طول بلد کا ایک دقیقہ سے تقریباً ۶۹/۶۰ تا ۳۳/۳۰ انگریزی میل۔

[2] ایک کلومیٹر میں ۵ فرلانگ اور ایک میل میں ۸ فرلانگ ہوتے ہیں۔

میدانی علاقہ، ریگستان اور پتھریلی زمین کی نوعیت سفر پر نہیں بلکہ قافلوں کے اونٹوں کی تعداد و بُعد مسافت پر بھی ہے۔ قافلہ جتنا بڑا ہوگا، اونٹوں کی قطاریں جتنی زیادہ ہونگی، سفر جتنا طویل ہوگا، سامان قافلہ کے بار بردار اونٹ جتنی کثرت سے ہونگے، خواتین و بچوں کی سواری کے اونٹ جتنی زیادہ تعداد میں ہونگے ان سب حالات کا اثر قافلہ کی رفتار پر پڑنا لازم ہے خصوصاً اس حالت میں کہ قافلہ روزانہ سفر کرتا رہے۔ تقریباً ساڑھے نوسو انگریزی میل کی مسافت طے کرنے کے لئے بارہ گھنٹے روزانہ ڈھائی میل فی گھنٹہ کی اوسط سے کم سے کم تیس اکتیس دن کی مدتِ سفر ضرور ہونی چاہیئے۔ اس سے کم دنوں میں یہ فاصلہ طے ہونا محالات میں سے ہے۔ غرضیکہ حسینی قافلہ تیس دن کی منزلیں طے کر کے کربلا پہنچ سکتا تھا اس سے پہلے ہرگز نہیں۔

واقعات دورانِ سفر :

ابومخنف کی روایت میں جس کو تقریباً جملہ مؤرخین اخبار الطّوال وطبری وابن کثیر وغیرہم نے نقل کیا ہے، کہا گیا ہے کہ حضرت حسینؓ جب اثنائے سفر میں مقام الحاجر پہنچے بالفاظ دیگر بارہ منزلیں اور ۳۳۸ عربی میل کا فاصلہ طے کر کے جب اس منزل پر پہنچے تو انہوں نے ایک قاصد قیس بن مسہر الصیداوی کے ہاتھ حسب ذیل تحریر اہل کوفہ کو بھیجی۔

بِسمِ اللّٰهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِيمِ ' من الحُسَين	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔
بن علي اِلَى اخوانه من المُؤمِنِينَ	مومنین و مسلمین کے نام سلام علیکم۔
والمُسلمين ' سلام عَلَيكُم ' فَاِنِّي	میں تم سے حمد کرتا ہوں اللہ کی جس کے
أَحمَدُ اِلَيكُمُ اللّٰهَ الَّذِي لا اِلَهَ الا هُوَ ' أَمَّا	سوائے کوئی معبود نہیں۔ اما بعد۔ مسلم بن
بَعدُ ' فان كتاب مسلم بن عقيل جاء	عقیل کی تحریر میرے پاس آ گئی ہے جس میں
ني يخبرني فِيهِ بحسن رأيكم '	یہ اطلاع مجھے دی ہے کہ تم لوگ میرے متعلق
واجتماع ملئكم عَلَى نصرنا' والطلب	اچھی رائے رکھتے ہو اور ہماری نصرت پر اور
بحقنا' فسألت اللّٰه أن يحسن لنا	ہمارے حق کے طلب کرنے پر متفق ہو۔ میں

الصنع، وأن يثيبكم عَلَى ذَلِكَ أعظم الأجر، وَقَد شخصت اليكم مِن مَكَّةَ يوم الثلاثاء لثمان مضين من ذي الحجة يوم التروية " فاذا قدم عليكم رسولي فاكشموا امركم ووجدوا، فاني قادم عَلَيكُم فِي أيامي هَذِهِ اِن شَاء اللّٰهُ، والسلام عَلَيكُم ورحمة اللّٰه وبركاته.

(ص۲۲۳ج ۲،طبری؛ص ۱۶۸ج ۸،البدایہ والنہایہ)

اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ ہمارا مقصد برلائے اور تم لوگوں کو اس پر اجر عظیم دے۔ میں تمہارے پاس آنے کیلئے مکہ سے آٹھویں تاریخ ذی الحجہ کو منگل کے دن اور یوم ترویہ کو روانہ ہوا ہوں۔ جب میرا قاصد تمہارے پاس پہنچے تو تم لوگ اپنے کام میں کوشش اور جدوجہد کرو کیونکہ میں انہی دنوں میں تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔ان شاءاللہ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

مندرجہ بالا تحریر میں ۸ ذی الحجہ ۶۰ھ کو حضرت حسینؓ کے قلم سے یوم الثلاثہ یعنی منگل کا دن تحریر کرنا ظاہر کیا گیا ہے حالانکہ ۸ ذی الحجہ ۶۰ھ کو منگل کا دن نہیں اتوار کا دن تھا یعنی یکشنبہ۔کون صحیح العقل باور کرسکتا ہے کہ حضرت حسینؓ کے قلم سے غلط دن لکھا گیا ہوگا۔آپ سے زیادہ کون واقف تھا کہ مکہ سے آپ کی روانگی کس دن ہوئی تھی۔ یہ کتابت کی غلطی بھی نہیں ہوسکتی کیونکہ تمام کتب تاریخ وغیرہ میں جہاں کہیں اس تحریر کو نقل کیا گیا ہے منگل ہی کا دن تحریر ہے۔موجودہ زمانہ میں ایسی جنتریاں اور کتب تقویم ہر شخص کو بآسانی دستیاب ہوسکتی ہیں جن کی مدد سے ۱ ہجری سے موجودہ سال ہجری تک کی اس قسم کی صحیح معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں کہ کس مہینہ کی کس تاریخ کو کون سا دن تھا۔اس پر آئندہ صفحات میں راویوں کی غلط بیانیوں کے سلسلے میں تفصیلی بحث آتی ہے۔

ابومخنف کی اس شدید غلط بیانی سے یہ نتیجہ صریحاً برامد ہوتا ہے کہ یہ تحریر یا تو حضرت حسینؓ سے غلط منسوب ہے یا اگر یہ تحریر آپ ہی کی ہے تو ۸ ذی الحجہ یوم الترویہ کو منگل کا دن نہیں تھا۔ روانگی کا دن اگر منگل کو قرار دیا جائے تو اس طرح مکہ سے روانگی کی تاریخ ۱۰ ذی الحجہ ثابت ہوتی ہے۔کیونکہ ۶۰ھ کے ماہ ذی الحجہ کے عشرہ اول میں منگل کا دن یا تو تیسری کو پڑتا تھا یا پھر دسویں کو۔

تیسری ذی الحجہ کو روانہ ہونے کی تو کوئی روایت ہی نہیں اور آٹھویں کو منگل کا دن ہی نہ تھا لہذا یوم روانگی مندرجہ بالا تحریر کے بموجب منگل کا دن تھا تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ حضرت حسینؓ اور اُن کے ساتھی جیسا گذشتہ اوراق میں بالوضاحت بیان ہو چکا دسویں ذی الحجہ ۶۰ھ کو بعد ادائے فریضہ حج روانہ ہوئے اور تیس منزلوں کی مسافت بعیدہ کم سے کم تیس ہی دن میں طے کرنے کے بعد ۱۰ محرم ۶۱ھ کو کربلا کے مقام پر پہنچے یا پہنچ سکتے تھے اس سے پہلے نہیں۔

ابومخنف اور اسی قماش کے دوسرے راویوں کو اس مشکل کا سامنا تھا کہ اگر یہ لوگ روانگی کی صحیح تاریخ یعنی ۱۰ ذی الحجہ کا اظہار کئے دیتے ہیں تو پھر پانی کی بندش اور طرح طرح کے وحشیانہ مظالم نیز زبردست معرکہ آرائیوں کی وضعی اور مکذوبہ روایتوں کو سچ کر دکھانے کی غرض سے حسینی قافلہ کا کربلا کے مقام پر ۱۰ محرم سے چند روز پہلے ہی وارد ہو جانا کیونکر بتلا سکیں گے۔ اس مشکل کا حل یوں کیا گیا کہ مکہ سے روانگی کی تاریخ اول تو دو دن پہلے کی دکھلائی ہے پھر پہلی دو منزلوں کو ایک دن میں طے کرا دیا گیا۔ اس کے بعد تیس منزلوں کے ناموں کا اخفاء کر کے صرف گیارہ بارہ منزلوں کے نام ظاہر کئے گئے۔ روانگی کی تاریخ چونکہ یوم حج سے ایک ہی دن پہلے کی بتائی تھی یعنی بجائے ۹ کے ۸ ذی الحجہ (یوم ترویہ) جو اس اشتباہ کا موجب تھی کہ فریضہ حج ترک کر کے کیسے روانہ ہو گئے۔ لہذا اس اشتباہ کیلئے یہ تدبیر کی گئی کہ خود حضرت حسینؓ ہی کے قلم سے اس کی بھی تصدیق کرالی جائے۔ چنانچہ مندرجہ بالا تحریر یا خط کو حضرت موصوف سے منسوب کیا گیا۔ پھر روایتوں میں خط کا یہ مضمون بیان ہوا اور مؤرخین نے روایت پرستی کی بناء پر اسے اپنی کتابوں میں من وعن نقل کر دیا۔ یہ تو سب کچھ ہوا مگر ''**یوم الثلاثا لثمان مضین من ذی الحجة یوم الترویه**'' یعنی ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کو منگل کا دن اور یوم ترویہ تھا ان تشریحی الفاظ نے روایوں کی اس غلط بیانی کو بالآخر روزِ روشن کی طرح آشکار کر دیا کیونکہ جیسا ابھی عرض کیا گیا ۸ ذی الحجہ ۶۰ھ کو منگل کا دن ہی نہ تھا یہ تو اتوار کا دن تھا۔ روایت پرستی کی عام وبا نے ہمارے متقدمین کو اس قسم کی مکذوبہ روایتوں کی چھان بین اور تنقید کی جانب متوجہ نہ ہونے دیا۔ ورنہ اب سے ایک ہزار سال یا چند صدیوں پہلے ہی اس کی غلط بیانیوں کی قلعی کھل گئی ہوتی۔ موجودہ زمانہ میں ایسی کتب تقویم اور

جنتریاں موجود ہیں اور بآسانی دستیاب ہوسکتی ہیں جن کی مدد سے صحیح طور سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ کس سنہ کے کس مہینے کی کس تاریخ کو کون سا دن تھا۔ آئندہ اوراق میں ابومخنف کی اسی قسم کی غلط بیانیوں کے سلسلے میں تفصیلی بحث آتی ہے جس میں ایسا فارمولا بھی پیش ہوگا جس سے ہر شخص خود حساب لگا کر یہ معلومات حاصل کرسکتا ہے۔

ابومخنف نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ مندرجہ بالا تحریر یا خط لے کر جب حضرت حسینؓ کے قاصد و پیغامبر قیس بن مسہر الصیداوی کو کوفہ پہنچنے سے پہلے ہی راستہ میں مقام قادسیہ پر گرفتار کر کے گورنر کوفہ کے پاس بھیج دیا گیا جس نے اسے (اعانت جرم کی پاداش میں) مروا ڈالا۔ ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ یہ خط نہ مکتوب الیہم کو پہنچ سکا اور نہ کوفیوں میں سے کسی اور پاس۔ اور اگر ایسا کوئی خط تھا بھی تو مجرم کی تلاشی کے بعد عمال حکومت کے قبضے میں آ گیا ہوگا کوفیوں کے پاس تو پہنچنے کا کوئی امکان نہ تھا۔

قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر یہ خط ستّر (۷۰) اسی (۸۰) برس بلکہ اس سے بھی زیادہ مدت منقضی ہوجانے کے بعد ابومخنف کو کیسے دستیاب ہوگیا۔ مدتِ دراز تک یہ خط کہاں، کس کے پاس اور کیونکر محفوظ رہا جو ان راویوں نے ''**بسم الله الرحمن الرحيم من الحسين بن على الى اخوانه من المومنين و المسلمين سلام عليكم** '' سے لیکر ''**والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته**'' تک بلا ایک نقطہ کے فرق کے حرف بہ حرف نقل کردیا۔

ابومخنف کی دوسری روایت میں حضرت حسینؓ کے برادرِ رضاعی عبداللہ بن یقطر کے ذریعے اس خط کا ارسال ہونا بیان ہوا ہے اور کہا گیا ہے کہ قادسیہ کے مقام پر قیس نہیں عبداللہ بن یقطر ہی گرفتار ہوکر گورنر کوفہ کے پاس بھیج دیئے گئے تھے۔ ناسخ التواریخ کے مؤلف نے بھی اسی خط کے مضمون کو حرف بہ حرف نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ جب قاصد کی جامہ تلاشی لی گئی تو قاصد نے خط کو اپنی جیب سے نکال کر پُرزے پُرزے کر ڈالا۔ مؤلف مذکور کے الفاظ یہ ہیں:

عبداللہ بن یقطر مکتوب حسینؓ را برآورد و پارہ	عبداللہ بن یقطر نے حسینؓ کے مکتوب کو
پارہ کرد و چناں صبا ساخت کہ ازاں بہرہ	نکال کر پارہ پارہ کردیا اور ایسا چُور چُور کردیا

نتوانست یافت۔ کہ اس سے کچھ مطلب کوئی نہ پا سکے۔

(ص۶۱۳ ج۱۶ از کتاب دوم)

یہی غالی مؤلف فرماتے ہیں کہ قاصد سے جب پوچھا گیا کہ مکتوب کیوں چاک کر دیا تو جواباً کہا:

از بہر آنکہ تو ندانی در آں چہ نگارشتہ اند۔ اس لئے (خط کو پھاڑ ڈالا) کہ تو یہ نہ جاننے پائے کہ اس میں کیا تحریر تھا۔

(ص۲۱۴ ج۱۶ از کتاب دوم)

یہ ثبوت تو ایسا مسکت ہے کہ کسی کو اس بارے میں یارائے دمِ زدن نہیں کہ اگر کوئی خط تھا بھی تو وہ ضائع ہو گیا۔

جس مقصد کے ساتھ اور جن خاص حالات کے اندر یہ سفر ہو رہا تھا اور ان ہی راویوں کے بیانات کے مطابق حضرت حسینؓ کو فرزدق شاعر اور دوسرے لوگوں کی زبانی کوفہ کے حالات اور حکومت کے انتظامات کی اطلاع مل چکی تھیں وہ اگر اپنے موافقین کو اپنے جلد پہنچنے کی اطلاع بھیجتے بھی تو قاصد کی زبانی بھیجتے نہ کہ مکتوب کے ذریعے جس کے بارے میں قوی اندیشہ تھا کہ پکڑ دھکڑ میں عمال حکومت کے ہاتھوں میں نہ پڑ جائے۔ اور اگر بفرض محال خط لکھا بھی تھا تو اس میں اپنی روانگی کی غیر ضروری تفصیلات درج کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ ہم جب مکہ سے چلنے لگے ہیں تو ذی الحجہ کے مہینے کی تاریخ آٹھویں تھی، دن منگل کا تھا اور یوم ترویہ تھا۔ جو بات صاف طور سے عیاں ہوتی ہے وہ یہی ہے جس کا اشارہ اوپر ہو چکا ہے کہ نہ یہ تحریر حضرت حسینؓ کی ہے اور نہ اُنہوں نے ایسا خط بھیجا۔ یہ ساختگی اُن ہی راویوں کی ہے کیونکہ اُنہی کو اس بات کی ضرورت تھی کہ حج سے ایک دن پہلے آپ کی تاریخ روانگی کی وضعی روایت کی تصدیق خود آپ کی کسی تحریر کرا دی جائے وہ اس طرح پوری کر لی گئی۔ مگر ''یوم الثلا ثا'' (منگل کے دن) نے جیسا کہ عرض کیا گیا ان کی اس ساختگی کو عرصہ بعید و مدت مدیہ کے بعد بھی آشکارا کر ہی دیا ورنہ کیسے ممکن تھا کہ حضرت حسینؓ اپنی روانگی کی تاریخ اور دن صحیح نہ لکھتے۔

ان راویوں نے واقعات کو جس طرح مسخ کر کے اور توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے اس کا

قیاس بھی اسی سے بآسانی کیا جاسکتا ہے۔

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

ان مختصر اوراق میں تفصیلی تنقید کی گنجائش نہیں تاہم چند امور مختصراً پیش کئے جاتے ہیں۔

واپسی کا قصد، برادرانِ مُسلم کی ضد اور کوفیوں کا اصرار:

مؤرخین کا بیان ہے کہ مُسلمؓ کے قتل ہوجانے کی خبر جب حضرت حسینؓ کو اثنائے سفر میں ملی آپ نے واپس لوٹ جانے کا ارادہ کیا۔لیکن مُسلم کے بھائی جو آپ کے ساتھ تھے مانع ہوئے۔ شیعہ مؤرخ ونساب مؤلف عمدۃ الطالب کا بیان ہے کہ:

واتصل به خبر قتل مسلم بن عقيل فى الطريق فاراد الرجوع فامتنع بنو عقيل من ذلک.
(ص۱۷۹ عمدۃ الطالب فی النساب آل ابی طالب)

اور ان کو (حسینؓ) مسلم بن عقیل کے قتل ہوجانے کی خبر جب راستہ میں ملی انہوں نے لوٹ جانے کا ارادہ کیا مگر فرزندانِ عقیل اس کے مانع ہوئے۔

مسلم اور ہانی بن عروہ کے مقتول ہوجانے کا حضرت حسینؓ کو ملال قدرتاً ہوا اور فرمایا **لا خير فى العيش بعدهما** (ص۱۶۸ ج۸ البدایہ والنہایہ) یعنی ان لوگوں کے بعد زندگی کا کچھ لطف نہیں لیکن برادرانِ مسلم کے جوش انتقام نے مجبور کیا کہ سفر جاری رکھیں۔ اکثر مؤرخین نے مسلم کے بھائیوں کے بضد ہونے کا حال لکھا ہے۔ مقاتل الطالبین کے غالی مؤلف فرماتے ہیں۔

فقال له (اى حسين) بنو عقيل لا نرجع والله ابداً او ندرک ثارنا او نقتل باجمعنا.
(ص۱۱۰ مقاتل الطالبین مطبوعہ مصر)

فرزندانِ عقیلؓ نے ان سے (حسینؓ سے) کہا کہ واللہ ہم ہرگز ہرگز واپس نہ لوٹیں گے یا تو اپنا انتقام لیں گے یا ہم سب بھی اپنی جانیں دے ڈالیں گے۔

یہ حضرات جوش انتقام سے اگر اس درجہ مغلوب نہ ہو گئے ہوتے کہ صورت حال کا صحیح جائزہ بھی نہ لے سکے اور اس قتل کو جو سیاسی مناقشہ کے نتیجہ میں واقع ہوا تھا ذاتی جھگڑا قرار دے دیا۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ نے جو حجۃ الوداع کے خطبہ میں اپنے ابن عم ابن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا خون بھی معاف کر کے ذاتی انتقام لینے کی رسم کو مٹا دیا تھا۔ افسوس ان کی ضد نے معاملہ کو نازک تر کر دیا۔ مؤرخین نے بالصراحت بیان کیا ہے کہ دو اسدیوں نے مسلمؓ کے مقتول ہو جانے کی اطلاع جس وقت حضرت حسینؓ کو دی اور کوفہ کی حالت پیش نظر رکھ کر اُن سے کہا کہ وہاں ہرگز نہ جایں کیونکہ کوئی ناصر و شیعہ آپ کا نہیں ہے **لیس لک بالکوفة ناصر ولا شیعه** (ص ۲۲۵ ج ۶، طبری)۔ یہ سُنتے ہی برادرانِ مسلم جوش انتقام میں اُٹھ کھڑے ہوئے **فوثب عند ذلک بنو عقیل بن ابی طالب** (ص ۲۲۵ ایضاً)۔ اس کے بعد حضرت حسینؓ نے اس خبر کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے یہ بھی جتا دیا تھا کہ ہمارے شیعوں نے ہی ہم سے غداری کی ہے **وقد خذلتنا شعیتنا** (ص ۲۲۶ ج ۶، طبری) ایسی حالت میں اگر یہ حضرات ضد نہ کرتے اور واپسی پر آمادہ ہو جاتے تو یہ سانحہ خزینہ ہی پیش نہ آتا۔

صاحب ناسخ التواریخ لکھتا ہے:

حسینؓ بجانب فرزندانِ عقیل نگراں شد و فرمودہ مسلم را کشتند اکنوں رائے چیست گفتند لا واللہ چند کہ توانیم درطلب خوں اور بکوشیم یا ازاں شربت کہ اور نوشید بنوشیم آنحضرت فرمود از پس ایشان تن آسانی در زندگانی نیست۔

(ص ۲۱۶ ج ۶، از کتاب دوم ناسخ التواریخ مطبوعہ ایران)

حضرت حسینؓ نے فرزندان عقیلؓ کی جانب نظر ڈال کر کہا کہ مسلم کو مار ڈالا گیا اب رائے کیا ہے؟ انہوں نے کہا واللہ ہم سے جو کچھ بن پڑے گا ہم ان کے خون کا بدلہ لینے کی کوشش کریں گے یا پھر وہی شربت ہم بھی نوش کریں گے جو انہوں نے نوش کیا۔ آنحضرت نے فرمایا کہ ان لوگوں کے بعد ہم کو بھی زندگانی کا کیا لطف رہے گا۔

یہی روایت بتغیر الفاظ مقتل ابومخنف، طبری اور البدایہ والنہایہ میں بھی ہیں۔

اخبار الطّوال نے جو ان سب کتب تاریخ سے قدیم تر ہے اس روایت کے ساتھ یہ بھی بیان کیا ہے کہ محمد بن اشعثؓ اور عمر بن سعدؓ کا فرستادہ قاصد بھی حضرت حسینؓ کے پاس ان اسدیوں کے بعد ہی پہنچ گیا تھا جنہوں نے قتل مسلمؓ کی خبر دی تھی۔ ذکر ہو چکا ہے کہ مسلمؓ نے اپنے قتل ہونے سے پہلے عمر بن سعدؓ سے کہا تھا کہ میری تمہاری قرابت ہے۔ تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ میرے اوپر اتنا قرض ہے اس کو ادا کر دینا۔ میری نعش کو دفن کرا دینا اور حسینؓ کے پاس قاصد بھیج کر میرا جو حال ہوا ہے اور کوفیوں نے بیعت کرنے کے بعد ہم سے جو غداری کی ہے سب احوال کی اطلاع بھیج دینا اور کہلوا دینا کہ وہ یہاں نہ آئیں مکہ ہی کو واپس چلے جائیں۔ گورنر کوفہ ابن زیاد نے بھی اس پیغام کو حضرت حسینؓ کے پاس بھیجنے کی اجازت دی تھی اور کہا تھا کہ اگر حسینؓ ادھر نہ آئیں تو ہمیں اُن سے کوئی تعرض نہیں۔ مؤلف اخبار الطّوال لکھتے ہیں:

فقال بنو عقيل وكانوا معه: ما لنا في العيش بعد أخينا مسلم حاجه، ولسنا براجعين حتى نموت. فقال الحسين: فما خير في العيش بعد هؤلاء، وسار. فلما وافى زبالة وافاه بها رسول محمد بن الاشعث، و عمر بن سعد بما كان ساله ان يكتب به اليه من امره، وخذلان اهل الكوفه اياه، بعد ان بايعوه.

(ص۳۱۰، اخبار الطّوال)

فرزندانِ عقیلؓ نے جو اُن کے (حسینؓ کے) ساتھ تھے کہا تھا کہ ہمارے بھائی مسلم کے (مارے جانے کے) بعد ہمیں بھی زندہ رہنے کی حاجت نہیں ہم ہرگز واپس نہیں لوٹیں گے حتی کہ اپنی جانیں دے دیں۔ حسینؓ نے اس پر فرمایا کہ ان لوگوں کے بعد پھر ہمیں بھی زندگانی کا کچھ لطف نہ رہے گا۔ (اس گفتگو کے بعد) آگے روانہ ہوئے جب زبالہ پہنچے تو محمد بن اشعث اور عمر بن سعد کا فرستادہ قاصد ملا کیونکہ مسلم نے (اپنے قتل ہوجانے سے پہلے) ان لوگوں

سے کہا تھا جو کچھ میرا حال ہوا ہے اور اہل کوفہ نے ان کے (حسینؓ کے) لئے مجھ سے بیعت کر کے غداری کی ہے وہ سب کچھ لکھ کر حسینؓ کے پاس بھیج دینا۔

برادرانِ مسلم کے بضد ہونے کی روایت خود اہل خاندان یعنی حضرت حسینؓ کے پوتے جناب زید بن علی الحسینؒ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پوتے جناب داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباسؒ ان دونوں کی سند سے بیان کی گئی ہے یعنی:

أن بني عقيل قَالُوا: لا وَاللَّهِ لا نبرح[1] حَتَّى ندرک ثأرنا' أو نذوق مَا ذاق أخونا.
(ص۲۲۵ج۶،طبری ؛ص۱۶۹ج۸،البدایہ والنہایہ)

فرزندانِ عقیلؓ نے کہا۔ واللہ جب تک ہم انتقام نہ لیں گے یا جو ہمارے بھائی کا حال ہوا وہی ہمارا نہ ہوجائے گا ہم اس جگہ سے ہرگز (واپسی کیلئے) نہ سرکیں گے۔

برادرانِ مسلم بن عقیلؓ کی ضد تو جذبہ انتقام کے تحت تھی لیکن جب ان ۶۰ کوفیوں نے جو حسینؓ کو عراق لے جانے کیلئے مکہ پہنچے تھے اور آپ ہی کے قافلے کے ساتھ آرہے تھے آپ سے اصرار کیا اور یہ کہہ کر ترغیب دی کہ مسلم کی تو اور بات تھی جب آپ کوفہ وارد ہونگے تو سب لوگ آپ کی طرف دوڑ پڑیں گے۔ طبری اور دوسرے مؤرخین نے اُن کا یہ قول نقل کیا ہے:

وَقَالَ لَهُ بَعضُ أَصحَابِهِ: وَاللَّهِ مَا أَنتَ مِثلُ مُسلِمِ بنِ عَقِيلٍ' وَلَو قَدِمتَ الكُوفَةَ لَكَانَ النَّاسُ اِلَيکَ أَسرَعَ.
(ص۲۲۵ج۶،طبری ؛ص۱۶۹ج۸،البدایہ والنہایہ)

ان سے (حسینؓ سے) ان کے بعض ساتھیوں نے کہا کہ واللہ آپ کی بات ہی اور ہے کجا آپ کجا مسلم۔ آپ جب (سرزمین) کوفہ پر قدم رکھیں گے سب لوگ آپ کی طرف دوڑ پڑیں گے۔

---

[1] طبری کی روایت میں لفظ اسی طرح ہے مگر البدایہ میں نرجع ہے۔

مسلم کے بھائیوں کی ضد کرنے پر آپ کا یہ قول کہ تم لوگوں کے بعد ہمیں بھی زندگی کا کچھ لُطف نہ رہے گا اگر صحیح نقل ہوا ہے تو ظاہر ہے محض جذبات سے کام لیا گیا۔ لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ واپسی کا ارادہ صرف اسی وجہ سے ترک کر دینا اور سفر جاری رکھنا درست نہیں تھا۔ اپنی دانست میں حضرت حسینؓ خلافت کا اپنے آپ کو زیادہ مستحق سمجھتے تھے اور اپنا ''حق'' لینا اپنے اوپر واجب کر چکے تھے۔ مسلم کے واقعہ سے آپ نے یہ صحیح نتیجہ اخذ کیا تھا کہ اس حالت میں کوفہ جانا مفید نہ ہوگا مگر آپ کے ساتھی کوفیوں نے جب آپ کو ترغیب دی اور یقین دلایا کہ آپ کی شخصیت مسلم کی طرح نہیں ہے، آپ کی صورت دیکھتے ہی لوگ آپ کی طرف دوڑ پڑیں گے، حصول مقصد کے جذبہ نے حزم و احتیاط پر غلبہ پالیا اور جس طرح اپنے ہمدردوں اور عزیزوں کے عاقبت اندیشانہ مشوروں کو نظر انداز کر دیا تھا اور کوفیوں کے مواعید پر بھروسہ کر کے مکہ سے روانہ ہو گئے تھے وہی خوش اعتقادی اب بھی آگے بڑھنے کی محرک ہوئی۔ آزاد مؤرخ دوزی نے لکھا ہے کہ ان کوفیوں کے خطوط و مراسلات کے مندرجہ مواعید پر اُنہیں ایسا اعتماد تھا کہ لوگوں کے سامنے فخریہ پیش کرتے تھے۔ مؤرخ دوزی کا یہ فقرہ یہاں نقل کرنا بے محل نہ ہوگا:

> ''مدینہ کے ضرورت سے زیادہ سریع الاعتقاد اور بھولے گورنر کی نگرانی سے بچ کر حسینؓ بمعیت عبداللہ (ابن زبیر) مکہ کی مقدس سرزمین پر پناہ گزین ہوئے تھے۔ اہالی کوفہ کے خطوط و مراسلات جب ان کو موصول ہو گئے تو ان کو اس سے بے انتہا خوشی ہوئی۔ ان خطوط میں التجا کی گئی تھی کہ وہ آن کر قیادت کریں۔ کوفیوں کی ان تحریرات میں یہ عہد کیا گیا تھا کہ ہم آپ کو خلیفہ تسلیم کر لیں گے اور پوری آبادی کو آپ کی خلافت قبول کرنے پر راضی کر لیں گے۔ کوفہ سے قاصد بڑی سرعت سے آتے رہے۔ آخری قاصد جو بڑی طویل درخواست لایا تھا اس کے ساتھ کوئی ڈیڑھ سو صفحات کی فہرست لوگوں کے دستخطوں کی منسلک تھی۔ حسینؓ کے دور اندیش دوستوں نے لاکھ منت سماجت کی کہ ایسی خطرناک مہم کے اندر ناعاقبت

اندیشانہ اپنے کو جوکھم میں نہ ڈالیں اور ان لوگوں کے مواعید اور مصنوعی جوش و ولولہ پر اعتماد نہ کریں جنہوں نے ان کے والد سے دغا کی تھی اور ان کو دھوکہ دیا تھا۔ مگر حسینؓ نے حبِ جاہ کی مہلک ترغیبات پر کان دھرنے کو ترجیح دی اور ان لاتعداد خطوط (دعوت ناموں) کی فخریہ طور سے نمائش کرتے رہے جو اُن کو موصول ہوئے تھے۔ اور جن کی تعداد جیسا کہ شیخی سے کہتے تھے کہ ایک اونٹ کے بوجھ کے مساوی تھی۔ قضا کے سامنے بالآخر اُنہوں نے سر جُھکا دیا اور کوفہ روانہ ہوگئے۔ (قتل مسلم کے) مصیبت خیز واقعہ کی خبریں حسینؓ کو اُس وقت ملیں جب کوفہ سے کچھ زیادہ دور نہ تھے۔ اُن کے ساتھ مشکل سے ۱۰۰ نفوس تھے جن میں زیادہ تر اُن کے اہل خاندان تھے۔ بہ ایں ہمہ انہوں نے سفر جاری رکھا۔ اسی خوش اعتقادی کی سحر آفریں کشش نے جو دعویداروں پر اثر انداز ہوا کرتی ہے اُن کا بھی ساتھ نہ چھوڑا۔ اُن کو یقین تھا کہ پھاٹک پر جا موجود ہوں گے اہل شہر اُن کے مقصد کے لئے ہتھیار سنبھال لیں گے۔''

(ص ۴۶ تاریخ مسلمانانِ اسپین۔ مؤلفہ رینہارٹ دوزی ترجمہ فرانسس گریفن۔ مطبوعہ لندن ۱۹۱۳ء)

نئے گورنر کوفہ کو احکام و ہدایات :

حضرت حسینؓ کو اگر اس بات کا پورا یقین ہو جاتا کہ کوفہ کے انتظامی حالات میں کیا انقلاب رُونما ہوگیا ہے وہ اُدھر کا رُخ نہ کرتے یا راستہ ہی سے پلٹ جاتے۔ ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت نعمان بن بشیرؓ سابق گورنر کوفہ جب باغیانہ سرگرمیوں کو کُچلنے میں ناکام رہے تھے تو عبیداللہ بن زیاد عامل بصرہ کو کوفہ کی حالت درست کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ اُنہوں نے عہدہ کا چارج لیتے ہی مسجد کوفہ کے منبر سے جو تقریر کی، ابومخنف نے اس کے یہ فقرے نقل کئے ہیں۔

أَمَّا بَعدُ، فان أَمِيرالمُومِنِينَ أصلحه اللّٰه ولاني مصركم وثغركم، وأمرني بانصاف مظلومكم، واعطاء محرومكم، وبالاحسان اِلَى سامعكم ومطيعكم، وبالشدة عَلَى مريبكم وعاصيكم، وانا متبع فيكم أمره، ومنفذ فيكم عهده، فأنا لمحسنكم و مطيعكم كالوالد البر، وسوطي وسيفي عَلَى من ترك أمري، وخالف عهدي، فليبق امرؤ على نفسه. الصدق ينبئ عنك لا الوعيد.

(ص۲۰۱ ج۶، طبری)

(حمد وثنا کے بعد کہا) امیرالمومنین (یزیدؒ) نے اللہ تعالیٰ اُن کی بہتری کرے تمہارے شہر اور سرحدی حدود کا مجھے والی مقرر کیا ہے اور مجھے یہ حکم دیا ہے کہ تمہارے مظلوموں کا انصاف کروں اور محروموں کو عطا کروں۔ جو شخص بات سُنے اور اطاعت کرے اس پر احسان کروں جو دھوکہ باز اور نافرمان ہو اس پر تشدد کروں۔ تم لوگوں کے معاملہ میں میں اُن کے فرمان کو نافذ کروں گا۔ تم میں سے جو اچھے کردار کا اور مطیع ہے میں اُس کے ساتھ مہربان باپ کی طرح پیش آؤں گا۔ اور جو میرا حکم نہ مانے گا اور میرا فرمان نہ بجالائے گا اس کے لئے میرا تازیانہ اور میری تلوار موجود ہے۔ آدمی کو چاہیئے کہ اپنی جان کی خیر منائے بات سچی ہو کر سامنے آجائے تو پتہ چلتا ہے کہ محض دھمکی سے کچھ نہیں ہوتا (یعنی جو کہا ہے میں کر گزروں گا اور تم دیکھ لوگے)۔

تقریر کے بعد گورنر نے تمام قبیلوں کے سرداروں سے اُن تمام اشخاص کے ناموں کی فہرستیں طلب کیں جن پر حکومت کی مخالفانہ کارروائیوں اور باغیانہ سرگرمیوں میں حصہ لینے کا شبہ تھا۔ سردارانِ قبائل کو مفسدین کے ہموار کرنے کا ذمہ دار بنایا گیا۔ سرحدی چوکیوں پر نگراں مقرر کئے گئے۔ ان تدابیر سے چند ہی دن میں باغیانہ سرگرمیوں کا قلع قمع ہو گیا۔ مؤرخین

نے امیر المومنین یزیدؒ کا ایک فرمان بھی نقل کیا ہے جس کی عبارت میں قطع برید نہیں کی گئی۔ وہ فرمان یہ تھا:

قَدبَلَغَنِي أَنَّ الحُسَينَ قَد تَوَجَّهَ نَحوَ العِرَاقِ. فَضَعِ المَنَاظِرَ وَالمَسَالِحَ، وَاحتَرِس وَاحبِس عَلَى الظِّنَّةِ وَخُذ عَلَى التُّهمَةِ، غَيرَ أَن لَا تَقتُلَ اِلَّا مَن قَاتَلَكَ، وَاكتُب اِلَيَّ فِي كُلِّ مَا يَحدُثُ مِن خَبَرٍ، وَالسَّلَامُ.

(۱۶۰ج۸البدایۃ والنہایۃ و ص۲۱۵ج۶ طبری)

مجھے اطلاع پہنچی ہے کہ حسینؓ عراق کی جانب روانہ ہوئے ہیں۔ سرحدی چوکیوں پر نگران مقرر کرو، جن سے بدگمانی ہو اُنہیں حراست میں لو اور جس پر تہمت ہو اُنہیں گرفتار کرلو۔ لیکن جو خود تم سے جنگ نہ کرے اس سے تم بھی جنگ نہ کرنا اور جو واقعہ پیش آئے اس کا حال لکھنا۔ والسلام

مضمون فرمان سے اگر الفاظ میں کچھ ردّ و بدل بھی کیا گیا ہو۔ کیونکہ ابومخنف جیسے غالی راوی کی روایت سے نقل ہوا ہے تب بھی ہر انصاف پسند محسوس کرے گا کہ ایک بالغ نظر اور کریم النفس حکمران اپنی مملکت میں بہبود عامہ کی خاطر امن و امان برقرار رکھنے کے سلسلے میں حفظ ما تقدم کی ضروری تدابیر کے ساتھ گورنر متعلقہ کو بالفاظ واضح ہدایت کرتے ہیں کہ جنگ و جدال میں سبقت یا پہل نہ کرے، دوسرا حملہ آور ہو تو مدافعانہ کارروائی کی جائے۔

فرمان کے الفاظ ''غیر ان لا تقتل الا من قاتلک'' سے ان تمام وضعی مکذوبہ روایتوں کی تردید ہو جاتی ہے جو وحشیانہ مظالم توڑنے کے سلسلے میں بیان کی گئی ہیں۔ حکومت کا کوئی بھی کارکن یا عامل خواہ وہ گورنر کے منصب جلیلہ پر فائز ہو، امیر المومنین کے صریح احکام کی خلاف ورزی کا مرتکب نہیں ہوسکتا۔ امیر المومنین کے فرمان کے علاوہ بعض عمائد ملت اور حضرت حسینؓ کے ہمدردوں نے حالات کی نزاکت کا احساس کر کے گورنر مذکور کو تحریریں ارسال کی تھیں اور تنبیہ کیا تھا کہ حضرت حسینؓ کے معاملہ میں حزم و احتیاط سے کام لیں۔ مؤرخین نے حضرت مروانؓ کا ایک مکتوب نقل کیا ہے جو کہا جاتا ہے کہ اُنہوں نے حضرت حسینؓ کی روانگی

کے بعد ابن زیاد کو ارسال کیا تھا۔ اس مکتوب کے الفاظ میں بھی کوئی ردّ و بدل نہیں ہوا اس کا مضمون یہ تھا:

فَكَتَبَ مَرْوَانُ اِلَى عُبَيْدِاللّٰهِ بنِ زِيَادٍ: أَمَّا بَعْدُ، فَاِنَّ الْحُسَيْنَ بنَ عَلِيٍّ قَد تَوَجَّهَ اِلَيكَ، وَهُوَ الْحُسَيْنُ ابنُ فَاطِمَةَ، وَفَاطِمَةُ بِنتُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، وَبِاللّٰهِ مَا أَحَدٌ يُسَلِّمُهُ اللّٰهُ أَحَبَّ اِلَينَا مِنَ الْحُسَينِ، فَاِيَّاكَ أَن تُهَيِّجَ عَلَى نَفسِكَ مَا لَا يَسُدُّهُ شَيءٌ، وَلَا تَدَعُ ذِكرَهُ، وَالسَّلَامُ.

(ص ۱۶۵ ج ۸، البدایہ والنہایہ؛ ص ۲۱۲ ج ۶ از کتاب دوم ناسخ التواریخ مطبوعہ ایران)

(حضرت) مروانؓ نے ابن زیاد کو یہ مکتوب بھیجا۔ اما بعد، تمہیں معلوم ہو کہ حسین بن علیؓ تمہاری طرف آرہے ہیں (یہ تو جانتے ہو) وہ بیٹے ہیں فاطمہؓ کے اور فاطمہؓ دختر ہیں رسول اللہ ﷺ کی۔ اللہ کی قسم حسینؓ سے زیادہ (اللہ ان کو سلامت رکھے) کوئی شخص بھی ہم کو محبوب نہیں۔ پس خبردار غیظ وغضب میں ایسا فعل نہ کر بیٹھنا کہ مداوا نہ ہو سکے اور عام اُمت فراموش نہ کرے اور رہتی دُنیا تک ذکر نہ بھولیں۔

اس مکتوب کے الفاظ ہی ظاہر کر رہے ہیں کہ حضرت حسینؓ کی ذات سے حضرت مروانؓ کو کیسی اُلفت تھی اور وہ کیسی آرزو کہ اس خطرناک سفر میں اُن کا بال بیکا نہ ہونے پائے۔ یہ وہی مروانؓ ہیں جن کے متعلق وضاعین نے اتہام لگایا ہے کہ عامل مدینہ کو ترغیب دی تھی کہ حسینؓ بیعت سے گریز کریں تو اُن کی گردن اُڑا دو۔ اُن کی اُلفت ومحبت کا عملی ثبوت آئندہ اوراق میں آپ حضرت علی بن الحسینؒ (زین العابدین) کے حال میں پڑھیں گے کہ ایک لاکھ روپیہ بطور قرض حسنہ حضرت مروانؓ نے اُن کو دیا تھا ادا نہ ہو سکا تو مرتے وقت بیٹے کو وصیت کر گئے کہ وصول نہ کیا جائے۔

ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف نے شاید وضعی روایت کے پیش نظر رکھ کر حضرت مروانؓ کے اس خط کو امیر المومنین کے چچیرے بھائی ولید بن عتبہ بن ابوسفیانؓ سے منسوب کر دیا ہے۔

حضرت مروانؓ کی اولاد واحفاد کی جو مسلسل قرابتیں حضرت علیؓ وحسنؓ وحسینؓ کی اولاد سے ہوتی رہیں (جن کی تفصیلات اسی کتاب میں دوسری جگہ درج ہیں) وہ بیّن ثبوت ہیں آپس کی محبت ومودت کا نہ کہ عناد ومخاصمت کا۔

کوفہ کی راہ چھوڑ کر دمشق کی طرف رُخ کرنا :

بعض ثقہ شیعہ مؤرخین کا بیان ہے کہ کوفہ کے قریب پہنچ کر جب حالات کا صحیح علم ہوگیا تو حضرت حسینؓ نے امیر المومنین یزیدؒ کے پاس چلے جانے کیلئے وہ راستہ اختیار کیا جو ملک شام جاتا تھا۔ شیعہ مؤرخ ونساب مؤلف عمدۃ الطالب لکھتے ہیں:

فاراد الرجوع فامتنع بنو عقيل ذالك فصار حتى قارب الكوفة فلقيه الحر بن يزيد الرياحى فى الف فارس فارادا دخاله الكوفة فامتنع وعدل نحو الشام قاصداً الى يزيد بن معاوية فلما سار الى كربلا محنعوه من المسير و اراده على دخول الكوفة والنزول على حكم عبيداللّٰه بن زياد فامتنع واختار المضى نحو يزيد بالشام.

(ص ۱۷۹ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب مطبوعہ لکھنو۔ طبع اول)

(مسلم کے قتل کی خبر سُن کر) حسینؓ نے لوٹ جانے کا ارادہ کیا مگر فرزندانِ عقیل مانع آئے تو آپ آگے کو چلے یہاں تک کہ کوفہ کے قریب پہنچے وہاں حُر بن یزید الریاحی سے جس کے ساتھ ایک ہزار سوار تھے مڈبھیڑ ہوئی اس نے ان کو کوفہ لیجانے کا ارادہ کیا۔ آپ نے منع کیا اور ملک شام کی طرف مُڑ گئے تاکہ یزید بن معاویہؓ کے پاس چلے جائیں لیکن جب کربلا پہنچے تو آگے بڑھنے سے روک دیا گیا اور کوفہ لیجانے اور عبیداللہ بن زیاد کا حکم ماننے کیلئے کہا گیا آپ نے اس سے انکار کیا اور یزیدؒ کے پاس ملک شام جانا پسند کیا۔

کوفہ کا راستہ چھوڑ کر ملک شام (دمشق) جانے کا جو راستہ حضرت حسینؓ نے

اختیار کیا تھا وہ راستہ وہی ہے جو قادسیہ سے بائیں جانب مُڑ کر قصر مقاتل اور قریات الطف ہو کر جن میں کربلا کا میدان بھی شامل تھا سیدھا دمشق جاتا تھا۔ معجم البلدان میں یاقوت حموی نے اس راستہ کی تصریح ان الفاظ میں کی ہے:

اذا خرجت من القادسية تريد الشام و منه الى قصر مقاتل ثم القريات ثم السماوة .	جب قادسیہ سے نکل کر ملک شام جانے کا ارادہ کرے تو وہاں سے قصر مقاتل جائے پھر قریات (ارض طف) پھر سماوہ۔

(ص۱۲۵ ج۷، مطبوعہ ہالیبرک ۱۸۶۷ء)

ابومخنف اور دوسرے راویوں کا بیان ہے کہ قادسیہ والعذیب کے راستہ سے مُڑ کر آپ ذوحسم وقصر مقاتل ہو کر ان مقامات پر ٹھہرتے ہوئے کربلا گئے تھے۔ حضرت ابوجعفر محمد (الباقر) اپنے والدین اور دادا کے ساتھ کربلا میں موجود تھے۔ اگرچہ اس وقت وہ اتنے کم سن تھے کہ شاید کوئی بات خود تو یاد نہ ہوگی۔ اپنے والد اور دوسرے عزیزوں سے حالات یقیناً سنیں ہوں گے۔ حضرت محمد (الباقر) سے ایک شیعہ راوی عمار الدہنی نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ مجھ سے قتل حسینؓ کے واقعہ کو اس طور سے بیان کیجئے کہ گویا میں خود وہاں موجود تھا (اور اپنی آنکھوں سے یہ واقعات دیکھ رہا تھا) **حدثنی عن مقتل الحسين حتى كانى حضرته** ۔ (ص۲۲۰ ج۶، طبری)

حضرت محمد (الباقر) نے مقتل حسین کے واقعات بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

فأقبل حُسَين بن علي بكتاب مسلم بن عقيل كَانَ اِلَيهِ، حَتّٰى اذا كَانَ بينه و بين القادسية ثلاثة أميال، لقيه الحر بن يزيد التميمي، فقال لَهُ: أين تريد؟ قَالَ: أريد	حسین بن علیؓ کو جب مسلم بن عقیلؓ کا خط پہنچا تو آپ (مکہ سے روانہ ہو کر) ابھی اس جگہ تک پہنچے تھے جہاں سے قادسیہ تین میل تھا کہ حُر بن یزید تمیمی سے ملاقات ہوئی۔ اُس

هَـذَا المصر، قَالَ لهُ: ارجع فاني لم أدع لك خلفي خيرا أرجوه، فهم أن يرجع، وَكَـانَ مَـعَـهُ اخـوة مسلم بن عقيل، فَقَـالُـوا: واللّـه لا نـرجع حَتّى نصيب بثـأرنـا أو نـقتـل: لا خيـر فِي الحيـاة بـعـدكم! فسار فلقيته أوائل خيل عُبَيد اللّهِ، فلما رَأَى ذَلِكَ عدل اِلَى كربلاء.
(ص۲۲۰ ج۶، طبری)

نے پوچھا آپ کہاں جارہے ہیں؟ کہا اسی شہر میں جانا چاہتا ہوں۔ حُر نے کہا کہ آپ لوٹ جایئے وہاں آپ کیلئے کسی بہتری کی مجھے اُمید نہیں ہے۔ اس پر آپ نے لوٹ جانے کا ارادہ کیا۔ مسلمؓ کے جو بھائی آپ کے ساتھ تھے اُنہوں نے کہا واللہ ہم اُس وقت تک نہیں لوٹیں گے جب تک ہم اپنا انتقام نہ لے لیں یا ہم سب بھی قتل نہ ہوجائیں۔ آپ نے کہا کہ تمہارے بعد ہمیں بھی زندگی کا لطف نہیں یہ کہہ کر آپ آگے روانہ ہوگئے۔ اتنے میں عبیداللہ کے لشکر کا ہراول (دستہ) سامنے آگیا تو کربلا کی جانب پلٹ گئے۔

حضرت ابوجعفر محمد (الباقر) کی اس روایت سے بھی صاحب عمدۃ الطالب کے اس بیان کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت حسینؓ از خود اس راستہ کی طرف مُڑ گئے تھے جو کربلا ہوکر دمشق جاتا تھا۔ آپ کو گھیر کر جیسا کہ وضعی روایتوں میں بیان کیا گیا ہے کہ اس راستے پر چلنے کے لئے مجبور نہیں کیا گیا تھا آپ نے امیر المومنین کے پاس دمشق جانے کی راہ اختیار کی تھی۔

ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف بھی فرماتے ہیں:

حسینؑ از طریق عذیب وقادسیہ راہ بگردانیدو بجانب چپ روان شد۔
(ص۲۲۲ ج۶ از کتاب دوم)

حسینؑ عذیب اور قادسیہ کے راستے سے پلٹ گئے اور بائیں جانب کو روانہ ہوئے۔

قادسیہ و عذیب سے پلٹ کر بائیں جانب روانہ ہونے کا راستہ وہی راستہ ہے جو قصر مقاتل و قریات طف ہو کر سیدھا دمشق کو جاتا تھا اور اسی طف کے قریات میں سے ایک قریہ العقر تھا جس کا ملحقہ میدان کربلا تھا۔

اجماع اُمت کی اہمیت اور کوفیوں کے عذر کا احساس :

مؤرخین کے بیان سے واضح ہے کہ کوفہ کے قریب پہنچ کر جب حضرت حسینؓ کو مدعیان وفاداری کے دعاوی کی حقیقت اچھی طرح واضح ہوگئی اور ان سینکڑوں خطوط بھیجنے والوں اور خروج پر آمادہ کرنے والوں کا پتہ بھی نہ چلا کہ کہاں ہیں اور کیا ہوئے تو آپ نے جان لیا کہ امیر المومنین یزیدؒ کی بیعت پر تمام اُمت متفق ہو چکی ہے اور جماعت کے فیصلے یا عمل کا استخفاف اب ممکن نہیں ہے آپ نے دمشق جانے کیلئے باگ موڑ دی۔ جیسا ابھی تفصیلاً بیان ہوا۔ اسی کے ساتھ مؤرخین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ آپ نے تین شرطیں گورنر عراق کے افسروں کے سامنے پیش کی تھیں :

(۱) مدینہ طیبہ واپس جانے دیا جائے۔

(۲) یہ منظور نہ ہو تو ممالکِ اسلامیہ کی سرحد پر مصروف جہاد ہوں۔

(۳) یہ بھی منظور نہ ہو تو آپ کو شام (دمشق) بھیج دیا جائے۔

حتیٰ کہ اپنے ابن عم (یزید) کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیں۔ طبری اور دوسری کتب تاریخ سے لے کر سیوطی کی ادنیٰ تاریخ الخلفاء اور امام ابن حجر عسقلانی کی الاصابہ فی تمیز الصحابہ تک میں یہی شرطیں موجود ہیں۔ شیعہ مؤرخین و مؤلفین خصوصاً ناسخ التواریخ (ص ۲۳۷ ج ۶) وغیرہ میں یہی شرطیں لکھی ہیں اور امیر عسکر عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ کا وہ مکتوب بھی درج کیا جاتا ہے کہ ابن زیاد کو ان شرائط کے متعلق تحریر کیا تھا جس میں آخری شرط کے یہ الفاظ لکھے تھے :

او یاتی امیر المومنین یزید فیضع	یعنی اور وہ (حضرت حسینؓ) امیر المومنین
یدہ، فی یدہ فیما بینہ و بینہ فیری	یزیدؒ کے پاس چلے جائیں تاکہ اپنا ہاتھ اُن

رایہ وفی ھذا لک رضی ' وللامۃ صلاح.

(ص ۲۳۷ ناسخ التواریخ جلد ۶ از کتاب دوم مطبوعۃ ایران)

کے ہاتھ میں دے دیں اور دیکھیں کہ وہ کیا فرماتے ہیں، اسی میں اصلاح اُمت بھی ہے اور تمہاری خوشنودی بھی۔

بہرحال حضرت حسینؓ کی طہارتِ طینت کی برکت تھی کہ آپ نے بالآخر اپنے مؤقف سے رُجوع کرلیا۔ آج کل کے بعض مؤرخ یہ تیسری شرط ظاہر کرنے سے گریز کرتے ہیں لیکن یہ حضرات اتنا نہیں سوچتے کہ جہاں تک امیر المومنین یزیدؒ کی بیعت اور خلافت کے متفق علیہ ہونے اور حضرت حسینؓ کا اپنے مؤقف سے رجوع کر لینے کا مسئلہ ہے وہ پہلی ہی شرط سے پورا ہوجاتا ہے۔ حضرت حسینؓ کی یہ سعادتِ کُبریٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خروج عن الجماعت کے شر سے محفوظ رکھا اور بالآخر اس کی توفیق ارزانی فرمائی کہ جماعت کے فیصلے کی حرمت برقرار رکھنے کا اعلان کردیں۔ اقدام خروج میں آپ نے غلطی کی تھی مگر آخر میں جب خروج پر اُبھارنے والوں کی غداری عیاں ہوگئی تو آپ نے وہی کیا جو آپ کے برادرِ بزرگوار حضرت حسنؓ کے منشاء کے مطابق، خیرخواہوں اور ہمدردوں کی رائے کے موافق اور کتاب وسُنّت کی روشنی میں واجب تھا۔

اب اگر بالفرض یہ ثابت کردیا جائے کہ حضرت حسینؓ نے اپنے مؤقف سے رُجوع نہیں کیا تھا تب بھی دینی زاویہ نگاہ سے امیر المومنین پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا بلکہ اس سے پہلے جو واقعات گزر چکے ہیں اُن کی روشنی میں ایسا اعتراض بھی حکومت پر عائد نہیں ہوتا جیسا کہ مثلاً حضرت علی المُرتضیٰؓ پر۔ حضرت علیؓ کی بیعت مکمل نہیں ہوئی تھی۔ اُمت کی بہت بڑی اکثریت ان کی بیعت میں داخل نہیں تھی ان کے خلاف جو حضرات کھڑے ہوئے تھے وہ بڑی جمعیت رکھتے تھے۔ اُن کے قبضے میں ملک تھے اور لاکھوں انسانوں کی حمایت اُنہیں حاصل تھی۔ پھر ایسا خلیفہ جسے جمہور کی حمایت حاصل نہ ہو، جب شرعاً اس کا مجاز ہے کہ اپنے مخالفوں کے

خلاف تلوار اُٹھائے تو امیر المومنین یزیدؒ جو متفق علیہ خلیفہ تھے، جن کا پرچم تمام عالم اسلام پر لہراتا تھا، جن کی بیعت میں سینکڑوں صحابہ کرامؓ خصوصاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ نیز حضرت حسینؓ کے بھائی حضرت محمد بن علیؒ (ابن حنیفہ) جیسی مقتدر و مقدس ہستیاں داخل تھیں وہ اس کے مجاز کیوں نہیں کہ اپنے خلاف خروج کرنے والوں کا مقابلہ کریں۔ حضرت علیؓ کی تلوار اگر حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہؓ زوجہ مُطہرۃ حبیبہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف بے نیام ہوسکتی ہے اور اس ہودج پر تیر برسائے جاسکتے ہیں جس میں تمام اُمت کی ماں تشریف فرما ہوں اور ماں بھی وہ جو حجت دینیہ کے تحت میدان میں آئی ہوں، تو حضرت حسینؓ کے خلاف تلوار کیوں نہیں اُٹھائی جاسکتی۔ جن کی دعوت محض یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ اور حضرت علیؓ کا فرزند ہونے کی حیثیت سے خلیفہ اُنہیں بنایا جائے۔

باوجود اس کے ان کے خلاف شروع سے متشددانہ کارروائی نہیں کی گئی حالانکہ اصولاً یہ مطالبہ ایسا تھا کہ نہ کتاب اللہ سے اس کی کوئی سند پیش کی جاسکتی ہے نہ سُنّت رسول اللہ ﷺ سے، نہ تعامل خلفائے راشدین اور نہ عزائم آل بیت سے۔ یہی وجہ ہے کہ اُمت اس نظریہ پر مجتمع نہیں ہوئی بلکہ کسی درجہ میں بھی اسے قابل اعتناء نہیں سمجھا۔ حتیٰ کہ اُن لوگوں نے بھی نہیں جو اپنی دانست میں خلافت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبی وراثت سمجھتے تھے اور اس ورثہ کو ثابت کرنے کیلئے ازواجِ مُطہراتؓ وعصبات کی موجودگی میں ورثہ کا حقدار بیٹی کو بنا دیتے ہیں بلکہ داماد کو جو اسلامی قانون وراثت میں ہرگز دُرست نہیں۔ اگرچہ یہ لوگ مختلف اقطاع اور مختلف زمانوں میں خود تخت حکومت پر متمکن رہے لیکن اپنے زعمِ باطل کے جائز ''حقداروں'' کو محروم رکھا۔

امیر المومین یزیدؒ کو حضرت حسینؓ کے حادثہ کا صدمہ وقلق تھا۔ ابو مخنف وغیرہ شیعہ راویوں تک نے لکھا ہے کہ اس حادثہ کی خبر سُنتے ہی رنج سے بے تاب ہوگئے اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ مگر ذاتی تعلقات کے علاوہ حکومت اور پبلک امور کا جہاں تک تعلق ان کے خروج

سے تھا اس پر البتہ نکتہ چینی کی جاتی تھی۔ کربلا کے المناک حادثہ کے کچھ عرصہ کے بعد جب حضرت محمد بن علیؒ (ابن الحنفیہ) دمشق تشریف لے گئے تھے۔ امیر المومنین یزیدؒ نے پہلی ہی ملاقات میں حضرت حسینؓ کے واقعہ پر ان الفاظ میں ان سے اظہار تاسّف وتعزیت کیا تھا:

''پھر یزیدؒ نے ابن الحنفیہؒ کو ملاقات کے لئے بُلایا اور اپنے پاس بٹھا کر ان سے کہا۔ حسینؓ کی موت پر اللہ مجھے اور تمہیں اجر عطا کرے۔ بخدا حسینؓ کا نقصان جتنا بھاری تمہارے لئے ہے اتنا ہی میرے لئے بھی ہے اور اُن کی موت سے جتنی اذیت تمہیں ہوئی ہے اُتنی ہی مجھے بھی ہوئی ہے۔ اگر اُن کا معاملہ میرے سپرد ہوتا اور میں دیکھتا کہ ان کی موت کو اپنی اُنگلیاں کاٹ کر اپنی آنکھیں دے کر ٹال سکتا ہوں تو بلا مبالغہ دونوں اُن کے لئے قربان کر دیتا باوجود اس کے کہ اُنہوں نے میرے ساتھ بڑی زیادتی کی تھی اور خونی رشتہ کو ٹھکرا دیا تھا۔

تم کو ضرور معلوم ہوگا کہ ہم پبلک میں عیب جوئی حسینؓ کی کرتے ہیں۔ بخدا اس لئے نہیں کہ عوام میں خاندانِ علیؓ کو عزت وحرمت حاصل نہ ہو، بلکہ اس سے ہم لوگوں کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حکوت وخلافت میں ہم کسی حریف کو برداشت نہیں کر سکتے۔''

یہ باتیں سُن کر ابن الحنفیہؒ نے کہا:

''اللہ تمہارا بھلا کرے اور حسینؓ پر رحم فرمائے، اور اُن کے گناہ کو معاف کرے یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ ہمارا نقصان تمہارا نقصان اور ہماری محرومی تمہاری محرومی ہے۔ حسینؓ اس بات کے مستحق نہیں کہ تم ان کو برا بھلا کہو اور برملا اُن کی مذمت کرو۔ امیر المومنین! میں درخواست کرتا ہوں کہ حسینؓ کے بارے میں ایسی بات نہ کہیے جو مجھے ناگوار ہو۔''

یزیدؒ نے جواب دیا:

''میرے چچیرے بھائی! میں حسینؓ کے متعلق کوئی ایسی بات نہ کہوں گا جس سے تمہارا دل دُکھے۔'' (انساب الاشراف بلاذری ج ۳)

حضرت حسینؓ کے ناکام اقدام خروج پر ہر فریق نے اپنے اپنے نقطہ نظر سے اظہار خیال کیا ہے۔ مخالفین نے نکتہ چینی کی، موافقین نے ان کو معصوم عن الخطاء ہی قرار دے دیا۔ لیکن اہل خاندان خاص کر اُن کے صاحبزادے حضرت علی بن الحسینؒ (زین العابدین) کا اس بارے میں جو رویّہ رہا اُس سے بخوبی ثابت ہے کہ اُن کے اہل خاندان اس واقعہ کو ایسا سیاسی اقدام سمجھتے تھے جو مناسب نہ تھا۔ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

کربلا، وجہ تسمیہ اور محل وقوع :

عربی زبان کے یہ دو لفظ کَربَل و کَربَلَۃ معنی وتلفظ کے اعتبار سے تقریباً یکساں ہیں ان ہی سے مشتق بتایا جاتا ہے۔ یاقوت حموی کہتے ہیں: کَربَلآء بالمد. فاما اشتقاقه فالکَربَلَۃ .(کربلا جو مد کے ساتھ ہے اس کا اشتقاق لفظ کربلہ سے ہے)۔ (ص ۲۲۹ ج ۷، معجم البلدان)

غَربَل اور غَربَلَۃ بھی اسی معنی میں مستعمل ہے جیسے غربل الحنطہ (ص ۲۰۔ المنجد طبع بیروت)۔ اسی مؤلف نے یہ عربی شعر جس میں غربلت اور کربلت اسی معنی میں آئے ہیں مثالاً پیش کیا ہے:

یحملن حمراء رسوبا الثقل　　قد غربلت و کربلت من الفصل

ضمناً ذکر ہو چکا ہے کہ ارض الطف کے قریہ عقر کی مضافاتی زمین کربلا کہلاتی تھی جو روڑں، کنکروں اور جھاڑ جھنکار سے صاف اور نرم و ملائم زمین تھی۔ نیز جو قریہ مذکورہ کی فصل غلہ پچھوڑنے کے کام میں لائی جاتی تھی اور اسی بناء پر کربلا کہلاتی تھی۔

ان تکون هذه الارض منقاة من الحصی والدخل فیمت ذلکَ (ص ۲۲۹ ج ۷، معجم البلدان)

اور یہ زمین روڑوں، کنکروں اور جھاڑ جھنکار سے صاف تھی اور اسی لئے یہ نام بھی پڑا (کہ غلّہ پچھوڑنے کی زمین تھی۔

فصل غلہ خاص کر فصل گندم کاٹ کر پچھوڑنے یعنی بھوسہ اُڑا کر صاف کرنے کو کربل کہتے ہیں۔ کیچڑ میں بدقّت اور آہستہ چل کر آنے کو بھی مکّر بلا کہا جاتا ہے۔ جیسے جاء یمشی مکر بلا (ص ۷۲۰، المنجد طبع بیروت) یعنی وہ مٹی ملے پانی (کیچڑ) میں بدقت چل کر آیا۔

کربلا کی وجہ تسمیہ بتاتے ہوئے یاقوت حموی نے لکھا ہے:

ویقال کربَلَت الخطة اذا اهرزتها نقیتها فی صفة الحنطة.	گندم کی طرح سے جب غلہ پچھوڑتے ہیں تو کہتے ہیں کربلت الحنطہ۔

(ص ۲۲۹ ج ۷، معجم البلدان)

یہ زمین مزروعہ تو نہ تھی لیکن سُرخ پھولوں والے پودے جن میں ترش پھل لگتے تھے بکثرت اُگتے تھے۔ جن کو الحُماص کی قسم میں شمار کیا جاتا تھا جو عبشہ کی طرح ہوتے تھے اور پتے اُن کے کاسنی جیسے:

و کربل اسم نبت الحماض فیجوز ان یکون هذا الصنف من النبت یکثر نبة هناک فسمی بها .	اور کربل نام ہے الحماض کی طرح کے پودوں کا چونکہ یہ قسم یہاں بکثرت اُگتی تھی اسلئے بھی اس کا (کربلا کا) یہ نام پڑ گیا تھا۔

(ص ۲۲۹ ج ۷، معجم البلدان)

غرضیکہ ارض کربلاء جو ارض الطف میں شامل تھی اپنی نوعیت کے اعتبار سے نرم و ملائم زمین تھی۔ قدماء کے اشعار اور تالیفات میں کربلا کے بجائے طف ہی کا نام آتا ہے۔ ابو دھبل[1] الجمی نے اس سانحہ میں ہاشمیوں کے مقتول ہو جانے کا مرثیہ لکھتے ہوئے ایک شعر میں کہا ہے:

الا ان قتلی الطف من آل هاشم　　اذلت رقاب المسلمین فذلت

---

[1] اسی شعر کو قدرے تغیر لفظی سے سلیمان بن قتیبہ سے منسوب کرتے ہیں۔

ان قتیل الطف من آل هاشم　　اذل رقاباً من قریش فذلت

یوم کربلا کو یوم الطف کہتے تھے اور مقتولین کے ذکر میں ''قتیل وشہید الطف مثلاً :

واما عون و محمد الاصغر فقتلا مع ابن عمهما الحسين يوم الطف.
(ص۲۰ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب)

لیکن عون ومحمد الاصغر اپنے چچیرے بھائی حسینؓ کے ساتھ یوم الطف یعنی طف کی لڑائی میں قتل ہوئے۔

فرزندانِ علیؓ کی تعداد کا ذکر تے ہوئے کہ اُن کے ۱۹ بیٹے تھے۔ جن میں سے چند اُن کی حیات میں فوت ہوگئے تھے باقی ۱۳ میں سے چھ (۶) مقام طف میں حضرت حسینؓ کے ساتھ قتل ہوئے۔ صاحب عمدۃ الطالب کہتے ہیں کہ:

وقتل منهم بالطف ستة .
(ص۴۵)

اور اُن میں سے چھ طف کے مقام پر قتل ہوئے۔

عباس بن علیؓ کے ذکر میں کہتے ہیں:

والعباس شهيد الطف .
(ص۴۵)

اور عباسؓ (مقام) طف کے شہید۔

علامہ ابن حزم محمد بن عبداللہ بن جعفرؓ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

قتل بالطف . (ص۶۱ جمہرۃ الانساب)

(مقام) طف پر قتل ہوئے۔

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں:

كان مقتل الحسين بمكان من الطف يقال له كربلاء .
(ص۱۸۹ ج۸، البدایہ والنہایہ)

یعنی حسینؓ کا مقتل الطف کے مقام پر ہوا جسے کربلا کہتے ہیں۔

غرضیکہ فصل پچھوڑنے کا میدان (کربلا) ارض طف میں واقع تھا اور ارض الطف وہ زمین تھی جو عراق کی زرخیز اور سرسبز وشاداب زمین سے متصل اور اس سے قدرے بلند تھی۔

صاحب معجم البلدان نے اس کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے:

والطف . ارض من ضاحية الكوفة فی طريق البرية فيها كان مقتل الحسين بن علی وهی ارض باديه من الريف فيها عدة عيون ماء جارية منها الصيد والقط قطانة والرهيمية و عين جمل و ذواتها.

(ص ۵۱ ج ٦ ،معجم البلدان یاقوت حموی مطبوعہ لیپزک ۱۸٦۷ء)

اور طف کوفہ کے پاس کی وہ میدانی زمین ہے جو صحرائے (شام) کے راستہ پر واقع ہے جہاں حسین بن علیؓ مقتول ہوئے تھے۔ یہ زمین ریف یعنی سرسبز و شاداب و زرخیز اراضی کی صحرائی زمین ہے جس میں متعدد چشمے بہتے پانی کے ہیں جن میں الصید والقط قطانہ و رہیمیہ اور چشمہ جمل اور ان کے مثل دوسرے چشمے ہیں۔

اس ارض الطف کے ساتھ ساتھ ایران کے شہنشاہ شاپور نے ایک طویل و عریض خندق اس غرض سے کُھدوائی تھی کہ اہل عرب ان چشموں کو اپنے کام میں نہ لاسکیں۔ (معجم البلدان) ارض الطف میں بہتے پانی کے چشمے ایسے بھی تھے کہ مثلاً مچھلیاں بکثرت ہونے کی وجہ سے ایک چشمے کا نام ہی عین الصید پڑ گیا تھا کیونکہ لوگ وہاں مچھلیاں شکار کیا کرتے تھے۔ ''وسميت عين الصيد بكثرة لسمک الذی كان بها (ص ۵۱ معجم البلدان)۔ اسی ارض الطف میں وہ سب قریات شامل تھے جن کا ذکر ان روایتوں میں بار بار آتا ہے کہ حسینی قافلہ قرب کوفہ سے براہ قادسیہ والعذیب لوٹتے اور ملک شام کے راستے پر چلتے ہوئے ان سے گزرتا گیا تھا۔ ارض الطف کو ''طف الفرات ای شاطی'' کہتے تھے (ص ۵۱ معجم البلدان) یعنی دریائے فرات کی ساحلی زمین۔ اور یہ زمین اپنی نوعیت میں نرم و ملائم تھی۔

ان تكون ارض هذا الموضع (كربلا) رخوة فسميت ذلک.

(ص ۲۲۹ ج ۷، معجم البلدان)

اس مقام (کربلا) کی زمین چونکہ ملائم تھی اس لئے اس نام سے کربلا موسوم ہوئی۔

مندرجہ بالا تصریحات سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ کربلا کی زمین غلہ پچھوڑنے کے کام آتی تھی۔ کنکروں، روڑوں اور جھاڑ جھنکار سے صاف تھی اور اسی بناء پر کربلۃ کہلاتی تھی اور اسی سے کربلا مشتق ہے۔ اسی کے ساتھ عمدۃ الطالب کے شیعی مؤلف نے اس حقیقت کا بھی صاف الفاظ میں اظہار کر دیا ہے کہ حضرت حسینؓ اور ان کے قافلے کو گھیر گھار کر اس جگہ نہیں پہنچایا گیا تھا بلکہ وہ اس مقام پر یوں پہنچے تھے کہ راستہ میں جب ان کو یہ اطلاع مل گئی کہ اب کوفہ میں ان کا کوئی ناصر و معین و مددگار نہیں رہا، مسلم اور اُن کے مددگار ہانی بن عروہ بھی بغاوت پھیلانے کے جرم میں ماخوذ ہو کر قتل ہو چکے، انہوں نے اپنے مؤقف سے رُجوع کر کے یہ طے کر لیا کہ کوفہ کے بجائے سیدھے دمشق میں خلیفہ وقت یزید بن معاویہؓ کے پاس چلے جائیں۔ **وعدل نحو الشام قاصدا الی یزید بن معاویه** (ص ۱۷۹ عمدۃ الطالب) یعنی وہ (حسینؓ) ملک شام کی طرف مُڑ گئے۔ یزید بن معاویہؓ کے پاس جانے کیلئے قادسیہ و کوفہ سے شام (دمشق) جانے کا راستہ کربلا ہو کر جاتا تھا۔ یہی شیعہ مؤلف لکھتے ہیں کہ جب اُنہیں کوفہ جانے اور گورنر کوفہ عبید اللہ بن زیادؓ کا حکم ماننے کو کہا گیا تو اُنہوں نے منع کیا اور یزیدؒ کے پاس چلا جانا پسند کیا **فامتنع و اختار المضی نحو یزید** (ص ۱۷۹ ایضاً)۔ اب دیکھئے اسی بات کو ابومخنف نے کس انداز میں پیش کیا ہے اور کیسی مسخ صورت واقعہ کی بیان کی ہے۔ کہتے ہیں:

> جب حسینؓ اس مقام پر پہنچے تو ان کا گھوڑا یہاں رُک کر کھڑا ہو گیا۔ وہ اس پر سے اُتر پڑے اور دوسرے گھوڑے پر چڑھے مگر اُس نے بھی ایک قدم بھی نہ اُٹھایا پھر تیسرے پر چڑھے وہ بھی نہ چلا۔ اسی طرح برابر سات گھوڑوں پر چڑھتے اُترتے رہے مگر اُن سب کا یہی حال ہوا کہ کوئی بھی آگے کو نہ چلا۔ یہ حال دیکھ کر آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ اس مقام کا کیا نام ہے۔ تو لوگوں نے نے کہا غازیہ، پوچھا: اس نام کے علاوہ بھی کوئی اور نام ہے؟ کہا: نینوا، پوچھا: اس نام کے علاوہ بھی کوئی اور نام ہے؟ کہا: شاطی الفرات، پوچھا: اس نام کے علاوہ کوئی اور نام ہے؟ کہا: کربلا۔ یہ سُن کر آپ نے آہ سرد کھینچی اور فرمایا

کہ زمین کرب و بلاء، اب یہیں اُتر پڑو کیونکہ یہی مقام ہمارے سفر کا منتہا ہے۔ یہیں ہماری عزت وحرمت لُٹے گی اور واللہ یہیں ہمارے مرد قتل کئے جائیں گے۔ یہیں ہمارے بچے ذبح کئے جائیں گے اور واللہ یہیں ہماری قبروں کی زیارت کو لوگ آئیں گے اور میرے نانا رسول اللہ نے اسی تربت کا وعدہ کیا تھا، آپ کا قول غلط نہیں ہوسکتا۔ (مقتل ابی مخنف ص ۴۹)

کربلا سے کرب و بلا گھڑ کر غیب دانی کی صفت جو سوائے خدائے بزرگ و برتر علام الغیوب کے کسی نبی و رسول کو بھی عطا نہیں ہوئی، کس طرح حضرت حسینؓ سے منسوب کی گئی ہے۔

فرات کا کنارہ :

یہ سارا علاقہ (الطف) ساحلی علاقہ تھا۔ اس کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ عہد ما قبل تاریخ میں تہہ آب رہا تھا۔ بمر درد ہور دلدل میں تبدیل ہو کر خشک ہوتا گیا تھا۔ جس کے بعد تین مشہور شہر اس کے نواح میں اُجڑے اور ایسے جن کے تذکرے اوراق تاریخ پر ثبت ہیں۔ یعنی کلدائیوں کا بابل، بنو کدہ کے الحارث کا ابنار اور لخم کا الحیرہ۔ اس کے نواح میں یہ قریہ عقر تھا جس کی مضافاتی زمین کربلا تھی۔

''عرب ومشرق بعید'' کے لایق مؤلف[1] نے مسٹر ہرتھ (Hirth) ایک محقق کے حوالہ سے عہد عتیق کے ایک بندرگاہ (Tiaochi) کا ذکر کیا ہے جو اس نواح میں تھا۔ ایرانیوں اور چینیوں کی تجارتی کشتیاں وہاں لنگر انداز ہوتی تھیں۔ ایرانیوں ہی کے ذریعہ چینیوں کو ابتداً عربوں سے سابقہ پڑا تھا۔ اہل ایران عربوں کو ''تاجر'' کہتے تھے اسی لفظ کو بگاڑ کر چینی ان کو ''تاچی'' کہنے لگے۔ شاید اس بندرگاہ کے نام میں بھی (Ta-chi) شامل تھا عہد عتیق کے بعد جب ''الحیرہ'' آباد تھا۔ ہندیوں کی تجارتی کشتیوں کے بندرگاہ حیرہ پر آنے کا ذکر حمزہ اصفہانی

---

[1] ایس۔ اے حزین پروفیسر فواد یونیورسٹی قاہرہ کی یہ تالیف بزبان انگریزی ۱۹۴۲ء میں شائع ہوئی۔

نے بھی کیا ہے۔ یہ ثابت ہے کہ انبار اور حیرہ دریائے فرات ہی کے قرب میں تھے۔ عرب جغرافیہ نویس اور مؤرخ المسعودی نے دریائے فرات کے رُخ تبدیل کرنے کا ذکر کرتے ہوئے فرات کا کنارہ بتایا ہے کہ اس کی ایک قدیم شاخ پر جو بعد میں خشک ہو کر العتیق کہلانے لگی تھی۔ قادسیہ[1] کی مشہور جنگ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی سرکردگی میں ایرانیوں کے خلاف لڑی گئی تھی۔ سانحہ کربلا کے زمانہ میں دریائے فرات اسی نواع سے جہاں نیرہ آباد تھا اور اسی کے قرب میں کوفہ کا علاقہ اور کربلا کا میدان بھی تھا کوسوں دُور ہٹ گیا تھ۔ کوفہ سے پچیس میل اور کربلا سے بیس میل کے فاصلہ پر تھا اور اب بھی ہے۔

پانی کی افراط :

یاقوت حموی کی کتاب معجم البلدان کے مندرجہ بالا اقتباس میں بیان کیا گیا ہے کہ کربلا کی زمین سرسبز و شاداب زمین تھی۔ اس میں متعدد چشمے بہتے پانی کے تھے جن میں سے چار چشموں کے ناموں کی صراحت مؤلف نے بھی کی ہے۔ اس کے علاوہ ذرا سی زمین کھودنے سے ''آب زلال و گوارا'' یہاں آسانی سے حاصل ہوسکتا تھا۔ ناسخ التواریخ کی ایک وضعی

---

[1] جنگ قادسیہ بعہد فاروقی اواخر ۱۶ھ میں ہوئی تھی۔ ایرانیوں کی افواج کثیر کی خبر سُن کر حضرت عُمر فاروق اعظمؓ نے بذات خود محاذ جنگ پر تشریف لے جانے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب اور بعض اکابر صحابہؓ نے مستقر خلافت چھوڑ کر جانے کو منع کیا۔ حضرت علیؓ نے جانے کی رائے دی تھی لیکن آپ نے پہلا مشورہ قبول کیا اور حضرت علیؓ کو جیوش اسلامی کی قیادت پیش کی ''وعرض علی علی الشخوص فاباہ''، یعنی علیؓ کو محاذ جنگ پر (اسلامی افواج کی سپہ سالاری) پیش کی اس پر اُنہوں نے انکار کیا۔ اس پر حضرت عُمر فاروق اعظمؓ نے یہ ارشاد فرما کر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو مامور کیا کہ وہ مرد شجاع اور بڑے تیرانداز ہیں ''انہ رجل شجاع مرام'' (ص ۲۶۴ فتوح البلدان بلاذری)۔ ان ہی کی قیادت میں ایران فتح ہوا۔ ان کے منجملہ آٹھ بیٹوں کے چھ سے نسل باقی رہی جن میں عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ بھی ہیں۔ ان کے فرزند ابوبکر بن عمر بن سعدؓ راوی حدیث اور صاحب نسل ہیں۔ الغرض حضرت علیؓ کے ساتھ عقیدت میں اس بات کو بھی دخل ہے کہ انہوں نے ایران پر حملہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ سیدنا عمر، سیدنا خالد، سیدنا سعید بن العاص، سیدنا سعد رضوان اللہ علیہم اور اُن کے فرزند عمر بن سعدؓ سے عداوت کا سبب بھی فتوحات ایران ہیں۔

روایت سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے جہاں حضرت حسینؓ کا زمین کھود کر ''آب زلال'' نکال لینا بیان کیا گیا ہے۔ ناسخ التواریخ کے غالی مؤرخ فرماتے ہیں:

آنحضرت تبرے برگرفت داز بیرون خیمہ زنان نوزدہ گام بجانب قبلہ برفت انگاہ زمین را باتبر لختے حفر کرد ناگاہ آبے زلال وگوارا بجوشیدہ اصحاب آنحضرت بنوشیدم مشکہا پُر آب کردند۔
(ص ۲۳۵ ج ۶، از کتاب دوم مطبوعہ ایران ۱۳۰۹ھ)

آنحضرت (یعنی حسینؓ) نے ایک کدال اُٹھائی اور عورتوں کے خیمہ سے باہر کی طرف ۱۹ قدم قبلہ کی جانب چل کر گئے اور زمین کو تھوڑا سا کھودا تو گاہ آب زلال وگوارا زور سے نکل پڑا آپ کے ساتھیوں نے نوش کیا اور مشکیں بھی پانی سے بھر لیں۔

ان ہی غالی مؤلفین کی روایتوں میں پانی کے موجود ہونے اور بافراط ہونے کا ذکر آیا ہے۔ مثلاً امالی صدوق کی ایک روایت میں شب عاشورہ میں علی اکبر کا اپنے ساتھیوں کے ساتھ اتنا پانی بھرلانا مذکور ہے جس سے کپڑے بھی دھولئے گئے اور غسل بھی کئے گئے۔ آدمیوں اور جانوروں کے پینے اور دیگر ضروریات میں کام آیا۔ خود طبری نے ابومخنف کی یہ روایت بھی درج کی ہے کہ اسی دسویں محرم کو مصنوعی لڑائی شروع کرنے سے پہلے حضرت حسینؓ نے حکم دیا کہ بڑا خیمہ نصب کیا جائے۔ جب خیمہ نصب کر دیا گیا تو آپ نے یہ حکم دیا کہ بڑے کاسہ میں مشک گھولا جائے **ثم امر بمسک فیمثت فی جفنة عظیمة** جب مشک بڑے کاسے میں گھولا جا چکا تو روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت حسینؓ بڑے خیمے کے اندر نورہ لگانے تشریف لے گئے **دخل الحسین ذلک الفسطاط فتطلی بالنورہ** اور صرف حضرت حسینؓ ہی نہیں بلکہ آپ کے سب ساتھیوں نے بھی ایسا ہی کیا، چنانچہ کہتے ہیں **دخلنا فاطلینا** یعنی ہم سب خیمہ میں گئے اور نورہ لگایا۔

اوّل تو یہ ''نورہ''[1] لگانے کی رسم نہ عرب میں تھی اور نہ کسی عرب مجاہد و غازی کے

---

[1] یعنی چونہ قلعی چیزیست کہ برائے دور کردن مواز بدن بکار برند وآں آہک وزرنیخ بہم سائیدہ است۔ (غیاث اللغات)

حالات میں کہیں اس کا ذکر ملتا ہے۔ یہ تو خالص عجمی دستور تھا۔ ایرانی پہلوان تیغ آزمائی یا زور آزمائی سے پہلے اپنے جسم سے بالوں کو ''نورہ'' مل کر اسی طرح صاف کر لیتے تھے جیسے آج بال صفا پوڈر سے صاف کر لیتے ہیں۔ نورہ عام طور سے ہڑتال اور چونہ قلعی کو باریک پیس کر اور پانی میں گھول کر تیار کیا جاتا تھا۔ بدن پر مل کر اتنی دیر لگا رہنے دیتے کہ بال جھڑ جائیں پھر غسل کر لیتے۔ پس حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کا نورہ لگانا مان بھی لیا جائے تو ظاہر ہے کہ مشک کا۔۔۔ کاسے میں گھولنا یا نورہ کا گھول کر تیار کرنا بغیر پانی کے کیونکر ممکن ہوسکتا تھا۔ ایک اور وضعی روایت میں جو طبری نے ابومخنف ہی کے حوالہ سے نقل کی ہے یہ بیان کیا ہے کہ عاشورہ ہی کے دن جب زینب ہمشیرہ حسینؓ کو غش آ گیا تھا تو اُن کے منہ پر پانی کے چھینٹے مار کر ہوش میں لایا گیا تھا۔ مُنہ پر چھینٹے مارنے کیلئے تو پانی موجود بتاتے ہیں مگر پیاسے بچوں کے مُنہ میں چند بوندیں ٹپکانے کیلئے قحطِ آب کی فرضی داستانیں یہ راوی بڑے آب و تاب سے بیان بھی کرتے جاتے ہیں۔

سچ ہے دروغ گورا حافظہ نباشد۔ لیکن جب کربلا کی صحیح وجہ تسمیہ اس کے محل وقوع اور حسینی قافلہ کے موقع پر دس محرم سے پہلے نہ پہنچ سکنے کے مندرجہ بالا ناقابل تردید واقعات و حالات کو پیش نظر رکھا جائے تو قحط آب کی یہ سب فرضی داستانیں بے حقیقت اور وضعی ثابت ہوتی ہیں۔

واقعات کربلا اور اُن کے راوی :

یہ حقیقت ہے کہ جو واقعات عام طور سے مشہور ہیں اور کتابوں میں درج ہیں اُن کی حیثیت افسانہ سے زیادہ نہیں۔ اصلیت کیا ہے اس کا سُراغ لگانا اور سچ کو جھوٹ سے تمیز کرنا بڑا دُشوار ہے۔ راویوں میں سے کسی کا اپنا کوئی چشم دید واقعہ مطلق نہیں سب کے سماعی ہیں۔ قدیم ترین راوی ابومخنف لوط بن یحییٰ دوسری صدی ہجری کے اس قماش کے راوی ہیں کہ ائمہ رجال نے انہیں ''شیعی محترق'' یعنی جلا بُھنا شیعہ (کٹّر شیعہ) اور دروغ گو ''کذاب'' کہا

ہے ۔ خانہ جنگیوں پر ان کی متعدد تالیفات ہیں ۔ جنگ جمل وصفین ونہروان کے علاوہ کربلا پر ''مقتل ابومخنف'' ان کا مشہور ہے جو مبالغہ آرائیوں اور داستان سرائیوں سے مملو ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ بیشتر روایتیں خود انہی کی مخترعات ہیں ۔ ان کے سارے ذخیرے کو ابن جریر طبری نے ''قال ابومخنف'' کی تکرار کے ساتھ اپنی کتاب میں شامل کرلیا اور طبری سے دوسرے مؤرخین نے نقل کیا ۔ اس طرح ان موضوعات کو اعتبار کا درجہ حاصل ہوتا گیا ۔ کربلا کے حادثے کے زمانے میں ابومخنف کا تو اس دُنیا میں وجود ہی نہ تھا ۔ ان کا سن وفات امام ذہبی نے ۱۷۰ھ کے لگ بھگ بتایا ہے ۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۶۰) اور بعض لوگوں نے ۱۵۷ھ یعنی حادثہ کربلا کے تقریباً سو سال بعد ۔ اب ذرا یہ بھی دیکھئے کہ وہ کس ذہنیت کے راوی تھے چنانچہ ائمہ رجال کے اقوال ان کے بارے میں سُنتے چلئے :

صاحب کشف الاحوال فی نقد الرجال (ص ۹۲) کہتے ہیں : ''لوط بن یحییٰ'' ابو مخنف کذاب ۔ اسی طرح تذکرۃ الموضوعات نام لکھ کر ''کذاب'' کے لفظ سے ان کا تعارف کراتے ہیں (ص ۲۸۶) ۔ سیوطی نے اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ (ص ۳۸۶) میں ابومخنف اور اس کے ہم داستان الکلبی دونوں کے بارے میں لکھا ہے ''لوط والکلبی کذابان'' ۔ امام ذہبی میزان الاعتدال میں ابومخنف کے تذکرے میں لکھتے ہیں :

لا يوثق به.	کسی اعتبار کے لائق نہیں ۔
تركه أبو حاتم وغيره.	ابو حاتم وغیرہ (ائمہ جرح و تعدیل) نے اسے متروک قرار دیا ۔
وقال الدارقطني: ضعيف.	دارقطنی نے کہا: وہ ضعیف ہے ۔
وقال ابن معين: ليس بثقة.	ابن معین کہتے ہیں: وہ اعتماد کے لائق نہیں ۔
وقال مرة : ليس بشيء.	ایک بار فرماتے ہیں: وہ تو کوئی چیز ہی نہیں ۔
وقال ابن عدي: شيعي محترق صاحب أخبارهم.	ابن عدی نے کہا : وہ تو کٹّر شیعہ ہے اور شیعوں ہی کی خبریں روایت کرتا ہے ۔

غرضیکہ سب نے ان کو نا قابل اعتماد ''دروغ گو'' بتایا ہے حتی کہ تاج العروس شرح القاموس (جز ۶ فصل ۵ ص ۱۰۵) میں ابومخنف کا ''اخباری شیعی تالف متروک'' کہہ کر تعارف کرایا ہے۔ اسی طرح صاحب معجم الادباء نے (ص ۴۱ ج ۲) ان کے بارے میں ائمہ رجال کا یہ قول نقل کیا ہے ''هو كوفي وليس حديثه بشيء'' یعنی وہ کوفی تھا اور اس کی روایتیں کسی کام کی نہیں۔ اب ابومخنف کے ہم داستانوں کا بھی حال سُنیئے۔ ایک تو محمد بن سائب الکلبی ہے اور دوسرا اُس کا بیٹا ہشام الکلبی۔

محمد بن سائب الکلبی ابوالنصر الکوفی کے بارے میں ابن حبان فرماتے ہیں کہ:

كان الكلبي سبائيا من أولئك الذين يقولون ان عليا لم يمت، وانه راجع الى الدنيا ويملؤها عدلا كما ملئت جورا.

(میزان الاعتدال ج۳ ص ۶۲)

یہ الکلبی سبائی تھا اور اُن لوگوں میں سا تھا جو کہتے ہیں کہ علی کو موت نہیں آئی وہ لوٹ کر دُنیا میں آئیں گے اور اس کو عدل سے اسی طرح بھر دیں گے جس طرح ظلم سے بھری ہوئی ہے۔

دیگر ائمہ رجال کے چند اقوال اس سبائی راوی کے بارے میں اور بھی سُنئے:

ابن معين قال: الكلبي ليس بثقة.

وقال الجوزجاني وغيره: كذاب.

وقال الدارقطني وجماعة: متروك

قال الأعمش: أتق هذه السبائية، فاني أدركت الناس وانما يسمونهم الكذّابين.

(میزان الاعتدال ج۳ ص ۵۷)

یحییٰ بن معین کہتے ہیں: الکلبی لائق اعتماد نہیں۔

جوزجانی وغیرہ (ائمہ رجال) کہتے ہیں: وہ کذاب تھا۔

دارقطنی اور ائمہ رجال کی ایک جماعت نے اس کو متروک قرار دیا ہے۔

اعمش نے کہا کہ: اس سبائی (الکلبی) سے بچتے رہو، کیونکہ میں نے ایسے اشخاص کو پایا وہ ان کو کذابین سے موسوم کرتے تھے۔

اس کلبی کا بیٹا ہشام بھی راوی ہے اور کوئی ڈیڑھ سو رسائل و کتابوں کا مؤلف بھی ہے۔ اس کا پورا نام ہشام بن محمد بن السائب الکلبی ابو المنذ ہے۔ ائمہ رجال اس کے بارے میں کہتے ہیں:

قال الدارقطنی وغیرہ : متروک.
قال ابن عساکر : رافضی لیس بثقة.
(میزان الاعتدال ج۳ ص ۲۵۶)

دارقطنی وغیرہ (ائمہ رجال نے) اس کو متروک قرار دیا ہے۔
ابن عساکر نے کہا ہے: وہ رافضی نا قابل اعتماد ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بھی ان سب راویوں کو کذاب بتایا ہے۔ فرماتے ہیں:

ابو مخنف و هشام بن محمد بن السائب و امثالهم من المعروفين بالكذب عند اهل العلم.
(منهاج السنة ج ۱ ص ۱۳)

ابو مخنف اور ہشام بن محمد بن السائب اور اُن جیسے راویوں کا دروغ گو اور جھوٹا ہونا تو اہل علم کے یہاں مشہور و معروف ہے۔

الغرض یہ ہیں وہ راوی اور اسی وضع و قماش کے چند اور جن کی وضعی روایتوں سے داستان کربلا مرتب ہوئی۔ عقیدت و توہم پرستی سے ذرا ہٹ کر دیکھئے تو ان کا سرمایہ، زور بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کچھ کذب و افتراء ہے کچھ کذب حق نما، فرماتے ہیں:

وَالَّذِينَ نَقَلُوا مَصرَعَ الحُسَينِ زَادُوا أَشيَاءَ مِنَ الكَذِبِ، كَمَازَادُوا فِي قَتلِ عُثمَانَ، وَكَمَا زَادُوا فِيمَا يُرَادُ تَعظِيمُهُ مِنَ الحَوَادِثِ، وَكَمَا زَادُوا فِي المَغَازِي وَالفُتُوحَاتِ وَغَيرِ ذَلِكَ.

اور جن لوگوں نے حسین کا حزینہ نقل کیا ہے انہوں نے بہت سی جھوٹی باتیں بڑھا دی ہیں یا جیسے کہ ان حوادث کے بیان میں جن سے حسین کی تعظیم مقصود ہے اور جیسے کہ مغازی اور فتوحات وغیرہ کے بیان میں جھوٹے قصے بڑھا دیئے ہیں اور

وَالـمُـصَنِّفُونَ فِي أَخبَارِ قَتلِ الحُسَينِ مِنهُم مَن هُوَ مِن أَهلِ العِلمِ، كَالبَغَوِيِّ وَابـنِ الـدُّنيَـا وَغَيـرِهِمَا، وَمَعَ ذَلِكَ فِيـمَـا يَـرؤُونَـهُ آثَـارٌ مُـنقَطِعَةٌ وَأُمُورٌ بَـاطِـلَةٌ. وَأَمَّا مَا يَروِيهِ المُصَنِّفُونَ فِي المَصرَعِ بِلَا اِسنَادٍ.

(منهاج السنة ج۲ ص ۲۴۸)

قتل حسین کی خبریں بیان کرنے والے مصنفوں میں جو اہل علم ہیں مثلاً بغوی اور ابن الدنیا انہوں نے بھی باوجود اپنے علم وفضل کے جو کچھ اس بارے میں روایت کیا ہے اس میں منقطع روایات اور باطل امور ہیں لیکن جو مصنف بغیر سند کے اس حزینہ کے بارے میں کہتے ہیں ان میں تو بہت ہی کذب ہے۔

یہاں داستان کربلا کی وضعی ومَن گھڑت روایتوں اور امور باطلہ کی تفصیل کا موقع نہیں۔ زمانہ حال کے ایک شیعہ مؤلف[1] فرماتے ہیں:

صدہا باتیں طبع زاد تراشی گئیں۔ واقعات کی تدوین عرصہ دراز کے بعد ہوئی۔ رفتہ رفتہ اختلافات کی اس قدر کثرت ہوگئی کہ سچ کو جھوٹ سے اور جھوٹ کو سچ سے علیحدہ کرنا مشکل ہوگیا۔ ابومخنف لوط بن یحییٰ ازدی کربلا میں خود موجود نہ تھے اس لئے یہ سب واقعات انہوں نے بھی سماعی لکھے ہیں۔ لہذا مقتل ابومخنف پر بھی پورا وثوق نہیں۔ پھر لطف یہ کہ مقتل ابومخنف کے متعدد نسخے پائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف البیان ہیں اور ان سے صاف پایا جاتا ہے کہ خود ابومخنف واقعات کے جامع نہیں بلکہ کسی اور ہی شخص نے ان کے بیان کردہ سماعی واقعات کو قلم بند کردیا ہے۔

مختصر یہ کہ شہادت امام حسینؓ کے متعلق تمام واقعات ابتداء سے انتہاء تک اس قدر اختلافات سے پُر ہیں کہ اگر اُن کو فرداً فرداً بیان کیا جائے تو ضخیم دفتر فراہم ہوجائیں۔ اکثر واقعات مثلاً اہل بیت پر تین شبانہ روز پانی کا بند رہنا، فوج مخالف کا لاکھوں کی تعداد میں ہونا، شمر کا سینہ مطہر پر بیٹھ کر سر جُدا کرنا

---

[1] جناب شاکر حسین صاحب امروہوی مؤلف مجاہد اعظم

آپ کی لاش مقدس سے کپڑوں تک کا اُتار لینا، نعش مطہر کا لکدکوب سم اسپان کیا جانا، سر اوقات اہلبیت کی غارت گری، نبی زادیوں کی چادریں تک چھین لینا وغیرہ وغیرہ نہایت مشہور اور زبان زد و خاص و عام ہیں۔ حالانکہ ان میں سے بعض سرے سے غلط، بعض مشکوک، بعض ضعیف، بعض مبالغہ آمیز اور بعض من گھڑت ہیں۔ (مجاہد اعظم ص ۱۷۸)

کتب تاریخ میں ان وضعی روایتوں اور من گھڑت واقعات کا تفصیل اور شرح و بسیط سے بیان ہونا جنہیں شیعہ مؤلف خود ہی ''غلط و مشکوک وضعیف و مبالغہ آمیز اور من گھڑت'' کہتے ہیں، علامہ ابن جریر طبری کی توجہ فرمائی کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ سب سے پہلے انہوں نے ہی ابو مخنف وغیرہ کے ذخیرہ کو اپنی کتاب میں شامل کر دیا اور ان سے بعد کے آنے والے مؤرخین نے آنکھ بند کر کے نقل در نقل کیا۔

اب کچھ ان ابن جریر طبری کا حال بھی سُن لیجیے جنہیں روایت پرست خوش فہموں نے اہل سُنّت کا امام قرار دے لیا ہے۔

ابن جریر طبری :

ابن جریر کا پورا نام وسلسلہ نسب یہ ہے: ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب، ۲۲۴ھ میں طبرستان کے شہر آمل میں پیدا ہوئے۔ اپنے مؤلد و منشاء آمل کی نسبت سے آملی بھی کہلائے اور طبرستان کی نسبت سے طبری بھی۔ آخر الذکر نسبت سے زیادہ مشہور ہیں۔ علم و فضل میں یگانہ روزگار علامہ وقت تھے۔ نسباً ایک عالی رافضی خاندان کے فرد تھے۔ ان کا حقیقی بھانجا محمد بن عباس خوارزمی[1] جو بلند پایہ ادیب اور ہجو گو شاعر تھا، اپنے ماموؤں کی طرح غالی رافضی تھا۔ باپ اُس کا علاقہ خیوا کے مقام خوارزم کا تھا اور ماں مؤرخ طبری کی بہن جریر کے

---

[1] ابن اخت الطبری متوفی ۶۹۳ھ (ہدایۃ العارفین اسماء المؤلفین) کان الخوارزمی رافضیاً غالباً وفی مرتبۃ الکفر عالیا (الوافی المصفدی)

گھرانے کی تھی۔ وہ اپنے ننھیال میں پلا بڑھا، آخر میں بویہ جیسے غالی شیعہ اُمراء کی سرپرستی میں رہا۔ وہ اپنے ماموؤں کے رافضی مسلک ہونے کا اظہار ان اشعار میں فخریہ طور سے کرتا ہے:

بآمل مولدي ' ولابنو جرير — فأخوالي ' ويحكي المرء خاله

آمل میرا مولد ہے اور جریر کے بیٹے — میرے ماموں ہیں اور ہر شخص اپنے ماموؤں کے مشابہ ہوتا ہے

فها أنا رافضيّ عن تراث — وغيري رافضيّ عن كلالة

تو سُن لو میں وراثتاً رافضی ہوں — اور میرے سوائے جو رافضی ہے وہ دُور کے لگاؤ سے ہے

(معجم البلدان یاقوت حموی)

ابن جریر نے شیعہ اور سُنی علماء سے استفادہ کیا تھا۔ طلب احادیث میں طویل سفر بھی کئے تھے۔ قرآن مجید کی بڑی ضخیم تفسیر لکھی اور تاریخ میں تاریخ الامم والملوک۔ خم غدیر جیسے من گھڑت قصہ کے متعلق دو ضخیم جلدیں مرتب کر ڈالیں اور اسی طرح حدیث الطیر کے سلسلے کی ایک کتاب مرتب کی۔ وضو میں جواز مسح قدمین کے قائل تھے اور اُن کا دھونا واجب نہ جانتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۱۴۸)

آیت تطہیر کے لفظ اہل بیت کی غلط تاویل میں شیعہ راویوں کی موضوع حدیثیں پیش کر ڈالی ہیں۔ امام ذہبی ابن جریر طبری کے بارے میں یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ ان میں تشیع بھی تھا۔ اور حضرت علیؓ اور اُن کی اولاد سے موالاۃ بھی مگر مضر نہیں۔ (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۳۵)

جن ائمہ رجال اور محدثین نے ابن جریر کو شیعہ اور رافضی کہا ہے، ذہبی لکھتے ہیں کہ یہ اُن کا ظن کاذب ہے ابن جریر تو کبار ائمہ اسلام میں سے تھے۔ وہ دوسرے محمد بن جریر بن رستم ابوجعفر طبری تھے جو رافضی تھے مگر ان کی تالیف سے تاریخ میں کوئی کتاب نہیں۔ چنانچہ ابن

جریر کے تذکرے کے بعد اُن کا بھی ذکر کیا ہے لیکن یہ اُن کی سخت غلطی ہے۔ حافظ احمد بن علی السلیمانی جیسے بلند پایہ محدث کا یہ قول ابن جریر طبری کے بارے میں صحیح ہے کہ: **کان یضع للروافض** یعنی ابن جریر طبری رافضیوں کیلئے حدیثیں گھڑا کرتے تھے۔

ابھی جن دو ضخیم کتابوں کا ذکر ہو چکا ہے کہ خم غدیر جیسے وضعی قصہ پر انہوں نے کتنی حدیثیں جمع کیں، یہ سب موضوعات ہیں اور شیعی پروپیگنڈے (وصایت) کی خاص الخاص۔ آخر ان وضعی احادیث کا دو جلدوں میں جمع کرنا کس بات کا ثبوت ہے۔ یہ کہنا کہ **فیہ تشیع و موالاۃ لا تضر**، یعنی اُن میں شیعیت بھی تھی اور موالاۃ بھی مگر مضر نہیں بے معنی سی بات ہے۔

ان کی تاریخ کی ورق گردانی کیجئے۔ حضرت علیؓ، ان کے دو صاحبزادوں اور شیعوں کے اماموں کے ناموں کے ساتھ شیعہ شعار کے مطابق علیہ السلام یا صلوات اللہ علیہ وغیرہ الفاظ اور عبارتیں ملیں گی۔ برخلاف اس کے بعض صحابہ کرامؓ اور خلفائے اسلام کے ناموں پر 'لعن' تک تحریر ہے۔ ان کی جلد ۱۳ کے سرورق پر یہ عبارت ہے ''**من تاریخ الصحابۃ و التابعین تصنیف ابی جعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری**'' اس کے صفحہ ۲۴ سطر ۲۵ پر **فی وسط خلافۃ معاویہ لعنہ اللہ** لکھ مارا ہے اور صفحہ ۲۹ سطر ۱ پر **فی خلافۃ یزید بن معاویہ لعنہما اللہ** درج کیا ہے۔

برٹش میوزیم لندن میں عربی مخطوطات کے منتظم C.Ricu نے اپنی مرتبہ فہرست میں ابن جریر کے اس مخطوطہ پر ریمارک دیتے ہوئے کہا ہے کہ کٹّر سُنی ابن جریر کی تالیف کو اسی لئے بنظرِ استحسان نہیں دیکھتے کہ مؤرخ مذکور کا میلان اور رجحان شیعیت سے اس قدر ہے کہ شیعہ شعار کے مطابق وہ علیؓ و فاطمہؓ اور ان اخلاف کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام وصلوات اللہ علیہ بھی لکھتے ہیں، بلکہ اکثر شیعہ روایتوں کو اپنی کتاب میں درج کرتے ہیں۔

(ص ۴۰۸ تتمہ فہرست مخطوطات عربی برٹش میوزیم)

اُن کے معاصرین میں کتنے لوگ تھے جو اُن کو مسلکاً شیعہ جانتے تھے۔ خود علامہ ابن کثیر نے جو اُن کو ''احد ائمہ اسلام'' کہتے ہیں، یہ واقعہ لکھا ہے کہ جب ماہ شوال ۳۱۰ھ میں بغداد میں اُن کی وفات ہوئی تو اہل سُنت میں سے حنابلہ کی ایک جماعت نے اُن کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دیا اس لئے اُن کو اُن ہی کے مکان کے اندر دفن کر دیا گیا۔

و دفن فی داره لان بعض عوام الحنابلة و رعاعهم منعوا من دفنه نهاراً او نسبوه الی الرفض.
(البداية و النهاية ج ۱۱ ص ۱۴۶)

اور (ابن جریر طبری) کو اُن کے گھر میں دفن کیا گیا، کیونکہ بعض عوام حنبلیوں اور اُن کے حوالی موالیوں نے اُن کی میت کو دان میں دفن نہ ہونے دیا اور اُن کو رافض سے نسبت دی یعنی رافضی بتایا۔

یہ تو اُن کے معاصرین کی باتیں تھیں۔ آج بھی اُن کی تالیفات کا دقت نظر سے مطالعہ کرنے سے بخوبی واضح ہے کہ اُن کا میل اور رُجحان شیعیت و تفضیلیت کی جانب کس درجہ رہا ہے۔ ابومخنف وغیرہ کذابین کی وضعی روایتوں کی اپنی کتاب میں بھرمار بھی اس کا ایک ثبوت ہے۔ پھر حضرت علیؓ سے جن صحابہؓ کا سیاسی اختلاف رہا اُن کی تنقیص میں وضعی روایتوں کو اپنی کتاب میں اکثر و بیشتر درج کیا ہے۔ خصوصاً حضرت معاویہؓ اور یزید بن معاویہؒ کی تنقیص بلکہ سبّ وشتم کی خرافات کو۔

راویوں کی غلط بیانیاں :

جیسا تفصیلاً عرض ہوا ابومخنف ہی تنہا اس قسم کی تقریباً نوے فی صد روایتوں کا راوی ہے۔ اُس نے حضرت حسینؓ کے واقعات خروج کے سلسلہ میں جو تاریخیں اور دن اپنی روایتوں میں تصریحاً بیان کئے ہیں اور مؤرخین نے بلا کسی استثناء کے محض روایت پرستی سے آنکھ بند کر کے نقل اور نقل در نقل کیا ہے۔ اُن کی حالت اور کیفیت یہ ہے جیسا کہ گذشتہ اوراق میں تفصیلاً بیان ہو چکا ہے کہ مکہ سے روانگی کی تاریخ اور دن جو ابومخنف کی روایت سے بیان ہوئے

ہیں ایک دوسرے سے مطابقت نہیں رکھتے۔ تاریخ صحیح ہے تو دن غلط، دن صحیح ہے تو تاریخ غلط۔ یہی کیفیت دوسری تاریخوں کی بھی ہے۔ مثالیں پیش کرنے سے پہلے زمانہ ماضی کے سنین ہجری و عیسوی کی تاریخوں کے دن صحت کے ساتھ معلوم کرنے کا فارمولا جس کا ذکر گذشتہ اوراق میں آیا ہے ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ اگر کسی مستند تقویم اور جنتری سے بھی مدد نہ لی جائے تو معمولی استعداد کا شخص اور طالب علم بھی حساب لگا کر تاریخ کے مطلوبہ دن صحت کے ساتھ معلوم کرسکتا ہے۔

تاریخوں کے دن معلوم کرنے کا فارمولا :

۱۷۵۲ء سے قبل کی تمام تاریخوں کے دن معلوم کرنے کیلئے یہ کُلیہ کام میں لایا جاتا ہے۔ $\frac{س+ل+د}{۷}$ یعنی جس سن کی کسی تاریخ کا دن معلوم کرنا ہو، اس سے ایک سال پہلے کے سن کو 'س' سے ظاہر کیا گیا ہے۔ 'ل' لوند (لیپ ایر) کے ان سالوں کی تعداد کو ظاہر کرتا ہے جو اس سن سے قبل تک آئے ہوں۔ 'د' سے مُراد سال رواں کے پہلے دن سے تاریخ زیر بحث تک کے دنوں کی تعداد ہے۔ دنوں کو ہفتہ کے دن سے شمار کیا جاتا ہے۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو پروفیسر دل محمد مرحوم کی ''دس نیو آرتھمیٹک (انگلش ایڈیشن)''۔

مثال: کربلا کا واقعہ ۱۰ اکتوبر[1] ۶۸۰ھ کو پیش آیا۔ کلیہ میں س، ل اور د کی جگہ بالترتیب ۶۷۹، ۱۶۹ اور ۲۸۴ درج کرکے ان کے مجموعہ کو سات (۷) پر تقسیم کرنے سے خارج قسمت ۱۶۱ اور باقی پانچ (۵) آتا ہے۔ سنیچر سے پانچ (۵) دن آگے چہارشنبہ کا دن ہوتا ہے۔ یہی ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء مطابق ۱۰ محرم ۶۱ھ کا دن ہے یعنی بدھ کا دن (ملاحظہ ہو نیو ارتھمیٹک دل محمد ایم اے)۔ روایتوں میں جمعہ کا دن بیان ہوا ہے وہ غلط ہے۔

---

[1] راقم الحروف کے پیش نظر انجمن ترقی اُردو (دہلی، ہند) کی شائع کردہ تقویم ہجری وعیسوی مطبوعہ ۱۹۳۹ء ہے جو ابوالنصر محمد خالدی ایم اے (عثمانیہ) نے ایک جرمن مستشرق ایڈورڈ اعلی کی تقویم کی مدد سے مرتب کی تھی۔ یہ بڑی کارآمد و مستند تقویم ہے۔

واضح رہے کہ عیسوی تقویم میں گریگوری سیزدہم کی اصلاح سے قبل ہر صدی کو لوند کا سال سمجھا جاتا تھا۔لیکن اب جو صدی چار سو (۴۰۰) پر پوری تقسیم ہو جائے وہی لوند کا سال خیال کیا جاتا ہے۔

غلط بیانیوں کی چند مثالیں :

آگے آنے والے جدول پر سرسری نظر ڈالنے ہی سے اندازہ ہو جائے گا کہ دیگر واقعات تو رہے درکنار، خروج کے سلسلہ میں جو تاریخیں اور دن کتب تاریخ میں بتصریح ماہ وسال درج ہیں اُن میں ایسی ایسی فاش غلطیاں ہیں کہ کسی تاریخ سے دن کی مطابقت ہوتی ہے اور نہ کسی دن سے تاریخ کی۔تقویم ہجری وعیسوی نیز کلیہ حساب کی رُو سے راویوں کی بیان کردہ تاریخ جا جو دن آتا ہے وہ آخری خانہ جدول میں درج ہے اور یہی دن صحیح دن ہے جس کی جانچ بھی کچھ دشوار نہیں۔مؤرخ طبری اور دوسرے مؤرخین نے حسب ذیل الفاظ میں یہ تاریخیں اور دن صراحت سے بیان کئے ہیں:

وَكَانَ خُرُوجُ الحُسَينِ مِنَ المَدِينَةِ اِلَى مَكَّةَ يَومَ الأَحَدِ لِلَيلَتَينِ مِن رَجَبٍ سَنَةَ سِتِّينَ، وَدَخَلَ مَكَّةَ لَيلَةَ الجُمُعَةِ لِثَلاثٍ مَضَينَ مِن شَعبَانَ، فَأَقَامَ بِمَكَّةَ بقية شعبان و رمضان وشوال و(ذي) القعدة، وخرج من مكة لِثَمَانٍ مَضَينَ مِن ذِي الحِجَّةِ يَومَ الثُّلاثَاءِ يوم التروية.	حسینؓ مدینہ سے یک شنبہ کے دن ۱۶ رجب کو نکل کر مکہ گئے اور جمعہ کی رات میں ۳ شعبان کو مکہ میں داخل ہوئے۔پھر بقیہ ماہ شعبان ورمضان وشوال وذی القعدہ مکہ میں مقیم رہے اور ۸ ذی الحجہ شنبہ کے دن یوم ترویہ کو مکہ سے روانہ ہوئے۔

(ص۱۵۸ ت۸ البدایۃ والنہایۃ/ص۲۲ ج۶، طبری)

ناسخ التواریخ کے مؤلف بھی یہی کچھ لکھتے ہیں:

''حسین علیہ السلام یکشنبہ بست وہشتم رجب از مدینہ بیرون شد وروز جمعہ سیم شعبان دارد

مکہ گشت ۔ یوم ترویہ کہ روز سہ شنبہ ذی الحجہ بود از مکہ آہنگ عراق نمود ہماں روز کہ مسلم برابن زیاد بیرون آمد و روز دیگر کہ۔ یوم عرفہ بود شہید گشت ۔ (ص ۲۰۷ ج ۷ از کتاب دوم مطبوعہ ایران)

پھر ورود کربلا کی تاریخ ۲ محرم بتاتے ہوئے ص ۲۳۵ پر لکھتے ہیں کہ:

''ایں واقعہ در روز پنج شنبہ دوم شہر محرم الحرام بود۔''

مؤرخ طبری بھی حضرت حسینؓ کے قریہ العقر میں وارد ہونے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ثم نزل (ای العقر) و ذلک یوم الخمیس وھو الیوم الثانی من المحرم ۶۱ ھجری.	پھر (العقر) کے مقام پر اُتر پڑے اور یہ دن پنجشنبہ کا تھا اور محرم ۶۱ھ کی دوسری تاریخ تھی۔

(ص ۲۳۲ ج ۶ طبری)

مؤرخین کی مندرجہ بالا تصریحات (تاریخ و دن) کا جب موازنہ جدول کے آخری خانہ کے مندرجات سے کیا جائے تو یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ راویوں کے بیان کئے ہوئے دن اور تاریخیں اس درجہ متضاد ہیں کہ کسی طرح لائق و قابل بیان نہیں ۔ بلکہ اس شبہ میں قوت پیدا کرنے کا موجب ہیں کہ اس واقعہ حزن انگیز کے اسی نوے برس کی مدت منقصی ہونے کے بعد وضعی روایتوں کے ساتھ ساتھ یہ دن اور تاریخیں بھی وضع ہوئے ۔ ورنہ کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ واقفانِ حال غلط تاریخیں اور دن بیان کرتے ۔ یہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ کسی راوی کا نہ کوئی چشم دید واقعہ ہے اور نہ راویوں میں سے کوئی حسینی قافلہ میں موجود تھا۔ مؤلف مجاہد اعظم کو اعتراف ہے کہ '' مردان اہل بیت'' سے کوئی واقعہ مروی نہیں ۔ سید الساجدین حالت بیماری میں خیمہ کے اندر تھے، حسن مثنیٰ یا وہ لوگ جو درجہ شہادت پر فائز نہ ہوئے ، اُن سے کوئی واقعہ مروی نہیں ۔ جس شخص نے سُنا دوسرے سے اور دوسرے نے تیسرے سے بیان کر دیا۔ بیان واقعات میں کسی راوی سے سہو ہوا کسی کے طرز بیان نے واقعہ کی اصلیت کو افراط و تفریط سے مسخ کر دیا۔ (ص ۱۷۶) سچ ہے حق بہ زبان جاری۔ کسی کا کوئی چشم دید واقعہ بیان نہیں ہوا۔

جدول تاریخ و دن

تاریخیں اور دن جو مؤرخین نے ابو مخنف کی روایت سے بیان کی ہیں						صحیح دن ازرُوئے تقویم وکلیہ حساب اور عیسوی سن و تاریخ و ماہ سے تطابق
نمبر شمار	تفصیل واقعہ	سنہ	تاریخ و ماہ	دن	صحیح غلط	
۱	مدینہ سے مکہ کو روانگی	۶۰ھ	۲۸ رجب	یکشنبہ	غلط	جمعہ، ۴ مئی ۶۸۰ء
۲	مکہ میں آمد	"	۳ شعبان	جمعہ	"	چہارشنبہ ۹ مئی "
۳	مسلم کا حملہ گورنر کوفہ پر	"	۸ ذی الحجہ	سہ شنبہ	"	یکشنبہ ۹ ستمبر "
۴	مسلم کا قتل ہونا	"	۹ ذی الحجہ	چہارشنبہ	"	دوشنبہ ۱۰ ستمبر "
۵	مکہ سے عراق کو روانگی	"	۸ ذی الحجہ	سہ شنبہ	"	یکشنبہ ۱۰ ستمبر "
۶	العقر (کربلا) پہنچنے کی وضعی تاریخ	۶۱ھ	۲ محرم	پنجشنبہ	"	سہ شنبہ ۱۳ اکتوبر "
۷	حادثہ کربلا	"	۱۰ محرم	جمعہ	"	چہارشنبہ ۱۰ اکتوبر "

۱۰ محرم ۶۱ھ کا ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء سے مطابق ہونا، مجاہد اعظم کے شیعہ مؤلف کو بھی تسلیم تھا۔ ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء کو از رُوئے تقویم وکلیہ حساب چہار شنبہ تھا نہ کہ جمعہ۔ کسی ایک دن یا تاریخ کے بیان کرنے میں سہواً غلطی ہو جاتی تب بھی تاویل کی گنجائش ممکن نہ تھی۔ لیکن یہاں تو کیفیت یہ ہے کہ ساتوں تاریخیں اور دن جو راویوں کے بیان کردہ ہیں باہم مطابق نہیں، نہ تاریخ دن سے اور نہ دن تاریخ سے۔ حالانکہ یہ سب دن اور تاریخیں حضرت حسینؓ کے اقدام خروج کے ایسے اہم اور ناقابل فراموش دن اور تاریخیں ہیں کہ کمزور سے کمزور یادداشت کا کوئی راوی بھی خواہ اس کا اپنا چشم دید واقعہ بھی نہ ہوتا لیکن اس نے کسی ایسے شخص کی زبانی یہ حالات سُنے اور معلوم کئے ہوتے جسے اُن کا ذاتی علم تھا تب بھی وہ ایسی فاش غلطیوں اور غلط بیانیوں کا ہرگز ارتکاب نہیں کرسکتا تھا۔

جب دن اور تاریخیں تک بھی صحیح صحیح بیان نہ ہوئی ہوں تو دوسرے تمام حالات اور واقعات جو بڑی تفصیل کے ساتھ ان کے راویوں نے بیان کئے ہیں جن سے تاریخ کے اوراق پُر ہیں وہ کیوں کر قابل وثوق و لائق یقین ہو سکتے ہیں۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ ان واقعات کے بارے میں بقول حجۃ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمۃ **وقد تطرق التعصب فی الواقعہ** شدید تعصب نے راہ اختیار کر لی ہو، اور اس سیاسی مناقشہ کو مذہبی رنگ دے کر وضعی روایات کا پہاڑ بنا کر کھڑا کر دیا گیا ہو۔

تاریخوں اور دنوں کے اس بیّن تناقص و تضاد کے علاوہ خود وقوعہ کی جگہ و مقام اور مہینے اور وقت کے بارے میں سب راوی متفق و یک زبان نہیں۔ ایک کچھ بیان کرتا ہے، دوسرا کچھ۔ مؤرخ طبری نے ابن سعد کے حوالہ سے یہ روایتیں بھی اپنی تاریخ میں درج کی ہیں کہ حضرت حسینؓ محرم کے مہینے میں نہیں ماہ صفر میں قتل ہوئے اور کربلا نہیں بلکہ نینویٰ میں یہ حادثہ پیش آیا تھا۔

ان روایتوں کے الفاظ یہ ہیں:

(۱) عَن جَعفَرِ بنِ سُلَیمَانَ الضُّبَعِیِّ قَالَ: فقدم للعراق فَقَتَلَ بِنِینَوَی یَومَ عَاشُورَاءَ سَنَةَ اِحدَی وَسِتِّینَ.

(۲) قَالَ ابن سعد: أَخبَرَنَا مُحَمَّد بن عُمَرَ، قَالَ: قتل الحُسَین بن علي ع فِي صفر سنة احدی و ستین وَهُوَ یَومَئِذٍ ابن خمس وخمسین.

(ص ۲۲۳ ج ۶، طبری)

(۱) جعفر بن سلیمان الضبعی سے روایت ہے کہ وہ (حسینؓ) عراق میں آئے اور روز عاشورہ ۶۱ھ کو مقام نینویٰ میں قتل ہوئے۔

(۲) ابن سعد کہتے ہیں کہ محمد بن عمر نے ہم سے بیان کیا کہ حسین بن علیؓ ماہ صفر ۶۱ھ میں قتل ہوئے۔ اُس وقت ان کا سن پچپن برس کا تھا۔

خود ابومخنف نے بھی نینویٰ میں حضرت حسینؓ کے اُترنے اور پہنچنے کا ذکر دو جگہ کیا ہے۔ مثلاً جہاں یہ وضعی روایت بیان کی ہے کہ ''حُر'' ان کو مجبور کرتا تھا کوفہ کے رُخ پر چلنے کیلئے مگر وہ نہیں مانتے تھے اور آگے بڑھ جاتے تھے۔ چنانچہ اسی طرح بائیں جانب مُڑتے ہوئے چلے یہاں تک کہ نینویٰ پہنچے اور یہی وہ مقام ہے جہاں حسینؓ اُتر پڑے۔ ''حتی انتهوا الیٰ نینوی المکان الذی نزل به الحسین (ص ۲۳۲ ج ۶، طبری طبع اولیٰ مصر)۔

دوسری جگہ طبری اسی صفحہ پر ایک اور روایت کے الفاظ ہیں: فقالوا دعنا ننزل فی هذه القریة یعنون نینوی، انہوں نے کہا کہ بس ہمیں چھوڑ دو اور اسی قریہ یعنی نینویٰ میں اُتر جانے دو۔ یہ نینویٰ جس کا روایتوں میں اس طرح بار بار ذکر آیا ہے، قدیم اور مشہور تاریخی مقام ہے جو کربلا (العقر) سے سینکڑوں کوس[1] دور شمال کی جانب موصل کے قریب واقع تھا جہاں اس کے کھنڈر آج تک موجود ہیں۔ کربلا کے قرب میں نینویٰ نام کے کسی قریہ کا موجود ہونا ہی ثابت نہیں ہے۔

---

[1] نینوا کربلا سے تقریباً ۳۷۵ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

قریۃ العقر اگر وہی ہے جس کا عقر بابل کے نام سے ذکر آیا ہے تو اسی کے مضافاتی میدان کربلا میں ۱۰ محرم ۶۱ھ کو اس حادثہ فاجعہ کا واقع ہونا تواعم واشہر ہے۔ خصوصاً اس وقت کہ معزالدولہ ویلمی نے اپنے زمانہ اقتدار میں ۱۰ محرم کو ''ماتم حسین'' کا دن مقرر کیا تھا اور سب سے پہلے اس رسم کی بنیاد ۳۵۲ھ میں یعنی واقعہ سے تقریباً تین سو برس کے بعد اسی نے ڈالی تھی۔ شیعہ مؤرخ مسٹر جسٹس امیر علی فرماتے ہیں کہ ماتم حسین کا بانی مبانی معزالدولہ ہی تھا۔ وہ اس کے حال میں کہتے ہیں:

معزالدولہ: یہ شخص شیعہ تھا اور یہی وہ شخص ہے جس نے محرم کی دسویں تاریخ کربلا کے حادثہ فاجعہ کی یادگار کے طور سے قائم کی تھی۔

(ص ۳۰۳ شارٹ ہسٹری آف سیریسنز مطبوعہ ۱۹۲۱ء)

مجاہد اعظم کے شیعہ مؤلف بھی عزاداری کی ابتداء ۳۵۲ھ سے بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> ''سلطنت بغداد کے ضعف پر ویلمی خاندان (بویہ) کو عروج ہوا تو ۳۵۲ھ میں معزالدولہ ویلمی کے حکم سے بغداد میں حسین مظلوم کا اعلانیہ ماتم منایا گیا۔ اور یہ پہلا موقع تھا کہ اس طرح بہ تغیر نوعیت آزادانہ مجلس عزا قائم ہوئی۔ یہ رسم بغداد میں کئی برس جاری رہی۔'' (ص ۳۳۲)

علامہ ابن کثیر کے بیان سے اس کی تائید مزید ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

فی عاشر المحرم من هذه السنة (۳۵۲هجری) امر معزالدوله بن بویه ینحن علی الحسین بن علی بن ابی طالب۔[1]	اور اس سنہ (۳۵۲ھ) میں معزالدولہ بن بویہ نے حسین بن علی بن ابی طالب پر ماتم کرنے کا حکم دیا۔

(ص ۲۸۳ ج ۱۰، البدایه و النهایه)

---

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں۔

بہر حال ارض الطف کے قریہ العقر کی مضافاتی زمین کربلا ۱۰ محرم ۶۱ھ کو اس واقعہ کے پیش آنے کے بارے میں اخبار متواتر مشہور ہے۔ لیکن اصل صورت واقعہ کیا تھی اس بارے میں ہمارے زمانہ سے آٹھ سو برس پیشتر حجۃ الاسلام امام غزالیؒ جیسے علامہ زماں فرماتے ہیں کہ:

''جو شخص یہ گمان رکھتا ہو کہ یزیدؒ نے قتل حسینؓ کا حکم دیا اُس پر رضا مندی کا اظہار کیا تو جاننا چاہیئے کہ وہ شخص پرلے درجہ کا احمق ہے۔ جو لوگ بھی اکابر اور

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) حکم تھا کہ جلوس کے ساتھ بازاروں میں عورتیں بال کھولے سر پیٹتی نکلیں۔ اسلام کی تاریخ میں بویہ خاندان کا عروج سیاہ ترین دور تھا۔ ایک طرف عبیدیوں کا مصر پر تسلط تھا جنہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی بیخ کنی کی ہر ممکن کوشش کی اور دوسری طرف یہ بویہ خاندان تھا جو بظاہر خلیفہ کی بیعت میں تھا اور بباطن خلافت کا انتہائی دشمن۔ انہوں نے رفتہ رفتہ خلیفہ کے تمام اختیارات سلب کر کے اُنہیں عضو معطل بنا دیا تھا۔ نام کو مسلمانوں کا امام موجود تھا اور ہر جمعہ کو منبروں پر اس کیلئے دعائیں کی جاتی تھیں۔ مگر معمولی معمولی باتوں میں بھی امام المسلمین کو یارائے دم نہ تھا۔ سب اختیار اور تمام قوت معز الدولہ کی تھی۔ ۳۵۱ھ میں بغداد کی مسجدوں میں لکھوا دیا گیا: ''لعنت ہو معاویہ پر، لعنت ہو اُس پر جس نے فاطمہ کا حق غصب کیا، نیز اس پر جس نے حسن کو اُن کے نانا کے پاس دفن نہ ہونے دیا اور لعنت ہو اس پر جس نے ابوذر کو شہر بدر کیا۔''

رات میں مسلمانوں نے یہ عبارت ہر جگہ سے مٹا دی تو دوسرے دن معز الدولہ نے اسے دوبارہ لکھوانے کا حکم دیا۔ لیکن اس کے وزیر المہلی کے مشورے سے اتنا لکھوا دیا گیا: ''خدا کی لعنت ہو اُن پر جنہوں نے آل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم کیا ہو اور لعنت ہو معاویہ پر۔''

یہ ابتداء تھی۔ ۳۵۲ھ میں یہ حکم لازم کر دیا گیا کی عاشورا کے دن بازار بند رہیں، نانبائی کھانا نہ پکائیں، جگہ جگہ قبے نصب ہوں جن پر سیاہ پردے لٹکائے جائیں اور عورتیں بال کھولے ہوئے بازاروں میں مُنہ پیٹتی نکلیں اور حسین کا ماتم کریں۔

پھر اسی سال ۱۲ ذی الحجہ کو عید غدیر منائی گئی اور ڈھول تاشے پیٹے گئے۔ یعنی محرم کی تمام بدعات اور ہذلیات کا بانی معز الدولہ تھا۔ عاشورا کی اہمیت کے تحت ۱۰ محرم الحرام کا دن اسی طرح مقرر کر دیا گیا جس طرح پولوس نے مشرکین مغرب کے سورج دیوتا کی پیدائش کے دن کو یعنی ۲۵ دسمبر کو سیدنا مسیح علیہ السلام کا یوم پیدائش متعین کیا تھا۔ پولوسیت اور سبائیت قدم بقدم ساتھ چلتی ہیں۔

وزراء وسلاطین میں سے اپنے اپنے زمانے میں قتل ہوئے اگر کوئی شخص ان کی حقیقت معلوم کرنا چاہے کہ ان کے قتل کا حکم کس نے دیا تھا، کون اُس پر راضی تھا، اور کس نے اس کو ناپسند کیا تو وہ شخص اس پر ہرگز قادر نہیں ہوگا کہ اس کی تہہ تک پہنچ سکے۔ اگرچہ یہ قتل اس کے پڑوس میں، اس کے زمانہ میں اور اس کی موجودگی میں کیوں نہ ہوا ہو۔ تو پھر اس واقعہ کی حقیقت تک کیوں کر رسائی ہوسکتی ہے جو دور دراز کے شہر اور قدیم زمانہ میں گزرا ہو۔ پس کیوں کر اس واقعہ کی حقیقت کا پتہ چل سکتا ہے جس پر چار سو برس کی طویل مدت بعد مقام میں منقضی ہوچکی ہو۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اس بارے میں شدید تعصب کی راہ اختیار کی گئی ہے۔ اسی وجہ سے اس واقعہ کے بارے میں مختلف گروہوں کی طرف سے بکثرت روایتیں مروی ہیں۔ پس یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کی حقیقت کا ہرگز پتہ نہیں چل سکتا اور جب حقیقت تعصب کے پردوں میں روپوش ہو تو پھر مسلمانوں کے ساتھ حسنِ ظن کے قرائن ممکن ہوں۔ والی آخرہ''

(ص ۴۶۰ وفیات الاعیان ابن خلکان بذیل ترجمہ الکیا الہراسی)

امام غزالیؒ کے آخری فقرے کے الفاظ ہیں: **فهذا الامر لا يعلم حقيقة اصلا**۔ یعنی یہ ایسا واقعہ ہے جس کی حقیقت کا ہرگز پتہ نہیں چل سکتا۔

یہ الفاظ آٹھ سو برس پہلے اس وقت سپرد قلم ہوئے تھے جب واقعہ کی صورت کاذبہ کی لفظی تصویر کشی کیلئے وضعی روایتوں کا اتنا انبار شاید موجود نہ تھا جتنا زمانہ مابعد میں وقتاً فوقتاً یکجا ہوا۔ تاہم جو حقائق ان اوراق میں پیش کئے گئے ان سے واقعہ کی اصلی حقیقت ونوعیت کے انکشاف میں مدد ملنے کے ساتھ ہی اتنا پتہ بالیقین چل گیا کہ ابومخنف لوط وغیرہ راویوں کی روایتیں خصوصاً ورود کربلا ومنع آب اور معرکہ آرائیوں کے بیانات ناقابل اعتبار حقیقت سے بعید بلکہ طبع زاد ہیں کچھ کذب وافترا ہے، کچھ کذب حق نما ہے علی الخصوص واقعات کی تاریخوں اور دنوں کی تصریحات جن کی تکذیب اس امر واقعہ سے ناقابل تردید طریقہ پر ہوجاتی ہے کہ حسینی

قافلہ نو سو پچاس (۹۵۰) انگریزی اور آٹھ سو (۸۰۰) عربی میل کی مسافت بعیدہ دشوار گزار مراحل سے طے کر کے کسی حالت میں بھی بیس بائیس دن میں جائے وقوعہ پر نہیں پہنچ سکتا۔ ۲ محرم ۶۱ھ کو پہنچ جانے کی روایت وضع کرنے والے کو اتنا بھی معلوم نہ تھا کہ اس تاریخ کو کون سا دن تھا یا اس دن کو کون سی تاریخ تھی سہ شنبہ صحیح دن کے بجائے پنجشنبہ غلط دن لکھ مارا۔

جب تاریخ اور دن بھی یہ راوی صحیح صحیح نہیں بتا سکتے تو ان روایتوں کی پھر حقیقت ہی کیا باقی رہ جاتی ہے جو طرح طرح کے مظالم، منع آب اور مصنوعی معرکہ آرائیوں کی بڑے آب و تاب سے بیان ہوئی ہیں۔ آٹھ دن پہلے ہی قافلہ کو جائے وقوعہ پر پہنچا دینے کی روایت تو صاف ظاہر اسی مقصد سے وضع ہوئی کہ واقعات کو اصلی رنگ میں پیش کرنے کی بجائے راوی کو اپنے رنگ میں پیش کرنا تھا۔

ولندیزی محقق دے خوئے نے اپنے محققانہ مقالہ میں حادثہ کربلا کے متعلق ایک موقع پر لکھا ہے کہ:

> ''کسی دوسرے انجام اور نتیجہ کی توقع اس ناعاقبت اندیشانہ مہم کے سلسلہ میں نہیں کی جا سکتی تھی مگر پیغمبر (صاحب) کے نواسہ علیؓ کے فرزند اور ان کے اتنے اہل خاندان (کے مقتول ہو جانے) کا تعلق چونکہ اس حادثہ میں تھا اس لئے حسینؓ کے دلی حامیوں نے جو اپنی درخواستوں و دعوت ناموں کی بناء پر اس حادثہ فاجعہ کا اصلی اور حقیقی سبب ہوئے تھے (انہوں نے بعد میں) اس کو ایک المیہ بنا لیا اور واقعات نے تدریجاً ایک افسانہ کا رنگ اختیار کر لیا۔ عمر بن سعدؓ اور اُس کے فوجی افسروں کو عبیداللہ (بن زیاد) کو حتی کہ یزیدؒ کو بھی قاتل سمجھا جانے لگا۔''

(ص ۲۹ ج اول، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، گیارھواں ایڈیشن)

کذب وافتراء کی بدترین مثال :

دے خوئے جیسے آزاد اور بے لاگ محقق کے آخری فقرے میں عمال کوفہ کے بارے میں جو اشارہ ہے کہ واقعات نے جب تدریجاً افسانہ کا رنگ اختیار کرلیا تو عمر بن سعدؓ وغیرہ کو بھی قاتل سمجھا جانے لگا وہ اشارہ ان ہی وضعی روایتوں کی جانب ہے۔ عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ خروج حسینی کے زمانے میں صوبہ کوفہ کے امیر عسکر تھے۔ حضرت حسینؓ سے ان کی قرابت قریبہ تھی۔ وہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے فرزند اور حضرت سعدؓ آنحضرت ﷺ کے رشتہ میں ماموں سیدہ آمنہ کے ابن عم تھے۔ سابقون الاولون اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ اسلام لانے والوں میں چھٹے تھے اور ان چھ صحابہؓ میں شامل تھے جنہیں حضرت فاروق اعظمؓ نے خلافت کے لئے (اپنے بعد) نامزد کیا تھا۔ بڑے شجاع تھے۔ تیراندازی میں کمال رکھتے تھے۔ جنگ اُحد میں ان کی تیراندازی پر نبی اکرم ﷺ نے اُن سے فرمایا تھا:

((ارم سعد ' فداک أبی وأمی)) . وقال : ((هذا خالي ' فليأت كل رجل بخاله)).

(یعنی اے سعد) تیر پھینکے جاؤ میرے باپ اور ماں تم پر فدا۔ پھر فرمایا: یہ میرے ماموں ہیں اور اب لائے کوئی آدمی اپنا ایسا ماموں۔

(ص ۱۴' المعارف ابن قتیبہ طبع اول مصر)

فاتح ایران اور ان صحابہ میں سے تھے جو دولت وثروت، علوئے مرتبت میں ممتاز رہے۔ ان کی سیاسی زندگی بے داغ تھی۔ حضرت علیؓ جب حضرت عثمانؓ کے مقابلہ میں انتخاب خلافت کے لئے کوشاں تھے اپنے فرزند کو ساتھ لے کر گئے اور حضرت سعدؓ سے فرمایا اس کی جو قرابت آپ سے ہے اس کے اعتبار سے میرے حق میں رائے دیجئے۔ وہ شہادت عثمانؓ کے بعد کے جھگڑوں سے قطعاً بے تعلق رہے۔ ان کے اور انکی اولاد کے تعلقات ہاشمی خاندان سے خلوص ومحبت کے قائم رہے۔ حادثہ کربلا سے صرف پانچ سال پہلے وفات پائی۔ ان ہی کے یہ فرزند عمر بن سعدؓ امیر عسکر کوفہ تھے جو نبی کریم ﷺ کے عہد مُبارک میں تولد ہوئے۔

شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانیؒ نے الاصابہ فی تمییز الصحابہ میں صغار صحابہ میں ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

عمر بن سعد بن أبي وقاص الزهري:	عمر بن سعد بن ابی وقاص الزھری:
قال ابن عساكر: أنه ولد في عهد النبي صلّى اللّٰه عليه وآله وسلّم.	ابن عساکر کہتے ہیں کہ: یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تولد ہوئے۔

(ص ۱۷۳ ج ۳)

عہد نبوی کے یہ مولود، نبی کریم ﷺ کے ماموں کے فرزند بچپن میں جن کی آنکھیں جمال نبوی سے منور ہوئیں، جنہوں نے عشرہ مبشرہ کے ایک جنتی صحابی کی گود میں پرورش پائی، جن کے گھرانے کے چند در چند تعلقات قرابت خاندان نبوت سے قائم تھے۔ جن کے دادا کی حقیقی بہن ہالہ بنت وہب نبی کریم ﷺ کے چچا سید الشہداء حمزہؓ کی والدہ ماجدہ تھیں۔ جن کے حقیقی چچا حضرت عامر بن ابی وقاصؓ ان صحابیوں میں تھے، جنہوں نے حبشہ کو ہجرت کی تھی۔ جن کے دوسرے چچا حضرت مخرمہؓ اور اُن کے فرزند حضرت المسورؓ نیز چچیرے بھائی حضرت نافع بن عتبہ بن ابی وقاصؓ سب صحبت یافتگان نبوی وہ صحابی بزرگ تھے جن کی نسبت باطینہ ایسی قوی تھی کہ مابعد کے اولیاء بھی ان صحابہ کرام کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ ان ہی بزرگوں کی گودوں میں، ان ہی کے آغوش محبت وشفقت میں اور ایسے پاک ماحول میں عمر بن سعدؓ نے شعور کی آنکھیں کھولی تھیں۔ خود بھی صغار صحابہ کے زمرہ میں شامل تھے اور قرابت کے کتنے ہی قوی سلسلے خاندان نبوت سے اُن کو پیوستہ کئے ہوئے تھے۔ معمولی کردار کا کوئی عرب بھی خصوصاً قریش کے ممتاز گھرانے کا کوئی فرد تعلقات قرابت سے برگشتہ ومنحرف نہیں ہوسکتا تھا۔ یہ تو اہل عرب کا نسلی وخاندانی شیوہ ہی نہیں جبلت تھی۔

نبی کریم ﷺ کے تعداد ازواج کا مسئلہ متعدد حکمتیں رکھتا ہے۔ جن میں بڑی

حکمت تعلقات قرابت کے سیاسی اثرات کی تھی کہ ازواج مطہرات کے خاندان اور قبیلے کے لوگ آپ کے جان نثار بن گئے تھے۔ان حالات کے پیش نظر حضرت حسینؓ یا اُن کے کسی عزیز کے خلاف امیر عسکر عمر بن سعدؓ کی موجودگی میں جابرانہ ومتشددانہ فعل تو کُجا کوئی سخت رویہ بھی نہیں برتا جاسکتا تھا۔ ایسی صورت میں وضاعین کو اس مشکل کا سامنا تھا کہ وحشیانہ مظالم اور معرکہ آرائیوں کی وضعی داستانوں کو کس طرز پر مُرتب کریں اور کیا وجہ اور کیا سبب ایک ایسے امیر عسکر کی موجودگی اور شمولیت کا بتائیں جس کے یہ حالات ہوں، جس کی یہ خاندانی اور آبائی وابستگی خاندان نبوت سے ہو، جس کے یہ تعلقات اور قرابت ہاشمی خاندان سے ہو جس کی مخالفت خاندانی کا یا جس کے ذاتی کردار کی کمزوری کا کوئی ادنیٰ ثبوت دستیاب نہ تھا، وضاعین نے یہ روایت وضع کر ڈالی کہ عبیداللہ عارضی گورنر کوفہ نے ملک رے کی حکومت کا فرمان عمر بن سعدؓ کے لئے لکھ دیا تھا۔ (ص ۲۳۲ ج ۶ ،طبری و دیگر کتب تاریخ)

اور اس تقرر کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ رے کے موضع دستی پر فرقہ دیلم نے قبضہ کرلیا تھا۔ یہ سن کر ابن زیاد نے عمر بن سعدؓ کا تقرر کیا اور چار ہزار سپاہیوں کے ساتھ وہاں جانے کا حکم دیا لیکن حضرت حسینؓ کے کوفہ آنے کی جب خبریں ملیں اُن کا جانا ملتوی کر کے مقابلہ میں بھیجنا چاہا، قرابت کا عذر کیا تو ابن زیاد نے کہا یا تو ہمارا فرمان واپس کردو یا اس کام کو انجام دو[1]۔ رے کی حکومت کے لالچ میں آکر منظور کرلیا اور یہ شعر بھی وضاعین نے اُن کے منہ سے کہلوا ڈالے۔

---

[1] ابن جریر طبری نے تو اس سلسلہ کی بعض وضعی روایتوں کو نوک پلک درست کر کے درج کتاب کرنا مناسب سمجھا مگر ابومخنف میں خرافات واہیہ کا جو انبار لگا ہے اس میں کہا گیا ہے کہ ابن زیاد نے جب یہ اعلان کیا کہ حسینؓ کا سر جو کوئی (کاٹ کر) میرے پاس لے آئے گا (اس صلہ میں) دس برس تک ملک رے کی حکومت پائے گا۔ (ص ۵۰) پھر امیر عمر بن سعدؓ پر یہ تہمت تراشی ہے کہ ابن زیاد کا یہ اعلان سنتے ہی کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے یہ کام میں انجام دوں گا۔ انہیں حکم ملا کہ جاؤ یہ کام کرو اور ان لوگوں پر پانی بھی بند کردو۔ انجام دہی کیلئے ایک مہینے کی مہلت مانگی انکار ہونے پر دس دن کی مہلت طلب کی، نامنظور ہوئی تو اُٹھ کھڑے ہوئے۔ گھر پہنچے تو مہاجرین وانصار کی اولاد میں لوگ ابن سعدؓ کے گھر میں داخل ہوکر ملامت کرنے لگے کہ میاں تمہارے باپ تو اسلام لانے والوں میں چھٹے تھے۔ بیعت رضوان کے شُرکاء میں سے تھے اور تم حسین سے لڑنے جارہے ہو۔ اس پر راویوں نے یہ کلمات ابن سعدؓ کے منہ سے کہلوائے ہیں کہ (بقیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں)

أَأَتْرُكُ مُلْكَ الرَّيِّ وَالرَّيُّ رَغْبَةٌ أَمْ أَرْجِعُ مَذْمُومًا بِقَتْلِ حُسَيْنِ

وَفِي قَتْلِهِ النَّارُ الَّتِي لَيْسَ دُونَهَا حِجَابٌ وَمُلْكُ الرَّيِّ قُرَّةُ عَيْنِ

''کیا میں ملک رے چھوڑ دوں اور ملک رے ہی کی مجھے خواہش ہے یا حسینؓ کے قتل کے گناہ میں ماخوذ ہوں۔ لیکن ان کے قتل کرنے میں دوزخ میں جاؤں گا جس کا کوئی مانع نہیں۔ مگر ملک رے کی حکومت تو میری آنکھ کی ٹھنڈک ہے۔''

یہ شعر تو عمر بن سعدؓ کے مُنہ سے کہلوا دیئے۔ لیکن یہ بات راوی بھلا کیوں بتاتے کہ اس قریشی کو ملک رے کیوں اتنا محبوب تھا کہ دوزخ کی آگ میں جلنا منظور مگر رے کا ترک کرنا گوارا نہیں۔

کیا یہ عرب نژاد قریشی بھی عجمی ذہنیت کا تھا۔ ایک عجمی شاعر نے اصفہان و ہمدان وقُم ورَے اُن چار شہروں کو دُنیا کے بہترین شہر بتاتے ہوئے رے کو ''شاہ بلاد'' کہا ہے۔

معدن مردمی وکانِ کرم وشاہِ بلاد رے بود رے کہ چورے در ہمہ عالم نہ بود

کیا تعجب ''شاہ بلاد'' کی حکومت کے لالچ کا یہ قصہ بھی اسی عجمی ذہنیت کی اختراع ہو اس روایت کو اتنی شہرت دی گئی کہ ہر مؤرخ نے اپنے صفحات تالیف میں جگہ دی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس بے تکی روایت کی کوئی تک بھی ہے۔ بیان ہو چکا کہ عبیداللہ بن زیاد کو کوفہ کے انتظام کیلئے عارضی طور سے بصرہ سے یہاں بھیجا گیا تھا[1]۔ خود ابومخنف لوط نے ان کی اس تقریر کے فقرے جو کوفہ پہنچتے ہی

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) قتل حسینؓ کے گناہ میں جہنم کی آگ میں جلنا منظور مگر ملک رے کی حکومت چھوڑنا منظور نہیں۔ ابومخنف نے آٹھ شعر کا قطعہ لکھ مارا ہے دوسرے وضاعین نے اس سے کچھ کم اشعار ابن سعدؓ سے منسوب کئے ہیں جن میں اسی مضمون کا اعادہ ہے ساتھ ہی ہاتف کی زبان سے جواب میں چند مشہور شعر کہلوا دیئے ہیں۔ آخر کا شعر ہے:

یعنی اے بدترین خلائق قتل حسینؓ کے بعد تجھے حکومت رے پر فائز ہونا نصیب نہ ہوگا۔ الغرض یہ ہے روایت جس سے حسینؓ کا سر کاٹ کر ابن زیاد کے سامنے پیش کرنے کا ثبوت فراہم کیا گیا ہے۔ (ص ۵۰)

[1] وضعی روایتوں میں یہ لغویات بھی کہی گئی ہیں کہ امیرالمومنین یزیدؒ نے اپنے والد کے غلام ''سرجون رومی'' سے کوفیوں کی باغیانہ سرگرمیوں کا حال سُنکر وہاں کے انتظام کا مشورہ کیا۔ اُس نے عبیداللہ کے وہاں بھیجنے کا مشورہ دیا۔ یہ

مسجد جامع کے منبر سے کی تھی نقل کئے ہیں جو آپ ان اوراق میں پڑھ چکے ہیں، ان میں انہوں نے کوفیوں سے کہا تھا: یعنی امیر المومنین نے اللہ اُن کی بہتری کرے مجھے تمہارے شہر (کوفہ) اوراس کے حدود کا والی مقرر کیا ہے۔ (ص ۲۰۱ ج ۶، طبری)

جب وہ کوفہ اوراس کے حدود کا ہی والی تھا تو غیر علاقہ (رے) سے معاملات سے اُس کا کیا تعلق اور واسطہ؟ ایک علاقہ کا والی یا عامل (گورنر) دوسرے علاقے کے والی و عامل (گورنر) کا تقرر کرنے اور تقرر کا فرمان لکھنے اور اپنے مہر اور دستخط سے اس کے اجراء کرنے کا مجاز کیوں اور کیسے ہوسکتا ہے۔ والیوں اور گورنروں کے تقرر و تبادلہ و برطرفی کا اختیار کلی تو مرکزی حکومت کو ہوتا ہے۔ خود اسی کا تبادلہ بصرہ سے کوفہ کو امیر المومنین ہی نے کیا تھا۔ اور انہوں نے ہی جیسا ان کے عہد خلافت کے کوائف میں بالصراحت مذکور ہے مدینہ و مکہ وخراسان وغیرہ کے والیوں اور گورنروں کے عزل ونصب کا اختیار سوائے امیر المومنین کے کسی دوسرے والی یا گورنر کو نہیں ہوسکتا تھا اور نہ واقعتاً تھا تو پھر کیا یہ روایت بے اصل بے حقیقت نہیں؟ کہاں کوفہ کا عارضی والی (گورنر) اور کہاں رے کی حکومت پر اپنے ہی ہم رتبہ وہم مرتبہ والی و عامل کے تقرر با ختیار خود اجرائے فرمان! بہ ایں تفاوت رہ از کجا الست تا کجا

امیر المومنین نے والیوں اور عاملوں کے عزل ونصب کا اختیار نہ اس عارضی والی کو دیا تھا اور نہ ایسا کرنے کی کوئی وجہ تھی اور نہ خود اس کے اپنے بیان سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ کوفہ شہر اور اس کے حدود کے علاوہ تمام ممالک ایران کا والی تھا۔ البتہ خود کوفہ ہی کے حدود (سرحدوں) میں کسی مقام پر کوئی بغاوت ہوئی ہوتی، کسی فتنے نے سر اُٹھایا ہوتا تب بھی ایک بات

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) سرجون جس کا صحیح نام سرجیس تھا محکمہ مالیات کا کارکن تھا۔ شاید ایک عیسائی رومی سے اسلامی مملکت کے انتظامی امور میں مشورہ کرنا بطور تنقیص کے بیان ہوا ہو۔ امیر المومنین جو اپنے دہ سالہ زمانہ ولی عہدی میں مہمات جہاد کے علاوہ کاروبار خلافت کا عملی تجربہ رکھتے تھے، عمال خلافت کی اہلیت اور کارکردگی کی قابلیت سے بذات واقف تھے۔ ان کو محکمہ مالیات کے عیسائی کارکن سے مشورہ کرنے کی کی ضرورت تھی۔ وہ اگر مشورہ کرتے تو حضرت ضحاک بن قیس الفہریؓ صحابی و عامل دمشق جیسے اعیان سے کرتے نہ کہ صیغہ مالیات کے عیسائی کارکن سے۔

تھی۔ امیر عسکر کو مع دستہ فوج اس کے دفعیہ کے لئے بھیجا جا سکتا تھا۔ شاید روایت وضع کرنے والے کو جغرافیہ کی معمولی معلومات بھی نہ تھیں۔ رے کا علاقہ تو کوفہ کے علاقہ سے سینکڑوں کوس دُور واقع تھا۔ درمیان میں کئی علاقے پڑتے تھے۔ رے کے علاقہ میں کہیں کوئی واقعہ پیش آیا تھا، کوئی بغاوت ہوئی تھی اول تو خود وہیں کا عامل تدارک کرتا، وہ عاجز و لاچار تھا تو قرب و جوار اور ملحقہ و متصلہ علاقوں کے والی امداد بھیجتے۔ خصوصاً خراسان کے والی جن کے علاقے کی سرحدیں اس سے ملتی تھیں۔ والی خراسان اُس زمانہ میں قیس بن الہیثم السلمی تھے۔

تاریخ سے ثابت ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد ہی امیر المومنین یزیدؒ نے مسلم بن زیاد کو اُن کے بجائے والی خراسان مقرر کیا تھا۔ اُنہوں نے بخارا، کرکانج اور خوارزم وغیرہ پر جہاد کئے، بکثرت مال غنیمت حاصل کر کے دربار خلافت کو ارسال کیا۔ (ص ۵۵، ۷۳ کتاب البلدان یعقوبی مطبوعہ اپریل ۱۸۶۰ء و دیگر کتب تاریخ)

ان ہی اموال غنائم میں سے کثیر مقدار فیاض طبع و دریا دل امیر المومنین نے حضرت حسینؓ کے چچیرے بھائی حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ کو اور اُن کے جُود و سخا کی بدولت اہل مدینہ کو عطا کی تھی جس کا حال گذشتہ اوراق میں آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔ ایران کے بعض علاقے اگر والی کوفہ کے ماتحت بھی قرار دیئے جائیں تب بھی ایک عارضی والی کو جو کار خاص کی انجام دہی کیلئے متعین کیا گیا تھا اس نوعیت سے تقرر کرنے کا نہ اختیار تھا اور نہ موقعہ اور وقت۔ مبتی موضع (مواضعات) جن کا نام اس وضعی روایت میں لیا گیا ہے حسب تصریح صاحب معجم البلدان دبناوند میں شامل اور رے و ہمدان کے علاقوں میں منقسم تھے۔ ان مواضعات کو قزوین کے علاقہ میں بھی شمار کیا گیا۔ (ص ۵۸ ج ۸، معجم البلدان)

رے سے خراسان کے علاقہ کا اتصال شاہراہ اعظم سے تھا۔ ''والرے جادۃ طریق خراسان'' (ص ۵۳، معجم البلدان) مگر کوفہ سے رے پہنچنے کیلئے کئی علاقوں سے یعنی الدینور و قزوین وغیرہ سے گُزر ہوتا تھا۔ بہرحال موضع دستی میں ایسا کوئی واقعہ پیش بھی آیا تھا اور

اس کو اتنی اہمیت بھی حاصل تھی کہ ابن زیاد نے کوفہ پہنچتے ہی کار مفوضہ کی انجام دہی کو تو ملتوی کر دیا حالانکہ جیسا بیان ہو چکا اور خود ان ہی راویوں کی روایتوں میں اس کی بھی تصریح ہے کہ امیر المومنین نے اسے خاص طور سے اسی کام پر مامور کیا تھا یعنی باغیان کوفہ کی سرکوبی کر کے امن عامہ بحال کرنا اور نظم ونسق سلطنت استوار کرنے کی اسی مؤثر تدابیر اختیار کرنا کہ پھر کوئی فتنہ سر نہ اُٹھا سکے، یہ وہ کام تھا جسے اس نے کوفہ کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی عملاً شروع کر دیا تھا۔ باوجود اس کے وضعی روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ:

> ابن زیاد نے چار ہزار لشکر جرار کی فراہمی کا دستمی کیلئے چند ہی دن میں انتظام بھی کر لیا اور کوفہ کے امیر عسکر کو ''رے'' کی حکومت کا فرمان بھی با اختیار خود لکھ دیا اور روانگی کا حکم بھی دے دیا کہ اتنے میں حسینؓ کی آمد آمد کی خبریں پہنچیں، سُن کر چونک پڑا۔ دستمی والی فوج کو روک لیا اور نامزد والی و گورنر سے کہا: پہلے حسینؓ کی طرف متوجہ ہو جب ہمارے اور ان کے درمیان جو معاملہ ہے اس سے فراغت پا جائیں تو پھر تم اپنی خدمت پر (ملک رے کی حکومت پر) چلے جانا۔ ''**فسر الی الحسین فاذا فرغنا مما بیننا و بینه سرت الی عملک**''۔ (ص۲۳۳ ج۶، طبری)

چنانچہ ان راویوں نے حضرت حسینؓ کے معاملہ سے فراغت پا جانے کی کیسی کچھ تفصیلات پیش کی ہیں جن سے کتب تاریخ کے اوراق مملو ہیں۔ لیکن کسی راوی یا مؤرخ نے یہ بتانے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ جب یہ لوگ حضرت حسینؓ کے معاملے سے فراغت پا چکے تو پھر حسب قرارداد باہمی اس نامزد والی یا عامل نے ملک رے جا کر اپنے جدید عہدہ کا چارج کیوں اور کس وجہ سے نہیں لیا۔ بحالیکہ ابن زیاد کی خواہش اور حکم کے مطابق جیسا یہ راوی بیان کرتے ہیں کیسے کیسے وحشیانہ مظالم کے ساتھ حضرت حسینؓ کے معاملہ سے فراغت پالی گئی تھی۔ ملک رے تو اس نامزد والی یا عامل کا ''قرۃ عین'' تھا اور اتنا محبوب کہ ''قتل حسینؓ'' کا ارتکاب کر کے دوزخ

کی آگ میں جلنا منظور، مگر آنکھ کی ٹھنڈک سے آنکھ پھیر لینا اور ترک کر دینا کسی طور گوارا نہیں، آخر حضرت حسینؓ کے معاملہ سے فراغت حاصل کر لینے کا کیا صلہ اس نے حاصل کیا اُسے دیا گیا؟ کسی مؤرخ یا راوی نے یہ بھی بتایا کہ جب یہ نامزد عامل و والی چار ہزار کا لشکر جرار لے کر دستبی کے انتظام کو کسی وجہ خاص سے نہ جا سکا تھا تو اس معاملہ کا آخر کیا انتظام ہوا، کب ہوا، کیونکر ہوا اور کس ذریعہ سے ہوا۔ ان امور کے پیش نظر راویوں اور مؤرخوں کی یہ خاموشی کیا معنی خیز نہیں اور کیا اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ ابن سعدؓ کے تقرر فراہمی لشکر موضع دستبی کے واقعہ کی یہ روایت محض طبع زاد اور وضعی ہے اور اس روایت کے وضع کرنے کا جو غرض اور مقصد ہے وہ وہی ہے جس کا اشارہ ابتدائی سطور میں کیا گیا ہے۔

کردار ابن زیاد :

امیر عبیداللہ بن زیاد باغیان کوفہ کی سرکوبی کی غرض سے جو کچھ کر رہے تھے وہ امن عامہ کے تحفظ کی خاطر امیر المومنین کے احکام کی بجا آوری اور اپنے فرائض مفوضہ کی انجام دہی میں کر رہے تھے۔ حضرت حسینؓ کی ذات یا آپ کے اہل خاندان سے انہیں نہ کوئی ذاتی پرخاش تھی اور نہ بغض و عداوت۔ وہ تو ان باپ کے بیٹے تھے جو حضرت علیؓ کے معتمد خاص اور ایسے وفادار تھے کہ ان کی شہادت کے بعد بھی عرصہ تک ان کے نام لیوا رہے۔ ابن زیاد کی نیک نیتی کا ثبوت تو ان ہی راویوں کے اس بیان سے ملتا ہے کہ مسلم بن عقیلؓ نے اپنے آخری وقت جو وصیت ابن سعدؓ کو کوتھی کہ قاصد کے ذریعہ میرا یہ پیغام حضرت حسینؓ کو پہنچا دینا کہ کوفیوں نے میرے ہاتھ پر ان کی بیعت کرنے کے بعد بدعہدی اور غداری کی ہے اس لئے ہرگز ادھر کا رُخ نہ کریں، مکہ معظّمہ ہی کو لوٹ جائیں۔ ابن زیاد کو ان سے ذاتی مخاصمت ہوتی تو تو مسلمؓ کا یہ پیغام ان تک کیوں پہنچنے دیتے۔ انہوں نے تو صاف کہہ دیا تھا کہ حضرت حسینؓ ادھر نہ آئیں اور راستہ ہی سے پلٹ جائیں ہمیں اُن سے کوئی تعرض نہیں، علاوہ ازیں خود امیر المومنین کے فرمان میں اس کو صریح ہدایت تھی کہ جنگ و جدل میں اپنی طرف سے سبقت نہ کریں اور اُس وقت تک تلوار

نہ اُٹھائیں جب تک خود اُن کے خلاف تلوار نہ اُٹھالی جائے۔ وہ اس حکم کی خلاف ورزی کی جسارت نہیں کر سکتے تھے۔ یہ چند باتیں تو اس لئے پیش کی گئیں کہ اس روایت کی رکاکت عیاں ہو جائے ورنہ حسینی قافلہ کا موقع واردات پر وقوعہ سے ایک دن پہلے بھی پہنچ جانا بعد مسافت اور منازل و مراحل کی تعداد کے اعتبار سے جب محال تھا ممکن الوقوع نہ تھا تو منع آب اور وحشیانہ مظالم کی یہ سب روایتیں ہباء منشورا ہو جاتی ہیں، تار عنکبوت کی سی سکت بھی ان میں باقی نہیں رہتی۔

کردار عمر بن سعدؓ :

عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ کو ''قاتل حسینؓ'' کہا جاتا ہے۔ راویوں کے بیانات کا آزادانہ و مؤرخانہ طرز پر تجزیہ کیا جائے تو یہ قول بھی کذب و افتراء ہی ثابت ہوگا۔ خود ابو مخنف ہی کی روایت ہے کہ حضرت سعدؓ اور حضرت حسینؓ کے مابین تین چار ملاقاتیں ہوئیں۔ **انهما كان التقيا مرارا ثلاثا او اربعا حسين و عمر بن سعد** ۔ (ص ۲۲۵ ج ۶، طبری) ان ملاقاتوں کے نتیجہ میں اس خط کا ابن زیاد کے پاس بھیجا جانا بتایا گیا ہے جس کے ابتدائی الفاظ یہ تھے:

فأن اللّٰه قد أطفأ النائرة، وجمع الكلمة، وأصلح أمر الأمة. (ص ۲۳۴ ایضاً)	اللہ نے آتش (اختلاف) کو بجھا دیا اتحاد و اتفاق پیدا کر دیا اور اُمت کی اس سے بہتری چاہی۔

اس کے بعد وہ تین شرطیں بھی لکھیں جو مؤرخین نے نقل کی ہیں، گذشتہ اوراق میں جن کا ذکر آچکا ہے۔ راویوں نے تو یہاں تک بیان کیا ہے خط پڑھ کر ابن زیاد کے مُنہ سے یہ الفاظ نکلے تھے:

هذا كتاب رجل ناصح لاميره و مشفق على قومه نعم قد قبلت. (ص ۲۳۶ ایضاً)	یہ خط ایک ایسے شخص نے لکھا ہے جو اپنے امیر کا صحیح مشیر ہے اور اپنی قوم کا مشفق ہے ہاں تو میں نے قبول کیا۔

راویوں کے اس بیان سے کیا یہ واضح نہیں ہوتا کہ حکومت کے یہ دونوں ذمہ دار افسر معاملہ کو بغیر خونریزی کے صلح و آشتی سے نمٹانا چاہتے تے۔ دو قوتیں البتہ ان کی مساعی میں حائل اور مزاحم تھیں۔ ایک تو برادرانِ مسلم بن عقیلؓ کا تہیہ کہ وہ اپنے مقتول بھائی کا انتقام لے کر رہیں گے چاہے اس میں اُنہیں اپنی بھی جانیں دینی پڑیں، دوسرے اُن کوفی سبائیوں کا رویہ تھا جو کوفہ سے مکہ گئے تھے اور حسینی قافلے کے ساتھ آرہے تھے۔ اپنے مشن کی ناکامی سے ان کی پوزیشن حد درجہ خراب ہو چکی تھی وہ اپنی خیر اسی میں سمجھتے تھے کہ صلح و مصالحت نہ ہونے پائے کیونکہ ان کیلئے اب کوئی اور صورت مفر کی نہ تھی۔ کوفہ جاتے ہیں تو کیفر کردار کو پہنچتے ہیں، دمشق کا رُخ کرتے ہیں تو مستوجب تعزیر۔ انہوں نے اپنے ان پیش رو سبائیوں کی تقلید کرنی چاہی جنہوں نے حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ میں مصالحت ہوتے دیکھ کر آتش جنگ مشتعل کرادی تھی۔

جنگ جمل تو ان ہی سبائیوں کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھی چنانچہ ان کوفیوں کی ساری کوشش اب اس بات پر تھی کہ حضرت حسینؓ اپنے سابقہ مؤقف پر قائم رہیں۔ ابومخنف ہی کی روایت ہے کہ کوفیوں نے جن میں چار نو وارد کوفی بھی شامل تھے حضرت موصوف کو یہ ترغیب دینی شروع کی کوہستان آجاء و سلمٰی پر چل کر ڈیرے ڈالیں۔ بنی طے کے بیس ہزار سوار اور پیادے بہت جلد مدد اور نصرت کا آموجود ہونگے۔ ان کوفیوں نے اپنے اسلاف کے قصے بیان کرنے شروع کئے کہ ہم لوگ شاہان غسان و عمیر اور نعمان بن منذر سے جن کی حکومت تیرہ اور اس کے نواح میں تھی ان ہی پہاڑوں کی پناہ میں محفوظ رہے تھے۔ حکومت وقت کے نمائندوں کو حضرت حسینؓ کے ساتھیوں کے ان عزائم کا حال معلوم ہوا کہ کوفیوں کا یہ سبائی گروہ اس حالت میں بھی کہ انقلاب حکومت کے بارے میں ان کا سارا پلان اور منصوبہ ہی خاک میں مل چکا تھا مگر ترغیب کی حرکتوں سے باز نہیں آتے، ضروری سمجھا گیا کہ ان لوگوں کی ریشہ دوانیوں کا قطعی طور سے خاتمہ کر دیا جائے۔ چنانچہ مسئلہ کو یقینی نوعیت دی گئی یعنی عمر بن سعدؓ کی ملاقاتوں کے نتیجے میں

حضرت حسینؓ جب آمادہ ہوگئے کہ امیرالمومنین سے بیعت کرلیں اُن سے مطالبہ ہوا کہ دمشق تشریف لے جانے سے پہلے ہی ان کے نمائندے کے ہاتھ پر یہیں بیعت کریں۔ تمام اقطاع مملکت اسلامی میں عام وخاص حتی صحابہ کرام جیسی بلند و بالا ہستیوں نے اسی طرح عاملان حکومت کے ہاتھ پر امیرالمومنین کی بیعت کی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے اس طرح بیعت کرنے اور ابن زیاد حاکم کوفہ کا حکم ماننے سے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ: تجھ جیسے شخص کے ہاتھ پر بیعت کرلینے سے تو موت بہتر ہے۔ آپ کا یہ قول اگر صحیح نقل ہوا ہے تو باعث استعجاب ہے کیونکہ آئینی حیثیت سے نمائندے کی حیثیت ذاتی نہیں رہتی۔ امیر کوفہ عبیداللہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا خود امیرالمومنین کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے مترادف تھا۔ آپ کے اس انکار پر دوسرا مطالبہ بمزید احتیاط یہ ہوا کہ وہ سب آلات حرب اور ہتھیار جو حسینی قافلہ کے ساتھ ہیں نمائندگان حکومت کے حوالے کردیں تاکہ اس خطرہ کا بھی سدباب ہوجائے جو ان کوفیوں کی ترغیبانہ گفتگوؤں سے پیدا ہوا تھا کہ مبادا اُن کے اثر میں آکر دمشق جانے کے بارے میں اپنی رائے اُسی طرح تبدیل نہ کردیں جس طرح عامل مدینہ سے یہ فرمادینے کے بعد کہ صبح جب بیعت عامہ کیلئے لوگوں کو بلانا تو ہم بھی موجود ہوں گے۔ مگر حضرت ابن زبیرؓ سے گفتگو کے بعد آپ اور وہ دونوں رات ہی میں مکہ معظّمہ کو روانہ ہوگئے تھے۔ حکام کوفہ کے اس مطالبہ نے برادرانِ مسلم بن عقیلؓ کو جو پہلے ہی جوش انتقام سے مغلوب ہورہے تھے مشتعل کردیا۔ نیز ان کوفیوں کو بھی جو حسینی قافلہ میں شامل تھے اور جنہیں صلح ومصالحت میں اپنی موت نظر آرہی تھی یہ موقعہ ہاتھ آگیا۔ انہوں نے اپنے پیش رووں کی تقلید میں جنہوں نے جنگ جمل کی ہوتی ہوئی صلح کو جنگ میں بدل دیا تھا اس اشتعال کو اس شدت سے بھڑکا دیا کہ انتہائی ناعاقبت اندیشی سے فوجی دستہ کے سپاہیوں پر جو ہتھیار رکھوانے کی غرض سے گھیرا ڈالے ہوئے تھے، اچانک قاتلانہ حملہ کردیا۔ آزاد محققین ومستشرقین نے بے لاگ تحقیق سے اسی بات کا اظہار کیا ہے کہ حکومت کے فوجیوں پر اس طرح اچانک حملہ سے یہ حادثہ حزن انگیز پیش آگیا۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مقالہ نویس نے کہا ہے کہ:

''گورنر کوفہ عبیداللہ بن زیاد کو یزید نے حکم دیا تھا کہ (حسینی) قافلہ کے ہتھیار لے لینے کی تدابیر کرے اور (صوبہ) عراق میں ان کے داخل ہونے اور جھگڑا اور انتشار پھیلانے سے باز رکھے۔ کوفہ کے شیعان علی میں کوئی بھی (مدد کو) کھڑا نہ ہوا۔ حسینؓ اور ان کے مٹھی بھر متبعین نے اپنے سے بدرجہا طاقتور فوجی دستہ پر جو اُن سے ہتھیار رکھوا لینے کو بھیجا گیا تھا غیر مآل اندیشانہ طور سے حملہ کر دیا۔ (ص۱۱۶۲)

عمر بن سعدؓ امیر عسکر نے جیسا وضعی روایتوں میں متہم کیا گیا ہے کوئی جارحانہ اقدام مطلق نہ کیا تھا۔ ان کے زیر ہدایت فوجی دستہ کے سپاہی مدافعانہ پہلو اختیار کئے رہے۔ یہ منظر کیا ہی دردناک تھا کہ گفتگوئے مصالحت یکا یک جدال وقتال میں بدل گئی۔ حضرت حسینؓ اور ان کے عزیزوں کی قیمتی جانوں کے یوں ضائع ہو جانے کا تصور تو آج بھی ہمارے دلوں میں حزن و ملال کے تاثرات پیدا کر دیتا ہے چہ جائیکہ جس کسی کی آنکھوں دیکھا یہ حادثہ ہو۔ عمر بن سعدؓ کو ''قاتل حسینؓ'' کہتے ہیں لیکن ان ہی راویوں خاص کر ابومخنف نے اپنی ایک روایت میں گویا حق برزبان جاری یہ بھی فرمایا ہے کہ حضرت حسینؓ کے مقتول ہو جانے پر ابن سعدؓ پر رنج اور صدمہ سے ایسی رقت طاری ہوئی کہ بے اختیار ہو کر زار و قطار رونے لگے۔ ان کے رُخسار اور ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ ابومخنف کی اس روایت میں یہ فقرہ ہے:

قَالَ: فکأني أنظر اِلَی دموع عمر وَهِيَ تسيل عَلَی خديه ولحيته. (ص ۲۵۹ ج۶، طبری)

(راوی نے) کہا گویا میں نے عمر بن سعد کے آنسوؤں کو دیکھا کہ (بہ سبب گریہ) ان کے رخساروں اور ڈاڑھی پر بہنے لگے تھے۔

اس قدر قلق اور صدمہ ابن سعدؓ کو کیوں نہ ہوتا حسینؓ سے قرابت قریبہ کے علاوہ انہوں نے مفاد ملت کی خاطر بہتری کی کوشش کی کہ خون خرابہ نہ ہونے پائے مگر سبائیوں کی

دراندازی سے ان کی مساعی ناکام ہوگئیں لیکن تلوار چل جانے پر بھی اپنے سپاہیوں کو مدافعت ہی کے پہلو پر قائم رکھا۔ جس کا بین ثبوت خود ان ہی راویوں کے بیان سے ملتا ہے۔ جہاں انہوں نے طرفین کے مقتولین کی تعداد بیان کی ہے کہ حسینی قافلہ کے بہتر (۷۲) مقتول ہوئے جن میں اکثر و بیشتر جنگ آزمودہ نہ تھے اور فوجی دستے کے جنگ آزمودہ سپاہی اٹھاسی (۸۸) مارے گئے۔ گویا سولہ فوجی زیادہ کٹوا کر بھی وہ حضرت حسینؓ کی جان بچانے میں کامیاب نہ ہوسکے اور زاروقطار رونے لگے۔ پھر انہوں نے حضرت حسینؓ کے اہل خاندان کو ان کی بیبیوں، کنیزوں اور دوسری خواتین خاندانِ نبوت کو عزت وحرمت کے ساتھ پردہ دار محملوں میں سوار کرا کے روانہ کیا۔ قدیم ترین مؤرخ ابو حنیفہ احمد بن داؤد الدینوری متوفی ۲۸۲ھ (صاحب اخبار الطّوال) لکھتے ہیں:

وامر عمر بن سعد بحمل نساء الحسین و اخواته و بناته و جواریه و حشمه فی المحامل المستوره علی الابل.	اور عمر بن سعد نے حکم دیا کہ حسینؓ کی بیبیوں، بہنوں، کنیزوں اور خاندان کی دیگر خواتین کو پردہ دار محملوں میں اونٹوں پر سوار کرا کے لے جایا جائے۔

(ص ۲۷۰ سطر ۱۱، اخبار الطّوال)

ولندیزی محقق دے خوئے نے صحیح کہا ہے کہ جب اس حادثہ کے بیانات نے افسانہ کی سی نوعیت اختیار کر لی تو ابن سعدؓ کو بھی قاتل کہا جانے لگا۔ اسی غرض سے یہ چند امور پیش کئے گئے کہ ایک طرف تو راوی بیان کرتے ہیں کہ ''قتل حسین'' پر ایسا رنج وقلق پیدا ہوتا ہے کہ زار و قطار رونے لگتے ہیں اور رُخسار اور ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہوجاتی ہے۔ خواتین اور پسماندگان کو عزت وحرمت سے سوار کرا کے بھیجتے ہیں۔ دوسری طرف یہی راوی وہ بھیانک تصویر ان کے وحشیانہ مظالم کی کھینچتے ہیں جن کے تصور سے دل لرز کر رہ جاتا ہے۔ مگر ان حقائق کو جب پیش نظر رکھا جائے جو بعد مسافت (مکہ سے کربلا) تعداد منازل و مراحل، روانگی کی صحیح

تاریخ، کربلا کے محل وقوع وغیرہ کے بارے میں مستند کتب جغرافیہ و بلدان وغیرہ کے حوالہ جات سے پیش کئے گئے ہیں تو یہ سب وضعی روایات، اختراعی داستانیں اور مبالغات ہباء منثوراً ہو جاتے ہیں اور عمر بن سعدؓ کا کردار ایسا ہی بے داغ ثابت ہوتا ہے جیسا ان جیسے ثقہ و بلند پایہ تابعی کے حالات سے توقع کی جاسکتی ہے۔

طبقات ابن سعد میں ''بذیل الطبقه الاولیٰ من اهل المدینة من التابعین'' کے زمرہ میں ان کا ذکر ہے۔ اور شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانیؒ نے تہذیب التہذیب میں مندرجہ ذیل عبارت میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ کیسے کیسے لوگوں نے ان سے حدیث کی روایت کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

عمر بن سعد بن ابی وقاص الزهری ابو حفص المدنی سکن الکوفة روی عن ابیه و ابی سعید الخدری و عنه ابنه ابراهیم و ابن ابنه ابوبکر بن حفص بن عمر و ابو اسحاق السبیعی والعیزار بن حریث و یزید بن ابی مریم و قتاده و الزهری و یزید بن ابی حبیب وغیرهم قال العجلی کان یروی عن ابیه احادیث وروی الناس عنه وهو تابعی ثقه.

(ص ۴۵۰ ج ۷، تہذیب التہذیب)

عمر بن سعد بن ابی وقاص الزہری ابو حفص المدنی ساکن کوفہ۔ انہوں نے اپنے والد ماجد اور ابوسعید الخدریؓ سے حدیث کی روایت کی ہے اور ان سے ان کے فرزند ابراہیم اور ان کے پوتے ابوبکر بن حفص نے نیز ابواسحاق السبیعی اور العیزار بن حریث و یزید بن ابی مریم اور قتادہ اور زہری اور یزید بن ابی حبیب وغیرہ نے اور محدث عجلی فرماتے ہیں کہ (عمر بن سعد) نے اپنے والد سے احادیث کی روایت کی ہے اور ان سے بہت سے لوگوں نے اور وہ خود ثقہ تابعی تھے۔

عمر بن سعدؓ کو قتل حسین سے جب متہم کیا جانے لگا تو متاخرین میں سے بعض کو ان

کی مروی احادیث لینے میں تامل ہوا۔ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ وہ فی نفسہٖ تو غیر متہم تھے لیکن قتال الحسین علیہ السلام میں حصہ لیا تھا اس لئے وہ کیسے ثقہ سمجھے جائیں (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۵۸)۔ علامہ ذہبیؒ کا زمانہ اُن کے زمانہ سے تقریباً سات سو برس بعد کا زمانہ ہے جب ابومخنف وغیرہ کی روایتوں کی اشاعت سے حادثہ کربلا کی صورت کاذبہ عام طور سے لوگوں کے ذہن نشین ہو چکی تھی اور کسی مؤرخ کو ان وضعی روایات کی تنقید کرنے کی توفیق نہیں ہوئی تھی جو صحیح حالات کا انکشاف ہو جاتا۔ ابن خلدون کی کتاب کے دو تین ورق جو حادثہ کربلا کے بارے میں تھے ایسے غائب ہوئے کہ تقریباً پانچ سو برس کی مدت گزر جانے پر بھی آج تک کسی کو دستیاب نہ ہو سکے۔ بایں ہمہ عمر بن سعدؓ سے حدیث روایت کرنے والوں میں ان کے بیٹے، پوتے کے علاوہ زمرہ تابعین کے جن راویان حدیث کے نام شیخ الاسلام ابن حجر نے مندرجہ بالا عبارت میں درج کئے ہیں، ان میں مشہور تابعی محدثین شامل ہیں۔ جو صریحاً اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے معاصرین ان کو متہم نہیں سمجھتے تھے مثلاً ابواسحٰق[1]، عمرو بن عبداللہ البلیعی متوفی ۱۲۷ھ بعمر ۹۵ سال وقتادہ بن دعامہ سدوسی ومحمد بن مسلم الزہری وغیرہم۔ غالی راویوں کے پروپیگنڈے کے تاثرات ہی کی شاید وجہ تھی کہ بعض لوگوں نے ان کے مولود عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے بارے میں شبہات کا اظہار کیا تھا۔

محدث ابوبکر[2] بن فتحون مالکی کی روایت سے اس شبہ کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ یہ بزرگوار محدثین کی اس جماعت میں شامل تھے جس نے صحابہ کرام کے حالات کی معتبر کتاب الاستیعاب کا ذیل لکھا تھا چنانچہ وہ ابن اسحاق کی سند سے یہ روایت لکھتے ہیں کہ عمر بن سعدؓ عہد فاروقی کے مجاہدین میں کب اور کیوں کر شامل ہوئے تھے۔

---

[1] یہ ابواسحاق شیعہ اولیٰ میں ہیں اور روافض سے بیزار۔

[2] سخاوی نے اپنی تالیف الاعلام بالتوبیخ لمن ذم تاریخ (مطبوعہ دمشق ۳۴۹ھ میں بتایا ہے کہ جس جماعت محدثین نے الاستیعاب کے ذیل کی تدوین کی تھی ان میں ابی اسحاق بن الامین اور ابی بکر بن فتحون شامل تھے جو دونوں ہمعصر تھے اور ان دونوں میں باعتبار فضیلت علمی ابن فتحون برتر تھے وھما متعاصران وثانیھما احسنھما کشف الغنون میں ابوبکر بن فتحون کو مالکی مسلک کا بتایا ہے۔

قال: كتب عمر بن الخطاب الى سعد بن أبي وقاص: ان اللّٰه قد فتح الشام والعراق، فابعث من قبلك جندا الى الجزيرة، فبعث جيشا مع عياض بن غنم، وبعث معه عمر بن سعد، وهو غلام حديث السن.

وكذا رواه يعقوب بن سفيان، والطّبريّ من طريق سلمة بن الفضل، عن ابن (أبي) اسحاق، قال: وكان ذلك سنة تسع عشرة.

قال ابن فتحون: من كان في هذه السنة يبعث في الجيوش فقد كان لا محالة مولودا في عهد النبي صلّى اللّٰه عليه وآله وسلم.

قال ابن عساكق: هذا يدل على أنه ولد في عهد النبي صلّى اللّٰه عليه وآله وسلم.

(ص ۱۷۲ ج ۲، الاصابة في تمييز الصحابة مطبوعة مصر)

راوی نے بیان کیا ہے کہ عمر بن الخطابؓ نے سعد بن ابی وقاصؓ کو ایک مکتوب بھیجا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے شام وعراق پر مسلمانوں کو فتح یاب کیا تو اب تم الجزیرہ پر لشکر کشی کرو۔ چنانچہ (ابن سعدؓ نے) عیاض بن غنم کی سرکردگی میں لشکر غازیان بھیجا اور ان کے ساتھ (اپنے فرزند) عمر بن سعد کو بھی بھیجا جو اس وقت نوعمر تھے۔

اسی کو یعقوب بن سفیان اور طبری نے بھی سلمہ بن فضل سے اور انہوں نے ابن اسحاق سے روایت کیا ہے۔ یہ واقعہ ۱۹ھ کا ہے۔

ابن فتحون اس پر کہتے ہیں کہ جس فرد کو اس سن میں فوج میں شامل کر کے بھیجا گیا وہ لامحالہ عہد نبی ﷺ کا مولود ہوگا۔

ابن عساکر بھی یہی کہتے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ (عمر بن سعدؓ) عہد نبوی ﷺ میں پیدا ہوئے تھے۔

صحیحین کی ایک حدیث میں البتہ یہ بیان ہوا ہے کہ حضرت سعدؓ علیل تھے۔ آنحضرت ﷺ جب عیادت کو تشریف لے گئے۔ انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا میں مالدار ہوں سوائے ایک بیٹی کے میرے مال کا وارث نہ ہوگا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ واقعہ یا تو حجۃ الوداع کے وقت کا ہے یا فتح مکہ کے زمانہ کا۔ اس سے بعض لوگ یہ مطلب نکالتے ہیں کہ عمر بن

سعدؓ کی ولادت عہد نبوی ﷺ میں نہیں ہوئی تھی کسی نے تو یہ بھی کہہ دیا کہ عہد نبوی ﷺ کے نہیں عہد فاروقی کے مولود تھے۔ یہ حدیث ہی اول تو محل نظر ہے۔ عہد نبوی ﷺ میں حضرت سعدؓ ایسے مالدار کہاں تھے پھر اگر یہ واقعہ فتح مکہ کے زمانہ کا ہے اور یہ ثابت ہے کہ عمر بن سعدؓ اپنے باپ کے بڑے بیٹے تھے تو کیا تعجب کہ رسول اللہ ﷺ کی دعا سے ان کا یہ بیٹا تولد ہوکر وراثت مال کا حقدار بنا ہو۔ قطع نظر اس کے جب اُن کے پوتے ابوبکر بن حفص بن عمر بن سعد اپنے دادا سے حدیث کی روایت کرتے ہیں۔ جیسا شیخ الاسلام ابن حجر العسقلانیؒ نے تصریح کی ہے تو یہ بیّن دلیل ہے اس امر کی کہ حضرت عمر بن سعدؓ نہ صرف عہد نبوی ﷺ کے مولود تھے بلکہ آپ ﷺ کی وفات کے وقت ان کی عمر اقل درجہ پر پانچ چھ برس کی ہوگی کیونکہ جو پوتا اپنے دادا سے حدیث کی روایت کرسکتا ہو پندرہ بیس برس کا تو یقیناً ہوگا۔ پوتے کی عمر اتنی ہو تو دادا کا سن کم از کم ساٹھ برس کا ماننا پڑے گا۔ اس اعتبار سے حضرت عمر بن سعدؓ اور حضرت حسین بن علیؓ دونوں ہم سن قرار پاتے ہیں۔ ایک رسول اللہ ﷺ کے ماموں کے بیٹے اور دوسرے آپ ﷺ کی بیٹی کے بیٹے۔ اس قرابت قریب کے ہوتے ہوئے کیا ان شدید اتہامات سے حضرت عمر بن سعدؓ کو کسی طرح بھی متہم کیا جاسکتا ہے جو ''قتل حسین'' کے متعلق اُن پر لگائے گئے ہیں۔

کفر و زندقہ کا الزام تو ان راویوں میں سے کسی نے بھی اُن پر عائد نہیں کیا تو پھر یہ بات کیونکر قابل قیاس ہوسکتی ہے کہ جس رسول (ﷺ) کا کلمہ پڑھتے ہوں، نمازوں میں جس (ﷺ) پر درود بھیجتے ہوں، جس ذاتِ اقدس سے یہ قرابت ہو کہ اُن کی دختر حضرت فاطمہؓ رشتہ میں اُن کی پھوپھی کی پوتی اور خود اُن کی بھتیجی بھی ہوتی ہوں اُن ہی کے فرزند حضرت حسینؓ کو جو رشتہ میں اُن کے نواسہ ہوں، اُن کو طرح طرح کے وحشیانہ ظلم سے قتل کریں یا اپنے فوجی درندوں سے قتل کرائیں اور یہ سب کچھ محض ایک علاقہ کی حکومت ملنے کی لالچ میں۔

ان وضاعین نے خاص مقصد کے پیش نظر خیالی مظالم کی یوں تو بھیانک تصویریں کھینچنے میں کوتاہی نہیں کی مگر عمر بن سعدؓ سے قرابت قریبہ کا خیال کر کے ساتھ ہی یہ بھی کہتے

جاتے ہیں کہ حسینؓ کی مقاتلت کرنے میں اُن کو شدید کراہت تھی اور اس فعل کے ارتکاب کو وہ دین و دُنیا میں ''مطرود وملعون'' ہو جانے کے مترادف سمجھتے ہیں۔

صاحب ناسخ التواریخ فرماتے ہیں:

''چوں عمر بن سعد از مقاتلت حسین کراہتے بکمال داشت۔۔۔۔۔''

چونکہ عمر بن سعد کو حسینؓ سے قتال کرنے میں کمال درجہ کراہت تھی۔

(ص۲۳۴ ج ۲ از کتاب دوئم)

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

''اما عمر بن سعد چونکہ مکروہ میداشت کہ با حسین مقاتلت آغاز و خود را مطرود وملعون دارین سازو۔۔۔۔۔''

لیکن عمر بن سعدؓ چونکہ حسینؓ سے قتال وجدال کا آغاز کرنے اور اس طرح دین و دُنیا میں اپنے کو مطرود وملعون بنانے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ (ص۲۲۶ ایضاً)

واقعات سے ثابت ہے کہ قتال و جدال کو مکروہ ہی نہیں جانتے تھے بلکہ برابر کوشش کرتے رہے کہ معاملہ آشتی سے سُلجھ جائے اور وہ تنہا ہی اس کے کوشاں نہ تھے بلکہ عامل صوبہ اور دوسرے افسروں کی بھی عملاً یہ کوشش رہی کہ جنگ کی نوبت نہ آئے۔ خود امیر المومنین کی اپنے اس عامل کو جنہیں خاص طور سے کوفیوں کی بغاوت فرو کرنے پر مامور کیا تھا صریح ہدایت تھی کہ اپنی جانب سے کوئی پہل نہ کریں اور اُس وقت تک تلوار نیام میں رکھیں جب تک اُن کے خلاف تلوار نہ اُٹھے۔ سپہ سالار فوج عمر بن سعدؓ کا رویہ نازک موقع آجانے پر وہی مخلصانہ و ہمدردانہ رہا۔ حتیٰ کہ جب اُن کے سپاہیوں کو جوابی حملہ یا جارحانہ اقدام سے روکے رکھا، مدافعانہ پہلو سے آگے نہ بڑھنے دیا جس کا بیّن ثبوت جیسا ابھی ذکر ہوا، اُن راویوں کے اس قول سے ملتا ہے کہ ماہر حرب اور جنگ آزمودہ سپاہیوں میں سولہ (۱۶) جوان حسینی قافلے کے مقابلے میں زیادہ مارے گئے اور وہ بھی ان کے ہاتھوں جنہیں نبرد آزمائی اور تیغ زنی کا فوجیوں کی طرح

نہ کوئی تجربہ تھا نہ ایسی مہارت۔ سرکاری فوجی دستہ کے سپاہیوں پر ساٹھ پینسٹھ کوفیوں اور برادرانِ مسلم کا یہ قاتلانہ حملہ بالکل غیر متوقع، دفعتہً اس تیزی سے ہوا کہ بیچ بچاؤ کی نوبت نہ آنے پائی۔

عمر بن سعدؓ اس موقع پر اس سے بھی زیادہ بے بس ہو گئے۔ جیسے جنگ جمل کے موقع پر حضرت علیؓ تھے کہ قرآن دکھا دکھا کر فریقین کو برادر کشی سے روکتے رہے مگر بے سُود۔ ابو مخنف وغیرہ راویوں نے جنگ جمل کے حالات جس مبالغہ کے ساتھ بیان کئے ہیں اس سے بدرجہا زیادہ اغراق ومبالغہ کے ساتھ کربلا کے حالات خصوصاً نبرد آزمائیوں کی جو تفصیلات بیان کی ہیں واقعات سے اُن کی ہرگز تصدیق نہیں ہوتی۔ یہ روایتیں محض وضعی واختراعی ہیں اور پایہ اعتبار سے قطعاً ساقط، بالخصوص حضرت عمر بن سعدؓ کے کردار پر قبیح سے قبیح اتہامات لگائے ہیں اور سرکاری فوج کا شمار تو انسانوں کے مبالغات سے بھی بڑھ چڑھ کر بتایا ہے۔ مثلاً چھ لاکھ سواروں اور دو کروڑ پیادوں سے لیکر بیس ہزار تک مختلف راویوں نے تعداد بیان کی ہے۔ ابو مخنف نے اسی ہزار اور ناسخ التواریخ کے مؤلف نے ۵۳ ہزار تعداد بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ:

علمائے اخبار ومؤرخین آثار وشمار لشکرے کہ از برائے مقاتلت با حسین انجمن شدند باختلاف سخن کردہ اند ایں جملہ را من بندہ یاد کردم و با سپاہ عمر بن سعد بشمار آوردم پنجاہ وسہ ہزار در قلم آمد۔
(ص ۲۳۰ ض ۶، از کتاب دوئم)

علمائے اخبار مؤرخین آثار نے اس لشکر کی تعداد کے بارے میں جو حسینؓ سے قتال و جدال کیلئے جمع ہوا تھا مختلف باتیں کہی ہیں ان سب کو مجھ بندہ نے خیال میں رکھ کر اور عمر بن سعدؓ کی سپاہ کا اس کے ساتھ شمار کر کے ۵۳ ہزار قلمبند کی ہے۔

ان ہی مؤلف نے ابو مخنف کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ اس اسی (۸۰) ہزار میں حجاز وشام کا ایک متنفس بھی شامل نہ تھا سب کے سب کوفی ہی تھے۔ (ص ۲۳۱ ایضاً) یہ جناب تو خود کوفہ ہی کے ساکن تھے انہیں اپنے وطن مالوف کی آبادی کا صحیح اندازہ ہونا چاہیئے تھا مگر ان کو تو

داستان سرائی کرنی تھی نہ کہ صدق بیانی۔ اور اگر شہر کوفہ کے علاوہ کوفہ کے تیغ زن باشندوں کا شمار بھی اس تعداد میں شامل تھا تب بھی اس علاقہ سے اتنی کثیر تعداد میں فوج و سپاہ کسی طرح فراہم نہیں ہوسکتی تھی۔ اُس زمانہ میں تمام ایران وخراسان کے علاقے کوفہ کے تحت نہیں تھے جیسا حضرت علیؓ وحضرت معاویہؓ کے عہد میں اس وقت تک رہے۔ جب امیر زیاد کا زمانہ تولیت تھا ۵۴ھ کے بعد سے خراسان کا جداگانہ صوبہ بن گیا تھا جس میں ہمدان ورے وغیرہ کے علاقہ تھے۔ چنانچہ امیر المومنین یزیدؒ کے عہد خلافت میں جیسا ذکر ہوا خراسان کے عاملوں کے تبادلہ و تقرر کا ازسرِ نو انتظام کیا گیا۔

بہرکیف اگر ایران کے سب علاقہ جات کوفہ ہی کے تحت تسلیم کر لئے جائیں تب بھی پچیس تیس دن کے قلیل عرصہ میں کہ یہی مُدت حادثہ کربلا کے وقت تک عبیداللہ کے کوفہ آنے اور انتظام کی باگ ڈور سنبھالنے کی ہوتی ہے۔ اتنی زبردست اور کثیر افواج کا فراہم ہوجانا قطعاً محال اور ناممکن تھا۔ اسّی ہزار فوجی اور اُن کے متعلقہ دیگر عملے کے لوگوں کو شامل کر کے ایک لاکھ نفوس کے لئے سامان رسد وغیرہ، سواری کے جانوروں کے دانہ چارہ کے اتنے عرصہ میں کوفہ یا کربلا جیسے مقام پر مہیا کر لینا نہ صرف کار محال بلکہ ناممکن تھا۔ علمائے اخبار ومؤرخین آثار نے یہ نہیں بتایا کہ یہ سب کچھ اہتمام اور یہ لشکر آخر کیوں، کس غرض سے اور کس کے مقابلے کیلئے تھا؟ کیا صرف ۷۲ یا سوسوا سو افراد سے نبرد آزمائی کیلئے جن میں متعدد نوعمر تھے اور جدال وقتال سے ناآشنا و ناتجربہ کار۔ یہ خیال ان وضاعین کو کیوں آتا کہ اُن کی اِن ساختگیوں کو کبھی نہ کبھی تو فہم و دانش انسانی کی میزان سے جانچنے کی نوبت آئے گی۔ اُن کو تو امیر المومنین یزیدؒ اُن کے عمال خلافت اور خاندان بنو اُمیہ کے خیالی ظلم وستم کی وضعی داستانیں بیان کرنی اور فرضی معرکہ آرائیوں کے سلسلہ میں اس قسم کے عجوبات پیش کرنے تھے۔ مثلاً یہ کہ:

بالجملہ (حسین) میزد ومیکشت دمی افگند ولشکر	خلاصہ یہ کہ (حسین) عمر بن سعد کے
از پیش روئے او چوں گورخر از شیر وگلہ از	لشکریوں کو تلواریں مارتے، قتل کرتے، اُٹھا

گرگ می رمیدند و در پہن دشت حرب گاہ می پراگند ندتا ایں وقت بہ روایت ایں شہر آشوب و محمد بن ابی طالب ہزار صد و پنجاہ کس ازاں کفار را بیرون زخمداران با تیغ در گزایند۔

(ص۲۹۹ ج۶ از کتاب دوئم)

پھینکتے تھے اور لشکری اُن کے سامنے سے اس طرح بھاگتے تھے جیسے شیر کے سامنے سے گورخر اور بھیڑیئے سے بھیڑوں کا گلہ بھاگ جاتا ہے اور یہ سب لشکری میدان جنگ میں پراگندہ و منتشر ہوگئے اور اس وقت تک بہ روایت این شہر آشوب اور محمد بن ابی طالب ایک ہزار نو سو پچاس نفران کفار سے علاوہ زخمیوں کے تلوار کے گھاٹ اُتار دیئے۔

مقتل ابومخنف میں بھی یہ روایت ہے کہ پہلے ہی حملہ میں حضرت حسینؓ نے ایک ہزار نو سو سواروں کو قتل کر ڈالا تھا پھر جب میدان رزم سے پلٹ کر خیمہ کی جانب آئے کلام منظوم زبان سے ادا کر رہے تھے، دو چار نہیں اکٹھے پینتیس (۳۵) اشعار اُسی وقت کہہ ڈالے تھے جو ابو مخنف نے درج کئے ہیں۔ نمونہ ملاحظہ ہو:

بعلی الطهر من بعد النبی — والنبی الهاشمی الوالدین

خیرة اللّٰه من الخلق ابی — بَعدَ جَدّی، فانا ابن الخیرتین

والدی شمسٌ وامی قمرٌ — فانا الکوکب وابن القمرین

امی الزاهرةُ حقًا و ابی — وارث العلم و مولی الثقلین

بھلا ان حسبی و نسبی تعلیوں کے اظہار کا کہ میرے ماں باپ شمس و قمر ہیں اور میں چاند سورج کا بیٹا اور چمک دار ستارہ ہوں، اُس وقت موقع ہی کیا تھا۔ حاشا جنابہ! یہ سب تو سبائی راویوں کی اپنی اختراعات ہیں، یہی راوی کہتے ہیں کہ ذرا دم لے کر پھر جو دوسرا حملہ کیا خلق کشی کو قتل کر ڈالا۔ قتل منهم خلقاً کثیراً. (ص۸۸)

ابومخنف نے مقتولین کی تعداد تو نہیں بتائی۔ مؤلف ''مجاہد اعظم'' نے آپ کے اور آپ کے رُفقاء کے ہاتھ سے مقتولین کی تعداد کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''حضرت نے متواتر کئی حملے کئے اور ہر حملہ میں دس دس ہزار لاشیں بچھا دیں۔'' بھلا اس مبالغہ کا کیا ٹھکانہ ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ ''اسرار شہادت میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ حضرت کے ہاتھ سے تین لاکھ، حضرت عباس کے ہاتھ سے پچیس (۲۵) ہزار، دوسروں کے ہاتھ سے پچیس (۲۵) ہزار، اس طرح کل ساڑھے تین لاکھ (۳۵۰۰۰۰) کوفی قتل ہوئے۔ (ص ۲۶۶)

یہ لغو بیانیاں ہی اس کا ثبوت ہیں کہ معرکہ آرائیوں کے سارے قصے عجمی ذہنیت کے تراشیدہ ہیں۔ اسی کے ساتھ یہ روای بیان کرتے ہیں کہ چاروں طرف سے جب تیر بازی ہونے سے حضرت حسینؓ کے تیر لگا بے ہوش ہوکر گر پڑے ہوش آیا تو ضعف سے اُٹھا نہ گیا، دھاڑیں مار کر بین اور فریاد کرنے لگے ''فبکی ابکاءً شدیداً او نادیٰ'' (ص ۸۹)۔ ابو مخنف نے بین وفریاد کے یہ کلمات حضرت حسینؓ کی زبان سے ادا کرائے ہیں:

واجدّاه، وامحمداه، واابتاه، واعلیاه، واخاه، واحسناه، واغربتاه، واعطشاه، وغوثاه، واقلة ناصراه، اقتل مظلوماً وجدي مصطفی، واذبح عطشاناً وابی علي المرتضی اترک مهنوکاً وامی فاطمة الزهرا. (ابي مخنف مطبوعة نجف ص ۸۹)

ہائے نانا، وائے محمد، ہائے ابّا، ہائے علی، ہائے بھیا، وائے حسن، ہائے غریب الوطنی، وائے شدت پیاس، ہائے مدد، وائے مددگاروں کی قلت، ہائے مظلوم قتل ہوتا ہوں (حالانکہ) میرے نانا مصطفیٰ ہیں ہائے پیاسا ذبح ہوتا ہوں (حالانکہ) میرے باپ علی المرتضیٰ ہیں۔ ہائے مردہ پھینکے جاتے ہیں (حالانکہ) میری ماں فاطمہ زہرا ہیں۔

معاذ اللہ! ثم معاذ اللہ! حضرت حسینؓ جیسے غیور مردِ مومن سے کیا لغو کلمات منسوب کئے ہیں۔

کسی عرب خصوصاً قریشی و ہاشمی کی زبان سے مرتے وقت ایسے کلمات ادا نہیں ہو سکتے ۔ یہ بین و واویلا خاص عجمی ذہنیت ہے اور اسی ذہنیت نے مصنوعی معرکہ آرائیوں کے یہ جھوٹے قصے گھڑے ہیں ۔ اب ذرا ناسخ التواریخ کی مندرجہ بالا روایت کو جس میں کم سے کم مقدار حضرت حسینؓ کے ہاتھوں ایک ہی حملے میں لشکریانِ ابن سعدؓ کے مارے جانے کی بیان ہوئی ہے جانچ کر دیکھئے ۔

عمر بن سعدؓ اور اُن کے لشکریوں کے مسلمان ہونے سے تو کسی نے انکار نہیں کیا ۔ راویوں کے فرمانے سے زمرہ ''کفار'' میں اُن کو شامل سمجھیں تو ایک ایک لشکری سے نبرد آزما ہونے ، قتل کرنے ، پچھاڑنے میں فی کس کم از کم ایک ہی منٹ کے حساب سے ۱۹۵۰ لشکریوں کیلئے حضرت موصوف کو ساڑھے بتیس گھنٹے تک بلا توقف مسلسل قتال کرنے میں لگنے چاہئیں یعنی پورا دن پوری رات گزرنے کے بعد بھی دوسرے دن کے ساڑھے آٹھ گھنٹے مزید ۔ حالانکہ طبری و دیگر تمام مؤرخین نے ابومخنف وغیرہ کی روایتوں کے مطابق بیان کیا ہے کہ یہ حادثہ بس اتنی دیر میں ختم ہو گیا تھا ، جتنی دیر قیلولہ میں آنکھ جھپک جائے ۔ یعنی کم و بیش آدھ گھنٹہ میں ۔ اس کی تائید مزید ان راویوں کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ فریقین کے مقتولین کی تعداد ۷۲ اور ۸۸ تھی ۔ قطع نظر اختلاف بیانی کے جب بُعد مسافت و تعداد منازل کے اعتبار سے حسینی قافلہ موقع واردات پر ایک دن قبل بھی نہیں پہنچ سکتا تھا تو جمع جیوش اور نبرد آزمائیوں کی یہ سب داستانیں قطعاً وضعی اور بے حقیقت اور بے اصل قرار پاتی ہیں ۔ برادران مسلم اور ساٹھ پینسٹھ کوفیوں کا فوجی دستہ کے سپاہیوں پر ناعاقبت اندیشانہ اچانک قاتلانہ حملہ کر دینے سے یہ واقعہ حزن انگیز یکا یک اور غیر متوقع پیش آ کر گھنٹہ آدھ گھنٹہ میں ختم ہو گیا تھا ۔

ان راویوں کا ایک طرف تو بیان ہے کہ عمر بن سعدؓ نے خواتین اور ان کے خیموں کو تاراج نہ ہونے دیا ۔ نابالغوں کو اور علی بن الحسین (زین العابدینؒ) کو یہ کہہ کر کہ اس مریض ''لڑکے'' سے کوئی تعرض نہ کرے قتل ہونے سے بچا لیا حالانکہ وہ اُس وقت ۲۳ برس کے

سن وسال کے صاحب اولاد تھے۔ اور دوسری طرف ان ہی ابن سعدؓ پر بہتان باندھا ہے کہ حضرت حسینؓ کی نعش کی اس درجہ بے حرمتی کی کہ دس سواروں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کرا کے سینہ اور پشت کو چور چور کرا دیا اور پھر ان حرکات شنیعہ کی ''خوش خبری'' سنانے کو ایک آدمی اپنے اہل وعیال کے پاس بھیجا کہ اللہ نے فتح مند کیا ''لابشرھم بفتح اللہ علیہ'' (ص۲۶۲ ج۶، طبری)۔

حضرت عمر بن سعدؓ کی اہلیہ مریم بنت عامر بن ابی وقاصؓ تھیں یعنی اُن کے چچا عامرؓ کی صاحبزادی تھیں اور حضرت عامرؓ نبی کریم ﷺ کے دوسرے ماموں، سابقون الاولون میں سے اور ایمان لانے والوں میں سے گیارھویں تھے اور وہ صحابی تھے جنہوں نے حضرت جعفر طیارؓ کے ساتھ حبشہ کو ہجرت کی تھی۔ اُن ہی کے ساتھ مدینہ واپس آئے اور حضرت مریم ایسے جلیل القدر صحابی کی دُختر زوجہ حضرت عمر بن سعدؓ تھیں جن کو یہ ''خوش خبری'' پہنچانے کیلئے یہ مکذوبہ روایت وضع ہوئی۔ ان وضاعین کو صحابہ کرامؓ اور اُن کی اولاد سے جو تابعین کے زمرہ میں شامل ہیں جو بغض ہے وہ اس قسم کی بہتان تراشیوں سے ظاہر ہے۔ خود حضرت عمر بن سعدؓ عہد خلافت فاروقی کے غازیوں میں سے تھے اور حضرت فاروق اعظمؓ سے اس درجہ عقیدت تھی کہ منجملہ اپنی بائیس اولادوں یعنی ۱۳ بیٹوں اور ۹ بیٹیوں کے، دو بیٹیوں کے نام حضرت فاروق اعظمؓ کی دختر اُم المومنین حفصہؓ کے نام پر حفصہ کبریٰ اور حفصہ صغریٰ رکھے اور ایک بیٹے کو ابوحفص سے موسوم کیا۔ شاید اُن کے نام ''عمر'' کی مماثلت کا کوئی شائبہ اور اثر ان بہتانوں کی قباحت اور شدت کا موجب بنا ہو۔ ان تمام مبالغات اور وضعی واختراعی داستانوں کی پوری تکذیب حضرت علی بن الحسینؒ اور آپ کے اہل خاندان کے مؤقف اور ان مسلسل قرابتوں سے ہو جاتی ہے جو خاندان امیر المومنین یزیدؒ اور بنی اُمیہ سے بعد واقعہ کربلا ہوتی رہیں۔ چنانچہ ابن سعدؓ کا کردار بے داغ ثابت ہوتا ہے۔

مؤقف علی بن الحسینؒ :

حضرت علی بن الحسینؒ (زین العابدین) اپنے جذبات و خیالات اور فرائض ملّیہ کی ادائیگی میں اپنے عم بزرگوار حضرت حسنؓ سے مشابہت رکھتے ہیں۔ سیاسی امور میں کبھی مداہنت سے کام نہیں لیا۔ سبائیوں کی بڑی کوشش رہی کہ آپ کو اپنے جال میں پھانس لیں، لیکن آپ اُن کے دھوکہ میں نہ آئے۔ یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں میں آپ کا نام عزت سے نہیں لیا جاتا ان کے نزدیک آپ نے اُموی خلفاء سے جو بیعت کی وہ محض اپنے کو محفوظ رکھنے کیلئے تھی ورنہ حقیقی جذبات باغیانہ رکھتے تھے۔ آپ کی مظلومیت اور طبیعت کی کمزوری کی داستانیں مشہور کی گئیں اور ایسی روایتیں وضع ہوئیں کہ ناواقف یہ سمجھنے پر مجبور ہو جائیں کہ عزیمت سے آپ کو کچھ بھی حصہ نہیں ملا تھا۔ لیکن جب واقعات کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ اُمت حضرت علیؒ (زین العابدین) کے کردار پر جتنا فخر کرے اور آپ کے طریقہ کار کی پیروی میں جتنی سعادت برتے دُرست۔ آپ ہمیشہ جماعت سے وابستہ رہے اور تفرقہ کی کارروائیوں سے بیزار و برکنار۔

میدان کربلا میں آپ موجود تھے اول سے آخر تک سب منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا پھر جب آپ کو دمشق لے جایا گیا اور وہاں جس خلوص و محبت و مودّت کا برتاؤ آپ کے ساتھ اور آپ کے دوسرے عزیزوں کے ساتھ ہوا وہ بھی آپ کا ذاتی تجربہ تھا جو وضعی روایات سے دھندلا نہیں پڑ سکا۔ آپ نے دمشق میں امیر المومنین یزیدؒ سے مع اپنے دوسرے عزیزوں کے جن میں تین آپ کے حقیقی بھائی محمد و جعفر و عمر بنو الحسینؓ اور تین چچیرے بھائی حسن و عمر و زید بنو الحسنؓ شامل تھے، بیعت کی اور اس بیعت پر مستقیم رہے۔ پھر جب بعض اہل مدینہ نے امیر المومنین کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکائی اور بنی اُمیہ کے تمام افراد کو خارج البلد (مدینہ سے) کر دیا گیا تو دوسرے ہاشمیوں، قریشیوں اور انصاریوں کی طرح آپ بھی اس بغاوت سے الگ رہے۔ واعتزل الناس علی بن الحسین (زین العابدین) ۔ (ص ۲۱۸ البدایہ والنہایہ) اور

محض الگ ہی نہ رہے، بارگاہ خلافت کو اپنے مؤقف سے بذریعہ تحریر مطلع کر دیا۔

امیر المومنین یزیدؒ نے جب مدینہ کے باغیوں کی سرکوبی کیلئے ایک معمر صحابی امیر مسلم بن عقبہ المزنیؓ کی سرکردگی میں فوجی دستہ بھیجا تھا اُس وقت تقریر بھی کی تھی اور یہ تین شعر فی البدیہہ بھی لکھے تھے (انساب الاشراف بلاذری ج ۴) جن میں شرب خمر کے اتہام کی خوبی سے تردید بھی ہے۔

أبلغ أبا بَكر اذا الجيش انبرى　　وأشرف القوم على وادي القرى

یعنی جب فوج روانہ ہوکر وادی القریٰ پہنچ جائے تو ابوبکر (کنیت ابوالزبیرؓ) سے کہہ دینا

أجمع سكران من الخمر ترى　　أم جمع يقظان اذا حث السرى

کیا اسے تم ایک شرابی بدعت کی جماعت سمجھتے ہو یا اس ہوشمندی کی جو (بغاوت کرنے کو) فوجیں بھیجتا ہے

واعجبا من ملحد وا عجبا　　مخادعٍ فِي الدين يقفو بالفرى

افسوس وتعجب ہے اس ملحد پر جو دین کے بارے میں دھوکہ دیتا ہے اور جھوٹی بات کو سچی بیان کرتا ہے

یہ شعر پڑھ کر تقریر کی، سردار فوج کو نصیحتیں کیں اور حضرت علی بن الحسینؒ (زین العابدین) کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آنے کی خاص ہدایت کی، اور فرمایا:

> ''دیکھو تم علی بن الحسینؒ سے مراعات سے پیش آنا۔ ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرنا، توقیر کے ساتھ بٹھانا۔ وہ اس مخالفت سے علیحدہ ہیں جو اُن لوگوں نے ہماری کی ہے۔ اُن کی تحریر میرے پاس آ گئی ہے۔''
> (طبری ج ۷، ص ۲۰)

بلاذری نے مسلم کا یہ فقرہ نقل کیا ہے:

ان امیر المومنین امرنی ببرّہ و اکرامہ۔ (ص ۳۹ ج ۴ قسم ثانی مطبوعہ یروشلم)

یعنی امیر المومنین (یزیدؒ) نے ان (علی زین العابدین) کے ساتھ نیکی اور توقیر و اکرام کا مجھے حکم دیا ہے۔

حضرت علی زین العابدینؒ نے یہ سُن کر امیر المومنین یزیدؒ کے حسن سلوک پر خوشنودی کا اظہار کیا اُن کو دُعائیں دیں اور کہا: ''وصل اللہ امیر المومنین'' یعنی اللہ تعالیٰ امیر المومنین (یزیدؒ) کو اپنی رحمت میں ڈھانپے۔

طبقات ابن سعد (الطبقات الکبریٰ) جیسی مستند کتاب میں یہی روایت آپ کے صاحبزادے حضرت ابوجعفر محمد (الباقرؒ) سے ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔

عَن يَحيَى بنِ شِبلٍ عَن أَبِي جَعفَرٍ أَنَّهُ سَأَلَهُ عَن يَومِ الحَرَّةِ: هَل خَرَجَ فِيهَا أَحَدٌ مِن أَهلِ بَيتِكَ؟ فَقَالَ: مَا خَرَجَ فِيهَا أَحَدٌ مِنْ آلِ طَالِبٍ وَلا خَرَجَ فِيهَا أَحَدٌ مِنْ بَنِي عَبدِالمُطَّلِبِ. لَزِمُوا بُيُوتَهُم. فَلَمَّا قَدِمَ مُسرِفٌ وَقُتِلَ النَّاسُ وَسَارَ إِلَى العَقِيقِ سَأَلَ عَن أَبِي عَلِيِّ بنِ حُسَينٍ أَحَاضِرٌ هُوَ فَقِيلَ لَهُ نَعَم فَقَالَ: مَا لِي لا أَرَاهُ؟ فَبَلَغَ أَبِي ذَلِكَ فَجَاءَهُ وَمَعَهُ أَبُو هَاشِمٍ عَبدُاللّٰهِ وَالحَسَنُ ابنَا مُحَمَّدِ بنِ عَلِيِّ ابنِ الحَنَفِيَّةِ. فَلَمَّا رَأَى رَحَّبَ بِهِ وَأَوسَعَ لَهُ عَلَى سَرِيرِهِ ثُمَّ قَالَ لَهُ: كَيفَ كُنتَ بَعدِي؟ قَالَ: إِنِّي أَحمَدُ اللّٰهَ إِلَيكَ. فَقَالَ مُسرِفٌ: إِنَّ أَمِيرَالمُؤمِنِينَ أَوصَانِي بِكَ خَيرًا. فَقَالَ أَبِي: وَصَلَ اللّٰهُ أَمِيرَ المُؤمِنِينَ.

یحییٰ بن شبل نے ابوجعفر (محمد الباقرؒ) سے واقعہ حرّہ کے متعلق دریافت کیا کہ ان کے گھرانے کا کوئی فرد لڑنے نکلا تھا تو اُنہوں نے فرمایا کہ نہ خاندان ابو طالب سے کوئی فرد نکلا تھا اور نہ عبدالمطلب (یعنی بنو ہاشم) کے گھرانے سے کوئی فرد لڑنے نکلا سب اپنے اپنے گھروں میں گوشہ گیر رہے۔ جب (مسلم بن عقبہ) آیا اور قتال کر کے وادی عتیق میں ٹھہرا تو اُس نے میرے والد علی بن الحسینؒ کے بارے میں دریافت کیا کہ آیا وہ (مدینہ میں) موجود ہیں؟ تو اُس سے کہا گیا کہ ہاں ہیں۔ پھر اُس نے کہا کہ کیا بات ہے میں اُن کو نہیں دیکھتا؟ اس کے دریافت کرنے کی خبر جب میرے والد کو پہنچی وہ اُس کے پاس آئے اور ان کے ساتھ ابو ہاشم عبداللہ اور فرزند حسنؓ محمد بن علی (ابن

حنفیہ) بھی تھے۔ مسلم نے جب میرے والد کو دیکھا تو خوش آمدید کہا اور اپنے برابر تخت پر جگہ دی۔ پھر میرے والد سے پوچھا کہ میرے بعد آپ کیسے رہے۔ انہوں نے اللہ کی حمد کی اور شکر ادا کیا۔ مسلم نے کہا کہ امیرالمومنین (یزیدؒ) نے آپ کے ساتھ حُسنِ سلوک کا مجھے حکم دیا ہے تو میرے والد (علی زین العابدینؒ) نے کہا: اللہ امیرالمومنین کو اپنی رحمت سے ڈھانپے۔

حضرت ابوجعفر محمد (الباقر) کی اس روایت کے مضمون کو الامامۃ والسیاسۃ کے غالی مؤلف نے بھی ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

وسأل مسلم بن عقبة قبل أن يرتحل من المدينة عن علي بن الحسين' أحاضر هو؟ فقيل له: نعم. فأتاه علي بن الحسين' ومعه ابناه' فرحب بهما' وسهل وقربهم' وقال: ان أمير المؤمنين أوصاني بك. فقال علي بن الحسين: وصل الله أمير المؤمنين وأحسن جزاؤه.
(ج ا ص ۲۳۰)

مسلم بن عقبہ نے مدینہ سے روانگی سے قبل علی بن الحسینؒ کے متعلق دریافت کیا کہ آیا وہ یہاں ہیں، اُن سے کہا گیا کہ ہاں ہیں۔ علی بن الحسینؒ اُن کے پاس آئے اُن کے ساتھ اُن کے فرزند بھی تھے۔ مسلم نے اُن کو خوش آمدید کہا، استقبال کیا اور اپنے قریب بٹھایا اور کہا کہ امیرالمومنین (یزیدؒ) نے آپ کے بارے میں مجھے حسن سلوک کی وصیت فرمائی ہے۔ یہ سُن کر حضرت علی بن الحسینؒ نے کہا کہ وصل اللہ امیرالمومنین یعنی اللہ تعالیٰ امیرالمومنین کو اپنی رحمت سے ڈھانپے اور ان کو جزائے خیر دے۔

حضرت علی بن الحسینؒ (زین العابدین) کی زبان سے امیرالمومنین یزیدؒ کو ''امیرالمومنین'' کہتے، اُن کو دُعائیں دیتے سُننا ناواقفوں اور ''یزید دُشمنی'' کے ہزار سالہ پروپیگنڈے سے متاثر لوگوں کیلئے کچھ نئی سی بات معلوم ہوگی۔ مگر بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ:

'' یزید کو امام و خلیفہ (امیرالمومنین) کہنے سے یہ مطلب ہے کہ وہ اپنے زمانہ (۶۱۔۶۴ھ) میں بااختیار حکمران تھے۔ صاحب سیف تھے، طاقتور تھے، عزل ونصب کرتے تھے، دیتے لیتے تھے۔ اپنے حکموں کو جاری کرنے کی قوت رکھتے تھے۔ حدود شرعی قائم کرتے تھے۔ کافروں پر جہاد کرتے تھے۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے کہ اس سے انکار ناممکن ہے۔ یزیدؒ کے صاحب اختیار حکمران ہونے سے انکار کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی اس واقعہ سے انکار کردے کہ ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ حکمران نہیں تھے یا قیصر وکسریٰ نے کبھی حکومت نہیں کی۔''

(ملخص منہاج السنۃ ورسالہ حسین ویزید)

زمانہ خلافت میں تو ''امیرالمومنین'' سے مخاطب ہونا یا سرکاغذات میں نام کے ساتھ امیرالمومنین لکھا جانا عام بات تھی۔ حضرت محمد بن علی (ابن الحنفیہؒ) کا مکالمہ انساب الاشراف بلاذری سے پہلے نقل ہو چکا ہے جس میں انہوں نے اسی لقب سے خلیفہ موصوف کو مخاطب کیا تھا۔ بعد کے متعدد مصنفین نام کے ساتھ امیرالمومنین لکھتے تھے۔ مثلاً ابن حزم جمہرۃ الانساب میں حضرت معاویہؓ کی اولاد کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

وولد معاویہ امیرالمومنین ... یزید امیرالمومنین۔ (ص۱۰۳)

یحییٰ بن بکیر نے حضرت ابوالحارث اللیث بن سعد الفہمیؒ کا جنہیں امام ذہبی نے **احد الاعلام** اور **قدوۃ رواۃ** اور ائمہ احادیث میں سے **ثقہ وحجۃ بلا نزاع** لکھا ہے (میزان الاعتدال ج۲ص۲۶۱) یہ قول نقل کیا ہے یعنی وہ فرماتے تھے کہ:

''**توفی امیرالمؤمنین یزید فی تاریخ کذا**'' یعنی امیرالمومنین یزیدؒ کا فلاں تاریخ انتقال ہوا۔

قاضی ابوا بکر بن العربی لکھتے ہیں:

فسماه الليث امير المومنين، بعد ذهاب ملكهم ، انقراض دولتهم ۔یعنی حضرت لیثؒ ان کو (یزید کو) اس وقت بھی امیر المومنین کہتے تھے جب ان کی حکومت چلی گئی اور ان کی سلطنت جاتی رہی تھی۔

علامہ ابن کثیر نے ان کی وفات کے حال میں ان کی سیرت کا تفصیلاً ذکر کرتے ہوئے ان کا لقب اس طرح لکھا ہے:

هُوَ يَزِيدُ بنُ مُعَاوِيَةَ بنِ أَبِي سُفيَانَ صَخرِ بنِ حَربِ بنِ أُمَيَّةَ بنِ عَبدِ شَمسٍ، أَمِيرُ المُؤمِنِينَ أَبُو خَالِدٍ الأُمَوِيُّ. (البدایۃ والنہایۃ ت ۸ص ۲۲۶)

کذابین نے مجہول الحال راوی کا نام لے کر جو جھوٹ بولا ہے کہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے امیر یزیدؒ کو امیر المومنین کہنے پر کسی کے بیس کوڑے لگوائے تھے اُس کی تکذیب میں باسناد صحیحہ یہ بیان ہو چکا ہے کہ خلیفہ موصوف تو امیر یزیدؒ کے نام پر رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے۔ (لسان المیزان[1])

حضرت علیؒ (زین العابدین) فتنہ کے زمانہ میں مدینہ کے باغیوں سے الگ ہی نہیں رہے بلکہ اُنہوں نے جرات کے ساتھ بنی اُمیہ کے بعض اکابر کی مدد واعانت بھی کی۔ حضرت مروانؓ کی اہلیہ سیدہ عائشہؓ بنت حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی اُن کے گھر کے ساز وسامان اور اُن کے عیال کی اس طرح حفاظت کی کہ اُن سب کو اپنے گھر میں رکھا اور جب مدینہ سے اپنی جاگیر ینبوع پر تشریف لے گئے اُن کو بھی ساتھ لیتے گئے۔ سیدہ عائشہؓ جب طائف جانے لگیں تو اپنے صاحبزادے عبداللہ کو جو حضرت محمد الباقرؒ کے سگے بھائی تھے آپ نے ان کے ساتھ طائف بھیج دیا تھا۔ (طبری)

---

[1] لسان المیزان کی روایت ہے کہ: **وقال يحيىٰ بن عبدالملک بن ابی غنيه: حدثنا نوفل بن ابی عقرب: كنت عند عمر بن عبدالعزيز فذكر رجل يزيد بن معاويه فقال: قال اميرالمومنين يزيد ، فقال له عمر: تقول: اميرالمومنين؟! و امر به فضرب عشرين سوطا۔** (لسان المیزان ج ۸ص ۵۰۵)

حضرت علیؒ (زین العابدین) اُن کے اہل بیت و دیگر بنی ہاشم یعنی اُن کے چچا حضرت محمد بن علیؒ (ابن الحنفیہ) اُن کے دادا حضرت عبداللہ بن عباسؓ، اُن کے چچیرے بھائی حسن مثنیٰ و زید، ابنائے حسن بن علیؓ وغیرہم اگر کمزور طبیعت کے ہوتے یا ہوا کا رُخ دیکھا کرتے جیسا کہ اکثر وضاعین باور کرانا چاہتے ہیں تو یہ سب حضرات حضرت ابن زبیرؓ سے بیعت کر کے اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکتے تھے مگر ان حضرات نے ایسا نہیں کیا۔ مظالم کربلا کی جو غیر مستند اور مبالغہ آمیز روایتیں وضع کی گئی ہیں، اُن کا عشرِ عشیر بھی اگر مطابق واقعہ ہوتا تو بنی ہاشم کو بنی اُمیہ سے بدلہ لینے کا اس سے بہتر اور کیا موقع ہوسکتا تھا۔ ان سب حضرات نے جو حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ کے عصبات اور اولیاء الدم (قصاص لینے والے) تھے، امیر المومنین یزیدؒ کے مخالف اور مدمقابل (ابن زبیرؓ) کا ساتھ کیوں نہ دیا ابن زبیرؓ سے بیعت کیوں نہ کی بلکہ امیر المومنین یزیدؒ کی بیعت پر کیوں ثابت قدم رہے۔ ابن زبیرؓ کی بیعت سے انکار پر سختیوں کو کیوں برداشت کیا۔ پھر اس کے بعد مختار ثقفی کی تحریک سے یہ سب حضرات کیوں الگ رہے۔ امیر المومنین مروانؒ، امیر المومنین عبدالملکؒ وغیرہم کی بیعت میں کیوں داخل ہوگئے۔ حضرت علیؒ (زین العابدین) اور دوسرے اکابر بنی ہاشم کے اس طرز عمل سے بخوبی ثابت ہے کہ اُموی خلفاء کی بیعت پر استقامت ان کے نزدیک بھی اس وقت اسی طرح ضروریات ملّیہ میں سے تھی جس طرح اس وقت کے شیخ الصحابہ حضرت عبداللہ بن عمر فاروقؓ کے نزدیک حضرت موصوف کی عزیمت کا حال صحیح بخاری کی اس روایت سے معلوم ہوگا جو ذیل میں درج ہے۔ اور اس سے اندازہ ہوگا کہ آپ اس بغاوت کو ملّی و دینی حیثیت سے کیا سمجھتے تھے۔

عَنْ نَافِعٍ، قَالَ : لَمَّا خَلَعَ أَهْلُ المَدِينَةِ يَزِيدَ بنَ مُعَاوِيَةَ، جَمَعَ ابْنُ عُمَرَ، حَشَمَهُ وَوَلَدَهُ، فَقَالَ: اِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: يُنْصَبُ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ القِيَامَةِ: وَاِنَّا قَدْ بَايَعْنَا هَذَا الرَّجُلَ عَلَى بَيْعِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ، وَاِنِّي لَا أَعْلَمُ غَدْرًا أَعْظَمَ مِنْ أَنْ يُبَايَعَ رَجُلٌ عَلَى بَيْعِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُنْصَبُ لَهُ القِتَالُ، وَاِنِّي لَا أَعْلَمُ أَحَدًا مِنْكُمْ خَلَعَهُ، وَلَا بَايَعَ فِي هَذَا الأَمْرِ، اِلَّا كَانَتِ الفَيْصَلَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ.

(صحیح بخاری کتاب الفتن باب اذا قال عند قوم .....)

''حضرت نافع سے روایت ہے کہ جب اہل مدینہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت توڑ دی ابن عمرؓ نے اپنے لواحقین اور فرزندوں کو جمع کیا اور فرمایا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ ہر غدر کرنے والے کیلئے قیامت کے دن جھنڈا نصب کیا جائے گا (کہ سب غدار اس کے نیچے کھڑے ہوں) ہم نے اس شخص سے (یعنی امیر المومنین یزیدؒ سے) اللہ اور رسول کی بیعت کی ہے اگر مجھے معلوم ہوا کہ تم میں سے کسی نے ان کی بیعت توڑ دی یا اس شورش میں کسی طرح شریک ہوا تو پھر میرا اور اس کا تعلق ہمیشہ کیلئے منقطع ہو جائے گا۔''

امام بخاریؒ نے یہاں جو باب باندھا ہے اس کے الفاظ ہیں **باب اذا قال عند قوم شیئاً ثم خرج فقال بخلافة** یعنی باب: جب کوئی شخص کسی جماعت کے سامنے ایک بات کہے اور پھر اُس سے الگ ہو کر اُس کے خلافت کہنے لگے۔ غالباً یہ چوٹ ہے اُس وفد کے ممبروں پر جو دمشق گیا تھا اور وہاں سے واپسی پر سب عہد و پیماں توڑ کر امیر المومنین یزیدؒ پر بہتان تراشی کی تھی۔

اسی طرح صحیح مسلم (کتاب الامارۃ) میں یہ روایت ہے کہ جب ابن زبیرؓ کے داعی اور ایجنٹ ابن مطیع نے پروپیگنڈا شروع کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اُنہیں سمجھانے اور اس حرکت سے باز رکھنے کیلئے اُن کے پاس تشریف لے گئے۔ اُنہیں آتا دیکھ کر ابن مطیع نے اُن کیلئے گدا بچھانے کو اپنے لوگوں سے کہا۔

فَقَالَ (عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ): اِنِّي لَمْ آتِکَ لِأَجْلِسَ، أَتَيْتُکَ لِأُحَدِّثَکَ حَدِيثًا سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنْ خَلَعَ يَدًا مِنْ طَاعَةٍ، لَقِيَ اللّٰهَ يَومَ الْقِيَامَةِ لَا حُجَّةَ لَهُ، وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ، مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً.

(صحيح مسلم، كتاب الامارة، باب الأمر بلزوم الجماعة عند ظهور الفتن وتحذير الدعاة الى الكفر)

''ابن عمرؓ نے فرمایا: میں تمہارے پاس بیٹھنے کو نہیں آیا بلکہ اس لئے آیا ہوں کہ تمہیں وہ حدیث سنا دوں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سُنی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے بیعت توڑ دی وہ قیامت کے دن اللہ کی جناب میں پیش ہوگا، اُس کیلئے کوئی عُذر نہ ہوگا اور جو شخص اس حالت میں مر جائے کہ اسکی گردن میں کسی (خلیفہ) کی بیعت نہ ہو وہ جاہلیت کی موت مرا۔''

احکام شرع کی متابعت میں یہی مسلک زین العابدینؒ اور تمام دوسرے ھاشمی بزرگوں کا تھا۔ یہ سب حضرات جماعت سے وابستہ رہے اور فتنہ وفساد اور تفرقہ سے مجتنب۔ حضرت علیؒ (زین العابدین) نے امیر المومنین یزیدؒ کے زمانہ خلافت کے علاوہ تین دیگر خلفائے بنی اُمیہ کا زمانہ پایا یعنی امیر المومنین مروانؓ، ان کے فرزند امیر المومنین عبدالملکؒ اور ان کے فرزند امیر المومنین الولید بن عبدالملکؒ کا دیگر اکابر بنی ہاشم کی طرح وہ بھی ان تمام خلفائے بنی اُمیہ کی بیعت میں نہ صرف داخل تھے بلکہ ان حضرات سے بڑی محبت اور خلوص اور رشتہ داری کے تعلقات رکھتے تھے۔ طبری جیسے شیعہ مؤرخ نے بھی لکھا ہے کہ حضرت مروانؓ اور حضرت علیؒ (زین العابدین) میں قدیم سے دوستی تھی اور رشتہ داری بھی۔ حضرت مروانؓ کے دو بیٹے یعنی امیر المومنین عبدالملکؒ اور ان کے سگے بھائی معاویہ بن مروانؒ حضرت علی مرتضیٰؓ کے داماد تھے۔ (جمہرۃ الانساب ابن حزم ص۸۰، البدایہ والنہایہ ج۹ص ۶۹)

حضرت مروانؓ نے ایک مرتبہ حضرت علی بن الحسینؒ (زین العابدین) کو ایک لاکھ روپیہ بطور قرضہ حسنہ دیا تھا جو اُن سے ادا نہ ہوسکا تھا۔ حضرت مروانؓ نے اپنی وفات کے وقت اپنے فرزند عبدالملکؒ کو وصیت کی کہ یہ رقم اُن سے وصول نہ کریں۔ (البدایہ والنہایہ ج۹ص۱۰۴)

علامہ ابن کثیر نے اس محبت ومودّت کا ذکر کیا ہے جو حضرت مروانؓ اور ان کے فرزند عبدالملکؒ کو حضرت علی (زین العابدین) کے ساتھ تھی۔ وہ لکھتے ہیں: واجہم الی مروان وابنہ عبدالملک۔ (ص۱۰۶ج۹، البدایہ والنہایہ)

امیر المومنین یزیدؒ کی طرح ان خلفائے ابنی اُمیہ کے بارے میں کذابین نے کیسی کیسی واہی باتیں کہی ہیں۔ حضرت مروانؓ صحابہ صغار میں سے تھے **وھو صحابی عند طائفۃ کثیرۃ لانہ ولد فی حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم** (ص۲۵۷ج۸، البدایہ والنہایہ) یعنی کثیر جماعت کے نزدیک وہ (یعنی مروان) صحابی تھے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر تقریباً دس گیارہ برس کی تھی۔ ان کے فرزند عبدالملکؒ نے اور سعید بن المسیبؒ اور

عروہ بن الزبیرؓ کے علاوہ علیؓ (زین العابدین) نے بھی ان سے حدیث کی روایت کی ہے۔ **وقد کان مروان من سادات قریش و فضلائھا** (ص ۲۵۷ ج ۸، البدایہ والنہایہ) یعنی (حضرت) مروانؓ قریش کے سرداروں اور ان کے فضلاء میں سے تھے۔ امیر المومنین حضرت امیر معاویہؓ کے عہد خلافت میں متعدد مرتبہ مدینہ منورہ کے عامل رہے۔ اس زمانہ میں حضرات حسنینؓ ان کی امامت میں نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ حضرت جعفر (صادق) بن محمد (الباقر) اپنے والد سے اور وہ اپنے والد ماجد حضرت علی (زین العابدین) سے روایت کرتے ہیں:

عن جعفر بن محمد عن ابیہ ان الحسن و الحسین کانا یصلیان خلف مروان ۔ (ص ۲۵۸ ج ۸، البدایہ والنہایہ) یعنی جعفر بن محمد (الباقرؒ) اپنے والد سے اور وہ اپنے والد (علی زین العابدینؒ) سے روایت کرتے ہیں کہ (حضرت) حسنؓ و حسینؓ (حضرت) مروانؓ کے پیچھے نمازیں پڑھا کرتے تھے۔

مختار ثقفی اور اس کے ساتھیوں نے جب اپنی سیاسی اغراض کی خاطر یا ثارات الحسین (یعنی خونِ حسینؓ کا انتقام لینے والو دوڑو) کا نعرہ بلند کر کے حضرت علی (زین العابدینؒ) اور ان کے چچا حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہ) کو فریب دینا چاہا تو ان حضرات نے اسے منہ نہ لگایا، اس کی تحریک سے اپنی بیزاری کا اظہار کیا۔ لاکھ روپے کی رقم جو اس نے حضرت علیؓ (زین العابدین) کے پاس بھیجی تھی اس کو لینے میں تامل کیا، امیر المومنین عبد الملکؒ کو اطلاعاً تحریر کیا: **اِنَّ الْمُخْتَارَ بَعَثَ اِلَيَّ بِمِائَةِ أَلفٍ، فَكَرِهتُ أَن أَقبَلَهَا، وَكَرِهتُ أَن أَرُدَّهَا، فَابعَث مَن يَقبِضُهَا.** یعنی مختار نے میرے پاس ایک لاکھ روپیہ بھیجا ہے، مجھے اس کے قبول کرنے سے بھی کراہت ہے اور رد کرنے سے بھی۔ آپ کسی کو بھیجئے کہ وہ یہ رقم آ کر لے لے۔ امیر المومنین موصوف نے جواباً لکھا: **يَا ابنَ عَمِّ، خُذهَا فَقَد طَيَّبتُهَا لَكَ. فَقَبِلَهَا.** یعنی اے چچا کے بیٹے! آپ اس رقم کو لے لیں، یہ آپ کو مبارک رہے، پس آپ نے اس کو قبول کر لیا[1] (ص ۱۰۶ ج ۹، البدایہ والنہایہ)

---

[1] امیر المومنین عبد الملکؒ کی بیعت ابھی مکمل نہیں ہوئی ہے۔ مختار صاحب اقتدار ہے اور نیازمندانہ یا فریب کارانہ آپ کو روپیہ بھیجتا ہے۔ لیکن آپ اسے اپنے لئے اس وقت حلال نہیں سمجھتے جب تک امیر المومنین اسے لینے کی اجازت نہ دے دیں۔

ان چند امور کے بیان کرنے سے راقم الحروف اہل فکر کو متوجہ کرنا چاہتا ہے اگر حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت کو ناکام بنانا اور حضرت حسینؓ کو خروج پر آمادہ کرنے کے بعد غداری کرنا اور میدان کربلا میں شہید کرنا ان سبائیوں کا کام نہ تھا بلکہ جیسا کہ وضاعین باور کرانا چاہتے ہیں اُمویوں کی دین دُشمنی کا نتیجہ تھا تو امیر المومنین یزیدؒ کی وفات سے کچھ قبل یا کچھ بعد بنو ہاشم کے سامنے میدان عمل کھل گیا تھا۔ وہ اگر چاہتے ہیں تو دونوں باتیں حاصل کر سکتے تھے یعنی اُمویوں کی خلافت کا خاتمہ اور اہل بیت کی خلافت کا قیام۔ وہ خود اگر کسی قدر کمزور تھے تو انہیں چاہیئے تھا کہ ابن زبیرؓ کا ساتھ دیتے اور مختار ثقفی کے سر پر ہاتھ رکھتے اور اس سے کہتے کہ اپنی قوت مجتمع رکھے تا کہ ابن زبیرؓ کے ہاتھوں اُمویوں کے استیصال کے بعد خود ان سے ہاشمیوں کی معرکہ آرائی کے مواقع میسر آجائیں، تھکے ہوئے حریف کو تازہ دم فوجوں سے شکست دینا ہاشمیوں کے لئے آسان ہوتا۔ مگر ہاشمی بزرگوں یعنی حضرت علیؒ (زین العابدین) حضرت محمد بن علیؒ (ابن الحنفیہ)، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہ اُلٹی بات کیوں کی کہ ابن زبیرؓ کا ساتھ نہ دیا، مختار ثقفی کی تحریک سے تبرا کیا، امیر المومنین مروانؓ، امیر المومنین عبدالملکؒ کی بیعت میں داخل ہو گئے[1]۔ جس کے نتیجے میں ایک صدی تک تمام عالم اسلام اُمویوں کے زیر نگیں چلا گیا اور اس کا دائرہ روز بروز وسیع تر ہوتا گیا۔

حضرت علیؒ (زین العابدین) اور ان کے اہل خاندان کے اس مؤقف سے روزِ روشن کی طرح کیا یہ ثابت نہیں کہ نہ ہاشمیوں اور اُمویوں میں خاندانی جنگ تھی اور نہ سیاسی چپقلش میں نسلی کشمکش، نہ دین کا کوئی اختلاف تھا اور نہ عزائم ملّیہ کو بروئے کار لانے کے لائحہ عمل میں کوئی اساسی فرق۔ یہ ہاشمی و اُموی سادات ایک ہی خاندان (بنو عبد مناف) کے افراد، ایک ہی دین کے پیرو، ایک ہی دعوت کے مبلغ تھے۔ اور ان سب کا ایک ہی نصب العین تھا، باہمی محبت، مودّت تھی اور تعلقات، مصاہرت تھی۔ خانہ جنگی میں مبتلا ہونے یا مبتلا کئے جانے کے باوجود خاندانی تعلقات استوار رکھتے تھے۔

---

[1] سیدنا عباسؓ اگر امیر المومنین عبدالملکؒ کی بیعت مکمل ہونے سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے لیکن آپ جائز خلیفہ انہی کو سمجھتے تھے اسی لئے ابن زبیرؓ سے بیعت نہیں کی۔

بنی اُمیّہ و بنی ہاشم :

مشہور مستشرق دے خوئے (De Khoe) نے اپنے عالمانہ و محققانہ مقالہ بعنوان ''خلافت'' میں خلفائے بنی اُمیّہ کے حالات کے سلسلے میں ایک موقع پر لکھا ہے:

''تہمت تراشی اور افتراء پردازی کا جو منظّم پروپیگنڈا بنی اُمیہ کی خلافت کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی غرض سے علویوں اور عباسیوں کی جانب سے مسلسل طور سے ہوتا رہا اور جس پیمانہ پر جاری رہا اس کی مثال شاید ہی کہیں اور جگہ ملے۔ ان کے داعیوں اور ایجنٹوں نے ہر قسم کی برائی و معصیت کو جو تصور کی جاسکتی ہے بنی اُمیہ سے منسوب کیا۔ ان پر اتہام لگایا کہ مذہب اسلام ان لوگوں کے ہاتھوں میں محفوظ و مصون نہیں۔ اس لئے یہ ایک مقدس فریضہ ہوگا کہ دُنیا سے ان کو نیست و نابود کر دیا جائے۔ بنی اُمیہ کی جو مستند تاریخ ہمارے ہاتھوں تک پہنچتی ہے اس میں عباسیوں کے ان ہی خیالات و تاثرات کی اس حد تک رنگ آمیزی موجود ہے کہ سچ کو جھوٹ سے بہ مشکل تمیز کیا جاسکتا ہے۔''

(انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ج ۵، گیارھواں ایڈیشن)

بلاشبہ تاریخ و ادبیات وغیرہ کی اکثر کتابوں میں جو عباسی عہد میں تالیف ہوئیں اور ہم تک پہنچیں، بہ کثرت روایات بنی اُمیہ کی تنقیص میں پائی جاتی ہیں۔ خلفائے ابنی اُمیہ کو ظلم و ستم، فسق و فجور اور طرح طرح کی معصیت کے ارتکاب سے مطعون کیا گیا ہے۔ مگر ان کتابوں کے مؤلفین اور ان روایتوں کے راوی نہ عباسی ہیں، نہ علوی، نہ اُن کی سرپرستی میں یہ کتابیں تالیف ہوئیں۔ نہ ان راویوں سے ان کا کوئی واسطہ جو اکثر و بیشتر سبائی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے اور خود عباسیوں کے خلاف ان کے اقوال موجود ہیں۔ فاضل مقالہ نویس اگر ان وضاعین و کذابین کی چھان بین کرتے تو اس عمومیت سے علویوں اور عباسیوں کا ذکر بنی اُمیہ کے مخالفانہ پروپیگنڈے کے

سلسلہ میں نہ کرتے۔اس عہد کی تاریخ کو مسخ کرنے والے یہی سبائی رواۃ اور سبائی مؤلفین ہیں جن کی وضعی روایتوں اور تالیفات کے اقتباسات کو سب سے پہلے مؤرخ طبری نے بلا کسی تنقید کے اپنی کتاب میں نقل کر دیا ہے اور طبری سے اس کے بعد والے مؤرخین نے ابو مخنف لوط وغیرہ وسبائی راویوں کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔

عمار الدہنی بھی ایک اور شیعہ راوی ہیں۔ان کے علاوہ اسی وضع قماش کے بعض اور راوی بھی ہیں جن کا ذکر باعث طوالت ہوگا۔بنی اُمیہ اور شامیوں کے خلاف سبّ وشتم وتہمت تراشی کا سلسلہ تو جنگ صفین کے بعد ہی سے عراقی سبائیوں نے شروع کر دیا تھا۔جس کی تردید میں خود حضرت علیؓ کو گشتی مراسلہ ممالک محروسہ میں بھیجنا اور یہ اعلان کرنا پڑا تھا۔

> ''ہم میں اور اہل شام میں مقابلہ ہوا اور ظاہر ہے ہمارا اور ان کا خدا ایک، ہمارا اور ان کا نبی ایک، اللہ پر ایمان رکھنے اور اس کے رسول کی تصدیق کرنے میں نہ ہم ان سے زیادہ، نہ وہ ہم سے زیادہ پس معاملہ واحد ہے سوائے اس کے کہ ہم میں اور ان میں خون عثمانؓ کی بابت اختلاف ہوا۔'' (نہج البلاغۃ: جز ثانی ص ۱۵۹)

کربلا کے بعد سے تو دشنام دہی اور تہمت تراشی کے پروپیگنڈے میں اور زیادہ اشتداد ہوتا چلا گیا۔اس کے نصف صدی کے بعد سے روافض اور سبائی مؤلفین نے جو کتابیں تالیف کیں اور راویوں نے روایتیں وضع کیں ان میں سبّ وشتم کا کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا گیا۔حتی کہ ان ہی اہل شام کو (یعنی حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کو) جنہیں حضرت علیؓ اپنا جیسا مومن کہتے ہیں، ان ہی کی زبان سے معاذ اللہ فاجر و کافر کہا گیا۔نہج البلاغۃ کے مؤلف نے متعدد خطبوں میں جو حضرت ممدوح سے منسوب کئے گئے، حضرت معاویہؓ اور بنی اُمیہ کے بارے میں کیسے کیسے اتہامات عائد کئے ہیں جن کی شرح کرتے ہوئے ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغۃ نے ایک موقع پر معاذ اللہ ثم معاذ اللہ حضرت معاویہؓ جیسے بزرگ صحابی و کاتب وحی کو جنہیں قران پاک میں ''کرام بررۃ'' فرمایا

گیا ہے یعنی بڑے عزت اور بڑے پاک باز ''اہل النار'' میں لکھ مارا ہے اور کہا ہے کہ علیؓ کی مخالفت یا ان سے جنگ کرنے کی وجہ سے نہیں بلکہ معاذ اللہ ان کا عقیدہ اور ایمان صحیح نہ تھا '' **ولکن عقیدته لم تکن صحیحة ولا ایمانه حقاً۔**'' (ص ۵۶۰ خطبہ ۱۹۵، نہج البلاغۃ)

سبّ وشتم اور تہمت تراشی کے اس انبار در انبار کو پڑھ کر لوگ اسی مغالطہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں جیسا دے خوئے کو ہوا۔ لیکن بنی اُمیہ کے خلاف کذب بیانی وافتراء پردازی کی مکمل تردید بنی ہاشم خاص کر علویوں اور اُمویوں کی وہ مسلسل قرابتیں ہیں جو شروع زمانہ سے لے کر صفین اور کربلا کی خانہ جنگیوں کے بعد تک بدستور جاری رہیں۔ اُموی خلفاء اگر ایسے ہی تھے جیسا وضاعین باور کرانا چاہتے ہیں کہ وہ فاسق وفاجر تھے، منافق وکافر، ظالم وسفاک تھے تو کیوں کر ممکن ہے کہ ہاشمی اور علوی اپنی بیٹیاں ان کو بیاہتے اور ان کی بیٹیاں اپنے یہاں بیاہ کر لاتے[1]

صفین وکربلا کے بعد کی قربتیں :

حضرت علیؓ کی تین صاحبزادیاں بنی اُمیہ کو بیاہی گئیں، بایں تفصیل۔

(۱) حضرت علیؓ کی صاحبزادی رملہ امیر المومنین مروانؓ کے فرزند معاویہ بن مروانؒ کے عقد میں آئیں جو امیر المومنین عبدالملکؒ کے حقیقی بھائی تھے۔ (جمہرۃ الانساب ابن حزم ص ۸۰)

---

[1] دعوت عباسیہ کے متعلق سبائیوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ اُموی خلافت کے خلاف کوئی تحریک تھی حالانکہ واقعات اس تصور کی کھلی تردید کرتے ہیں۔ سب سے اہم چیز ہے حدیث وفقہ کی تدوین جو خلفائے عباسیہ کے دور میں سرکاری طور پر عمل میں آئی۔ ان کتابوں میں اُموی صحابہؓ اور خلفاء کی مرویات اور ان کے فتاویٰ مذکور ہیں اور انہیں حجت شرعی دی گئی ہے۔ مؤطا شریف، صحیح بخاری، سنن نسائی اور دیگر کتب اس سلسلے میں براہین قاطعہ کا حکم رکھتی ہیں۔ پھر یہ کہ عباسیوں نے کبھی اُموی خلفاء کے خلاف خروج نہیں کیا بلکہ جب تک اُمویوں کی خلافت اُمت کے نزدیک متفق علیہ رہی کوئی سیاسی قدم نہیں اُٹھایا۔ وہ میدان میں اُس وقت آئے جب سبائیہ نے پروپیگنڈا کر کے بربروں کو خلفائے اسلام کے خلاف بھڑکا دیا اور خون ریز معرکے ہوئے۔ ادھر عربوں میں تلوار چل پڑی تھی حتی کہ خود اُمویوں میں بھی پھوٹ پڑ گئی۔ ان تمام فسادات میں دعوت عباسیہ کے داعیوں کا ہاتھ کسی طرح ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

(۲) حضرت علیؓ کی دوسری صاحبزادی خود امیر المومنین عبدالملک کے عقد میں تھیں۔ (ص ۶۹ ج ۹، البدایہ والنہایہ)

(۳) حضرت علیؓ کی تیسری صاحبزادی خدیجہ امیر عامرؓ بن کریز اُموی کے فرزند عبدالرحمٰن کو بیاہی گئیں۔ (ص ۶۸ جمہرۃ الانساب ابن حزم) یہ امیر عامر اُموی بصرہ کے گورنر تھے اور جنگ جمل میں حضرت علیؓ کے مقابل صف آراء تھے۔

حضرت علیؓ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؓ کی ایک دو نہیں بلکہ چھ پوتیاں اُموی خاندان میں بیاہی گئیں، یعنی:

(۱) سیدہ نفیسہ بنت زید بن حسن کی شادی امیر المومنین الولیدؒ بن عبدالملکؒ بن مروانؓ سے ہوئی جن کے بطن سے ان اُموی خلیفہ کی اولاد بھی ہوئی جو حضرت حسن بن علیؓ کے اُموی و مروانی نواسے تھے۔ شیعہ مؤرخ و نساب مؤلف عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب اس حسنیہ و علویہ خاتون کے امیر المومنین مروانؓ کے پوتے کے نکاح میں آنے کو تو مخفی نہ رکھ سکے مگر اس رشتہ کا ذکر کرتے ہوئے عربی لفظ ''تزوجت'' (شادی ہوئی) کے بجائے کسی سخیفانہ طرز میں لکھا ہے ''خرجت الی الولید'' (یعنی نکل کے ولید کے پاس چلی گئی)۔ اصل عبارت اس شیعہ مؤلف کی یہ ہے:

وکان لزید (بن حسین بن علیؓ) ابنة اسمها نفیسه خرجت الی الولید بن عبدالملک بن مروان فولدت له منه و ماتت بمصر وقد قیل انها خرجت الیٰ عبدالملک بن مروان و انها ماتت حاملا منه والاصح الاول وکان زید بفد علی الولید بن عبدالملک و یعقده علیٰ سریره و یکرمه لمکان ابنته و وهب له ثلاثین الف دینار دفعةً واحدة.

یعنی زید (بن حسن بن علیؓ) کی ایک بیٹی نفیسہ نام تھی جو الولید بن عبدالملک بن مروان کے پاس نکل کر چلی گئی۔ اس سے اولاد بھی ہوئی۔ مصر میں فوت ہوئی۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ عبدالملک بن

مروان کے پاس نکل کر چلی گئی تھی اور اس سے حمل بھی رہ گیا تھا۔ مگر پہلی روایت زیادہ صحیح ہے اور زید مذکور ولید بن عبدالملک کے پاس جایا کرتے تھے۔ وہ ان کو اپنے پاس تخت پر بٹھاتا اور ان کی بیٹی کی وجہ سے ان کا اکرام کرتا۔ اس نے ان کو بیک وقت تیس ہزار دینار عطا کئے تھے۔

(عمدۃ الطالب صفحہ ۴۴ طبع اول مطبع جعفری، لکھنؤ)

یہ زید بن حسن بن علیؓ وہ ہیں جو اپنے چچا حضرت حسینؓ کے ساتھ کربلا میں موجود تھے۔

مؤلف کتاب ہذا نے اس عفیفہ کے نکاح کے بارے میں جس توہین آمیز طریقہ پر ''خرجت الی'' کے الفاظ سے ذکر کیا ہے، وہ کوئی نئی بات نہیں۔ سیدہ اُم کلثوم بنت حضرت فاطمہؓ کے سیدنا عمر فاروقؓ کے حبالہ عقد میں آنے کا واقعہ ان حضرات کی مستند کتابوں میں اس سے بھی زیادہ سخت الفاظ میں بیان ہوا ہے: ''و اول فرج غصبت منا'' (یعنی یہ پہلی شرمگاہ ہے جو ہم سے چھین لی گئی) کہا ہے اور اس لغو قول کو اپنے ایک امام کی طرف منسوب کیا ہے۔ معاذ اللہ

معزالدولہ دیلمی اور اس کا خاندان رفض میں غلو رکھتے تھے۔ ماتم حسین کی بنیاد ابتداً اسی نے ڈالی تھی۔ لیکن بعد میں جب سیدہ اُم کلثومؓ کے حضرت عمر فاروقؓ کے حبالہ عقد میں آنے کا حال اس کو متحقق ہو گیا تو وہ حیرت زدہ ہو کر کہتا تھا **ما سمعت هذا قط** (ص ۲۶۲ ج ۱۱، البدایہ و النہایہ) یعنی میں نے یہ بات قطعاً نہیں سُنی تھی پھر وہ شیعیت کے عقائد سے تائب ہوا۔ **ورجع الی السنة و متابعتها** (ص ۲۶۲ ایضاً) حضرت علیؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ کی آپس کی محبت و اتحاد کا اس کے نزدیک یہ رشتہ بڑا قوی ثبوت تھا۔

(۲) حضرت حسن بن علیؓ کی دوسری پوتی زینب بنت حسن مثنیٰ کی شادی بھی اسی اُموی و مروانی خلیفہ ولیدؒ بن عبدالملکؒ بن مروانؓ سے ہوئی (جمہرۃ الانساب ابن حزم ص ۳۶)۔ یہ زینب حضرت محمد (الباقر) کی سالی اور عبداللہ المحض کی حقیقی بہن تھیں۔ واضح رہے کہ ان زینب کے والد حسن مثنیٰ واقعہ کربلا میں اپنے چچا اور خسر حضرت حسینؓ کے ساتھ موجود تھے اور معرکہ قتال و جدال میں

شریک ہوکر بہت زیادہ زخمی ہوئے تھے اور زخم مندمل ہوکر صحیح سلامت واپس آئے تھے۔

(۳) حضرت حسن بن علیؓ کی تیسری پوتی، اُم قاسم بنت حسن مثنیٰ حضرت عثمانؓ کے پوتے مروان بن ابانؒ کو بیاہی گئیں جن کے بطن سے حضرت حسنؓ کے عثمانی و اُموی نواسہ محمد بن مروان عثمانی پیدا ہوئے۔ اپنے شوہر مروانؒ کے انتقال کے بعد یہ اُم قاسم حضرت علی بن الحسینؒ (زین العابدین) کے عقد میں آئیں۔ (جمہرۃ الانساب ابن حزم ص ۳۷؛ کتاب المجر ص ۴۳۸)

(۴) حضرت حسن بن علیؓ کی چوتھی امیر المومنین مروانؒ کے ایک فرزند معاویہ بن مروان بن الحکم کے عقد میں آئیں، جن کے بطن سے حضرت حسنؓ کے اُموی و مروانی نواسہ ولید بن معاویہ مذکور متولد ہوئے۔ (ص ۸۰، ۱۰۰، جمہرۃ الانساب ابن حزم)

(۵) حضرت حسن بن علیؓ کی پانچویں پوتی حمادہ بنت حسن مثنیٰ امیر المومنین مروانؒ کے ایک بھتیجے کے فرزند، اسماعیل بن عبدالملک بن الحارث بن الحکم کو بیاہی گئیں۔ ان سے حضرت حسنؓ کے تین اُموی نواسے متولد ہوئے یعنی محمد الاصغر، ولید اور یزید فرزندان اسماعیل مذکور۔ (ص ۱۰۰ جمہرۃ الانساب ابن حزم)

(۶) حضرت حسن بن علیؓ کی چھٹی پوتی خدیجہ بنت الحسین بن حسن بن علی کی شادی بھی اپنی چچیری بہن عمادہ کے نکاح سے پہلے اسماعیل بن عبدالملک مذکور سے ہوئی تھی جن کے بطن سے حضرت حسنؓ کے چار اُموی نواسے محمد الاکبر، حسین، اسحاق اور مسلمہ پیدا ہوئے۔ (ص ۱۰۰، جمہرۃ الانساب ابن حزم)

حضرت علیؓ کثیر الازدواج اور کثیر الاولاد تھے۔ اٹھارہ بیٹے اور اٹھارہ بیٹیاں یعنی چھتیس (۳۶) مختلف ازواج اور کنیزوں کے بطون سے ہوئیں۔ حضرت فاطمہؓ کے انتقال کے بعد ۲۹ سال بقید حیات رہے۔ اس عرصہ میں ۲۹ خواتین اور اُمّ ولد کو زوجیت میں لائے۔ وفات کے وقت چار بیویوں اور اُنیس اُم ولد چھوڑیں۔ (الملل والنحل ابن حزم)

شیعہ مؤرخ و نساب مؤلف عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب کی اولاد کے

بارے میں لکھتے ہیں:

لامیر المؤمنین فی اکثر الروایات ستة و ثلثون ولداً ثمانیة عشر ذکراً وثمانیة عشر انثیٰ. (ص ۴۴)	امیر المومنین (علیؓ) کے اکثر روایات کے اعتبار سے ۳۶ اولادیں تھیں جن میں سے ۱۸ بیٹے اور ۱۸ بیٹیاں تھیں۔

دختران علیؓ زیادہ تر بنو جعفر، بنو عقیل، بنو عباس اور بنو مروان کی زوجیت میں آئیں۔ (المعارف ابن قتیبہ ص ۹۲؛ جمہرۃ الانساب ابن حزم ص ۳۳) وتزوج منهن ایضاً عبدالملک بن مروان (ص ۳۳ جمہرۃ الانساب ابن حزم) یعنی ان میں (ابنات علیؓ میں) سے اسی طرح عبدالملک بن مروان نے شادی کی۔

ان رشتوں سے جو بنی اُمیہ سے ہوئے بالبداہت ثابت ہے کہ بنی اُمیہ و بنی ہاشم کے ان دونوں خاندانوں میں جو دو حقیقی بھائیوں کی اولاد میں ہیں نہ کوئی خاندانی عداوت تھی، نہ نسلی مغایرت اور نہ مذہبی وسماجی معاشرتی اختلاف۔ حضرت علیؓ و حضرت حسنؓ کے یہ داماد علم و عمل و سیرت و کردار کے اعتبار سے یقیناً ایسا بلند اور ممتاز درجہ رکھتے تھے کہ ہاشمیہ خواتین اور امام زادیاں یکے بعد دیگرے ان کے عقد میں آتی رہیں۔

اب قلمی تصویر کا وہ رُخ بھی ملاحظہ ہو جو شیعہ مؤلفین نے پیش کیا ہے۔ ۴۰۰ھ میں یعنی حضرت علیؓ کی وفات کے تقریباً تین سو ساٹھ برس بعد نہج البلاغۃ کے مؤلف نے جو خطبے تصنیف کر کے اور دوسرے فصحائے شیعہ سے تصنیف کرا کے بغیر کسی سند اور ثبوت کے حضرت علیؓ سے منسوب کر کے شامل کتاب کئے ہیں۔ ان میں سے متعدد خطبات میں عبدالملکؒ اور ان کے عزیزوں، بھائیوں، اولاد کی تنقیص میں نیز ان لشکر کشیوں کے بارے میں جو مصعب بن زبیرؓ اور عبدالرحمٰن بن الاشعث کے مقابلہ میں اُموی خلیفہ نے کیں۔ حضرت علیؓ کی زبان سے ان میں ایسے الفاظ ادا کرائے گئے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خطبہ تصنیف کرنے والے کو، جو حضرت علیؓ کی وفات سے صدیوں بعد خطبے وضع کر رہا تھا یہ معلوم نہ ہو سکا تھا کہ اس اُموی خلیفہ عبدالملکؒ کو حضرت علیؓ کی دامادی کا شرف بھی حاصل تھا۔ نیز ان کے بھائی معاویہ بن مروان کو بھی۔ ورنہ حضرت علیؓ کے ان

دامادوں کے خلاف نہ خطبے تصنیف کئے جاتے نہ ایسے الفاظ تحریر ہوتے۔

خطبہ ۹۷[1] ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے: **لکأنّي أنظر الی ضلّیل قد نعق بالشام. الخ.** یعنی گویا میں ایک سخت گمراہ ہو جانے والے کی طرف دیکھ رہا ہوں جو شام میں حیوانوں کی طرح آواز نکال رہا ہے اُس نے نواحی کوفہ میں اپنے علم ظاہر اور بلند کئے ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ عنقریب اس کا منہ درندوں کی طرح کھل جائے اس کی سرکشیاں شدید ہو جائیں، وہ زمین میں سختی سے منہ مارنے لگے۔ اس کے فتنہ آمیز اور نکیلے دانت انبائے زمانہ کو گزند پہنچائیں۔ لڑائی کی موجیں جنبش کریں دونوں میں اس کے ظلم وستم کی گرفت ظاہر ہو اور راتوں میں اس کے جور والم کی گزندگی میری آنکھوں میں ہے کہ اس کی زراعت سرسبز ہو، اس کے رسیدہ میوے نہال ہو جائیں۔ اس کا گلو شقشقہ شہترِ مست کی طرح آوازیں دینے لگے۔ اس کی تلوار کی بجلیاں چمکیں اس کے فتنے شب تیرہ وتار اور بحر متلاطم وموّاج کی طرح نظر آنے لگیں اور شہر کوفہ توڑ دینے والی آندھیوں سے شگافتہ ہو جائے۔ تند اور سخت ہواؤں کا اُس پر گزر ہو، تھوڑے زمانہ بعد یہ گروہ مردم (یعنی بن مروانؓ) دوسرے گروہ (بنوعباسؓ) کے ساتھ لپٹ جائے اور یہ لوگ کھنچی ہوئی تلواروں سے ریزہ ریزہ ہو کر زیر خاک پنہاں ہو جائیں[2]

---

[1] یہ خطبہ ۱۰۱ کی عبارت ہے۔ (مرتب)

[2] اہل تاریخ نے زوال خلافت اُمویہ کی وہ بھیانک تصویر کھینچی ہے کہ معاذ اللہ اور عباسی فتح مندوں کے وہ مظالم دکھائے ہیں کہ جگر شق ہو۔ کہا جاتا ہے کہ چُن چُن کر اُموی سادات کو قتل کیا گیا۔ پھر انہیں عباسی خلفاء کے حاشیہ نشینوں میں بتایا ہے۔ امیر عبدالرحمٰن الداخل جنہوں نے ہسپانیہ میں اُموی امارت قائم کی تھی اور عباسیوں کے داعیوں کی دست برد سے فرار ہو کر وہاں پہنچے سب مظالم ان کے آنکھوں دیکھے تھے۔ انہوں نے عباسی خلافت کو کیوں تسلیم کیا، اور اپنے آپ کو خلیفہ کیوں نہ کہا اور اپنی حکومت کو مظبوط کرنے کیلئے ہسپانوی مسلمانوں کے اندر عباسیوں کے خلاف پروپیگنڈہ کیوں نہیں کیا۔ اگر ایک فیصد واقعات بھی ایسے ہوتے جیسے بیان کئے جاتے ہیں تو ہسپانوی تالیفات میں عباسیوں کے مظالم اسی طرح بیان ہوتے جیسے سبائی کتابوں میں اُمویوں اور عباسیوں کے مظالم کی داستانیں ہیں۔

راقم الحروف نے اپنی دوسری تالیف میں اُموی اکابر کے تذکرے کئے ہیں جو عباسی خلفاء کے ندیم ومصاحب تھے اور تعلقات مصاہرت بھی اُمویوں اور عباسیوں میں قائم رہے تھے۔

حضرت علیؓ کی وفات سے تیس اکتیس برس بعد یعنی ۷۱ھ میں جب عبداللہ بن زبیرؓ اور امیر المومنین عبدالملکؒ کے مابین خلافت کی چپقلش جاری تھی۔ مصعب بن زبیرؓ جو حضرت حسینؓ کے داماد تھے، اپنے بھائی کی جانب سے عراق کے عامل تھے۔ امیر المومنین عبدالملکؒ سے قبل خلافت ان کی گہری دوستی تھی، آپس میں محبت تھی۔

وقد کان عبدالملک یحب مصعباً حباً شدیداً و کان خلیلا له قبل الخلافه ۔ (ص ۳۱۶ ج ۸، البدایہ والنہایہ) یعنی عبدالملک کو مصعب سے بہت محبت تھی اور خلافت سے پہلے دونوں آپس میں دوست تھے۔

عبدالملکؒ نے طرح طرح سے کوشش کی کہ مصعبؓ جدال وقتال سے باز آجائیں اپنے بھائی کا ساتھ چھوڑ دیں تو عراق کی حکومت پر فائز کردیئے جائیں۔ مگر وہ نہ مانے مجبوراً عبدالملکؒ نے عراق پر تسلط قائم کرنے کے لئے شام سے لشکر کشی کی کوفہ کے قریب مقام مسکین میں سخت رَن پڑا۔ اُموی خلیفہ کی فوج کے میمنہ کی کمان امیر یزید بن معاویہ کے فرزند عبداللہ اور میسرہ کی کمان ان کے بھائی خالد بن یزید بن معاویہ کررہے تھے۔ مصعبؓ کے امیر لشکر ابراہیم بن الاشتر تھے جن کو عبداللہ بن یزیدؒ نے سخت حملہ کرکے قتل کردیا۔ گھمسان کی لڑائی کے وقت عبدالملکؒ نے پھر کوشش کی کہ مصعبؓ ہٹ جائیں، اپنے بھائی محمد بن مروانؒ کو اُن کے پاس بھیجا کہ اُن کو امان دیں۔ مگر انہوں نے یہ کہہ کر قبول نہ کی کہ: **ان مثلی لا ینصرف عن هذا الموضع الا غالباً او مغلوباً.** یعنی مجھ جیسا اس موقع سے سوائے غالب یا مغلوب ہونے کے نہیں ہٹ سکتا۔ (البدایہ و النہایہ) پھر ان کے بیٹے عیسیٰ بن مصعب کی جان بچانے کی کوشش کی گئی۔ محمد بن مروانؒ نے اُن سے کہا: **یابن اخی ، لا تقتل نفسک، لک الامان** یعنی اے بھتیجے اپنی جان ہلاکت میں مت ڈالو، تم کو امان ہے۔ اُن کے باپ نے بھی یہ سُن کر اُن سے کہا کہ: **قد آمنک عمک فامض الیه**۔ یعنی تمہارے یہ چچا تم کو امان دے رہے ہیں، قبول کرلو ہٹ جاؤ۔

بیٹے نے جواب میں کہا: **لا یتحدث لنساء قریش انی اسلمتک للقتل**

یعنی میں قریش کی خواتین سے یہ کہلانا نہیں چاہتا کہ میں نے آپ کو قتل ہو جانے کیلئے چھوڑ دیا۔ پھر کہا: **واللہ لا یتحدث قریش انی فررتُ من القتال** یعنی واللہ میں قریش کی زبانوں سے یہ کہلوانا نہیں چاہتا کہ لڑائی سے میں بھاگ پڑا۔

یہ تھی ذہنیت سادات قریش وشجاعانِ عرب کی۔ نبرد آزمائی اور جدال وقتال کے عین وقت بھی مصعبؓ جب قتل ہو گئے، عبدالملکؒ کو اس کا ملال ہوا اور کہا:

لَقَد كَانَ بَينِي وَبَينَ مُصعَبٍ صُحبَةٌ قَدِيمَةٌ ' وَكَانَ مِن أَحَبِّ النَّاسِ اِلَيَّ ' وَلَكِنَّ هٰذَا المَلِكَ عَقِيمٌ. یعنی مجھ میں اور مصعب میں پرانی دوستی تھی مجھے وہ سب لوگوں سے زیادہ محبوب تھے لیکن سلطنت کی حالت بانجھ عورت کی سی ہے (اس میں تعلقات کا لحاظ نہیں ہوتا)۔

ان باتوں کا ذکر کرنے سے راقم الحروف اہل فکر کو متوجہ کرنا چاہتا ہے کہ حکومت و سلطنت کے حصول کی کشمکش اور سیاسی رقابت کے سلسلے میں حضرت علیؓ کی وفات کے تیس اکتیس برس بعد جو واقعات پیش آئے پھر اس کے ایک صدی بعد بنی اُمیہ کی خلافت کا خاتمہ ہوا، اُس کا حال حضرت علیؓ جیسی بزرگ ہستی کی زبان سے جو مدت العمر نوع انسان کے سب سے بڑے ہادی و معلم الاخلاق کی تعلیم وصحبت سے مستفیض رہے، جن الفاظ میں شروع ہوتا ہے **الا ان اخوف الفتن عندی علیکم فتنة بنی اُمیه** الخ یعنی آگاہ ہو جاؤ تمہارے لئے میرے نزدیک بدترین فتنہ بنی اُمیہ ہیں بے شک یہ اندھے اور تاریک فتنے ہیں۔ الخ

خطبہ ۱۲۰ میں حضرت مروانؒ کیلئے کہلوایا گیا ہے کہ وہ حکومت کو اسی طرح چاٹے گا جیسے کتا اپنی ناک کو چاٹتا ہے اور وہ چار بھینسوں کا باپ ہے اور قریب ہے کہ اُمت کو اس کے اور اس کے بیٹوں کے ہاتھ سے سُرخ موت نصیب ہو۔ شارح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید کے نزدیک ان چار سے مراد یا تو بنی عبدالملک ہیں یعنی الولید، سلیمان، یزید و ہشام یا بنو مروان ہیں یعنی عبدالملک، عبدالعزیز، بشر اور محمد۔ ان میں سے اور ان کے دوسرے عزیزوں میں سے متعدد کو حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ اور دیگر اکابر بنی ہاشم کی دامادی کا شرف حاصل تھا۔

ایک اور خطبہ ۱۲۳ میں بنی اُمیہ کیلئے جن میں سے بہتوں کو خود اُن کی اولاد کی بیٹیاں بیاہی گئیں حضرت علیؓ کی زبان سے یہ الفاظ کہلوائے گئے ہیں:

''خدا کی قسم اگر میں زندہ رہا اور ان کیلئے باقی رہا تو میں انہیں اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کردوں گا جیسے قصاب خاک آلودہ اوجھڑی کو ٹکڑے ٹکڑے کردیتا ہے۔''

اسلامی عقیدے میں سوائے باری تعالیٰ کے مخلوق میں سے کسی کو غیب کا علم نہیں۔ سورۃ الانعام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا ہے:

قُل لَّا أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ. (الأنعام: ٥٠)

''اے رسول کہہ دیجئے میرے پاس نہ خدا کے خزانے ہیں، نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں نہ میں کوئی فرشتہ ہوں، میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی آتی ہے۔''

اسی طرح دیگر آیات میں اس کا اظہار ہے۔ لوفرضنا حضرت علیؓ اگر غیب داں بھی تھے اور ان کو اپنی وفات سے اکتیس برس بعد ہونے والے اس واقعہ کا علم ہوگیا تھا کہ عبدالملکؒ کے مقابلہ میں حضرت حسینؓ کے داماد مصعبؓ شوہر سیدہ سکینہ بنت الحسینؓ اور حضرت علیؓ کی فوج کے کمانڈر الاشتر کے فرزند ابراہیم مقتول ہونگے اور عبدالملکؒ کی گزندگی حیوانوں کی طرح کی ہوگی تو غور طلب امر یہ ہے کہ بنی اُمیہ اور بنی مروان میں اس قماش کے شخص کو اپنی دامادی کے شرف سے محروم رکھنے کی وصیت کیوں نہ فرمائی کیوں اسکے اور اس کے بھائی معاویہ بن مروان کے حبالہ عقد میں دختران علی المرتضیٰ دی گئیں۔ کیوں بنی مروان اور ان کی اولاد واحفاد سے ''امام زادیوں'' کے رشتہ مناکحت متواتر اور مسلسل طور سے جاری رہے اور کیوں آپس میں ایسا اتحاد ایسی محبت ومودّت رہی کہ مروانی دامادوں کے فیاض ہاتھوں سے جو تختِ خلافت پر فائز تھے بیک وقت تیس تیس ہزار اشرفیاں یہ ''امام زادے'' جو اُن کے خسر تھے حاصل کرتے رہے۔ کیا ان حالات اور واقعات سے

یہ صاف اور صریح نتیجہ برآمد نہیں ہوتا کہ نہ حضرت علیؓ غیب داں تھے، نہ یہ کلام جو اُن کی وفات کے تین سو ساٹھ برس بعد ان سے منسوب کیا گیا ہے جو متبذل اور رکیک کلمات سے مملو ہے۔ حاشا جنابہ! اور نہ اُمویوں اور ہاشمیوں میں نسلی خاندانی عداوت تھی۔

راقم الحروف نے چار سال قبل ۱۹۵۴ء میں جو مقالہ بعنوان ''نہج البلاغۃ تاریخ کی روشنی میں'' لکھا تھا (مطبوعہ رسالہ تاریخ و سیاسیات فروری ۱۹۵۴ء) اس میں علاوہ اور بہت سے شواہد کے ایسے عربی الفاظ کی فہرست بھی مستند کتب لغت کے حوالہ جات سے پیش کی تھی جو ''مولدۃ'' کہلاتے ہیں، اور حضرت علیؓ کی وفات سے سینکڑوں برس بعد اس وقت عربی زبان میں رائج ہوئے جب دیگر زبانوں سے مختلف علوم کی کتابوں کے عربی میں ترجمے ہونے شروع ہوئے۔ یہ الفاظ حضرت علیؓ کی زبان سے مؤلف نہج البلاغۃ نے متعدد خطبات میں ادا کرائے ہیں۔ جو بیّن ثبوت ان خطبات کے وضعی ہونے کا ہے۔ اس سے بھی زیادہ اور قوی ثبوت نہج البلاغۃ اور اسی قسم کی دوسری تالیفات کی وضعی روایتوں کی تردید و تکذیب کیلئے صفین و کربلا کی خانہ جنگیوں کے بعد کی یہ قرابتیں ہیں جن سے نو قرابتوں کی تفصیلات اوپر درج ہو چکی ہیں۔

اولاد حسینؓ کی قرابتیں :

اب حضرت حسینؓ کی اولاد کی چند قرابتوں کا مجمل حال سُنئے :

(۱) حضرت حسینؓ کی مشہور صاحبزادی سیدہ سکینہؒ نے اپنے شوہر مصعب بن زبیرؒ کے مقتول ہو جانے کے کچھ عرصہ بعد اپنا نکاح اُموی اور مروانی خاندان میں امیر المومنین مروانؓ کے پوتے اصبغ بن عبدالعزیزؒ بن مروان سے کیا جو امیر المومنین عمر بن عبدالعزیزؒ کے بھائی تھے۔ ان کی کنیت ابو زبان تھی اور ان کی دوسری زوجہ امیر المومنین یزیدؒ کی دختر اُم یزید تھیں۔ (جمہرۃ الانساب ابن حزم ص ۹۶، ۹۷ و کتاب المعارف ابن قتیبہ ص ۹۴ و کتاب نسب قریش ص ۵۹)

(۲) سیدہ سکینہؒ بنت حسینؓ کا ایک اور نکاح حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے پوتے زید بن عمرو بن عثمان سے ہوا تھا۔ پھر اس اُموی شوہر سے علیحدگی ہو گئی تھی۔ (المعارف ابن قتیبہ ص ۹۳)

(۳) حضرت حسینؓ کی نواسی ربیحہ بنت سیدہ سکینہ جو اُن کے شوہر عبداللہ بن عثمان بن عبداللہ بن حکیم سے تھیں، امیرالمومنین مروانؓ کے پروتے العباس بن الولید بن عبدالملک بن مروانؓ کو بیاہی گئیں۔ (ص ۵۹ کتاب نسب قریش مصعب زبیری)[1]

(۴) حضرت حسینؓ کی دوسری صاحبزادی سیدہ فاطمہ کا نکاح ثانی اپنے شوہر حسن مثنیٰ کے بعد اُموی خاندان میں عبداللہ بن عمرو بن عثمان ذوالنورینؓ سے ہوا جن سے حضرت حسینؓ کے دو اُموی وعثمانی نواسے محمد الاصغر، قاسم اور ایک نواسی رقیہ پیدا ہوئے۔ (جمہرۃ الانساب ص ۷۶، مقاتل الطالبیین ص ۱۸۰ و کتاب نسب قریش ص ۵۹)

(۵) حضرت حسینؓ کے ایک پروتے حسن بن حسین بن علی بن الحسین کی شادی اُموی خاندان میں خلیدہ بنت مروان بن عنبسہ بن سعد بن العاص بن اُمیہ سے ہوئی تھی۔ اس اُمویہ خاتون کے بطن سے حضرت حسینؓ کے دو پروتے محمد وعبداللہ فرزندانِ حسن مذکور ہوئے۔ (جمہرۃ الانساب ص ۷۵ و کتاب نسب قریش ص ۷۴)

(۶) حضرت حسینؓ کے اور پروتے اسحٰق بن عبداللہ الارقط بن علی بن الحسینؓ کی شادی اُموی وعثمانی خاندان میں سیدہ عائشہ بنت عمر بن عاصم بن عثمان ذوالنورین سے ہوئی جن کے بطن سے حضرت حسینؓ کے عثمانی پروتے یحییٰ بن اسحٰق مذکور ہوئے۔ (جمہرۃ الانساب ص ۴۷، کتاب نسب قریش ص ۶۵)

دیگر قرابتیں :

کربلا کے بعد کی یہ چھ قرابتیں تو خود حضرت حسینؓ کی اولاد کی اُموی ومروانی خاندان میں ہوئیں۔ اب اُن کے بھائی عباس بن علی اور دوسرے عزیزوں کی اولاد کی قرابتوں کا حال سُنئے :

---

[1] غور طلب ہے ان اموی بزرگ کا نام عباس، اور ہاشمی بزرگ عبداللہ بن جعفر کے فرزند کا نام معاویہ اور ان کے فرزند کا نام یزید۔

(۷) حضرت حسینؓ کے بھائی عباس بن علی کی حقیقی پوتی سیدہ نفیسہ بنت عبیداللہ بن عباس بن علی کی شادی امیرالمومنین یزیدؒ کے حقیقی پوتے عبداللہ بن خالد بن یزید بن معاویہ سے ہوئی۔ اس علویہ خاتون کے بطن سے امیرالمومنین یزیدؒ کے پڑپوتے علی وعباس[1] فرزندانِ عبداللہ بن خالد بن یزید ہوئے۔ (جمہرۃ الانساب ص۱۰۳، کتاب نسب قریش ص۷۹)

ان میں سے ایک علی بن عبداللہ مذکور نے اپنے حسینی ماموؤں کی تحریک سے امیرالمومنین مامون الرشید عباسی کے خلاف بادعائے خلافت خروج میں کیا تھا۔ ان کے دادا عباس بن علی اپنے بھائی حضرت حسینؓ کے ساتھ کربلا میں مع اپنے دوسرے تین بھائیوں کے موجود تھے۔ معرکہ قتال میں شریک ہوکر مقتول ہوئے۔ منع آب کی وضعی روایتوں میں ان عباس بن علی کو ''سقائے اہل بیت'' بھی کہا گیا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ کربلا میں نہ پانی کی بندش ہوئی اور نہ اس بندش کا کوئی امکان تھا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ لیکن امیرالمومنین یزیدؒ یا ان کے کسی عامل کے حکم یا اشارے سے اگر یہ وحشیانہ ظلم کیا گیا ہوتا تو ان ''سقائے اہل بیت'' کی پوتی ایسا ظلم ڈھانے والے کے پوتے کو کیوں بیاہی جاتی، ذرا سوچنے کی بات ہے۔ یہ رشتہ بھی اس زمانہ میں ہوا جب امیرالمومنین یزیدؒ کے اپنے گھرانے میں سیاسی اقتدار بھی باقی نہ رہا تھا۔ آل معاویہ کے بجائے آل مروان خلافت پر فائز تھے۔ جن کے اپنے دادا اور دادا کے عزیزوں کو خوردسال بچوں تک کو جیسا کہ وضعی روایتوں میں بیان کیا جاتا ہے ایک ایک بوند پانی سے تڑپا تڑپا کر مارا گیا ہو، وہ ایسے مظالم توڑنے والوں کے گھر کیسے بیاہ کر جاتی اور کیوں کر اس رشتہ کو قبول کرتی۔ اس رشتہ کے شواہد اس درجہ مستند و معتبر ہیں کہ شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ کیا اس رشتہ کے ہونے نیز دوسری اس قسم کی قرابتوں کے ہونے سے جو واقعہ کربلا کے بعد مسلسل طور سے ہوتی رہیں، یہ نتیجہ برآمد نہیں ہوتا کہ مظالم کربلا و منع آب کی روایتیں ابو مخنف و ہشام وغیرہ جیسے سبائیوں کی وضع کردہ ہیں۔ یہی وہ وضاعین و مؤلفین ہیں جنہوں نے اس مبحث پر سب سے اول تالیفات کیں جن کے اقتباسات بعد کے مؤرخین اور مؤلفین نے اپنی کتابوں

---

[1] اُمویوں کے یہ نام بھی ملاحظہ ہوں جو آل بیت خلافت اُمویہ ہیں۔

میں نقل کئے، مجالس اور مراثی میں بیان ہوکر زبان زد خاص و عام ہوتے گئے۔

اب اسی سلسلہ کی چند اور قرابتوں کا تذکرہ کہ وہ بھی صفین و کربلا کے بعد کے ہیں اس امر کی مزید وضاحت کی غرض سے کیا جاتا ہے کہ حسینی و جعفری و عباسی اکابر اپنی بیٹیاں اُموی خلفاء کو اور اُن کے بیٹوں، پوتوں کو بیاہتے اور محبت و مودّت کے تعلقات قائم رکھتے رہے۔

(۱) حضرت علیؓ کے حقیقی بھتیجے حضرت محمد بن جعفر طیارؓ بن ابی طالب کی صاحبزادی سیدہ رملہ کا نکاح حضرت مروانؓ کے پروتے سلیمان بن ہشام بن عبدالملک بن مروان سے ہوا تھا۔ ان کے انتقال پر اس ہاشمیہ خاتون کا نکاح ثانی حضرت ابوسفیانؓ کے پروتے ابوالقاسم بن الولید بن عتبہ بن سفیان سے ہوا۔ ان ابوالقاسم بن الولید کی والدہ ماجدہ سیدہ لبابہ بنت عبیداللہ بن عباس بن عبدالمطلب یعنی حضرت حسینؓ کی رشتہ میں چچیری بہن تھیں اور اُن کے اُموی شوہر الولید بن عتبہ بن ابوسفیان امیرالمومنین معاویہؓ کے بھتیجے اور حضرت حسینؓ کے زمانہ اقدام خروج میں مدینہ کے عامل تھے۔ ان ہی ولید کے فرزند ابوالقاسم کو جو امیر یزیدؒ کے بھتیجے ہوتے تھے حضرت حسینؓ کی یہ بھتیجی یعنی ان کے چچیرے بھائی محمد بن جعفر طیار کی صاحبزادی بیاہی گئیں۔ (کتاب المجر ص ۴۴۹ و جمہرۃ الانساب ابن حزم ص ۱۰۲)

(۲) حضرت حسینؓ کی حقیقی بھانجی سیدہ اُم کلثوم بنت حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ جو سیدہ زینب بنت فاطمہ زہراؓ کے بطن سے تھیں۔ اول اپنے ابن عم قاسم بن محمد بن جعفر طیارؓ کے عقد میں آئیں۔ اس شوہر سے صرف ایک بیٹی ہوئی جو بالغ ہوکر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے فرزند حمزہ کو بیاہی گئی۔ اُن سے اولاد بھی ہوئی۔ حمزہ کے فوت ہوجانے پر طلحہ بن عمر بن عبیداللہ تیمی سے نکاح ہوا۔ ان سے بھی اولاد ہوئی اور نسل چلی۔ ان اُم کلثوم کا نکاح ثانی اپنے شوہر قاسم بن محمد مذکور کے فوت ہوجانے پر اُموی گورنر مکہ و مدینہ حجاج بن یوسف ثقفی سے ہوا جن سے ایک بیٹی ہوئی۔ پھر زوجین میں علیحدگی ہوگئی۔ تیسرا نکاح اس ہاشمیہ و جعفریہ خاتون کا اُموی خاندان میں ابان بن عثمان ذوالنورینؓ سے ہوا۔ ان کے انتقال پر حضرت علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب کے عقد میں

آئیں۔ (المعارف ابن قتیبہ ص ۹۰، جمہرۃ الانساب ابن حزم ص ۶۱ و ۱۱۴، کتاب نسب قریش ص ۸۳)

(۳) حضرت حسینؓ کے حقیقی چچیرے بھائی اور بہنوئی حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ کی دوسری صاحبزادی سیدہ اُم محمد جیسا کہ سابق میں ذکر ہو چکا امیر یزیدؒ کے حبالہ عقد میں تھیں اور ان اُم محمد کی حقیقی بہن اُم ابیہا، امیر المومنین عبدالملکؒ کی زوجہ تھیں۔ طلاق ہو جانے پر حضرت علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب کے عقد میں آئیں۔ یہ دونوں بہنیں اُم محمد و اُم ابیہا اور چار بھائی یحییٰ و ہارون و صالح و موسیٰ، حضرت عبداللہ بن جعفر طیار کی زوجہ ثانیہ لیلیٰ بنت مسعود بن خالد کے بطن سے تھے جو حضرت علیؓ کی بیوی تھیں، اُن کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن جعفر طیار نے اُن سے عقد کر لیا تھا۔ (کتاب نسب قریش ص ۸۳، جمہرۃ الانساب ابن حزم ص ۶۲)

(۴) حضرت علیؓ کے ایک نواسہ اور حضرت حسینؓ کے حقیقی بھانجے علی بن عبداللہ بن جعفر طیار جو سیدہ زینب بنت سیدہ فاطمہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بطن سے ہونے کی بناء پر بعد میں ''علی الزینبی'' کہلائے۔ اُن کی حقیقی پوتی سیدہ ربیحہ بنت محمد بن علی الزینبی کی شادی مروانی خلیفہ یزید بن عبدالملک بن مروان سے ہوئی تھی۔ اُن کے فوت ہو جانے کے بعد پھر وہ اُسی اُموی و مروانی خاندان میں بکار بن عبدالملک کے عقد میں آئیں اور بکار اُموی کے بعد صالح بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب سے نکاح ہوا۔ (کتاب المجر ص ۴۴۰)

(۵) حضرت حسینؓ کے سوتیلے بھائی حضرت محمد بن علی (الحنفیہ) کے فرزند ابو ہاشم عبداللہ کی صاحبزادی سیدہ لبابہ کی شادی اُموی خاندان میں سعید بن عبداللہ بن عمرو بن سعید بن العاص بن اُمیہ سے ہوئی تھی۔ یہ ابو ہاشم عبداللہ علوی ایک شیعہ فرقہ کیسانیہ کے امام کہے جاتے ہیں۔ (کتاب نسب قریش ص ۷۶)

یہ سب بیس قرابتیں بعد صفین و کربلا صرف حضرت علیؓ اور ان کے فرزندوں کی اولاد کی امیر المومنین یزیدؒ اور اُن کے دوسرے اُموی عزیزوں سے ہوئیں۔ ورنہ یوں تو بنو ہاشم و بنو

اُمیہ میں مناکحت ومصاہرت کا سلسلہ بوجہ ہم جد ہونے کے قبل اسلام سے جاری تھا۔ حضرت علیؓ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ بن عبدالمطلب حضرت معاویہؓ کے حقیقی چچا حارث بن حرب بن اُمیہ کو بیاہی گئی تھیں۔ اس اُموی شوہر کے انتقال کے بعد عقد ثانی العوام بن خویلد سے ہوا جن سے حضرت زبیرؓ حواری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ دوسری پھوپھی حضرت علیؓ کی البیضا اُم حکیم بنت عبدالمطلب کی شادی بھی اسی خاندان میں کریز بن ربیعہ سے ہوئی تھی۔ حضرت علیؓ کی یہ پھوپھی حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی حقیقی نانی تھیں۔ اس رشتہ سے حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کے ماموں تھے۔ پھر حضرت معاویہؓ کی پھوپھی اُم جمیل (حمالتہ الحطب) حضرت علیؓ کے چچا ابولہب کی زوجہ ہونے کی بناء پر ان کی چچی تھی۔

اسلام کے بعد سے ان دونوں خاندانوں میں قرابتوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ صفین اور کربلا کے بعد خاص کر حضرت علیؓ اور حضرت حسنؓ وحسینؓ اور ان کے سوتیلے بھائیوں جناب عباس ومحمد الحنفیہ اور ان کی حقیقی بہن سیدہ زینبؓ کی اولاد کے رشتے اُموی ومروانی خاندان میں بدستور ہوتے رہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تین صاحبزادیوں کے رشتے اسی خاندان میں کئے اور اپنا ایک نکاح بھی آپ ﷺ نے حضرت ابوسفیانؓ کی صاحبزادی اُم المومنین اُم حبیبہ صلوات اللہ علیہا سے اُس زمانہ میں کیا تھا جب مکہ فتح نہیں ہوا تھا اور یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

عَسَى اللَّهُ أَن يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُم مِّنْهُم مَّوَدَّةً. (الممتحنة: ۷)

''شاید اللہ تمہارے اور اُن کے درمیان جو تم سے عداوت رکھتے ہیں محبت پیدا کردے۔''

ابوجعفر البغدادی متوفی ۲۴۵ھ اپنی کتاب ''المحبر'' میں لکھتے ہیں:

وکان ذلک حین افتتح مکة وقد کان نزل علیه:

فکانت المودة تزوج رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلّم اُم حبیبة بنت ابی سفیان. فلان ابو سفیان لرسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه . فتلک المودة.

''پس اسی محبت کی خاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کی دختر اُم حبیبہ سے نکاح کیا، جس کی وجہ ابوسفیان (کے دل میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نرمی پیدا ہوئی پس یہی محبت کا موجب تھی۔'' (المحبر ص ۸۹)

جب اس نکاح کی خبر کسی نے ابوسفیان کو آ کر سُنائی، اُنہوں نے کہا: ''اچھا ہوا محمد اس کے بہت اہل ہیں۔'' یہ بات سیدنا ابوسفیانؓ کے کفر کے زمانہ کی ہے۔

صلح حدیبیہ کے بعد سے کفار قریش کی آمد و رفت اور میل جول مہاجرین و اہل مدینہ سے ہونے لگا تھا۔ ابوسفیانؓ اور اُن کے بیٹے حضرت اُم حبیبہؓ کے یہاں آتے جاتے تھے۔ کتاب نسب قریش میں یہ روایت بسند صحیح موجود ہے کہ ایک مرتبہ ابوسُفیانؓ بیٹی سے ملنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں گئے۔ آپ ﷺ سے اور اُن سے دورانِ گفتگو ہو رہی تھی، پاس کے لوگوں نے سُنا کہ آنحضرت ﷺ اُن سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہے ہیں۔ قبائل عرب کی حلیفی کا ذکر تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ابوحنظلہ (ابوسفیانؓ کی کنیت) کیا تم بھی ایسا کہتے ہو؟ یعنی کفار قریش کا زعم تھا کہ ان کی وجہ سے قبائل عرب آنحضرت ﷺ سے کھچے کھچے رہیں گے۔ آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ تم سے تو میری قرابت ہے تم اُن کے ہم نوا کیوں ہو۔ اُسی زمانہ میں یعنی فتح مکہ سے قبل ہی اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور حضرت ابوسفیانؓ نے اسلام قبول کیا۔ منافقین نے اس غلط روایت کو بہت شہرت دی کہ فتح مکہ کے زمانہ میں حضرت عباسؓ نے آنحضرت ﷺ کے فرمانے سے اُن کو ایسی جگہ کھڑا کیا تھا تا کہ لشکر اسلام کی شان و شوکت دیکھیں اور اسلام لائیں حالانکہ یہ قطعاً باطل ہے۔ وہ اس سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے اور اس نوید کے ساتھ اُن کو مکہ بھیجا گیا تھا کہ ''من دخل دار ابی سفیان فھو آمن۔'' یعنی جو ابوسفیانؓ کے گھر میں پناہ لے وہ محفوظ ہے۔

فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں رہی تھی مگر حضرت ابوسفیانؓ اور اُن کے صاحبزادوں کو آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں رکھا۔ جس سے ثابت ہے کہ وہ فتح مکہ سے پہلے ہی اسلام لائے تھے۔ پھر اُن کو نجران کا والی مقرر کیا۔ وہی نجران جہاں رومی اقتدار بھی پوری طرح مضمحل نہیں ہوا تھا۔

ایسے سرحدی علاقے پر نہایت معتمد اور مخلص مدبّر ہی متعین کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ اسی عظیم ترین اعتماد کی بناء پر آنحضرت ﷺ نے یہ عہدہ جلیلہ ان کو عطا فرمایا تھا۔ اسی طرح اُن کے فرزند حضرت یزیدؓ کو تیماء کا والی مقرر کیا اور وحی الٰہی کی کتابت کیلئے بھی اُن میں سے ایسے ہی مخلص ترین شخص کا انتخاب کیا جا سکتا تھا۔ جس کی عظمت ایمانی و طہارت قلبی مسلّم ہو۔ چنانچہ آپ کے کاتبان وحی میں حضرت معاویہؓ شامل تھے۔ منافقین قبحھم اللہ کہتے ہیں کہ اُنہیں کتابت وحی کیلئے نہیں بلکہ سرکاری خط و کتابت کیلئے مقرر کیا تھا۔ گویا ان کے نزدیک نبی کی رسالت اور نبی کی امامت میں کوئی ایسا فرق ہے کہ اس کیلئے امانت و ایمان ضروری نہ ہو۔ مگر کون کہہ سکتا ہے کہ قیصر و کسریٰ وغیرہ کو جو نامہ ہائے مبارک لکھے گئے وہ وحی الٰہی کے تحت نہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان اُموی خسر حضرت سفیانؓ اور اُن کے خاندان کو مدینے میں رکھا اور عہدہ ہائے جلیلہ پر فائز کیا۔ حضرت ابو سُفیانؓ غزوہ طائف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے ایک آنکھ کفار کے تیروں سے شہید ہوئی۔ طائف کا بت خانہ اُنہوں نے ہی توڑا تھا۔ یرموک کے جہاد میں دوسری آنکھ بھی راہِ خدا میں نذر ہوگئی۔ وہ شام کے جہادوں میں جہاں اُن کے فرزند کو حضرت صدیق اکبرؓ نے امیر عسکرِ اسلامی کی حیثیت سے متعین کیا تھا نہایت بہادری سے دادِ شجاعت دیتے رہے۔ پھر حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت معاویہؓ کو اُن کے بھائی حضرت یزیدؓ کے طاعون عمواس میں فوت ہو جانے پر ان کی جگہ متعین کیا۔ انہوں نے اس خوبی اور عدل و تدبر سے اس اہم سرحدی علاقہ کا انتظام کیا کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنی تمام مدت خلافت میں صرف انہی کو برابر اس عہدہ پر قائم رکھا۔ حالانکہ اُنہوں نے کسی عامل کو جن میں کبار صحابہؓ شامل تھے اس طرح ہمیشہ ایک جگہ قائم و متعین نہیں رہنے دیا۔

حضرت اُم المومنین اُم حبیبہؓ کے رشتے سے حضرت معاویہؓ حضرت فاطمہ زہرہؓ کے ماموں اور اُن کے صاحبزادوں حضرت حسنؓ و حسینؓ کے نانا ہوتے تھے۔ اپنے ایام خلافت میں حضرت معاویہؓ اور اُن کے فرزند امیر المومنین یزیدؒ نے اُن سے جو حسن سلوک کیا، گرانقدر وظائف و عطایا مقرر کئے اُن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کے بعد جو فتنہ اُٹھا اور

نوبت جنگ وجدل تک پہنچی اور بعد میں صلح ہوئی، وہ سیاست تک محدود رہی۔بعض لوگوں کا یہ بیان کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان جو مخالفت پیدا ہوئی اُس کا سبب یہ تھا کہ اُن کی اولاد میں بھی اسی شدت کے ساتھ جھگڑے ہوتے رہے جبکہ حقائق تاریخ کے قطعاً خلاف ہیں۔صفین اور کربلا کے بعد کی قرابتیں ان لوگوں کے اس دعوے کے بطلان کیلئے کافی ہیں۔

ہاشمی واُموی زوجین کیلئے یہ رشتے اوران کی طرح کے اور رشتے جن کی تفصیلات راقم الحروف کی دوسری تالیف میں پیش کی گئی ہیں، مبارک ثابت ہوئے۔اولادیں ہوئیں، نسلیں چلیں۔عثمانی وسفیانی ومروانی گھرانوں میں علوی وحسنی نواسے نواسیاں اورحسنی وحسینی گھرانوں میں اُموی ومروانی نواسے نواسی صفین وکربلا کے بعد پیدا ہوئے، بڑھتے پھولتے پھلتے رہے۔ جناب عباس بن علی کے نواسے علی بن عبداللہ بن خالد بن یزید فخریہ کہا کرتے تھے کہ: ''میں شیخان (سرداران) صفین کا پوتا ہوں۔''

یہ قرابتیں زندہ ثبوت ہیں ان دونوں خاندانوں کی آپس کی محبت ومودّت کا اتحاد و اتفاق کا نہ کہ مخاصمت وعناد کا، جس کے بارے میں وضاعین نے بے بنیاد روایتیں وضع کیں، کتابیں درج کیں اور زمانہ مابعد میں سیاسی اختلافات کو مذہب کا جامہ پہنانے اور واقعات تاریخ کو مسخ صورت میں پیش کرنے کی طرح طرح سے کوششیں کی گئیں۔

راس الحسینؓ :

حادثہ کربلا کے بعد ان کی قرابتوں اور شادی بیاہ کے رشتوں کے ہوتے ہوئے جن کی تفصیلات اوپر پیش ہوچکی ہیں۔اوران ہی میں ان ہاشمیوں کی اولاد کی قرابتیں بھی شامل ہیں جو یا تو کربلا میں مقتول ہوئے تھے جیسے جناب عباس بن علی یا مجروح ہوکر صحیح سلامت واپس آئے تھے جیسے حسن مثنیٰ داماد حضرت حسینؓ۔مظالم کربلا کی اگر کچھ بھی اصلیت ہوتی تو یہ کیونکر ممکن ہوسکتا تھا کہ کربلا کے بعد بھی یہ ہاشمیہ وعلویہ وحسینیہ خواتین اسی خاندان میں اوران ہی اُمویوں اورسفیانیوں کو بیاہی جاتیں اوران ہی کی شریک زندگی بنتیں جن کے قریب ترین عزیزوں نے، جن کے باپ

دادا نے، جن کے تایا، چچا نے جیسا بیان کیا جاتا ہے ان ہاشمیہ وعلویہ وحسینیہ خواتین کے قریبی عزیزوں کو، ان کے باپ دادا کو، ان کے تایا چچا کو ایک ایک بوند پانی سے تڑپا تڑپا کر پیاسا مارا ہو، بھیانک سے بھیانک مظالم توڑ کر قتل کرایا ہو، ان ہی خواتین کی دادیوں نانیوں کو، خاندانِ رسالت کی محذرات، پردہ عصمت کو بے پردہ اور مشکوف الوجوہ پھروایا ہو، مقتولین کے سر کٹوائے ہوں، ان کی تشہیر کروا کر اپنے پاس منگوائے ہوں، ان بے جانوں کے ہونٹوں اور دانتوں پر قمچیاں ماری ہوں، ان کے سروں کو خزانے کے صندوقوں میں بند کر کے رکھا ہو، نعشوں کی اس درجہ بے حرمتی کروائی ہو کہ گھوڑوں کی ٹاپوں سے سینہ و پشت چکنا چور کرا کے بے گور وکفن ڈلوا دیا ہو، پس ماندگان کو لٹوا کر قیدیوں کی طرح تشہیر کروائی ہو۔ غرض یہ کہ درندگی اور بہیمیت کا کائی دقیقہ باقی نہ چھوڑا ہو تو ان حالات میں ایسے خونخوار قاتلوں اور ایسے سفاک وخون آشام خاندان والوں سے کیا یہ ہاشمیہ و علویہ وحسینیہ خواتین اگر ذرہ بھر بھی اصلیت مظالم کی ان وضعی روایتوں کی ہوتی کسی حال میں اور کسی صورت میں بھی اپنی شادی بیاہ کے رشتوں کو، مناکحت ومصاہرت کے خیال تک کو گوارا کر سکتی تھیں؟ صنف نازک خصوصاً ہاشمیہ خواتین کی غیرت وحمیت کو زمانہ جانتا ہے جان جائے پر آن نہ جائے۔ پھر ان کی رگوں میں تو ان اسلاف کا خون دوڑتا تھا جن کو اپنی عزت نفس کی خاطر جانیں تک دے ڈالنے میں زر ومال کو پشیز دنیاوی کے برابر بھی نہ سمجھتے تھے ان ہی کی زبانِ حال سے تو کہا گیا ہے۔

عرقِ غیرت تھی دلیل اپنی شرافت کی نہ مال!
جھینپتی ہے جس سے دولت وہ شرافت ہم میں تھی

ساری دنیا کی دولت بھی ملتی تب بھی یہ رشتے اگر داستان ہائے مظالم کی ذرّہ بھر حقیقت ہوتی ہرگز قبول ومنظور نہ ہوتے۔ اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ مظالم کربلا کی یہ ساری داستانیں جو آب وتاب سے بیان کی جاتی ہیں محض کذب وافتراء ہیں یا پھر کربلا کے بعد کے ان رشتوں اور قرابتوں کی تفصیلات صحیح نہیں۔ مگر ان کی صحت وصداقت واصلیت کا واضح وبیّن اور جیتا جاگتا ثبوت قطع نظر تصریحات کتب انساب وتاریخ کے وہ اولادیں ہیں جو ان رشتوں سے

عالم وجود میں آئیں اور ان سے نسلیں چلیں اور باقی رہیں۔ ابھی آپ جناب عباس بن علی برادرِ حسینؓ کی حقیقی پوتی سیدہ نفیسہ بنت عبیداللہ بن عباس بن علی بن ابی طالب کے امیر المومنین یزیدؒ کے حقیقی پوتے عبداللہ بن خالد بن یزید کے حبالہ عقد میں آنے کا حال پڑھ چکے ہیں ان کے بطن سے کئی بیٹے ہوئے جن سے نسلیں چلیں۔ اس ہاشمیہ خاتون کے والد عبیداللہ جو تقریباً بارہ برس کی عمر کے اپنے والدین کے ساتھ کربلا میں بذاتِ خود موجود تھے۔ سب واقعات ان کے اپنی آنکھوں دیکھے تھے پس اگر منع آب اور وحشیانہ مظالم کی کچھ بھی اصلیت ہوتی تو ''سقائے اہل بیت'' کے یہ فرزند دلبند اپنی نور دیدہ کو اس گھر میں بیاہ کر کیوں اور کس دل سے بھیج سکتے تھے، جہاں اُن کے والد ہی کا کٹا ہوا سر لا کے رکھا گیا ہو، جہاں اُن کے چچا حضرت حسینؓ کے سر کی بے حرمتی کی گئی ہو، جہاں اُن کے دوسرے چچاؤں اور عزیزوں کے سروں کا ایک انبار لگ گیا ہو۔ ان رشتوں کی اور ان حالات کی روشنی میں مقتولین کو ظلم و جور سے قتل کرانے، سر کٹوا کر منگوانے کی روایتیں کیا محض غلط اور بے اصل اور اختراع نہیں؟ نہ کوئی باقاعدہ جنگ ہوئی نہ مقتولین کے سر جسم سے جدا ہوئے نہ اس کی تشہیر کی گئی۔ وہ ایک حادثہ المیہ تھا جو برادران مسلم اور ان کے ساتھ چند کوفیوں کے فوجی دستہ پر ناعاقبت اندیشانہ حملہ کر دینے سے یکا یک پیش آ گیا اور گھنٹے آدھ گھنٹے میں ختم ہو کر فریقین کے مقتولین کو نماز جنازہ پڑھ کر دفن کروا دیا گیا تھا۔

سبائی راویوں نے جن کی یہ روایتیں ہی اصل ماخذ ہیں اس حادثہ کے حالات کا اپنے مقاصد کیلئے وہ انبار لگایا ہے کہ رائی کا پہاڑ بنا دیا ہے۔ درایتاً نظر ڈالی جائے تو بآسانی مستور حقیقت منکشف ہو جاتی ہے۔ علامہ شبلی نعمانی نے ''موازنہ انیس و دبیر'' میں ایک موقع پر واقعات کربلا کے بارے میں لکھا ہے کہ:

> ''کربلا کے واقعات جو امیر انیس اور تمام مرثیہ گویوں کے موضوع شاعری میں جہاں تک تاریخ اور روایت سے ثابت ہوتا ہے نہایت مختصر ہیں۔ معرکہ کے لحاظ سے اس واقعہ کربلا کی صرف یہ حیثیت ہے کہ ایک

طرف سوسوا سو آدمی تشنہ لب اور بے سروسامان تھے، دوسری طرف تین چار ہزار کا مجمع تھا جو دفعتہً ٹوٹ پڑا اور تین گھنٹے میں لڑائی کا خاتمہ ہوگیا۔''

علامہ موصوف کے پیش نظر 'قال ابومخنف' والی روایتیں ہوں گی۔ جن کی بھرمار طبری میں ہے اور طبری سے دوسروں نے اخذ کیا ہے ورنہ ان حقائق پر توجہ فرماتے جو ان اوراق میں پیش کئے گئے ہیں تو نہ تشنہ کا ذکر فرماتے نہ تین چار ہزار کے دفعتہً ٹوٹ جانے کا۔ خود ابو مخنف کی ایک وضعی روایت میں جو امیرالمومنین کی خدمت میں حادثہ کی رپورٹ پیش ہونے کے بارے میں ہے۔ کہا گیا ہے کہ:

'' فو اللّٰہ یَا أَمِیرَ الْمُؤمِنِینَ مَا کَانَ الا جزر جزور أو نومة قائل.''

(ص ۲۶۶ ج ۶' طبری)

'' واللہ اے امیرالمومنین یہ معاملہ بس اتنی سی دیر میں ختم ہوگیا جتنی دیر میں اونٹ کو صاف کرتے ہیں یا جتنی دیر میں آنکھ جھپک جائے۔''

اس اعتبار سے بھی گھنٹہ آدھ گھنٹہ ہی کا معاملہ ہوسکتا ہے۔ مؤلف ناسخ التواریخ نے '' درذکر دفن شہدائے بنی ہاشم درکربلا'' کے عنوان سے یہ تو تسلیم کیا ہے کہ حضرت حسینؓ کے کفن ودفن کا انتظام اُن کے صاحبزادے علی بن الحسینؒ (زین العابدین) نے کیا تھا کیونکہ ایک امام کی تدفین وتکفین دوسرے امام کے سوائے اور کوئی نہیں کرسکتا اور اُس وقت سوائے '' امام زین العابدین'' کے روئے زمین پر کوئی دوسرا امام نہ تھا۔ ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں کہ تیسرے دن یعنی ۱۲ محرم کو باعجاز امامت کوفہ سے پوشیدہ طور سے کربلا آئے نماز جنازہ پڑھی اور دفن کرکے لوٹ گئے۔

'' ہنگام دفنِ پدر حاضر شد و براں جسد مبارک نماز بگذاشت وامر اورا کفایت کرد و مراجعت نمود۔'' (ج ۶ کتاب دوئم ص ۳۱۸)

'' اپنے والد کے دفن میں موجود رہے اور اس جسد مبارک پر نماز پڑھی اور ان کے کام (تدفین) کو پورا کیا اور لوٹ گئے۔''

بہر حال نماز جنازہ پڑھ کر دفن کیا جانا ثابت ہے۔ جب اس حادثہ کی اطلاع ہوئی کوفہ سے لوگ نماز جنازہ میں شریک ہوئے۔ حضرت خالدؒ[1] بن عقبہ بن ابی معیطؓ اُموی صحابی جو کوفہ میں ساکن تھے حضرت حسینؓ کے جنازے میں شریک ہوئے تھے۔ (جمہرۃ الانساب ص ۱۰۶) تو کیا سر بریدہ لاشوں کی نماز جنازہ ادا کی گئی تھی؟ انہی راویوں کے دوسرے بیانات سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ مقتولین میں سے نہ کسی کا سر کاٹا گیا نہ تشہیر کی گئی۔ امام ابن تیمیہؒ نے سر حسینؓ کے یزیدؒ کے پاس بھیجے جانے سے انکار کیا ہے۔ (الوصیۃ الکبریٰ ص ۳۰۰)

خود یہ روایتیں ہی خصوصاً مقتولین اور حضرت حسینؓ کے سر کی تدفین کی اس درجہ متضاد ہیں کہ اپنی تکذیب آپ ہی کرتی ہیں۔ مثلاً تدفین ''راس الحسین'' کے سات آٹھ مقامات مختلف دیار و امصار میں بیان کئے جاتے ہیں جن کی تصریحات ناسخ التواریخ وغیرہ سے اخذ کر کے ذیل کی جدول[2] میں درج کی جاتی ہیں۔ علامہ ابن کثیر نے بیان کیا ہے کہ سر کے جسم سے جدا کرنے کی روایت متفق علیہ نہیں اور یہ بالکل بدیہی ہے کہ اگر خدانخواستہ ایسا ہوتا تو ایک سر کی تدفین مختلف مقامات پر کیوں کر ممکن ہو سکتی تھی۔

نمبر شمار	مقام تدفین	کیفیت تدفین کی وضعی روایات
۱	کربلا	حضرت حسینؓ کے صاحبزادے علی بن الحسینؒ کو اُن کے والد اور دوسرے مقتولین کے سر سپرد کئے گئے انہوں نے چالیس دن بعد کربلا آ کر دفن کئے۔ (ص ۳۷۸ ج ۱۲ از کتاب دوم)

[1] ان کی بہن اُم کلثومؓ بھی صحابیہ و مہاجرہ تھیں۔ حضرت زید بن حارثہؓ کی زوجیت میں تھیں اور بھائی ان کے ولید بن عقبہ کوفہ کے والی رہے تھے۔ حضرت خالد کی اولاد میں متعدد اشخاص محدث فقیہہ ہوئے ان میں سے چند اندلس جا بسے تھے۔ ان ہی میں عبداللہ بن عبیداللہ تھے جو دس واسطوں سے حضرت خالدؓ کے پوتے تھے۔ اندلس کے الجزائر شرقیہ میں ان کی بیعت خلافت بھی ہوئی تھی۔

[2] دیگر تالیفات میں اور بھی متعدد مقامات بیان کئے گئے ہیں۔ اُن سب کو شمار میں لایا جائے تو دس بارہ مقامات کا اور اضافہ ہو جائے گا۔

نمبر شمار	مقام تدفین	کیفیت تدفین کی وضعی روایات
۲	مدینہ	عامل مدینہ کے پاس سر بھیج دیا گیا وہاں بھی دو جگہ تدفین بیان کی گئی ہے۔ (۱) حضرت فاطمہؓ کے پہلو میں جنت البقیع میں۔ (۲) حضرت حسنؓ کے پہلو میں جو قبہ حضرت عباسؓ عم رسول اللہ میں مدفون ہیں۔
۳	دمشق	تین دن تک دمشق کے دروازہ پر مصلوب رکھ کر باب الفرادیش دمشق میں دفن ہوا۔
۴	عسقلان	دمشق کو جب سر بھیجے جا رہے تھے وہاں کے عامل نے سر حسینؓ لے کر وہیں دفن کر دیا تھا۔
۵	نجف	ملک شام کو جب یہ سر جا رہے تھے تو ایک غلام نے حضرت کا سر چُرا لیا۔ (غلامے آں سر مبارک سرقت نمود۔ ص ۳۷۷ ج ۲) ناسخ التواریخ میں ہے کہ علیؓ کے پہلو میں دفن کر دیا۔
۶	خزانہ یزید میں تین برس تک محبوس رہ کر مقابر مسلمین میں دفن ہوا۔	سلیمان بن عبدالملک متوفی ۹۹ھ نے خزانہ بنی اُمیہ سے یہ سر حسب الحکم آنحضرت ﷺ جو خواب میں ملا تھا، نکال کر مقابر مسلمین میں دفن کرا دیا۔
۷	خزانہ بنی اُمیہ میں ۷۵ برس محبوس اور کسی میدان میں دفن ہوا۔	۱۳۳ھ میں عباسیوں کی فوج نے جب خزانہ بنی اُمیہ لوٹا ایک سپاہی کو ایک تھیلی ملی کھول کر دیکھا پارچہ حریر میں لپٹا ہوا یہ سر تھا اور پارچہ پر لکھا ہوا تھا: ھذا راس الحسین، اُس نے دیکھتے ہی اسی میدان میں جہاں تھیلی کھولی تھی دفن کر دیا۔
۸	قاہرہ (مصر)	تقریباً پانسو برس بعد یعنی ۵۴۰ھ میں عبیدیوں کے سپہ سالار نے عسقلان سے منتقل کر کے قاہرہ (مصر) میں دفن کرا دیا جہاں اب شہید حسینؓ کی عالی شان عمارت ہے۔

سر کٹوا کر تشہیر کرانے کی مکذوبہ روایتیں :

سر حسینؓ کے مختلف دیار و امصار میں دفن کئے جانے کی تصریحات کے ساتھ جناب محمد (الباقرؒ) کا یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے کہ:

''الرَّاسُ مَعَ الجسد وَالجَسَدُ مَعَ الرَّاسُ.'' (ناسخ التواریخ ص ۳۷۷)

''یعنی حسینؓ کا سر جسم کے ساتھ ہے اور جسم سر کے ساتھ۔''

یہ بھی کہتے ہیں کہ دمشق سے جب سر واپس ہو کر ابن زیاد کے پاس کوفہ میں آیا تو اس خوف سے کہ کہیں کوئی فتنہ سر نہ نکالے، سر کو نہ کوفہ میں دفن کرایا نہ کربلا میں بلکہ نجف میں قبر علیؓ میں دفن کرا دیا۔ چونکہ علی و حسین نور واحد ہیں اس لئے سر اپنے ہی جسم سے پیوستہ رہا ''پس آن سر ہمایوں با جسد خویش پیوستہ است''۔ (ایضاً) مگر مؤلف ''مجاہد اعظم'' نجف میں سر کے دفن کئے جانے کی روایت کو مستند نہیں سمجھتے اور یہ بیان کرتے ہیں کہ:

''اُس زمانہ میں جناب امیرؓ کے مزار پُر انوار کا حال سوائے ائمہ اہل بیت کے کسی اور شخص کو معلوم نہ تھا۔''[1] (ص ۳۰۲)

---

[1] مؤرخین نے حضرت علیؓ کی تدفین کے بارے میں مختلف روایتیں لکھی ہیں۔ ایک یہ کہ حسنؓ جب عراق سے مدینہ جانے لگے تو اپنے والد ماجد کی نعش کو صندوق میں رکھ کر کافور وغیرہ ڈال کر اونٹ پر بار کرایا تا کہ مدینہ میں اپنی والدہ محترمہ کے پہلو میں دفن کریں۔ یہ شہرت تو عام طور سے پھیل گئی تھی کہ بڑا خزانہ بھی ساتھ لے جا رہے ہیں۔ بنی طے کے علاقہ سے جب قافلہ گزرا رات کو کوڈاکہ پڑا۔ یہ سمجھ کر صندوق میں بھی مال ہے، ڈاکو وہ اونٹ بھی ہانک کر لے گئے۔ پھر پتہ نہ چلا کہ ڈاکوؤں نے میت کا کیا کیا کہاں دفن کرا دیا۔ خطیب بغدادی اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نجف میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی قبر ہے۔ اگر روافض کو معلوم ہو جائے کہ یہاں کس کی قبر ہے تو وہ سنگباری کریں۔ (ج ۱، ص ۱۳۸)۔ ابن خلکان میں بھی اسے حضرت مغیرہؓ کی قبر بتایا ہے کیونکہ قبر علیؓ کا پتہ نہیں فان علیا لا یعرف قبرہ۔ صاحب عمدۃ الطالب نے کہا ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید کو حضرت علیؓ کی ایک کرامت سے آپ کی اس قبر کا حال معلوم ہو گیا۔ اُنہوں نے قبر بنوائی تھی پھر عضد الدولہ دیلمی نے یہ مزار بنوا دیا مگر بقول دے خوئے: جگہ نامعلوم ہے جہاں علیؓ دفن ہوئے۔ (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا گیارھواں ایڈیشن)

یہ تاریخی حقیقت بھی ہے کہ قبر علیؓ کے وجود کا تین سوا تین سو برس تک کسی کو علم نہ تھا۔ بنی بویہ کے عہد امیر الامرائی میں عضد الدولہ دیلمی متوفی ۳۷۳ھ نے نجف میں یہ مزار بنوایا تھا۔ ظاہر ہے کہ جب قبر علیؓ کا حال معلوم ہی نہ تھا تو تدفین سر کی یہ حکایت محض وضعی ہے اور اسی سے اُس روایت کی بھی تکذیب ہو جاتی ہے کہ کوفہ سے جب مقتولین کے سر دمشق جا رہے تھے تو ایک غلام نے سر حسین چرالیا۔ آں سر مبارک را دزدید (حیات القلوب ص ۵۶۶) اور قبر علیؓ میں دفن کر دیا۔ سر چُرا بھی لیا ہو تو راہ دمشق سے قریب تر مقام کربلا ہی تھا۔ (اُسے چھوڑ کر نجف میں جہاں قبر علیؓ کا اُس زمانہ میں نام و نشان بھی نہ تھا کیسے دفن کر دیا۔ مؤلف) مؤلف ''مجاہد اعظم'' اسی سلسلہ میں یہ بھی کہتے ہیں کہ:

''جہاں تک اپنے قیاس اور اجتہاد سے کام لیتے ہیں ہمیں اقرب الی الصورت یہی معلوم ہوتا ہے کہ فرق منور جسد کے ساتھ ایک ہی مقام پر دفن ہے۔'' (ص ۳۰۲)

نجف و مدینہ و عسقلان و قاہرہ میں سر کے مدفون ہونے کی روایتوں کو وہ ''یقینی اور متفقہ'' نہیں سمجھتے اور یہ بھی نہیں مانتے کہ علی بن الحسینؒ (زین العابدین) نے دوبارہ کربلا آ کر دفن کیا ہو۔ کیونکہ بقول ان کے وہ دوبارہ کربلا آئے ہی نہیں۔ اس لئے مؤلف موصوف کہتے ہیں کہ:

''ہم کو اس روایت کے کہ عمر بن عبدالعزیز نے آپ کے سر مبارک کو دمشق سے بلا کر بھجوایا مان لینے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔'' (ص ۳۰۳)

اب اس روایت کو بھی سُن لیجئے جس کے ''مان لینے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں''، وہ روایت یہ ہے:

''چوں نوبت (خلافت) بعمر بن عبدالعزیز افتاد از مدفن او (سر حسین) محض نمود و آں زمین را نبش کرد و آں سرِ مبارک را ماخوذ داشت و کس ندانست کہ بآں سر چہ صنعت کرد چوں گماں میرودِ کہ دیندار بود تواند شد کہ کربلا فرستاد و با جسد مطہر ملحق ساخت۔''

(ناسخ التواریخ ج ۱۶ از کتاب دوم ص ۳۷۸)

جب نوبت (خلافت کی) عمر بن عبدالعزیز تک پہنچی (سر حسین) کے مدفن کی تحقیق وتلاش کی اور اس زمین کو کھدوایا اور اس سرِ مبارک کو قبضہ میں کیا لیکن پھر کسی نے یہ نہ جانا کہ اس سر کے ساتھ کیا کیا گیا۔ چونکہ گمان یہ ہوتا ہے کہ وہ دین دار شخص تھے ہوسکتا ہے کہ کربلا بھجوادیا ہو اور جسم مطہر کے ساتھ ملحق کردیا ہو۔

امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز اُموی کا زمانہ خلافت ۹۹ھ سے ۱۰۱ھ تک کل دو برس پانچ مہینے رہا یعنی حادثہ کربلا کے تقریباً چالیس برس بعد۔ اگر اس روایت کے مان لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں تو ساتھ ہی یہ بات بھی مان لینے کی ہے اس مدت چہل سال میں چند ہڈیوں کے سوا اور کیا باقی رہا ہوگا جو دمشق اور کربلا کے مدفنوں کو یوں کھدواڈالا جاتا۔ اور یہ کام بھی وہ اُموی خلیفہ کرتے یا کراتے جو عالم فاضل تھے، زمرہ تبع تابعین میں شامل تھے اور شخصیت پرستی کی توہمات سے بالا تھے۔

مؤلف موصوف اس بارے میں مزید تفحص سے کام لیتے تو انہیں یہ بات بھی مان لینے کے سوا چارہ نہ ہوتا کہ مقتولین کے سر نہ جسم سے جدا کئے گئے اور نہ تشہیر کرائی گئی۔ خود مُلا باقر مجلسی اس بات کا اعتراف کرنے کے بعد کہ:

''در سرِ مبارک سیّد الشہداء خلاف میان عامہ بسیار است و ذکر اقوال ایشاں فائدہ ندارد۔'' فرماتے ہیں کہ:

حضرت رسول آں سرِ گرامی را با خود بردو درآں شکے نیست کہ آں سر و بدن با شرف اماکن منتقل گردیدو در عالم قدس بیکدیگر ملحق شد ہر چند کہ کیفیت آں معلوم نشد۔
(جلاء العیون ص ۵۰۴)

حضرت رسول صلعم اس سرِ گرامی کو اپنے ساتھ لے گئے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ سر اور بدن (دونوں) اشرف اماکن کو منتقل ہوگئے اور عالم قدس میں ایک دوسرے سے ملحق ہوگئے ہر چند اس کی کیفیت کسی کو معلوم نہ ہوسکی۔

مُلا صاحب کے اس ارشاد کے ساتھ طرماح بن عدی کی وہ ''حدیث'' بھی پیش نظر رکھئے جو ابومخنف نے روایت کی ہے۔یعنی طرماح کہتے ہیں کہ:

''میں کشتگان یوم طف کے درمیان سخت زخمی پڑا تھا۔کوئی مجھے زندہ نہ جانتا تھا کہ اتنے میں دیکھتا ہوں کہ بیس سوار سفید لباس پہنے ہوئے پہنچے اور آتے ہی تمام میدان مشک کی خوشبو سے مہک اُٹھا۔میں نے سمجھا کہ یہ عبیداللہ بن زیاد ہوگا اور چاہتا ہوگا کہ ''تن مبارک حسینؓ'' کو مثلہ کرے کہ ان سواروں میں سے ایک سوار جسد حسین کے پاس گھوڑے سے اُتر پڑے اور بیٹھ گئے۔اس وقت کہ سر ہائے شہداء کو کوفہ کی جانب لے جارہے تھے،اُن صاحب نے کوفہ کی جانب اشارہ کیا کہ ناگاہ سرِ حُسینؓ آن پہنچا اور ان کے جسم کے ساتھ ملحق ہوگیا۔سرِ حسینؓ دررسیدہ باتنش ملحق گشت۔''

(ناسخ التواریخ)

طرماح کا بیان ہے کہ اُن صاحب نے اس کے بعد یہ الفاظ کہے:

''یا ولدی قتلوک اتراھم ما عرفوک ومن شُرب الماء منعوک.''

یعنی: اے میرے بیٹے! دیکھا تجھے قتل کردیا، تجھے نہ پہچانا اور تجھے پانی منع کردیا۔یہ کہہ کر اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوکر کہا:

یا ابی آدم و یاابی ابراھیم و یا ابی اسمعیل و یا احی موسیٰ و یا اخی عیسیٰ اما ترون ما صنعت الطغاۃ بولدی. لا انالھم اللّٰہُ شفاعتی. (ص۳۱۱ایضاً)	اے بابا آدم اور اے دادا ابراہیم اور اے ابا اسمعیل اور اے بھائی موسیٰ اور اے بھائی عیسیٰ! دیکھا تم نے کہ باغی ظالموں نے میرے بیٹے کے ساتھ کیا کیا۔اللہ ان کو میری شفاعت سے محروم رکھے۔

طرماح کا کہنا ہے کہ یہ سُنتے ہی میں سمجھ گیا کہ یہ تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اور ان کے ساتھ یہ سب انبیاء ہیں۔

اب دیکھئے کہ راویوں کے بیان ہی سے ثابت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

معجزے سے اور انبیاء کرام خصوصاً باوا آدم علیہ السّلام کی موجودگی میں سر حسین جسد حسین سے پیوست وملحق ہوگیا تھا۔ ایک اور روایت کے بموجب اُم المومنین اُم سلمہؓ[1] سے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا تھا کہ میں حسین کو دفن کر کے آیا ہوں۔ نیز ملا باقر مجلسی کے بموجب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس کو اپنے ساتھ لے گئے اور عالم قدس میں سر و بدن دونوں پیوست ہوکر جا پہنچے تھے نیز جب علی بن الحسینؒ باعجاز امامت کربلا پہنچے تھے اور ''متصدی کفن و دفن'' ہوکر اپنے والد کے جنازے کے نماز پڑھی تھی اور تدفین کر کے لوٹ گئے تھے۔

علاوہ بریں جب ابومخنف کی روایتوں میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جناب فضہ خادمہ حضرت زہرا عراقی شیر ''ابوالحارث'' کو آپ کے جسم بے جان کی حفاظت کیلئے آئیں تھیں اور اس ہیبت ناک شیر کو دیکھتے ہی عمر بن سعدؓ اور اُن کے فوجی جو سر کاٹنے آئے تھے ڈر کر یہ کہتے ہوئے بھاگ گئے تھے کہ یہ فتنہ ہے اسے مت چھیڑو۔ رالشکر را گردانید وازیں عزیمت برگشت (جلاء العیون ص ۴۷۵)۔ جب یہ لوگ سر کاٹ لینے کے ارادے سے بھی پلٹ گئے تھے اور قبل تدفین جب لاش کی خود حضرت علیؓ بصورت شیرے ھائل المنظر و ھیبتے عظیم حفاظت کرتے رہے تھے (ناسخ التواریخ ص ۴۰۳) تو بریدن سر مبارک کی اور مختلف دیار اامصار میں اس کی تشہیر کی روایتیں کیا محض وضعی ومن گھڑت نہیں ہیں۔

علاوہ ازیں یہ سب روایتیں تو حضرت حسینؓ ہی کے ایک سر کے بارے میں ہیں دیگر مقتولین کے سروں کی تدفین کا کہیں کسی تاریخ وتذکرے میں مطلق کوئی ذکر نہیں۔ خود مؤلف مجاہد اعظم کہتے ہیں:

''دوسرے شہدائے کربلا کے سروں کے متعلق تمام تاریخیں خاموش ہیں اس لئے ہم کو بھی بجز خاموش رہنے کے چارہ نہیں۔'' (ص ۳۰۳)

---

[1] اُم المومنین حضرت اُم سلمہؓ جن کا وضعی روایتوں میں ذکر آتا ہے، حادثہ کربلا سے ڈیڑھ برس پہلے وفات پا چکی تھیں۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ: مَاتَت أُمّ سَلَمَةَ زَوجِ النَّبِي صَلَّى اللَّهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ فِي سَنَةِ تِسعٍ وَخَمسِينَ. (الطبقات الکبری)

مگر تعداد ان سروں کی چار پانچ دس تو نہ تھی۔ صاحب ناسخ التواریخ نے اکٹھے چھیاسی (۸۶) سر شمار کرائے ہیں اور کہا ہے کہ چالیس اونٹوں پر لد کر گئے تھے۔ بہر حال تعداد چھیاسی (۸۶) ہو یا بہتّر (۷۲) غیر لوگوں کے سروں کے بارے میں خاموشی رہتی تو اچنبھے کی بات نہ ہوتی مگر خود حضرت حسینؓ ہی کے بیٹوں، بھائیوں، بھتیجوں، بھانجوں، جوانانِ بنی ہاشم ونونہالانِ اہل بیت کے سروں کے بارے میں یہ سب تاریخیں کیوں خاموش ہیں؟ اُن کے سروں کا آخر کیا ہوا؟ یہ سب کہاں دفن ہوئے؟ کس نے دفن کئے؟ کب دفن ہوئے؟ حضرت حسینؓ کے بڑے صاحبزادے علی اکبر تو امیر المومنین یزیدؒ کے رشتے میں بھانجے تھے اُن کے سر کو خلیفہ وقت اور اُن کے اہل خاندان نے کہاں دفن کرایا؟ پھر حضرت حسینؓ کے سوتیلے بھائیوں عبداللہ (محمد الاکبر) و عباس وجعفر وعثمان کے سروں کو تو کہا جاتا ہے اُن کے رشتہ کے ماموں شمر[1] بن ذی الجوشن ہی لے کر گیا تھا، پھر ان بھانجوں کے سروں کا ماموں نے کیا کیا، کہاں دفن کرایا؟ دمشق میں یا شام کے کسی اور مقام میں دفن ہوئے ہوتے تو مدفنوں کا کہیں کچھ تو پتہ نشان ملتا۔ کیا ان سروں کے بارے میں مؤرخین کی خاموشی معنی خیز نہیں۔

---

[1] شمر ذی الجوشن اور حضرت علیؓ کی زوجہ اُم البنین والدہ عباس وعثمان وجعفر وعبداللہ ایک ہی قبیلہ بنو کلاب سے تھے۔ شمر کے جد اعلیٰ معاویہ جس کا لقب الضباب تھا اور اُم البنین کا جد اعلیٰ عامر بن کلاب دونوں حقیقی بھائی تھے (جمہرۃ الانساب ابن حزم ص ۱۶۵)۔ کہا جاتا ہے کہ لڑائی سے پیشتر شمر نے یہ کہہ کر این بنوا اختی عبداللہ و جعفر و عثمان و عباس (کہاں ہیں میرے بھانجے عبداللہ وجعفر وعثمان وعباس) اُنہیں امان دی تھی (ص ۲۴۱ ناسخ التواریخ)۔ شمر اپنے قبیلہ کا ممتاز شخص تھا عراق کی سیاسی پارٹیوں میں سے ایک پارٹی کا لیڈر تھا۔ اس کے مخالفین نے اس پر وحشیانہ شقاوت کے افعال خبیثہ کے جو اتہامات لگائے ہیں خاص کر حضرت حسینؓ کے قتل اور آپ کے سر مبارک کو جسدِ اطہر سے جدا کرنے کے وہ من گھڑت ہیں اور پایہ تحقیق کو نہیں پہنچتے۔ جنگ صفین میں شمر حضرت علیؓ کے کیمپ میں تھا۔ اس کے والد صحابی جلیل تھے (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۸۸)۔ الصحیل بن حاتم بن شمر بن ذی الجوشن الضبابی الکلابی اندلس میں عالی مرتبت ہوا اور صاحب نسل بھی۔ شمر ہی کے ددھیالی رشتہ کے دادا حضرت مولہؓ بن کینف رسول اللہ ﷺ کے صحابی اور حضرت ابو ہریرہؓ کے ہم جلیس ایسے فصیح و بلیغ تھے کہ ''ذو اللسانین'' کہلاتے تھے۔ اسی قبیلہ سے غازی عبدالعزیز بن رارہ تھے جو امیر یزیدؒ کے ساتھ بلاد روم میں عیسائیوں سے جہاد میں مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے ان کے والد سے تعزیت کرتے ہوئے اُنہیں ''سید العرب'' کہا تھا۔

سیدہ سکینہ[1] بنت الحسینؓ جو کوفہ یا کربلا سے دمشق آئیں اور وہاں سے مدینہ۔ حادثہ کربلا کے بچپن (۵۵) برس بعد تک زندہ رہیں۔ وضعی روایتوں میں کہا گیا ہے کہ دمشق کے قید خانہ میں بچپن میں وفات پائی چنانچہ دمشق میں ایک چھوٹی سی مصنوعی قبر بھی اُن کی بتائی جاتی ہے۔ مگر ان ہی سکینہ کے بھائیوں، چچاؤں اور دوسرے عزیزوں کے سروں کے مدفنوں کا کہیں کچھ پتہ نشان نہیں حالانکہ ان کے سر بھی جیسا کہ وضعی روایتوں میں تفصیلاً بیان ہوا ہے اسی قافلہ کے ساتھ دمشق آئے جس میں سکینہ بھی تھیں۔ تو پھر ان سروں کا آخر کیا ہوا، دفن ہوئے یا نہیں۔

مزید براں جب ان تفصیلات کو بھی پیش نظر رکھا جائے جو سروں کے مختلف دیار و امصار میں گشت کرانے کے بارے میں ان سبائی راویوں نے بیان کی ہیں تو ان کے وضعی و من گھڑت ہونے کے متعلق کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ کہتے ہیں کہ یہ سر اس تفصیل سے بھیجے گئے۔

قیس[2] بن اشعث سردار بنی کندہ کے ہاتھ۔۔ ۱۶

ثمر بن الجوشن سرہنگ ہوازن کے ہاتھ۔۔ ۱۶

جماعت بنی تمیم۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۷

گروہ بنی اسد۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۸

مردم مذحج۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۷

دیگر قبائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۶

کُل میزان۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۸۶

یہ تفصیلات ناسخ التواریخ سے اخذ کی گئیں ورنہ مشہور تعداد بہتّر (۷۲) ہے۔

---

[1] سیدہ سکینہؒ بنت حسینؓ بن علیؓ اپنے زمانہ کی ممتاز خاتون بنی ہاشم میں سے تھیں۔ اپنے شوہروں کے یکے بعد دیگرے انتقال پر انہوں نے کئی نکاح کئے جن میں سے دو بنی اُمیہ کے خاندان میں کئے تھے۔ تفصیل گذشتہ صفحات میں آ چکی ہے۔

[2] ناسخ التواریخ میں قیس بن اشعث کو ''قائد قبیلہ کندہ'' لکھا ہے۔ بنو کندہ کے مشہور قائد حضرت اشعثؓ بن قیس کندی صحابی تھے۔ وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بہنوئی بھی تھے اور جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے کیمپ میں اپنے قبیلہ کے سردار کی حیثیت سے موجود تھے اور ثالثی کی تجویز کے زبردست موید تھے۔ مالک الاشتر جنگ جاری رکھنے پر تُلا ہوا تھا (باقی اگلے صفحہ پر)

کوفہ وعراق والجزیرہ وملک شام کی بستیوں وشہروں میں تشہیر :

سبائی راویوں نے یہ اتہام بھی تراشا ہے کہ:

یزید بن معاویہ فرمان کرد کہ سر ہائے شہداء واہل بیت رسول خدا را شہر بشہر ودیہ بدیہ بگردانند تا شیعان علی بن ابی طالب پند گرند واز خلافت آلِ علی مایوس گردند ودل در طاعت یزید بہ بندند لا جرم لشکریان اہل بیت را با تمام شماتت وذلت کوچ می دادند و بہر قریہ وقبیلہ درمی بردند۔
(ناسخ التواریخ ص۳۴۳)

یزید بن معاویہ نے حکم دیا کہ شہیدوں کے سر اور رسول خدا کے اہل بیت کو شہر بہ شہر اور گاؤں در گاؤں پھرایا جائے تا کہ شیعان علی بن ابی طالب کو نصیحت ہو اور وہ خلافت آل علی سے مایوس ہوں اور یزید کی اطاعت دل سے کریں، لہذا (حکومت کے) لشکری اہل بیت کو رُسوائی اور ذلت کے ساتھ پھراتے اور ہر گاؤں اور قبیلہ کے درمیان لے جاتے تھے۔

(گذشتہ سے پیوستہ) اُنہوں نے دھمکی دی تھی اور حضرت علیؓ سے باصرار جنگ ملتوی کرائی تھی۔ انہی کی بیٹی جعدہ بنت اشعثؓ زوجہ حسن بن علیؓ تھیں جن پر یہ تہمت تراشی گئی کہ انہوں نے اپنے شوہر کو زہر دے کر مار دیا تھا۔ ان کے بھائی محمد بن اشعث بن قیسؓ جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حقیقی بھانجے تھے (کتاب نسب قریش ص۴۴) اپنے والد ماجد حضرت اشعثؓ کے ۴۰ھ میں فوت ہو جانے پر اپنے قبیلہ کے قائد ہوئے۔ یہ وہی محمد بن اشعثؓ ہیں جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ مسلم بن عقیل کو امان کا وعدہ دے کر گرفتار کرا دیا تھا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ کربلا میں حضرت حسینؓ کے مقابل موجود تھے مگر آپ کی بددعا سے مر گئے تھے۔ ان کے کوئی بھائی قیس نام کے نہ تھے اور نہ قائد بنو کندہ ان کے سوا کوئی اور نہ تھا۔ قبیلہ کندہ عراق کا زبردست قبیلہ تھا اور اس کے سردار کو قدیم الایام سے حاکمانہ اقتدار حاصل رہا تھا۔ انہی محمد بن اشعثؓ کے فرزند عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث بن قیس تھے جنہوں نے اُموی خلیفہ عبدالملکؒ اور ان کے مشہور گورنر حجاج بن یوسفؒ کو حصول خلافت کی گھمسان لڑائیوں میں زبردست شکستیں دی تھیں۔ بالآخر دیر جماجم کے خونیں معرکہ میں ہزیمت اُٹھا کر بھاگے اور کابل پہنچ کر خاتمہ ہوا۔ دے خوئے نے اپنے مقالہ میں اس خاندان کو (قدیم شاہی خاندان کندہ) کہا ہے۔ ایسے عالی خاندان کے قائد سردار کا نام مقتولین کے سر کوفہ و دمشق لے جانے کے سلسلہ میں اس طرح لینا جس ذہنیت کا ثبوت ہے ان وضعی روایتوں کے مضمون سے بھی ہر سمجھدار شخص کو اس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

ایک شیعہ اہل قلم مؤلف ''مجاہد اعظم'' ہی اس کی تردید میں کم از کم کوفہ میں تشہیر ہونے کے متعلق تو یہ فرماتے ہیں کہ:

''کوفہ جناب امیر کا دارالسلطنت رہ چکا تھا۔ باوجود کوفیوں کی اس قدر بے وفائی اور غداری کے اب بھی وہاں ہزاروں ہواخاہانِ اہل بیت موجود تھے جو خوفِ جان و مال و آبرو سے کسی قسم کی جنبش نہ کر سکے۔ مگر ایسی کارروائی جو خاندان رسالت کی توہین اور تذلیل کو انتہائی حد تک پہنچانے والی تھی ضرور ان کے لئے اشتعال انگیز اور ہنگامہ عظیم پیدا کرنے والی ہوتی اور کوئی مدبر اور سیاست دان ایسی فاش اور خطرناک غلطی کا جو عام جذبات کو ہیجان میں لانے والی ہو ارتکاب نہیں کر سکتا تھا۔ (ص ۳۸۶)

مؤلف موصوف واقعات کا اگر غیر جانبدارانہ جائزہ خالی الذہن ہو کر لے سکتے تو یہ حقیقت بھی اُن پر منکشف ہو یدا ہو سکتی تھی کہ کوفہ کے علاوہ دیگر مقامات پر اس طرح تشہیر جس کی کیسی کچھ تفصیلات راویوں نے پیش کی ہیں یقیناً اشتعال انگیز و ہنگامہ خیز ثابت ہوتی اور کوئی حکمران ایسی فاحش غلطی کا ارتکاب نہیں کر سکتا تھا جو عوام کے جذبات کو ہیجان میں لانے والی ہو۔ قطع نظر اس بات کے کہ خود روایتوں میں دیو مالائی انداز کی جو خرافات ہیں وہ بیّن ثبوت ہے کہ کس مقصد سے ابو مخنف لوط وغیرہ نے جن کو ائمہ رجال کذّاب کہتے ہیں، ان داستانوں کو وضع کیا تھا۔ مثلاً کہا گیا ہے کہ کوفہ کے گلی کوچوں میں جب مقتولین کے سروں کو گشت کرایا جا رہا تھا تو حسین کا سر مبارک تلاوت کلام اللہ میں مصروف تھا سورۃ کہف کی آیات زبان پر جاری تھیں۔ اس کی تصدیق میں حضرت زید بن ارقمؓ صحابی کا نام لیا گیا ہے کہ ان کی بیٹھک کے سامنے سے جب یہ سر بریدہ گزرا اُنہوں نے اپنے کانوں سے سُنا کہ:

أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا. (الکہف:۹)

کی تلاوت کر رہا ہے یہ سُنتے ہی ان پر عجب کیفیت طاری ہوگئی اور کہنے لگے کہ:

''اے پسرِ رسول خدای سرِ مبارک تو ہزار بار عجیب تر است از قصہ اصحاب کہف والرقیم۔''

(ص۲۳۳)

جب ایک شخص حارث بن وکیدہ کے دل میں کچھ شک سا ہوا، سر حسین سے آواز آئی:

''یا ابن وکیدہ اما علمت انا معشر الآئمة احیاء عند ربنا۔'' (ص۳۳۳ایضاً)

''یعنی اے ابن وکیدہ! کیا تو نہیں جانتا کہ ہم ائمہ ہدیٰ اپنے رب کے پاس زندہ موجود ہیں۔''

گشت کے بعد جب ابن زیاد کی مجلس میں سر حسین کا لایا جانا بیان کیا ہے حضرت زید بن ارقمؓ کو بھی وہاں موجود بتایا گیا ہے تا کہ ایک صحابی کی زبان سے اس وضعی حکایت کی بھی تصدیق کرالی جائے کہ جب ابن زیاد نے دندانِ مبارک پر چھڑی کی نوک ماری حضرت زیدؓ نے منع کیا اور کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو چومتے دیکھا ہے، وہ باز نہ آیا بلکہ انہیں ''عدو اللہ'' کہہ کر قتل کی دھمکی دی۔ (ص ۳۲۷) تو روتے پیٹتے باہر نکلے (وبعویل و نالہ فریاد برداشت واز نزد او بیرون شد) اور وہاں کے عرب باشندوں کے سامنے تقریر کر کے انہیں ابن زیاد کے خلاف بھڑکایا اور کہا:

''اے مردم عرب! اے عبید عباد! کشتید پسر فاطمہ را و بہ سلطنت اسلام دادید پسر مرجانہ را تا بکشید اخیار شما الخ'' (ص ۳۲۷ایضاً)

مگر ان کی تقریر کا بھی کوئی اثر کسی پر نہ ہوا۔ ابن جریر طبری نے ان واہی روایتوں کو نوک پلک سے درست کر کے یعنی سر حسین کے تلاوت سورۃ کہف اور تکلم وغیرہ کی حکایتوں میں سے ابن زیاد کے دندانِ مبارک پر چھڑی مارنے اور حضرت زیدؓ کے معترض ہونے کی وضعی روایت کو منتخب کر کے اپنی کتاب میں درج کر دیا۔ پھر کیا تھا جو مؤرخ و مؤلف بھی حادثہ کربلا کے بارے میں لکھنے بیٹھے، آنکھ بند کر کے نقل در نقل کرتے رہے درایتاً نظر ڈالنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ ابن جریر طبری ہی کی متعدد روایتوں سے ثابت ہے کہ کوفہ کے پاس سے یہ سن کر وہاں اب کوئی ناصر و مددگار نہیں رہا، حسینؓ نے

وہ راستہ اختیار کیا جو کربلا ہوکر سیدھا دمشق جاتا ہے تاکہ خلیفہ وقت سے بیعت کر کے معاملہ ختم کریں۔ **اضع یدی فی ید یزید بن معاویه فیری فیما بینی و بینه رایه** ۔(طبری ص ۲۳۵ ج ٦) تاکہ میں اپنا ہاتھ یزید بن معاویہ کے ہاتھ میں دے دوں کہ وہ میرے اور ان کے درمیان جو معاملہ ہے فیصلہ کردیں۔

وہ اسی مقصد سے چل رہے تھے کہ بعض کوفیوں نے کربلا کے موقع پر پھر ورغلانے کی کوشش کی۔صوبہ کے حکام نے جیسا کہ بیان ہو چکا صورت حال کا جائزہ لے کر مطالبہ کیا کہ یا تو ہمارے ہاتھ پر خلیفہ کی یہیں بیعت کرلیں ورنہ قافلہ کے ساتھ جو آلات حرب ہیں وہ ہمارے سپرد کردیں تاکہ ان کوفیوں کی دراندازی کا سدّ باب ہو جائے جو آپ کے قافلہ کے ساتھ ہیں اور مزید یہاں پہنچ گئے ہیں۔

طبری ہی کا یہ بیان آپ پڑھ چکے ہیں کہ خلیفہ وقت کی گورنر ابن زیاد کو صریحاً ہدایت تھی وہ اس وقت تک تلوار نہ اُٹھائے جب تک اُس کے خلاف تلوار نہ اُٹھے۔اس ہدایت اور صریح حکم کی خلاف ورزی کا ارتکاب نہیں کیا جاسکتا تھا۔ برادران مسلم اور کوفی جماعت کی جو قافلہ کے ساتھ تھے ناعاقبت اندیشی سے یکا یک تلوار چلا دینے سے یہ حادثہ حزن انگیز پیش آ گیا۔ان حالات میں کون صحیح العقل یہ باور کرسکتا ہے کہ پسماندگان کو کربلا سے پھر واپس کوفہ لایا گیا یا مقتولین کے سر ان کے جسموں سے جدا کئے گئے۔ابن جریر طبری اور خود ابی مخنف وغیرہ نے زبیر بن قیس کی گفتگو کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں جو کہا جاتا ہے انہوں نے اُس وقت کہے تھے جب خلیفہ وقت کے پاس جاتے ہوئے اس بناء پر جس کا ذکر ہوا راستہ روکا جارہا تھا مطالبہ ہو رہا تھا کہ ہتھیار رکھ دیں۔

فخلوا بین هذا الرجل و بین ابن عمه یزید بن معاویه فلعمری ان یزید لیرضی من طاعتکم بدون قتل الحسین. (طبری ج ٦ ص ۲۴۳)	ان صاحب (حسین) کو ان کے ابن عم یزید بن معاویہ کے پاس جانے دو میری جان کی قسم یزید تمہاری طاعت گزاری سے حسین کے قتل کے بغیر بھی راضی رہیں گے۔

مقتولین کے سروں کی اور پسماندگان قافلہ کی جب تشہیر ہی کوفہ میں بقول شیعہ مؤلف ''مجاہد اعظم'' نہیں کی گئی تو کربلا سے ان لوگوں کا کوفہ لایا جانا کیوں اور کس غرض سے؟ کیا اس مقصد سے جو راویوں نے بیان کیا ہے کہ کوفہ سے قادسیہ پہنچایا گیا۔ وہاں سے ایک مقام شرقی الحصاصہ اور وہاں سے دریائے فرات پار کر کے تکریت پھر متعدد مقامات پر ہوتے ہوئے موصل۔ وہاں سے پھر کئی سو میل کا چکر کاٹ کر نصیبین وقنسرین وحلب وحماء وحمص وبعلبک ہو کر دمشق۔ نقشہ پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہو سکے گا کہ راویوں نے اپنے سیاسی مقصد کے پیش نظر سروں اور پسماندگان کی تشہیر کے عراق والجزیرہ ونواح دیار بکر اور ملک شام کے یہ مقامات گنوائے ہیں جن کی مسافت صرف نقشہ کے اسکیل ہی سے ناپ کر تقریباً نو سو میل (انگریزی) ہوتی ہے وہ کسی طرح بھی لائق اعتبار نہیں۔ خصوصاً وہ حکایتیں اور افسانے جو اس سلسلے میں شرح وبسط کے ساتھ بیان ہوئے ہیں، جن کی ایک دو مثالیں بھی سُنتے چلئے۔

مثلاً: پہلی ہی منزل میں جب پڑاؤ ڈالا تو پچاس سواروں نے جو سر حسین کے صندوقچہ کی حفاظت پر مامور تھے، مجلس آراستہ کی اور شراب پی پی کر مدہوش ہو گئے۔ ان میں سے صرف ایک محافظ جس نے شراب نہ پی تھی جاگ رہا تھا کہ یکا یک آسمان پر سخت کڑک اور چمک پیدا ہوئی۔ آسمان کے دروازے کھلے ''دھمی دید کہ آدم ونوح وابراہیم واسمعیل واسحٰق وخاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ'' آسمان سے نیچے اُترے۔ جبرائیل مع فرشتوں کی ایک جماعت کے ان کے ساتھ تھے۔ آتے ہی جبرائیل نے سر حسین کے صندوقچہ کو کھولا اور اُسے چوما اور اپنے سینے سے چمٹایا۔ پھر سب نبیوں نے ایسا ہی کیا اور سب رونے لگے اور حضرت مصطفیٰ ﷺ سے تعزیت کرنے لگے۔ جبرائیل نے کہا کہ کہیے تو میں زمین کو آپ کی اُمت پر اُسی طرح اُلٹ دوں جس طرح قوم لوط پر کی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تو بارگاہ خداوندی میں ان سے حساب لوں گا۔ پھر چند فرشتوں نے کہا کہ خداوند تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ان پچاس آدمیوں کو ہلاک کر دیں۔ چنانچہ فرشتوں نے انچاس (۴۹) کو اس طرح ہلاک کر دیا کہ ان کے جسم خاکستر ہو گئے وہ ایک بچ گیا جس کی زبانی یہ افسانہ

بیان ہوا ہے (ناسخ التواریخ ص ۲۴۳)۔ اسی طرح کے اور متعدد لغو افسانے بیان ہوئے ہیں یعنی راستے میں چند نصرانی اور راہب بھی مسلمانوں کو اپنے نبی کی ذرّیت پر ظلم ڈھانے اور سر حسین کے معجزے دیکھ دیکھ کر مسلمان ہوئے اور ایک جگہ بقول ابومخنف ہاتف نے یہ شعر بھی پڑھے اور دوسری روایت میں ہے کہ ایک بڑے قلم نے یہ شعر دیوار راہب پر لکھ دیئے جن میں ''ہاتف'' تک نے ''بنی زیاد'' پر لعنت بھیجی ہے اور کہا ہے کہ جس اُمت نے حسین کو قتل کیا وہ ''یوم حساب'' میں کیا ان کے نانا کی شفاعت کی اُمید کر سکتی ہے۔ پہلا شعر تو یہی تھا:

أَتَرْجُو أُمَّةٌ قَتَلَتْ حُسَيناً ..... شَفَاعَةَ جَدِّهِ يَوْمَ الْحِسَابِ

اسی طرز و لہجے میں اثنائے راہِ دمشق کے من گھڑت قصوں کا انبار لگا دیا ہے جن پر سرسری نظر ڈالنے سے صاف عیاں ہو جاتا ہے کہ ان کے بیان سے حادثہ کے تاریخی حالات کا اظہار مقصود نہیں بلکہ مطلب ''راوی'' دیگر است۔ ان میں سے دو ایک آپ بھی سُنیئے، کہتے ہیں کہ موصل کے باشندوں نے جس وقت یہ خبر سُنی کہ سر حسین اُن کے شہر میں لایا جا رہا ہے وہاں کے انصاریوں کی دونوں شاخوں (اوس و خزرج[1]) کے چالیس ہزار سوار اکٹھے ہو کر نکل پڑے۔

اجتمعوا فی اربعین الف فارس من الاوس و الخزرج و تحالفوا ان یقتلوا هم و یاخذوهم راس الحسین و یدفنوه عندهم لیکون فخرا لهم الی یوم القیمة. (ص ۱۳ ، مقتل ابی مخنف)	اوس و خزرج کے چالیس ہزار سوار مجتمع ہو گئے اور اس بات پر حلف لیا کہ ان لوگوں کو قتل کر کے ان سے سر حسین چھین لیں اور اپنے یہاں لا کر اسے دفن کر دیں تا کہ قیامت کے دن تک یہ ان کیلئے موجب عز و افتخار کا رہے۔

---

[1] روایت گھڑنے والے کو شاید معلوم نہ تھا کہ خود مدینہ میں انصاریوں کی تعداد کبھی اس تعداد سے چوتھائی بھی نہ تھی جو موصل میں ان کی بیان کر رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد تو سب کو معلوم ہے کہ آپ نے فرمایا تھا کہ انصاری تعداد میں گھٹتے جائیں گے۔ آپ کے وصال سے پچاس برس بعد مدینہ سے سینکڑوں کوس دُور اُن کی اتنی کثیر تعداد بتانا کہ ان کے چالیس ہزار سوار آن واحد میں مجتمع ہو جائیں، لغو بیانی کی انتہا ہے۔

مگر ابن زیاد کے فوجی ان انصاری سواروں سے بھی زیادہ چالاک نکلے کہ بیرون شہر سے ہی صاف بچ کر چل دیئے اور یہ چالیس ہزار دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے اور تدفین سرِ حسین کی دائمی برکت اور عز وافتخار سے یکسر محروم ہو گئے۔ وہ تو سبیور کے لوگ ہی ان سے زیادہ نبرد آزما نکلے کہ ابن زیاد کے فوجیوں میں سے دو چار، دس پانچ کو نہیں چھ سو سواروں کو آناً فاناً قتل کر ڈالا اور ان کے صرف پانچ مارے گئے۔ (ص ۱۱۷) آگے چل کر جب ایک عیسائی راہب کے صومعہ کے پاس پڑاؤ ڈالا۔ ایک پہر رات گزری تھی کہ اس راہب نے گرج کے ساتھ تسبیح وتقدیس کے ذکر اذکار سُنے باہر جھانک کر دیکھا تو اس صندوق سے جس میں سرِ حسین رکھا تھا، نور کی شعاعیں نکل نکل کر آسمان تک جا رہی تھیں۔ آسمان کے دروازے کھلنے لگے، فرشتے فوج در فوج اُترتے اور سرِ حسین کو مخاطب کر کے کہتے رہے:

السلام علیک یا ابن رسول الله ، السلام علیک یا ابا عبدالله

صلواة الله و سلامه علیک

سفیدہ صبح نمودار ہوتے ہی راہب باہر نکلا اور محافظ دستہ کے سپاہیوں سے پوچھ کر جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ یہ سرِ حسین ہے، **و اُمه فاطمة الزهرا و جده محمد المصطفی** ان کی والدہ فاطمہ زہرا اور نانا محمد مصطفیٰ ہیں تو راہب نے کہا، تم پر ہلاکت ہو۔

لقد صدقت الاحبار فی قولها اذا قتل هذا الرجل تمطر السماءُ دماء ولا یکون هذا الا قتل نبی او وصی نبی. (ص ۱۲۰ ایضاً)	ہمارے احبار (مسیحی علماء) اس صندوق کے بارے میں سچ کہتے تھے کہ جب یہ صاحب قتل ہونگے آسمان خون برسائے گا اور یہ بات ہو نہیں سکتی سوائے نبی یا نبی کے وصی کے قتل کے بغیر۔

راوی کہتا ہے کہ راہب نے دس ہزار درہم کے دو توڑے دے کر ایک گھنٹہ کیلئے سرِ حسین فوجیوں سے مانگ لیا، سینے سے لگایا، بوسے دیئے رویا اور کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ سرِ حسین سے عرض کیا

کہ اپنے نانا کی شفاعت مجھے دلا دیجئے۔ صاحب ناسخ التواریخ بحر اللیالی اور شرح شافیہ کے حوالے سے کہتے ہیں کہ:

سر حسین باراهب تکلم فرمود و شفاعت اورا در قیامت بر ذمت نهاد. (ج۲ از کتاب ششم ص ۳۴۸)	سرِ حسین نے راہب سے بات کی اور قیامت میں اس کی شفاعت کا خود ذمہ لیا۔

اس دیو مالائی حکایت کے سلسلہ میں یہ لطیفہ بھی بیان ہوا ہے کہ محافظ دستہ کے سردار خولی نے اگلی منزل پر پہنچ کر جب راہب کے دیئے ہوئے دس ہزار درہم آپس میں تقسیم کرنے کی غرض سے مہریں توڑ کر تھیلیاں نکالیں تو درہموں کے بجائے مٹی کی کنکریاں برآمد ہوئیں۔ جن کے ایک طرف وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ[1] لکھا ہوا تھا اور دوسری طرف وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ[2] ۔ یہ حال دیکھ کر

خولی گفت انا للّٰہ وانا الیہ راجعون خسر الدنیا والاخرۃ۔ مردم خویش را گفت کہ راز پوشیدہ دارید۔ (ناسخ التواریخ ج۲ ص ۲۴۸)	خولی کہنے لگا انا للہ وانا الیہ راجعون خسر الدنیا والآخرۃ۔ اپنے لوگوں سے اس نے یہ تاکید کردی کہ اس راز کو چھپائے رہو[3]

یہ ہے اس اصل مواد کا ادنیٰ نمونہ جو سر کاٹنے اور ممالک اسلامیہ میں گشت کرانے کے سلسلے میں راویوں نے اپنی تالیفات میں بیان کیا جس سے طبری وغیرہ نے بھی چھانٹ لیا۔ اب آخر میں ابی مخنف ہی کی زبانی وہ روایت بھی سُنئے جو اس کذاب راوی نے حضرت حسینؓ جیسے بلند

---

[1] سورۃ ابراہیم: ۴۲

[2] سورۃ الشعراء: ۲۲۷

[3] ابومخنف وغیرہ راویوں کا یہ کارنامہ قابل داد ہے کہ پوشیدہ رازوں کو بھی اسّی نوے برس کی مدت منقضی ہو جانے کے بعد معلوم کرلیا اور اپنی تالیف کے ذریعہ دُنیا بھر میں مشتہر کردیا۔

حوصلہ و عالی ہمت ہاشمی مرد شجاع کے قتل ہونے اور سر کاٹے جانے کی گھڑ ڈالی ہے۔ابو مخنف کا بیان ہے کہ جب حضرت حسینؓ زخموں سے چُور ہو کر نڈھال ہو گئے اور زمین پر گر گئے۔ شبث بن ربعی قتل کرنے اور سر کاٹنے آیا جیسے ہی آپ نے آنکھ کھول کر اس کی طرف دیکھا اُلٹے پیروں بھاگ نکلا اور جا کر کہنے لگا اُن کے چہرے میں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شبیہ نظر آئی، شرم دامن گیر ہوئی کہ رسول اللہ کے ہم شبیہ کو قتل کروں **فاستحیتُ اَن اقتل شبیھا لرسول اللّٰہ** (مقتل ابی مخنف ص ۹۱) پھر دوسرا شخص سنان بن انس آیا مگر یہ بھی چہرہ دیکھ کر بھاگ گیا اور ساتھیوں سے جا کر کہنے لگا کہ انہوں نے جب آنکھ کھول کر دیکھا تو مجھے ان کے والد کی شجاعت و بہادری کی یاد تازہ ہوگئی اس لئے میں قتل نہ کر سکا **فذھبت عن قتلہ** (ص ۹۱)۔

شمر بن ذی الجوشن کی قساوت و بہیمت کا بیان اس کے بعد یوں شروع ہوتا ہے کہ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا تم بڑے بزدل ہو، لاؤ تلوار مجھے دو مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہم شبیہ ہوں یا علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) کے میں اُنہیں ضرور قتل کر دوں گا **انی لاقتلہ سواء شبہ المصطفیٰ و علی المرتضیٰ** (ص ۹۱) وہ گیا اور جا کر کہنے لگا کہ میں تو اُن میں سے نہیں ہوں جو آپ کو قتل کرنے سے باز رہے۔ یہ کہہ کر وہ سینے پر چڑھنے لگا تو آپ نے کہا:

"من انت فلقد ارتقیت مرتقی صعبا طالما قبلتہ النبی." (ص ۹۱)

"ارے تُو کون ہے کہ اس بلند مقام پر چڑھتا ہے جو بوسہ گاہ نبی رہا ہے۔"

نام بتایا، آپ نے پوچھا مجھے جانتا بھی ہے کہنے لگا:

"انت الحُسین و ابوک المرتضیٰ و امک الزھراءُ و جدک المصطفیٰ و جدتک خدیجۃ الکبریٰ." (ص ۹۲)

"آپ حسین ہیں آپ کے والد مرتضیٰ آپ کی والدہ الزہرا آپ کے نانا مصطفیٰ اور آپ کی نانی خدیجۃ الکبریٰ۔"

اس سوال و جواب کے بعد ابو مخنف نے قتل حسینؓ کی یہ وجہ بیان کی ہے۔

فقال له ویحک اذا عرفتنی فلم تقتلنی فقال له اطلب یقتلک الجائزة من یزید فقال له الحسین ایما احب الیک شفاعة جدي رسول اللّٰه ام جائزة یزید فقال دانق من جائزة یزید احب الی منک و من شفاعة جدک و ابیک.
(ص ۹۲)

پس (حسینؓ) نے اس سے فرمایا افسوس ہے تجھ پر جب مجھے پہچانتا ہے تو قتل کیوں کرتا ہے (شمر نے) کہا آپ کو قتل کرنے کا انعام یزید سے پاؤں گا (حسین نے) کہا ان دو باتوں سے تجھے کون سی پسند ہے میرے نانا رسول اللہ کی شفاعت یا یزید کا انعام؟ اس نے کہا یزید کے انعام کی ایک دمڑی (دانق) مجھے زیادہ محبوب ہے بہ نسبت آپ کے اور آپ کے نانا اور والد کی شفاعت کے۔

اس کے بعد کہا ہے کہ حضرت حسینؓ کو جب یقین ہوگیا کہ یہ قتل کرنے سے باز نہ رہے گا، فرمایا کہ اچھا تو مجھے قتل ہی کرتا ہے تو ایک جرعہ پانی کا تو پلا دے ''اذا کان لا بد من قتلی فاسقنی شربةً من الماء'' مگر اس نے کہا اے ابوتراب کے بیٹے یہ سمجھتے ہو کہ آپ کے والد علی حوض کوثر پر جس کو چاہیں گے پانی پلا دیں گے تو ذرا صبر کیجئے آپ کے والد تو آپ کو اب سیراب ہی کر دیں گے ''اصبر قلیلاً حتی یسقیک ابوک'' یہ سُن کر ابومخنف کا بیان ہے کہ حضرت حسینؓ نے شمر سے کہا، ذرا اپنا نقاب تو اُلٹ دے میں تیرا چہرہ تو دیکھ لوں۔ اُس نے جیسے ہی نقاب اُلٹا تو آپ نے دیکھا وہ مبروص (کوڑھی) بھی تھا، کانا بھی، منہ اس کا کتے کی تھوتھنی جیسا اور بال سؤر کے سے۔ اس پر آپ نے کہا سچ فرمایا تھا میرے نانا نے میرے والد سے کہ:

یقتل ولدک هذا برص اعور له بوز کبوز الکلب و شعر کشعر الخنزیر. (ص ۹۲ ایضاً)

تمہارے اس بیٹے کو قتل کرے گا ایک کوڑھیا کانا جس کے کتے کی سی تھوتھنی ہوگی اور بال اس کے سور کے بالوں کی طرح۔

اس پر راوی نے شمر کے منہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں جو گستاخانہ کلمات کہلوائے ہیں زبان قلم سے ادا نہیں کئے جا سکتے۔ ابومخنف نے کہ وہی تنہا راوی اس حادثہ کا ہے یہ مکذوبہ روایت ان الفاظ پر ختم کر دی ہے۔

وکلما قطع منه عضوا نادی الحسین وا محمداه، وا علیاه، واحسناه وا جعفراه، وا حمزتاه، واعقیلاه، واعباسه واقتیلاه واقلة ناصراه و اغربتاه فاحتزر راسه وعلاه علی قناة طویله فکبر العسکر ثلاث تکبرات و تزلزلت الارض و اظلم الشرق والغرب واخذت الناس الرجفة والصواعق وامطرت السماء دماً و نادیٰ منادٍ من السماء قتل واللّٰه الامام بن الامام اخو الامام ابو الامام ابو الائمة الحسین بن علی بن ابی طالب ولم تمطر السماء دماً الا ذالک الیوم.

(ص ۹۲)

جیسے جیسے اُس نے آپ کے عضو کاٹے حسین چلانے لگے، ہائے محمد، وائے علی، ہائے حسن، وائے جعفر، وائے حمزہ، ہائے عقیل، وائے عباس، ہائے مددگاروں کی قلت، وائے غریب الوطنی۔ پس اُس نے سر کاٹا اور لمبے نیزے پر چڑھا لیا تو لشکر نے تین تکبیریں کہیں۔ زمین میں زلزلہ آ گیا مشرق ومغرب میں اندھیرا چھا گیا۔ گرج اور زلزلہ کے جھٹکے لگنے لگے۔ آسمان سے تازہ خون برسنے لگا اور منادی نے آسمان پر سے چلا کر کہا، قتل ہو گئے واللہ امام بیٹے امام کے، بھائی امام کے اور اماموں کے باپ حسین بن علی بن ابی طالب۔ سوائے اس دن کے آسمان سے پھر خون نہیں برسا۔

یہ ہے وہ اصل راوی اور اس کی مکذوبہ روایت جس کے بعض فقرے حذف کر کے اور بعض کلمات کو بتغیر الفاظ درست کر کے ''قال ابومخنف'' کی تکرار کے ساتھ طبری اور دوسرے مؤرخین نے نقل کر دیا۔ طبری نے شمر کے بجائے سنان بن انس کا نام لیا ہے کہ اُس نے قتل کیا اور سر جدا کیا (ج ۶ ص ۲۶۰) اور اسی طبری سے علامہ ابن کثیر نے نقل کر دیا ہے۔ (البدایہ والنہایہ)

مگر اصل راوی کے ان بیانات کے بارے میں کہ قتل حسین سے زمین تھرا گئی آسمان کانپنے لگے، پہاڑ جگہ سے ہٹ گئے، دریا اُبل پڑے، آسمان سے تازہ خون برسنے لگا، جن اور جنوں کی عورتیں نوحے کہتی پھرتی تھیں، فرشتوں کی فوج اسلحہ لے کر اُتر رہی تھی کہ حسین قتل ہو گئے اس لئے وہ بحکم خدا آپ کی قبر پر تا دامانِ قیامت گریہ و بکا میں مصروف رہیں گے۔ علامہ ابن کثیر ان باتوں کا ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ یہ سب کذب محض ہے ان موضوع روایتوں میں کوئی بات بھی صحیح نہیں۔ فرماتے ہیں کہ:

وَلِلشِّيعَةِ وَالرَّافِضَةِ فِي صِفَةِ مَصْرَعِ الْحُسَينِ، كَذِبٌ كَثِيرٌ وَأَخبَارٌ طَوِيلَةٌ، وَفِيمَا ذَكَرنَاهُ كِفَايَةٌ، وَفِي بَعضِ مَا أَورَدنَاهُ نَظَرٌ، وَلَولَا أَنَّ ابنَ جَرِيرٍ وَغَيرَهُ مِنَ الحُفَّاظِ الأَئِمَّةِ ذَكَرُوهُ مَا سُقتُهُ، وَأَكثَرُهُ مِن رِوَايَةِ أَبِي مِخنَفٍ لُوطِ بنِ يَحيَى، وَقَد كَانَ شِيعِيًّا، وَهُوَ ضَعِيفُ الحَدِيثِ عِندَ الأَئِمَّةِ، وَلَكِنَّهُ أَخبَارِيٌّ حَافِظٌ، عِندَهُ مِن هَذِهِ الأَشيَاءِ مَا لَيسَ عِندَ غَيرِهِ، وَلِهَذَا يَتَرَامَى عَلَيهِ كَثِيرٌ مِنَ المُصَنِّفِينَ مِمَّن بَعدَهُ.

(البداية و النهاية ج۸ص ۲۰۲)

حسین کے پچھاڑ دیئے جانے کے بارے میں شیعہ اور رافضیوں میں بہت کچھ جھوٹ اور باطل اخبار ہیں۔ ہم نے جن کا تذکرہ کیا ہے وہ کافی ہے اور جتنا ہم نے لکھا ہے اس کا بعض حصہ محل نظر ہے۔ اگر ابن جریر (طبری) اور دوسرے ائمہ حفاظ نے وہ روایتیں نہ لی ہوتیں تو ہم بھی ترک کر دیتے۔ ان میں اکثر تو ابومخنف لوط بن یحییٰ سے مروی اور وہ شیعہ تھا اور ائمہ فن کے نزدیک وہ ضعیف راوی ہے، لیکن اخباری (تاریخی احوال جانتا تھا) ہے۔ اس ہی سے ایسی ایسی باتیں مروی ہیں جو دوسروں کے یہاں نہیں ملتیں۔ لہذا اکثر مصنفین ان باتوں کیلئے اسی کی طرف لپکتے ہیں۔

مگر اسی کے ساتھ سر کٹنے اور خلیفہ کے پاس بھیجے جانے کی جھوٹی روایتیں بھی درج

کرتے ہیں اور یہ بھی فرماتے جاتے ہیں وَمِنَ النَّاسِ مَن انکَرَ ذٰلِکَ ۔(ج ۸ص ۲۰۴، البدایہ) یعنی ایسے بھی لوگ (اہل تاریخ و اہل سیر ہیں) جو اس سے انکار کرتے ہیں۔ درایتاً نظر ڈالتے اور روایت پرستانہ ذہنیت سے بالاتر ہوکر تحقیق کرتے تو واقعہ کی صحیح صورت حال منکشف ہو جاتی۔

علامہ ابن جریر طبری تو اپنے شیعی رجحانات کی وجہ سے ابومخنف کی روایتوں کو قبول کرنے پر مائل ہوئے، مگر مؤرخین خصوصاً علامہ ابن کثیر کو سوچنا چاہیئے تھا کہ جب کوئی واقعہ خاص کر مقتولین کے سر کٹوا کر تشہیر کرنے اور ابن زیاد اور خلیفہ یزیدؒ کے سامنے پیش کئے جانے کا ان حضرات میں سے کسی کی زبانی بیان نہیں ہوا جو اس حادثہ میں بذات خود موجود تھے بالخصوص حضرت علی بن الحسین (زین العابدینؒ) سے یا جناب حسن مثنیٰ داماد حضرت حسینؓ وغیرہم سے یا علوی و ہاشمی خاندان کے کسی اور فرد سے تو اس راوی کی یہ روایتیں کیوں قبول کی جائیں جس کو تمام ائمہ رجال نے نا قابل اعتبار ٹھہرایا ہے اور کذاب کہا ہے۔

علاوہ ازیں ابومخنف تو اس حادثہ کے زمانہ میں پیدا بھی نہیں ہوا تھا اس کے اسّی نوے برس بعد دوسروں کی زبانی جن میں سے کوئی بھی کربلا میں موجود نہیں تھا، سُن سُنا کر اس نے اپنی کتاب تالیف کی اور ایسی فضا میں تالیف کی جب عراق کے مختلف قبائل کے درمیان نسلی و خاندانی و ذاتی جھگڑوں کے ساتھ ساتھ سیاسی مناقشات اور خانہ جنگیوں کے نتیجے میں آپس میں مخالفتیں پیدا ہو چکی تھیں۔ مثلاً بنو کندہ عراق کا ممتاز اور حامل آثار قبیلہ تھا، اس میں ایسی جماعت بھی تھی جو حضرت عثمان ذوالنورینؓ پر سبّ وشتم یا وہ برائیاں جو علی الاعلان بیان کی جاتی تھیں برداشت نہ کر سکے اور ترک وطن پر مجبور ہوکر کوفہ سے حضرت معاویہؓ کے پاس ملک شام چلے گئے اور وہیں مسکن گزین ہو گئے۔

ان میں اسی قبیلہ کے بنوالارقم تھے، علامہ ابن حزم ان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

کانوا عثمانین، رحلوا عن الکوفة الی معاویة وقالوا لا نقیم ببلدٍ لیسب فیه عثمانؓ فانزلهم معاویه الرُّها. (جمهرة الانساب ص ۴۰۰)

یہ لوگ (حضرت) عثمانؓ کے طرفداروں میں سے تھے کوفہ سے منتقل ہوکر حضرت معاویہؓ کے پاس چلے گئے اور کہا ہم اُس شہر میں نہیں ٹھہریں گے جس میں حضرت عثمانؓ کو بُرا کہا جائے۔ پس حضرت معاویہؓ نے اُن کو مقام الرھا میں بسا دیا۔

اسی قبیلہ میں حجر بن عدی بھی تھے اور اُن کے دو بیٹے عبداللہ وعبدالرحمٰن، یہ باپ بیٹے شیعہ تھے۔ (ص ۴۰۰ ایضاً) آخر الذکر کو تو حضرت حسینؓ کے داماد مصعب بن زبیرؓ نے قتل کرایا تھا اور اول الذکر کو حضرت معاویہؓ نے۔ پھر اسی قبیلہ کندہ کے سردار حضرت اشعث بن قیسؓ صحابی بھی تھے جن کا ذکر اوپر گزر چکا۔ ان کی وفات تو ۴۰ھ میں ہوئی تھی لیکن ابومخنف نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ حضرت حسینؓ کے قتل ہوجانے کے بعد ان کے جسم سے اشعث بن قیسؓ نے ہی اُن کی قمیص لے لی تھی۔ ''واخذ قمیصهٍ الاشعث بن قیس'' (مقتل ابی مخنف ص ۹۳ مطبوعہ نجف)

اسی طرح قبیلہ نخع میں پارٹیاں تھیں۔ حضرت عثمانؓ کی خلع بیعت سب سے پہلے اسی قبیلہ کے شخص عمرو بن زرارہ نے کوفہ میں کی تھی اور ان ہی میں مالک الاشتر اور اس کا بیٹا ابراہیم خانہ جنگیوں میں نمایاں حصہ لینے والے اور افتراق کی آگ بھڑکانے والے تھے۔ کمیل بن زیاد کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے تھا۔ یہ سب شیعانِ علیؓ میں سے تھے۔ اسی قبیلہ کا سنان بن انس نخعی تھا جس کو عام طور سے قاتل حسینؓ کہا جاتا ہے۔

بنوتمیم کی مختلف شاخیں تھیں۔ ان کی ایک شاخ سے حضرت شبث بن ربعیؓ تھے، جن کا تذکرہ الاصابة فی تمییز الصحابه (ج ۳، ص ۱۶۳) میں صحابہ کے زمرہ میں ہے۔ نیز تہذیب التہذیب میں (ج ۴، ص ۳۰۳) میں ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ ''وذکرہ ان حبان فی الثقات۔'' حضرت علیؓ کے اصحاب میں سے تھے پھر خوارج کے ساتھ ہوگئے تھے مگر توبہ کرکے

پلٹ آئے تھے ''ثم تاب ورجع''۔ان کے بارے میں ابومخنف نے کہا ہے کہ حضرت حسینؓ کا سر کاٹنے سب سے پہلے یہی گئے تھے مگر ڈر کر بھاگ گئے تھے۔(مقتل ابی مخنف ص ۹۰)

مختصراً یہ کہ ابومخنف کی روایتوں میں یہ رنگ نمایاں طور سے جھلکتا ہے کہ اس نے عراق کے مختلف قبیلوں کے ممتاز اشخاص کے نام لے کر ان کی قساوت وبہیمت کے جو افسانے وضع کئے ہیں وہ حکمران جماعت کی بدنامی کے جذبہ کے علاوہ عراقیوں کی اپنی باہمی رقابتوں، رنجشوں اور دُشمنیوں کی وجہ سے بھی کئے ہیں۔مؤرخین حضرات تحقیق کی طرف متوجہ ہوتے تو ابومخنف کا یہ جھوٹ کہ مقتولین کے سر کاٹے گئے اور فلاں فلاں صحابی کی موجودگی میں فلاں فلاں کے سامنے پیش کئے گئے اس قدر نہ پھیلتا کہ صدیوں سے ہر کہ دمہ کے ورد زبان ہے مگر یہ داستان جس دیو مالائی انداز میں مرتب کر کے خشت اول ہی ٹیڑھی رکھی گئی ہو اس کی کجی آج تک نمایاں ہے۔

خشتِ اول چوں نہد معمار کج

تا ثریا می رود دیوار کج

اور یہ کجی اس قدر نمایاں ہے کہ زمانہ حال کے ایک شیعہ مؤلف جنہوں نے حادثہ کربلا کے اکثر مشہور واقعات پر درایتاً نظر ڈال کر بہت سی باتوں کو غلط اور مبالغہ آمیز بتاتے ہوئے ''شمر کے سینہ مطہر پر بیٹھ کر سر جدا کرنے'' کو بھی غلط بتایا ہے۔ان کی کتاب ''مجاہد اعظم'' کے یہ دو پیرے اس سلسلہ میں قابل لحاظ ہیں:

''اکثر اوقات مثلاً اہل بیت پر تین شبانہ روز پانی کا بند رہنا، فوج مخالف کا لاکھوں کی تعداد میں ہونا، جناب زینب کے صاحبزادوں کا نو دس برس کی عمر میں شہادت پانا، فاطمہ کبریٰ کا عقد روز عاشورہ قاسم ابن حسن کے ساتھ ہونا، عباس علمدار کا اس قدر جسیم اور بلند قامت ہونا کہ باوجود سواری اسپ ورکابہ آپ کے پاؤں زمین تک پہنچتے تھے، جناب سید الشہداء کی شہادت کے موقع پر آپ کی خواہر گرامی جناب زینب بنت امیر المومنین کا سروپا برہنہ خیمہ سے نکل کر مجمع عام میں چلا آنا، شمر کا سینہ

مطہر پر بیٹھ کر سر جُدا کرنا، آپ کی لاش مقدس سے کپڑوں تک کا اُتار لینا، نعش مطہر کو لکد کوب سم اسپان کیا جانا، سر وقات اہلبیت کی غارت گری اور نبی زادیوں کی چادریں تک چھین لینا، شمر کا سکینہ بنت حسین کے منہ پر طمانچہ مارنا، سکینہ کی عمر تین سال کی ہونا، روانگی اہل بیت کے وقت جناب زینب کی پشت پر دُرّے لگائے جانا، اہل بیت رسالت کو بے مقنع و چادر ننگے اونٹوں پر سوار کرنا، سیّد الساجدین کو طوق و زنجیر پہنا کر ساربانی کی خدمت میں دیا جانا، علاوہ کوفہ و دمشق کے اثناء راہ میں جا بجا اہل حرم کو نہایت ذلت وخواری سے تشہیر کرنا، مجلس دمشق میں عرصہ دراز تک نبی زادیوں کا قید رہنا، ہندہ زوجہ یزید کا قید خانہ میں آنا یا اس کا اہل بیت کی روبکاری کے وقت محل سرائے شاہی سے سر دربار نکل کر آنا، سکینہ کا قید خانہ ہی میں رحلت پانا، سیّد الساجدین کا سر ہائے شہداء لے کر اربعین (۲۰ صفر) کو کربلا واپس آجانا اور چالیسویں روز لاش ہائے شہداء کو سپرد خاک کرنا وغیرہ وغیرہ نہایت مشہور اور زبان زد خاص و عام ہیں۔ حالانکہ ان میں سے بعض سرے سے غلط، بعض مشکوک، بعض ضعیف، بعض مبالغہ آمیز اور بعض من گھڑت ہیں۔''

(مجاہد اعظم مؤلفہ شاکر حسین نقوی امروہوی ص ۱۷۷، ۱۷۸)

مؤلف مجاہد اعظم نے قدیم و جدید مؤرخین و مصنفین کی سینکڑوں کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے کے بعد حادثہ کربلا کے حالات کے متعلق ان الفاظ میں اظہار رائے کیا ہے۔

''عام کتابوں سے قطع نظر کر کے فریقین کی وہ مستند کتابیں جو اسلامی تاریخ کی جان سمجھی جاتی ہیں اس قدر مختلف البیان ہیں کہ دیکھنے والے ششدر رہ جاتے ہیں۔ اگر دو مستند کتابوں کو بھی سامنے رکھ دیا جائے تو تمام واقعات کی تحریریں اول سے آخر تک متفق اللفظ نہیں۔'' (ص ۱۷۹)

یہ مصنفین متفق اللفظ ہوتے کیسے جب بیشتر روایتیں خصوصاً مصنوعی معرکہ آرائیوں اور سر کٹوا کر تشہیر کرانے کی من گھڑت ہوں اور مظالم کی داستانیں محض وضعی۔ یہ سب کچھ تو ابن جریر طبری کی بدولت ہے کہ ابومخنف و ہشام کلبی کے مخترعات و مبالغات کی کانٹ چھانٹ کرنے کے بعد انہیں اپنی کتاب میں شامل کر دیا۔ ان سے قبل کے مؤرخ مثلاً امام الفقیہ ابی محمد عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ الدینوری متوفی ۲۷۶ھ ہیں۔ ان کی مشہور کتاب ''المعارف'' میں دیکھئے[1]۔ حضرت حسینؓ کے تذکرے میں ان کے واقعہ کے بارے میں صرف دو سطریں ہیں۔ نہ افواج کی تعداد کا ذکر ہے نہ معرکہ آرائیوں کا، نہ پانی کی بندش کا اور نہ سر کٹوا کر تشہیر کرنے کا۔ انہیں سے ایک اور کتاب بھی منسوب ہے **الامامة و السیاسة**[2]۔ مضمون کے اعتبار سے صاف معلوم ہوتا ہے کسی غالی قلم سے ہے مگر ہے ابن جریر طبری سے پہلی۔ کربلا کے حالات کے سلسلہ میں جو بیان ہے اس میں نہ فوج کی تعداد کا کوئی ذکر ہے نہ معرکہ آرائیوں کا نہ مظالم کی وضعی داستانوں کا اور نہ سر کٹوا کر تشہیر کرانے کا۔ ظاہر ہے کہ ابومخنف کی روایتوں کو الامامۃ والسیاسۃ کے مؤلف نے بھی لائق اعتناء نہ سمجھا اور واقعات کو سادہ طور سے بیان کرنے پر اکتفا کیا۔ یعنی شیعانِ کوفہ کے خط کے مضمون موسومہ حضرت حسینؓ میں حضرت معاویہؓ کے بارے میں ''الجبار العنید'' وغیرہ الفاظ تو لکھے ہیں مگر بتایا ہے تو یہی کہ ان کوفیوں نے حضرت حسینؓ کو یہ کہہ کر بلوایا تھا کہ ہمارا اب کوئی امام نہیں ہے۔ ہم نہ حکومت کے عامل[3] کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں نہ جمعہ نہ عید۔ جیسے ہی آپ کے آنے کی خبر ہم کو ملی ہم اسے کوفہ سے نکال دیں گے اور ملک شام کو دھکیل دیں گے۔ **اخرجناہ من الکوفة و الحقناہ باالشام.**

---

[1] المعارف میں حضرت حسینؓ کا ذکر ان الفاظ میں ہے: **وأما : الحسین بن علی بن أبی طالب فکان یکنی: أبا عبداللہ. وخرج یرید الکوفة' فوجّه الیه'' عبیداللہ بن زیاد۔'' عمر بن سعد بن أبی وقاص' فقتله سنان بن أبی أنس النّخعی سنة احدی و ستین' یوم عاشوراء' وهو ابن ثمان و خمسین سنة. (المعارف ج ا ص ۲۱۶)**

[2] فہرست ابن ندیم میں ابن قتیبہ کی تصنیفات کی مکمل فہرست ہے۔ ۳۳ کتابوں کے نام ہیں ان میں سے کوئی کتاب الامامۃ والسیاسۃ نام کی نہیں۔

[3] حضرت نعمان بن بشیر انصاریؓ صحابی رسول ﷺ اُس وقت عامل کوفہ تھے۔

مسلم بن عقیلؓ جب گرفتار ہوکر گورنر کے سامنے پیش ہوئے اور بوجہ قرابت ابن سعدؓ کو یہ کہہ کر وصیت کی کہ ''حسین یہاں آرہے ہیں ان کے ساتھ عورت مرد سب ملا کر نوے نفوس ہیں تم انہیں میرا جو حال ہوا ہے اس سے مطلع کر کے راستہ سے ہی لوٹا دینا'' **فاردھم و اکتب الیھم بما اصابنی** ۔ ابن سعدؓ نے جب ابن زیاد سے ذکر کیا تو انہوں نے کہا تمہیں اپنے عزیز کی بات پوشیدہ رکھنی چاہیئے ۔ ابن سعدؓ نے کہا وہ خاص اہمیت کی ہے کیونکہ مسلم نے مجھے بتلایا ہے کہ حسینؓ آرہے ہیں اور ان کے ساتھ عورت مرد سب ملا کر نوے اشخاص ہیں ۔ اس پر گورنر نے کہا قسم بخدا جب تم نے ہی یہ بات افشاء کی تو تم ہی ان[1] کے مقابلہ کو جاؤ گے ۔ ابن سعدؓ کے ساتھ جو سپاہ متعین ہوئی اُس کی تعداد کیا تھی اس کا کوئی ذکر نہیں صرف یہ الفاظ ہیں کہ ابن سعدؓ کی سرکردگی میں فوج بھیجی ۔ حضرت حسینؓ نے یہ حال سن کر واپس ہونا چاہا مگر پانچ برادرانِ عقیل جو اُن کے ساتھ تھے یہ کہہ کر مانع ہوئے کہ ہمارا بھائی تو قتل ہوگیا اور ہم ہی لوٹ جائیں ہم سے تو یہ نہ ہوگا ۔ اور ہم اس خبر کو بھی درست نہیں سمجھتے جو آپ کو موصول ہوئی ہے ۔ لکھا ہے کہ یہ سُن کر حضرت حسینؓ نے اپنے بعض ساتھیوں سے کہا کہ میں اب ان لوگوں (بنو عقیل) کو کیسے روک دوں ۔ ابن سعدؓ سے جب ملاقات ہوئی آپ نے وہ ہی تین شرطیں پیش کیں جن کا ذکر دیگر مؤرخین نے بھی کیا ہے ۔ تیسری شرط کے یہ الفاظ لکھے ہیں ۔

او تیسرنی الی یزید فاضع یدی فی یدہ فیحکم فی بما یرید. (ج ۲ ص ٦)	یا پھر مجھے یزید کے پاس بھیج دو تا کہ میں ان کی بیعت کروں (اپنا ہاتھ اُن کے ہاتھ میں دے دوں) پھر وہ جیسا چاہیں میرے بارے میں فیصلہ کریں ۔

ابن سعدؓ نے گورنر کو اس کی اطلاع دی تو انہوں نے بھی پسند کرلیا کہ امیر المومنین کے پاس بھیج دیا جائے ۔

---

[1] حضرت عمر بن سعدؓ کو تو گورنر نے اس لئے بھی متعین کیا تھا کہ حضرت حسینؓ سے ان کی قرابت قریبہ تھی اور اُن کا ایک عزیز ہی نازک حالات میں اُنہیں صحیح مشورہ دیکر کوفیوں کے اثرات سے بچا سکتا تھا ۔

جائے ۔فھم ان یسیرہ الی یزید (ج ۲ ص ٦)۔ اب مؤلف الامامۃ والسیاسۃ نے ایک شخص شہر بن خوشب کا نام لکھا ہے جو بنی سلیم میں سے تھا۔ اُس نے گورنر سے کہا کہ جب تک یہ تمہارا حکم نہ مانیں انہیں مت بھیجو۔

واللّٰہ لئن سار الی یزید لا رای مکروھاً ولیکونن من یزید بالمکان الذی لا تنالہ انت منہ ولا غیرک من اھل الارض. (ج ۲ ص ٦)	قسم بخدا اگر وہ یزید کے پاس چلے گئے تو ان کو کسی برائی کا سامنا نہ ہوگا، بلکہ یزید کے نزدیک ان کا ایسا مرتبہ ہوگا جو نہ تمہارا ہوسکتا ہے اور نہ اہل زمین میں سے کسی اور کا۔

اب دیکھئے طبری سے پہلے اس کتاب میں نہ ابن سعدؓ کو ملک رے کی گورنری پیش کئے جانے کا کوئی ذکر ہے اور نہ کثیر افواج کی تعداد کا۔ جس شخص نے ابن زیاد کو مشورہ دیا کہ حضرت حسینؓ کو دمشق اُس وقت تک نہ بھیجو جب تک وہ تمہارا حکم نہ مان لیں اُس کا نام شہر بن حوشب لکھا ہے نہ کہ شمر بن ذی الجوشن۔ یہ بھی لکھا ہے کہ ابن سعدؓ نے حضرت حسینؓ سے لڑائی کرنے میں جب تساہل کیا تو اسی شہر بن حوشب کو حکم ہوا کہ وہ ابن سعدؓ کو قتل کر کے ان کی جگہ لے لے۔ ساتھ ہی یہ بھی بتایا ہے کہ ابن سعدؓ کے پاس کوفہ کے تیس قریشی اشخاص موجود تھے جو کہہ رہے تھے کہ حسینؓ کی شرط کیوں نہیں مانی جاتی کہ اتنے میں بنی عقیل نے لڑائی چھیڑ دی۔ حسینؓ اور ان کے عزیزوں میں سترہ (۱۷) اشخاص قتل ہوگئے جن کے نام بھی دیئے ہیں۔ نہ باقاعدہ معرکہ آرائیوں کا کوئی ذکر ہے نہ سر کاٹنے کا اور نہ دیگر مظالم کا اور نہ باقی ماندگان کو قید کر کے کوفہ لانے اور سروں کی تشہیر کرنے کا۔ بلکہ یہ لکھا ہے کہ جب یہ سب دمشق پہنچے اور امیر المومنین نے انہیں دیکھا تو بے اختیار رو پڑے۔

فبکی یزید حتی کادت نفسہ تفیض و بکی اھل الشام حتی علت اصواتھم. (ج ۲ ص ۸)	اور یزید (انہیں دیکھ کر) رونے لگے اور ایسے بے تاب ہو کر روئے کہ بے خود ہوگئے۔ اور اہل شام بھی اتنا روئے کہ چیخیں نکل گئیں۔

یہ بیان ایک ایسے غالی مؤلف کا ہے جس نے اپنی اس کتاب میں سبائی ذہنیت کا

مختلف حالات کے سلسلہ میں مظاہرہ کیا ہے۔ مگر حادثہ کربلا کے جو خاص واقعات لکھے ہیں ان میں معرکہ آرائیوں اور سر کٹوا کر تشہیر کرنے کا اشارتاً بھی کوئی ذکر نہیں۔ کیا یہ بیّن ثبوت اس کا نہیں کہ ابن جریر طبری نے ابومخنف وغیرہ کے اکاذیب کی تشہیر میں اور ان موضوعات کو تاریخی واقعات کی حیثیت میں کیا حصہ لیا ہے اور امیر المومنین یزیدؒ پر یہ اتہام لگایا ہے کہ سر حسینؓ جب اُن کے سامنے پیش ہوا تو دندانِ مبارک پر چھڑی کی نوک مارنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ابو برزہ[1] الاسلمیؓ کی موجودگی امیر المومنین یزیدؒ کے پاس بتائی ہے۔ حالانکہ یہ صحابی دمشق تو کیا ملک شام میں بھی اس وقت موجود نہ تھے بلکہ عراق میں تھے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے یہ بیان کرتے ہوئے کہ جن لوگوں نے حسینؓ کا حزینہ نقل کیا ہے اس میں بہت سی جھوٹی باتیں بڑھا دی ہیں حتی کہ بغوی اور ابن ابی الدنیا جیسے اہل علم نے جو کچھ اس سلسلہ میں روایت کیا ہے اس میں منقطع روایات اور باطل امور ہیں۔ فرماتے ہیں:

وَقَد رُوِيَ بِاِسنَادٍ مَجهُولٍ[2] أَنَّ هَذَا كَانَ قُدَّامَ يَزِيدَ، وَأَنَّ الرَّأسَ حُمِلَ اِلَيهِ، وَأَنَّهُ هُوَ الَّذِي نَكَتَ عَلَى ثَنَايَاهُ. وَهَذَا مَعَ أَنَّهُ لَمْ يَثْبُتْ فَفِي الْحَدِيثِ مَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ كَذِبٌ، فَاِنَّ الَّذِينَ حَضَرُوا نَكْتَهُ بِالْقَضِيبِ مِنَ الصَّحَابَةِ لَمْ يَكُونُوا بِالشَّامِ وَاِنَّمَا كَانُوا بِالْعِرَاقِ. (منهاج السنة)

اور مجہول سندوں سے روایت کی گئی ہے کہ یہ سر کا لانا یزید کے آگے تھا اور وہ وہی ہے جس نے دانتوں پر چھڑی ماری تھی۔ اول تو یہ بات قطعاً ثابت نہیں دوسرے یہ کہ روایت ہی میں وہ بات موجود ہے جو اس کے جھوٹ پر دلالت کرتی ہے یہ کہ جن صحابہ کی موجودگی چھڑی مارتے وقت بتائی جاتی ہے وہ اس وقت ملک شام میں موجود ہی نہ تھے بلکہ عراق میں تھے۔

---

[1] ان کا نام اور ولدیت طبری میں تین طریقہ پر لکھی ہے یعنی نظلہ بن عبداللہ اور نظلہ بن عبید بن الحارث پھر عبداللہ بن نظلہ۔ (ج ۱۳ ص ۱۱۴)

[2] حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

بہرحال جب بہ دلائل قاطعہ یہ ثابت کیا جاچکا کہ سر کٹوا کر تشہیر کرانے کی سب روایتیں من گھڑت اور جھوٹی ہیں تو خلیفہ وقت پر یہ اتہام محض سیاسی مقصد سے لگایا گیا اور پروپیگنڈا کیا گیا جو اَب تک جاری ہے۔ ائمہ اسلام خصوصاً امام غزالی نے ان اکاذیب کے بیان کرنے کو حرام بتایا ہے۔ ابن حجر مکی نے صواعق المحرقہ میں اس بات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

وَلَا يجوز الطعْن فِي مُعَاوِيَة لِأَنَّهُ مِن كُبار الصَّحَابَة وَلَا يَجوز لَعن يَزِيد وَلَا تكفيره فَإِنَّهُ مِن جُملَة المُؤمِنِينَ وَأَمره اِلَى مَشِيئَة اللَّه اِن شَاءَ عَذَبه وَاِن شَاءَ عَفا عَنهُ قَالَ الغَزالِيّ وَغَيره وَيَحرم عَلَى الوَاعِظ وَغَيره رِوَايَة مَقتل الحُسَين وحَكايَاته وَمَا جرى بَين الصَّحَابَة مِن التَشَاجر وَالْتَخَاصم فَاِنَّهُ يَهِيج عَلَى بغض الصَّحَابَة والطعن فيهم وهم أَعلَام الدِّين. (ص ۱۳۳)

اور (حضرت) معاویہؓ پر طعن کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ کبار صحابہ میں ہیں اور نہ یزیدؒ پر لعن کرنا یا تکفیر کرنا جائز ہے کیونکہ وہ من جملہ مومنین کے ہیں اور ان کا معاملہ اللہ کی مشئیت میں ہے چاہے عذاب دے چاہے معاف کرے۔ امام غزالیؒ وغیرہ (ائمہ اسلام) فرماتے ہیں کہ مقتل حسین کی روایتیں اور صحابہ کے آپس کے مشاجرات و مخاصمات کا بیان کرنا واعظ پر حرام ہے کیونکہ ایسی باتیں بغض و طعن صحابہ پر برانگیختہ کرتی ہیں اور وہ (صحابہ) دین کے ستون ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اپنے رسالہ ''راس الحسین'' میں لکھا ہے کہ:

''فمن نقل انه نكت بالقضيب ثناياه بحضرة انس و ابى برزه قدام يزيد فهو كاذب قطعاً كذباً معلوماً بالنقل المتواتر.''

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) ابن ابی الدُنیا کی اسناد ملاحظہ ہوں۔ پہلے راوی تو مسلمہ طور سے شیعہ ہیں یعنی عمار الدھنی، پھر ایک راوی کا نام ابوالولید لکھا ہے۔ میزان الاعتدال میں اس نام کا ایک راوی تو مجہول الحال ہے، دوسرا کذاب اور تیسرا ضعیف (ج ۳ ص ۳۸۶)۔ اب بعض سبائیت زدہ دیوبندی ایسے کذاب اور مجہول الحال لوگوں سے سند لاتے ہیں۔

''وہ قطعاً دروغ گو ہے جس نے انس وابی برزہ (صحابہ) کی موجودگی میں یزید کا سر حسینؓ کے دانتوں پر چھڑی کی نوک مارنے کو بیان کیا ہے۔ اس کا جھوٹ نقل متواتر سے ظاہر ہے۔''
(ص ۱۸)

حسینی قافلہ کے شرکاء اور باقی ماندگان :

حضرت حسینؓ کے اپنی اولاد کے علاوہ ان کے جو بھائی بہنوئی اور بھتیجے ساتھ گئے اور ان میں سے جو صحیح سلامت واپس لوٹے، اُن کی مختصر کیفیت مختلف کتب تاریخ و انساب کی تصریحات کے اعتبار سے یہ ہے:

(۱) حضرت حسینؓ کے تیرہ چودہ بھائیوں میں سے جو اُن کے زمانہ خروج میں زندہ تھے صرف چار اُن کے ساتھ گئے تھے اور یہ چاروں یعنی عباس وجعفر وعثمان وعبداللہ اُم البنین بنت حزام الکلابی کے بطن سے تھے اور ان کے ماموؤں کا قبیلہ کوفہ وعراق میں سکونت رکھتا تھا جس میں شمر ذی الجوشن وغیرہ تھے۔

(۲) حضرت حسینؓ کے عم بزرگوار ابو یزید عقیل کے سولہ بیٹوں میں مسلم جو حضرت حسینؓ کے بہنوئی بھی تھے کوفیوں سے بیعت لینے کے سلسلہ میں پہلے ہی کوفہ بھیجے جا چکے تھے اور حکومت وقت کے خلاف کارروائی کرنے کے جرم میں سزائے قتل پا چکے تھے۔ اُن کی زوجہ رقیہ بنت علیؓ سے تین بیٹے تھے۔ عبداللہ وعلی ومحمد یہ تینوں اپنی والدہ کے ساتھ حسینی قافلہ میں گئے تھے۔

مسلم کے بھائیوں میں دو بھائی حسینی قافلہ میں مع اپنی بیبیوں اور اولاد کے شامل تھے یعنی عبداللہ الاکبر بن عقیل جن کو حضرت علیؓ کی تین بیٹیاں یکے بعد دیگرے بیاہی گئی تھیں یعنی میمونہ واُم ہانی واُم کلثوم الصغریٰ۔ ان میں سے ایک زوجہ اور چار بیٹے محمد وعبدالرحمٰن ومسلم وعقیل حسینی قافلہ میں شامل تھے۔ دوسرے عبدالرحمٰن بن عقیل تھے جن کی زوجہ خدیجہ بنت علیؓ سے اُن کے کے دو بیٹے سعید وعقیل ساتھ گئے تھے۔

(۳) حضرت حسینؓ کے چچیرے بھائی اور بہنوئی عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کے بیس

یا چوبیس بیٹے تھے۔اُن کی زوجہ زینب بنت علیؓ تو جیسا ذکر ہو چکا اپنے بھائی کے ساتھ قافلہ میں تھیں مگر اُن کے بیٹے علی الزینبی بن عبداللہ بن جعفر اور بیٹی اُم کلثوم اُن کے ساتھ نہ گئے۔عبداللہ بن جعفر کے جو دو بیٹے عون ومحمد قافلہ کے ساتھ چلے گئے وہ حضرت حسینؓ کی روانگی کے بعد اپنے والد کے پیامبر کی حیثیت سے گئے تھے کہ آگے نہ بڑھیں لوٹ آئیں۔ **فارسل عبدالله بن جعفر ابنيه عوناً و محمداً ليرد الحسين فابى الا يرجع و خرج الحسين بابنى عبدالله بن جعفر معه.** (الامامہ والسیاسۃ ج ۲ص۲) یہ دونوں بھی نہ لوٹے حضرت حسینؓ کے اصرار کے ساتھ چلے گئے۔مگر یہ دونوں سیدہ زینب کے بطن سے نہ تھے دوسری ماؤں سے تھے۔

(۴) اسی طرح عون بن جعفر بن ابی طالب کی اولاد سے کوئی نہ گیا۔

(۵) حضرت حسینؓ کے برادر بزرگ حضرت حسنؓ کی اولاد کا شمار مختلف نسابین نے مختلف کیا ہے۔صاحب ناسخ التواریخ (ج ۸،ص۲۸۲) نے بیش شمار کئے ہیں جو اُن کے کثیر النکاح ہونے کے لحاظ سے درست خیال کیا جاسکتا ہے۔ان بیس میں سے چھ اپنے چچا کے ساتھ گئے اور چودہ (۱۴) نہ گئے۔جانے والوں میں ایک تو حسن بن حسن (حسن مثنیٰ) تھے جو حضرت حسینؓ کے داماد یعنی اُن کی دختر فاطمہ کے شوہر تھے۔دوسرے طلحہ بن حسن تھے جن کی والدہ اُم اسحٰق بنت طلحہ بن عبیداللہ بیوہ حضرت حسنؓ سے حضرت حسینؓ نے نکاح کرلیا تھا اور اُن کے بطن سے فاطمہ بنت الحسین تھیں۔ تیسرے بیٹے حضرت حسنؓ کے جو اپنے چچا کے قافلہ میں تھے عمرو تھے جو مسلم بن عقیل کے بہنوئی تھے یعنی رملہ بنت عقیل کے شوہر تھے۔ان تین کے علاوہ زید وقاسم وابوبکر فرزندانِ حسن بن علی بھی حسینی قافلہ میں تھے جن کا ذکر اکثر مؤرخین ونسابین نے کیا ہے۔ عمدہ الطالب کے مؤلف کہتے ہیں کہ زید اپنے چچا کے ساتھ عراق نہیں گئے تھے **وتخلف عن عمه الحسين فلم يخرج معه الى العراق** (ص۴۹) مگر یہ صحیح نہیں۔زید اپنے چچا کے ساتھ گئے تھے اور واپس آئے تھے۔

مندرجہ بالا تصریحات کے اعتبار سے حضرت حسینؓ کے اپنے گھرانے یعنی فرزندانِ علی وعقیل وجعفر ابنائے ابوطالب کے تقریباً پچھتر (۷۵) اشخاص میں سے جو زمانہ خروج

میں اس سن وسال کے تھے کہ طلب خلافت کی مہم میں حصہ لے سکتے تھے۔ایک چوتھائی سے بھی کم تعداد میں شریک ہوئے اوران میں بھی اکثریت ایسے افراد کی تھی جو بھتیجے وچچیرے بھائی ہونے کے ساتھ داماد یا بہنوئی ہونے کا رشتہ بھی رکھتے تھے۔

حضرت حسینؓ کے چھ بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔بعض نے اس سے زیادہ تعداد بھی بتائی ہے۔مثلاً محمد بن طلحہ شافعی نے کتاب مطالب السول فی مناقب آل رسول میں حسب بیان صاحب ناسخ التواریخ (ص۵۳۲) آپ کے چھ بیٹے اور چار بیٹیاں بتائی ہیں اور ابن خشاب نے بھی چھ بیٹے بتائے ہیں مگر بیٹیوں کی تعداد تین لکھی ہے۔

حضرت حسینؓ نے جن خواتین سے ازدواجی رشتے قائم کئے اُن کی صحیح تعداد تو معلوم نہیں البتہ آپ کی سات بیبیوں کے حسب ذیل نام کتب تاریخ وغیرہ میں سے ملتے ہیں کنیزوں وجواری کے علاوہ۔

(۱) آمنہ بنت ابی مُرّہ بن عروہ ثقفی۔حضرت ابوسفیانؓ کی نواسی اور امیر یزیدؒ کی پھوپھی زاد بہن، ان کے بطن سے علی اکبر مقتول کربلا تھے۔(طبری وکتاب نسب قریش والمعارف وغیرہ)

(۲) سلافہ۔سندھیہ خاتون جو اُم ولد تھیں ان کے بطن سے علی بن الحسین (زین العابدین) تھے۔ان کی والدہ کا نام جوشہر بانو دختر یزدجرد (یزدگرد) بتایا جاتا ہے محض غلط ہے۔(طبری والمعارف وغیرہ تحقیق مزید مؤلفہ راقم الحروف)

(۳) اُم اسحٰق بنت طلحہ بن عبیداللہ۔ان کے بطن سے فاطمہ دختر حسین تھیں۔(کتاب نسب قریش وجمہرۃ الانساب ابن حزم وغیرہ)

(۴) رباب بنت امراؤالقیس کلبیہ۔جن کے بطن سے سکینہ بنت الحسین ہوئیں۔عبداللہ طفل صغیر مقتول کو بھی ان کے بطن سے بتایا جاتا ہے۔(کتاب المعارف وکتاب نسب قریش وغیرہ)

(۵) حفصہ بنت عبدالرحمٰن بن ابو بکر الصدیق۔ محمد بن الحسین غالبًا ان کے بطن سے تھے۔ (کتاب المحبر ص ۲۹۰)

(۶) دختر ابو مسعود انصاری۔ ان سے کیا اولاد تھی اس کا حال معلوم نہیں۔ (کتاب المحبر ص ۲۹۰)

(۷) خاتون از قبیلہ بلی (قضاعۃ)۔ ان کے بطن سے جعفر بن الحسین تھے۔ (کتاب نسب قریش ص ۵۹) صاحب ناسخ التواریخ نے عمر بن الحسین کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

بروایتے دیدم کہ پسران حسین را پنج تن بشمار آوردہ و نام یک تن ایشاں را عمر دانستہ گویند چہار سالہ بود۔ (ص ۵۳۳)	میں نے ایک روایت میں دیکھا ہے کہ پسران حسین کا شمار پانچ عدد کیا ہے اور ایک کا نام ان میں سے عمر خیال کیا ہے کہتے ہیں کہ چار سال کی عمر تھی۔

الامامۃ و السیاسۃ کے مؤلف نے نیز صاحب ناسخ التواریخ نے بحوالہ کشف الغمۃ محمد کو پسران حسینؓ میں شمار کیا ہے (ص ۵۳۳)۔ پسران حسینؓ کس سن وصال کے تھے آیا آپ کے بڑے بیٹے علی اکبر مقتول کربلا تھے، علی الاوسط زین العابدین تھے تو علی اصغر کون تھے۔ اس بارے میں مختلف اقوال ہیں تاہم سب مؤرخین ونسابین اس بات پر متفق اللفظ ہیں کہ علی بن الحسین (زین العابدین) کی عمر حادثہ کربلا کے وقت ۲۳ اور ۲۴ برس کی تھی صاحب اولاد تھے۔ ان کی زوجہ اُم عبداللہ بنت حسن بن علی سے دو بیٹے حسین الاکبر اور محمد (الباقر) کربلا میں اُن کے ساتھ تھے۔ حسین الاکبر بڑے تھے ان ہی کے نام پر ان کے والد کی کُنیت تھی (کتاب نسب قریش ص ۵۹)۔ مکذوبہ روایتوں میں کہا گیا ہے کہ ان کو نابالغ بچہ سمجھ کر چھوڑ دیا گیا اور قتل نہ کیا گیا۔ اسی طرح حضرت حسینؓ کے داماد حسن مثنیٰ اور ان کے بھائی عمرو بن الحسن کو جو مسلم بن عقیل کے بہنوئی تھے اور اکیس بیس کی عمروں کے تھے، کم سِن بتایا ہے۔ محض اس غرض سے کہ یہ حضرات جو مع اپنے دیگر عزیزوں کے جن کی فہرست اگلے صفحات میں آ رہی ہے میں درج ہے صحیح سلامت واپس آئے تھے۔

اُن کی اور ان کے عزیزوں کی صحیح سلامت واپسی سے ان روایتوں کی تکذیب ہوتی ہے کہ حکومت کے عمال نسل حسینؓ کا خاتمہ کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے کبھی تو یہ کہا ہے کہ مریض تھے لڑائی میں شریک نہ ہوئے۔ ابن زیاد قتل کرنا چاہتا تھا ان کی پھوپھی لپٹ گئیں کہ مجھے ان کے ساتھ قتل کردے۔ اُس ظالم کو رحم آ گیا قتل سے باز رہا۔ کبھی کہا ہے کہ کم سن سمجھ کر چھوڑ دیا۔ علامہ ابن جریر طبری نے اکاذیب کو جس طرح مشتہر کیا ہے ملاحظہ ہو کہ جو حضرات ۲۳، ۲۴ اور ۲۰، ۲۱ برس کی عمر کے شادی شدہ صاحب اولاد تھے ان کو کم سن بتاتے ہیں۔

(۱) **واستصغر علی بن الحسین بن علی فلم یقتل۔** (طبری ج۶ ص۲۶۹)

''اور علی بن الحسین بن علی چھوٹی عمر کے سمجھے اور قتل سے بچ گئے۔''

(۲) **واستصغر الحسن بن الحسن بن علی واستصغر عمرو بن الحسن بن علی فترک فلم یقتل۔** (طبری ج۶، ص۲۷۰)

''اور حسن بن حسن بن علی اور عمرو بن حسن بن علی چھوٹی چھوٹی عمروں کے سمجھ کر چھوڑ دیئے گئے اور قتل ہونے سے بچ گئے۔''

علامہ موصوف سے پوچھا جا سکتا تھا کہ صاحب اولاد اور شادی شدہ جوان العمر اشخاص کو تو چھوٹی عمر کا سمجھ کر چھوڑ دیا قتل نہ کیا پھر ایک معصوم طفل شیر خوار عبداللہ بن حسین کو جیسا کہا جاتا ہے کیوں قتل کیا۔ اس کے ننھے جسم میں کیوں تیر پیوست کیا اور تیر کو بھی ایسا دانا و بینا بتایا ہے کہ ننھے سے جسم کے اور تو کسی اور مقام پر نہ لگا، لگا تو معصوم کے سیدھا حلق پر (حلق آں معصوم زد۔ جلاء العیون)۔ تاریخ یعقوبی کے مؤلف نے تو اس بچہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ اُسی وقت پیدا ہوا تھا۔ **وقد ولد لہ فی تلک الساعۃ** ۔ حضرت حسینؓ نے اُس نومولود کے کان میں اذان دینے کیلئے اُس وقت کہ میدان جنگ میں گھوڑے پر سوار تھے **لواقف علی فرسہ** اپنی گود میں لے لیا تھا۔

اس قسم کی وضعی روایتوں کا مقصد تو ظاہر ہے محض جذبات کو برانگیختہ کرنے کا تھا مگر

الامامۃ والسیاسۃ کے غالی مؤلف کے الفاظ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت حسینؓ جب کوفہ سے پلٹ کر دمشق جانے کے قصد سے کربلا پہنچے اور عمال حکومت سے شرائط کی گفتگو کے دوران برادرانِ مسلم کے عاقبت نااندیشانہ پیش دستی سے تلوار چل پڑی **فتحولوا مع الحسین فقاتلوا** (الامامۃ والسیاسۃ ج ۲ ص ۷) اور یہ حادثہ پیش آ گیا۔

اسی غالی مؤلف نے لکھا ہے کہ قافلے میں جو ایک صاحبزادے حضرت حسینؓ کے تھے جن کا نام اس نے ''محمد بن حسین بن علی'' بتایا ہے۔ اُنہوں نے باقی ماندہ نوجوانوں کی تعداد بارہ بیان کی تھی۔ اس میں نابالغ بچوں کا بھی شمار کیا جائے تو ذیل کی فہرست سے اس کی تائید مزید ہو جاتی ہے۔ اور اس حقیقت کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ نہ باقاعدہ معرکہ آرائیاں ہوئیں اور نہ وحشیانہ مظالم۔ یہ حزینہ یکا یک پیش آ گیا اور باقی ماندگان کو بحفاظت اور باحترام تمام خلیفہ کے پاس جو اُن کے عزیز و قرابت دار تھے بھیج دیا گیا۔

نمبر شمار	اسماء مقتولین	پسماندگان جو دمشق ہو کر مدینہ واپس آئے	عمر تخمیناً	کیفیت
۱	حسین بن علیؓ	۱۔علی بن الحسین (زین العابدین)	۲۳ سال	
۲	عباس بن علیؓ	۲۔حسین الاکبر بن حسین	۴ سال	
۳	عثمان بن علیؓ	۳۔محمد بن حسین	۳ سال	
۴	جعفر بن علیؓ	۴۔محمد بن حسین	۱۸ سال	
۵	عبداللہ بن علیؓ	۵۔جعفر بن حسین	۱۴ سال	
۶	علی اکبر بن حسین	۶۔عمر بن حسین		
۷	ابوبکر بن حسنؓ	۷۔زید بن حسن	۳۰ سال	
۸	قاسم بن حسنؓ	۸۔حسن مثنیٰ بن حسن	۲۱ سال	
۹	عبداللہ بن حسن	۹۔عمرو بن حسن	۲۰ سال	

نمبر شمار	اسماء مقتولین	پسماندگان جو دمشق ہو کر مدینہ واپس آئے	عمر تخمیناً	کیفیت
۱۰	عون بن عبداللہ بن جعفر	۱۰۔طلحہ بن حسن	۱۵سال	
۱۱	محمد بن عبداللہ بن جعفر	۱۱۔فضل بن عباس بن علی	۱۰سال	
۱۲	عبداللہ اکبر بن عقیل	۱۲۔عبیداللہ بن عباس بن علی		
۱۳	عبدالرحمٰن بن عقیل	۱۳۔حسن بن عباس بن علی		ان میں کون بالغ تھا اور کون نابالغ معلوم نہ ہو سکا
۱۴	عبداللہ بن مسلم بن عقیل	۱۴۔علی بن مسلم بن عقیل		
۱۵	مسلم بن عقیل (مقتول کوفہ)	۱۵۔محمد بن مسلم بن عقیل		
		۱۶۔عبدالرحمٰن بن عبداللہ اکبر بن عقیل		مقتولین میں سے چند نام بعض کتب میں اور درج ہیں لیکن کتب انساب کی تصریحات سے تصدیق نہ ہو سکی
		۱۷۔مسلم بن عبداللہ اکبر		
		۱۸۔عقیل بن عبداللہ اکبر		
		۱۹۔محمد بن عبداللہ اکبر		
		۲۰۔سعید بن عبدالرحمٰن بن عقیل		
		۲۱۔عقیل بن عبدالرحمٰن بن عقیل		

جو حقائق کتاب اب تک پیش کئے گئے ہیں ان سے اس واقعہ حزن انگیز کی صحیح کیفیت اور حالات کا بخوبی انکشاف ہو جاتا ہے۔ البتہ ایک دو باتوں کا جو اسی سلسلہ میں زیادہ مشہور کی گئی ہیں مختصر الفاظ میں ذکر کر دینا مناسب ہے۔ مثلاً ملا باقر مجلسی کا یہ کہنا کہ ہندہ دختر عبداللہ بن عامر زوجہ یزیدؒ جو پہلے حضرت حسینؓ کی زوجیت میں تھی سر مبارک کے آنے اور مکان کے دروازے پر آویزاں کئے جانے کا حال سُن کر بے پردہ نکل آئی اور یزیدؒ کی مجلس میں پہنچ کر واویلا کرنے لگی ''پردہ دریدہ از خانہ بیروں و دیدہ مجلس آں آمد'' (جلاء العیون) قطعاً بے اصل ہے۔ ملا صاحب کو امیر المومنین یزیدؒ کی ازواج کے اسماء کا صحیح علم نہ تھا۔ ان کی کوئی زوجہ ہندہ نام کی نہ تھی۔ ان سب

کے نام امیر المومنین کے خانگی حالات کے سلسلہ میں دوسری جگہ ملاحظہ ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عامر کی جو دختر امیر موصوف کے حبالہ عقد میں تھیں اُن کا نام اُم کلثوم تھا۔ ان اُم کلثوم بنت عبداللہ بن عامر زوجہ یزیدؒ سے تین اولادیں ہوئیں۔ دو بیٹے عمرو عبداللہ الاصغر اور ایک بیٹی عاتکہ جو امیر المومنین عبدالملکؒ کی زوجہ تھیں۔ امیر یزیدؒ کے یہ خسر حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے حقیقی ماموں زاد بھائی بڑے مجاہد اور منتظم تھے۔ ان ہی کی بہو حضرت علیؓ کی صاحبزادی خدیجہ زوجہ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عامر مذکور تھیں۔

جناب ملائے مجلسی نے اس موقع پر ان کی دوسری زوجہ سیدہ اُم محمد کا کچھ ذکر نہیں کیا حالانکہ وہ حضرت حسینؓ کی بھتیجی تھیں۔ اُن کے چچا کا سر اس طرح اگر اُن کے گھر پر آویزاں ہوتا تو کیا وہ ''پردہ را دریدہ از خانہ بیروں و دید'' ہی پر اکتفا کرتیں، وہ ایسے شخص کی زوجیت میں رہنا گوارا کر لیتیں جس نے اُن کے چچا کو قتل کرا کے سر منگوایا ہو اور گھر پر آویزاں کیا ہو۔ پھر یہ ایک ہی رشتہ تو امیر المومنین یزیدؒ کا حضرت حسینؓ سے نہ تھا کہ امیر موصوف ان کے بھتیج داماد تھے بلکہ امیر المومنین یزیدؒ کی حقیقی پھوپھی زاد بہن کے شوہر ہونے سے اُن کے بہنوئی بھی تھے۔ اور علی اکبر فرزند حضرت حسینؓ امیر یزیدؒ کے بھانجے تھے تو کیا بھانجے کا سر کاٹ کر ماموں کے پاس اور بہنوئی کا سر سالے کے پاس بھیجا گیا تھا۔ کیا امیر عبیداللہ بن زیاد جن کو امیر المومنین کا حکم تھا کہ وہ اس وقت تک تلوار نہ اُٹھائیں جب تک اُن کے خلاف تلوار نہ اُٹھے، ایسا کوئی فعل کر سکتے تھے۔

مکذوبہ روایتوں میں عوام کے جذبات مشتعل کرنے کی غرض سے راویوں نے اپنی قوت واہمہ سے کام لے کر اسی قسم کی بہت سی ایجادیں کی ہیں جن کی کوئی اصلیت نہیں اور اصلیت ہوتی کیسے جب نہ کوئی باقاعدہ جنگ ہوئی اور نہ اس طرح کی جنگ ہونے کا ان حقائق کے لحاظ سے جو پیش کئے گئے کوئی امکان تھا۔

واقعہ حرہ وحصار ابن زبیرؓ :

حادثہ کربلا کے بعد جو ۱۰ محرم ۶۱ھ کو پیش آیا تھا تین برس تک یعنی ۲۸ ذی الحجہ ۶۳ھ تک عالم اسلام میں کسی جگہ کوئی ہنگامہ بپا نہ ہوا۔ ہر طرف امن وامان وخوشی کا دور دورہ تھا۔ تمام امور مملکت بحسن وخوبی انجام پا رہے تھے۔ صرف ایک کانٹا تھا اور وہ عبداللہ بن زبیرؓ کا۔ مکہ معظّمہ میں قیام اور حکومت وقت کے خلاف خفیہ پروپیگنڈا۔ اس پروپیگنڈے میں کربلا کے فرضی مظالم کا کوئی ذکر نہ تھا۔ کیونکہ اس وقت تک خیالی مظالم کی داستانیں وضع نہیں ہوئی تھیں۔ مکہ معظّمہ میں عبداللہ بن زبیرؓ کا قیام تو تین برس پہلے سے اُس وقت سے برابر رہا جب عامل مدینہ نے اُنہیں حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد نئے خلیفہ کی بیعت کیلئے بلایا تھا۔ وہ یہ کہہ کر کہ صبح جب سب لوگوں کو طلب کروگے ہم بھی آموجود ہونگے اور ''بیعة سلیمة صحیحة'' کریں گے (الامامۃ والسیاسۃ ج ا ص ۲۱۶)۔ مگر رات ہی رات مکہ معظّمہ روانہ ہوگئے اور یہاں پہنچ کر اپنے آپ کو کعبہ کا پناہ گزین کہنے لگے۔ حضرت حسینؓ بھی اسی طرح یہاں آگئے تھے اور چار مہینے سے زیادہ مقیم رہ کر کوفیوں کے اصرار پر طلب خلافت کی غرض سے عراق تشریف لے گئے۔ ابن زبیرؓ نے بھی اُنہیں چلے جانے کا مشورہ دیا تھا کیونکہ حجاز میں اُن کی موجودگی سے اُن کی اپنی خلافت کی طرف دعوت دینا مشکل تھا۔ حضرت حسینؓ کے سانحے کے بعد عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنی کارروائیاں تیز تر کردیں۔

حکومت تمام کارروائیوں سے باخبر تھی لیکن تشدد کا کوئی اقدام اُن کے خلاف نہیں کیا گیا۔ بلاذری نے قدیم ثقہ مؤرخ المدائنی کی سند سے لکھا ہے کہ خود امیر المومنین یزیدؒ نے اُنہیں خط لکھا جس میں کہا تھا کہ آپ اپنی ذات کا تو خدارا خیال کیجئے۔ آپ قریش کے سن رسیدہ اشخاص میں سے ہیں اور اجتہاد وعبادت گزاری کے اچھے اچھے کام بھی کرچکے ہیں۔ اب کوئی بات ایسی نہ کیجئے کہ سب کئے کرائے پر پانی پھر جائے۔ آخری فقرہ یہ تھا:

'' ولا تبطل ما قدمت من حسنٍ و ادخل فیه الناس ولا تُردهم فی فتنة ولا تحل حرم الله.'' (انساب الاشراف بلاذری ج ۴ ص ۱۶)

''جو اچھائیاں آپ کر چکے ہیں، انہیں باطل تو نہ کیجئے لوگ جس (بیعت) میں داخل ہو چکے ہیں آپ بھی داخل ہو جایئے اور لوگوں کو فتنہ میں مبتلا نہ کیجئے اور حرم اللہ (کعبہ) کی بے حرمتی کا ارتکاب نہ کیجئے۔''

مگر اُنہوں نے نہ مانا اور یہ عجیب جواب بھیجا کہ شوریٰ کیا جائے۔ **فکتب ابن الزبیر یدعوہ الی الشوریٰ** گویا جو فرد تین برس سے کاروبار خلافت انجام دے رہا ہے اور جس کی بیعت میں ایک ابن زبیرؓ اور ان کے ساتھیوں کی مختصر سی جماعت کے علاوہ کروڑوں مسلمان داخل ہیں وہ پھر سے الیکشن کرائے۔ کہا جاتا ہے کہ امیر المومنین نے قسم کھائی کہ اب ان کو گرفتار کرا کے بیعت لی جائے **فحلف الا یقبل بیعة الا فی جامعة** ۔ عامل مدینہ کو حکم دیا گیا کہ ان کے خلاف پولیس ایکشن کی کارروائی کی جائے۔ اُس زمانہ میں پولیس افسر خود اُن ہی کے سوتیلے بھائی عمرو بن الزبیرؓ تھے جو اُموی خاندان کے نواسے بھی تھے۔

'' **وکان عمرو بن الزبیر و اُمه بنت خالد بن سعید بن العاص علی شرطة.**''
(ج۴ص۲۳ایضاً)

''عمرو بن الزبیرؓ جن کی والدہ خالد بن سعید بن العاص کی بیٹی تھیں (عامل مدینہ کے) پولیس افسر تھے۔''

مدینہ کے عامل نے بتعمیل حکم عمرو بن الزبیرؓ کو اُن کے بھائی کے خلاف ایک جماعت کے ساتھ بھیجا اور ہدایت کی کہ اگر حکم مان لیں تو خیر ورنہ انہیں گرفتار کر لیا جائے۔ (ج۴ ص۲۶ایضاً) عمرو بن الزبیرؓ جب مکہ پہنچے تو اُن کے بھتیجے یعنی عبداللہ بن زبیرؓ کے فرزند عباد اپنے چچا اور اُن کے ساتھیوں سے ملنے آئے۔ عمرو نے اپنے بھائی کو بیعت کر لینے کے لئے پیغام بھیجا **وارسل عمرو الی اخیه فی بیعة یزید**۔ اس پر جو جواب حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ نے دیا بلاذری کی روایت میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ یعنی اُنہوں نے فرمایا:

'' **مانی علی طاعة یزید وقد بایعتُ عامل مکه حین دخلها.**'' (ص۲۶ایضاً)

''میں تو یزید کی اطاعت ہی میں ہوں اور مکہ میں داخل ہوتے ہی عامل مکہ کے ہاتھ میں اُن کی بیعت کر چکا ہوں۔''

ظاہر ہے کہ کہ یہ جواب یا تو راوی نے غلط نقل کیا ہے یا اگر صحیح نقل کیا ہے تو مصلحت وقتی کے لحاظ سے کہہ دیا گیا ہو۔ اس جواب پر پولیس افسر چکمہ میں آ گئے پھر ان کی جماعت پر یکا یک حملہ ہو گیا۔ وہ اپنے جس بھائی کو گرفتار کرنے آئے تھے انہوں نے ہی انہیں گرفتار کرا لیا۔ گرفتاری کے وقت اُن کے دوسرے بھائی عبیدہ بن الزبیرؓ نے اُنہیں اپنی پناہ میں لے لیا تھا مگر عبداللہ بن الزبیرؓ نے قبول نہ کیا اور اپنے ان سوتیلے بھائی عمرو بن زبیرؓ کو قید کر دیا۔ متعدد روایتوں میں بیان ہوا ہے کہ سخت سے سخت اذیتیں دی گئیں۔ نہایت بے رحمی کے ساتھ کوڑوں سے مار پیٹ کی گئی بالآخر اسی زدوکوب میں ان کی جان نکل گئی (انساب الاشرف بلاذری ج ۴ ص ۲۶)۔ پھر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے حکم دیا کہ لاش کو سولی دی جائے **فامر به عبدالله فصلب فكان ذالك اول ما نقمه الناس** (انساب الاشرف ج ۴ ص ۳۸)۔ اس حادثہ کا بہت چرچا ہوا، مرثئے لکھے گئے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اپنی تقریروں میں فرمایا کرتے تھے کہ اقامت حق اور اصلاح کے سوائے میری اور کوئی غرض نہیں۔ نہ دولت کی خواہش ہے نہ مال و زر جمع کرنے کی۔ میرا پیٹ ہی بالشت بھر کا ہے یا اس سے کم ہے **وانما بطنی شبر او اقل** (ص ۲۷ ایضاً)۔ شعراء نے ان کے دعوہ اصلاح کا اپنے کلام میں مذاق اُڑایا اور کہا کہ ہم لوگوں سے تو آپ یہی فرماتے رہے کہ جلد ہی حکومت پر آپ کا قبضہ ہو جائے گا، آپ کسی چیز کے طالب بھی نہیں، آپ کا پیٹ بالشت بھر یا اس سے کم ہے مگر جو چیز آپ کو پہنچتی ہے اس پر دانت لگاتے ہیں۔ سنت فاروق وصدیق کا ذکر تو کرتے ہیں مگر اپنے بھائی عمرو کے ساتھ آپ کے کیا الطاف ہوئے۔ بلاذری نے متعدد اشعار نقل کئے ہیں جن میں ضحاک بن فیروز دیلمی کے یہ چند شعر بھی ہیں جن کا مفہوم یہی ہے جو بیان ہوا ہے۔

تقول لنا ان سوف یکفیک قبضة — وبطنک شبراً و اقل من الشبر

وانت اذا ما نلت شیئاً قضمتهُ — کما قضمتُ نارُ الغضی حطب

لکم سنة الفاروق لا شئی غیرها　　وسُنة صدیق النبی ابی بکر

فلو ما اتقیت اللّٰه لا شئی غیره　　اذا عطفتک العاصفات علی عمرو

پولیس ایکشن کی ناکامی کے بعد ہی عامل مدینہ عمرو بن سعید کو ہٹا کر ولید بن عتبہ کا تقرر کیا گیا۔ انہوں نے چارج لیتے ہی عبداللہ بن زبیرؓ کے خلاف کارروائیاں شروع کر دیں۔ مگر حضرت موصوف نے اس عامل کے برطرف کر دیئے جانے کی یہ چال چلی کہ اہل مکہ کی جانب سے امیرالمومنین یزیدؒ کو خود لکھ کر یہ مراسلہ روانہ کیا جسے بلاذری نے بھی نقل کیا ہے اور ابن جریر طبری نے بھی۔ طبری کی روایت یہ ہے کہ:

ثُمَّ ان ابن الزُّبَیر عمل بالمکر فِي أمر الوَلِید بن عتبة، فکتب اِلَی یَزِید بن مُعَاوِیَة: انک بعثت الینا رجلا أخرق، لا یتجه لأمر رشد، وَلا یرعوي لعظة الحکیم، ولو بعثت الینا رجلا سهل الخلق، لین الکنف، رجوت أن یسهل من الأمور مَا استوعر منها، وأن یجتمع مَا تفرق، فانظر فِي ذَلِکَ، فان فِیهِ صلاح خواصنا و عوامنا اِن شاء اللّٰه، والسلام.

(طبری ج۷ ص ۲)

پھر ابن زبیرؓ نے ولید بن عتبہ (عامل مدینہ) کے بارے میں مکر وحیلہ سے کام لیا اور یزید بن معاویہ کو خط لکھا کہ تم نے کس بے وقوف شخص کو ہمارے یہاں بھیجا ہے جو کسی عقل کی بات پر توجہ نہیں کرتا۔ کسی عاقل کے سمجھانے سے باز نہیں آتا اگر کسی خوش اخلاق و تواضع پسند شخص کو ہمارے یہاں بھیجتے تو اُمید تھی کہ بہت سی دشواریاں آسان ہو جاتیں اور تفرقہ اُٹھ جاتا۔ اس معاملہ میں غور کرو کہ اسی میں اللہ نے چاہا تو عام وخاص کی بہتری ہے۔ والسلام

عبداللہ بن زبیر کی اس چال کو امیرالمومنین اپنی طبعی نرم دلی اور حرمین شریفین کے باشندوں کے ساتھ رفق و مدارات کے برتاؤ کے خیال سے نہ سمجھ سکے اور ولید بن عتبہ جیسے تجربہ کار عامل کو برطرف کر کے عثمان بن محمد بن ابوسفیان کا تقرر کر دیا جو نوجوان و ناآزمودہ کار تھے اور

معاملات کا تجربہ نہ رکھتے تھے۔عبداللہ بن زبیر کو اب اچھا موقع مل گیا۔سابقہ عمال تو لوگوں کی ان کے پاس آمد و رفت پر کڑی نگرانی رکھتے تھے اب جو ذرا ڈھیل ملی تو اپنے آدمی چاروں طرف پھیلا دیئے۔ طائف میں امرالمومنین کے وفادار سعد مولی عتبہ بن ابی سفیان نے ان لوگوں کی مقادمت کی تھی پچاس آدمیوں کے ساتھ قلعہ بند ہو گئے تھے۔مگر ابن زبیرؓ نے ان سب کو پکڑ والیا اور حرم میں لاکر ان کی گردنیں ماردیں وضرب اعناقہم فی الحرم (بلاذری ج۴ص ۲۰)۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو فرمایا:

''لو لقیت قاتل ابی بالحرم ما قتلته.'' (انساب الاشراف ص۳۰)

''اگر میں اپنے والد کے قاتل کو بھی حرم کے اندر پاتا تو اس کو قتل نہ کرتا۔''

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے تو یہاں تک فرمادیا تھا کہ جب حرم میں انہوں نے خونریزی کی ہے تو وہ بھی ایک دن وہیں قتل ہونگے۔امیرالمومنین یزیدؒ کو ان افسوس ناک حالات کی اطلاع ہوئی تو کوئی سخت قدم اُٹھانے کے بجائے بعض صحابہ کا وفد ابن زبیر کے ساتھیوں کے سمجھانے کو بھیجا۔ان میں حضرت نعمان بن بشیر انصاریؓ وحضرت عبداللہ بن عصام الاشعریؓ وحضرت الحصین بن نمیر السکونیؓ اور دیگر حضرات شامل تھے۔ایک تحریر بھی بعنوان من عبدالله یزید امیر المومنین الی اهل المدینة (اللہ کے بندے یزید امیرالمومنین کی طرف سے اہل مدینہ کے نام) ارسال کی۔ جس میں لکھا تھا کہ میں نے تم لوگوں کی قدر و منزلت کی اور اتنی کی کہ تمہارے سامنے اپنی ہستی بھی کچھ نہ سمجھی وحملتکم علی راسی ثم علی عینی ثم علی نحری (انساب الاشراف ج۴،ص۳۲) یعنی تم میں نے اپنے سر پر بٹھایا پھر اپنی آنکھوں پر پھر اپنی گردن پر مگر میرے حلم سے تم نے مجھ کو ضعیف سمجھا تم باز نہ آئے تو خمیازہ بھگتو گے۔ یہ دو شعر بھی آخر میں لکھے تھے۔

اظن الحلم دل علی قومی	وقد یستضعف الرجل الحلیم
میں سمجھتا ہوں کہ حلم و نرمی نے میری قوم کو میرے اوپر دلیر کر دیا ہے	اور حلیم و نرم خو شخص کو تو کمزور ہی سمجھا جاتا ہے

وما رست الرجال وما رسونی	فمعوج علی و مستقیم
میں نے لوگوں کی اصلاح کی کوشش کی	تو کسی کو میں نے کج رو پایا اور کسی کو
اور لوگوں نے میری اصلاح کی	راہ راست پر

حضرت نعمان انصاریؓ اور دوسرے حضرات نے بہت کچھ سمجھایا کہ طاعت اختیار کریں فتنہ وفساد میں مبتلا نہ ہوں، مگر کچھ اثر نہ ہوا۔ عبداللہ بن مطیع عدوی نے تو حضرت نعمان بن بشیرؓ سے کہا کہ تم ہماری جماعت کو کیوں متفرق کرتے ہو۔ اللہ نے جو کام ہمارا بنا دیا ہے اسے کیوں بگاڑتے ہو۔ وفد ناکام واپس آیا تو حلیم الطبع امیر المومنین نے پھر کوشش کی کہ معاملہ امن وآشتی سے سلجھ جائے۔ اہل مدینہ کو خود مخاطب کیا اور وہ قطعہ اشعار لکھ کر بھیجا جو اوپر درج ہو چکا ہے۔ ساتھ ہی عامل مدینہ کو ہدایت کی کہ وہاں کے لوگوں کا وفد ہمارے پاس بھیجو تا کہ ہم اُن کی باتیں اپنے کانوں سے سُنیں اور استمالت قلب کریں۔

فکتب یزید الی عثمان بن محمد بن أبي سُفیَان عامله أن یوجه الیه وفدًا لیستمع مقالتهم ویستمیل قلوبهم. (انساب الاشراف ج۴ص ۲۱)	یزید نے اپنے عامل عثمان بن محمد بن ابی سُفیانؓ کو تحریر کیا کہ ہمارے پاس (وہاں کے لوگوں کا) وفد بھیجو ہم اُن کی باتیں سُنیں اور اُن کی استمالت قلب کریں۔

عامل مدینہ نے حکم کی تعمیل تو کی مگر وفد کے ارکان غلطی سے وہی منتخب کئے جو بغاوت کے سرغنہ اور پر جوش حامی وسرگرم مبلغ تھے۔ ان میں عبداللہ بن مطیع عدوی کے ساتھ عبداللہ بن زبیرؓ کے حقیقی بھائی المنذرؓ[1] بن زبیر کو شامل کر لیا تھا۔ (انساب الاشراف ص ۳۱)

مؤرخین کا بیان ہے کہ امیر المومنین نے ارکان وفد کی خوب آؤ بھگت کی۔ گرانقدر

---

[1] کہا جاتا ہے کہ یہی وہ ابن زبیرؓ تھے جو غزوہ قسطنطنیہ میں امیر یزیدؒ کے ساتھ تھے۔ حضرت معاویہؓ کی تدفین میں بھی شریک تھے اور اُن کی وصیت کے مطابق اُن کی میت کو اُنہوں نے ہی غسل دیا تھا۔ بصرہ میں اُن کو جاگیر بھی عطا ہوئی تھی اور مکانات بھی اُن کے وہاں تھے۔ یہ بعد میں اپنے بھائی سے آملے اور حصار اول کے معرکہ میں قتل ہوئے۔

عطیات پیش کئے جوان سب نے بخوشی لے لئے لیکن جو جذبات لے کر گئے تھے انہی کے ساتھ واپس آئے اور جو باتیں پہلے کہتے تھے واپسی کے بعد اور بھی شدت سے کہنے لگے۔ ان لوگوں کا پروپیگنڈا حد سے گزرنے لگا تو مدینہ ہی کے بزرگوں نے جو امیر المومنین کے حالات سے کما حقہ واقفیت رکھتے تھے اور ان لوگوں سے زیادہ ان کے پاس مقیم رہ کر ان کے شب و روز کے معمولات کو بچشم خود دیکھ چکے تھے مثلاً حضرت محمد بن علیؒ (ابن الحنفیہ) نے بہتانوں کی تردیدیں کیں، بہتان تراشنے والوں کو جھڑکا اور اُن سے بحثیں کی، سمجھایا، بجھایا جیسا آپ گذشتہ اوراق میں پڑھ چکے ہیں اور حضرت علی بن الحسین، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے مؤقف اور طرز عمل کا حال معلوم کر چکے ہیں کہ یہ سب حضرات امیر المومنین کی موافقت اور بغاوت پھیلانے والوں کی مخالفت میں پیش پیش رہے اور عبداللہ بن زبیرؓ کے دعوہ خلافت کی شدت کے ساتھ مخالفت کی۔ احکام شرع وارشادات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رُو سے اُسے غلط بتایا۔

حضرت ابن عمرؓ نے اپنے تمام اہل خاندان کو مجتمع کر کے وہ حدیث سُنائی جو پہلے درج ہو چکی اور کہا تھا کہ اگر اس شورش میں کوئی بھی تم میں سے شریک ہوا تو میرا اس کا تعلق ہمیشہ کیلئے منقطع ہو جائے گا (بخاری کتاب الفتن ج ۲ جزو ۲۹)۔ مگر ان لوگوں نے جو بغاوت کی تحریک چلا رہے تھے اپنی تحریک جاری رکھی۔ بنی عدی یعنی ابن عمرؓ کے خاندان میں سے صرف عبداللہ بن مطیع جو اس تحریک کا ایک سرغنہ تھا باغیوں کے ساتھ رہا۔ انصاریوں میں سب سے بڑا گھرانا بنو عبدالاشہل کا ان لوگوں سے الگ رہا۔ بنو ہاشم میں سے صرف چند حارثی شریک تھے ورنہ بنو عبدالمطلب میں خصوصاً حضرت محمد بن علیؒ (ابن الحنفیہ) وعلی بن الحسینؒ (زین العابدین)، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ان سب کے عزیز باغیوں کے مخالف تھے۔

آل جعفر، آل علی، آل ابی بکر میں سے کوئی بغاوت میں شریک نہ ہوا جیسا کہ عام ہنگاموں اور فتنہ وفساد میں ہوتا رہا ہے۔ عوام الناس کا جم غفیر ان لوگوں کے بہکانے میں آ گیا۔ دمشق سے واپسی پر کافی رقم اُن کے پاس تھی، سامان حرب کی فراہمی ہونے لگی۔ ان کی جمعیت بڑھنے لگی۔

بنی اُمیہ کو تو پہلے محصور کر کے ان پر پانی تک بند کر دیا۔ طبری کی روایت ہے کہ محصورین نے امیر المومنین سے استغاثہ کیا اور قاصد کے ذریعہ تحریر بھیجی تو باغیوں نے عامل مدینہ اور بنی اُمیہ کے مرد و زن اور ان کے لواحقین کو جن کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ بیان کی گئی ہے یہ عہد و پیمان لے کر کہ وہ شہر کے مورچوں اور گزرگاہوں کا حال کسی کو نہ بتلائیں گے، خارج البلد کر دیا۔ **اخرجوا هم باثقالهم و اموالهم فمضوا الى الشام** (انساب الاشراف ص ۳۳)۔

یہ سب اُموی سادات مع امیر عثمان کے بغیر کسی مقادمت کے شہر سے نکل گئے کیونکہ اپنی طرف سے کوئی ایسی بات نہیں کرنی چاہتے تھے جس سے حرم شریف میں خونریزی کی نوبت آئے۔ اپنے ذی اقتدار کنبے کے علاوہ چاہتے تو کافی مدد حاصل کر سکتے تھے۔ شہر بدر کرنا آسان نہ ہوتا یہ بنی اُمیہ کی غایت درجہ عقیدت مندی تھی کہ خونریزی کے بغیر شہر چھوڑ دیا۔

ان حالات و واقعات کی اطلاع جس وقت امیر المومنین کو پہنچی، کہا جاتا ہے کہ دردِ نقرس کی وجہ سے اسی بیماری میں چند ماہ بعد وفات پائی، طشت میں پا شوبہ کر رہے تھے، سُن کر فرمایا:

لقد بدلوا الحلم الذی فی سجیتی فبدلت قومی غلظةٍ بلیان

میری طبیعت میں حلم تھا اسے لوگوں نے بدل دیا — میں نے بھی اب اپنی قوم کیلئے نرمی کے بدلے سختی کو اختیار کر لیا

اس سختی کی نوعیت بھی یہ تھی کہ ایک تادیبی مہم باغیوں کی سرکوبی کیلئے تجربہ کار فوجی افسروں کی ماتحتی میں بھیجی گئی۔ افسروں میں متعدد صحابی و تابعی حضرات تھے۔ افسر بالا مسلم بن عقبہ المریؓ تھے جو کبیر السن بھی تھے اور اس زمانہ میں مریض بھی۔ انہوں نے اس خلعت کو بخوشی قبول کیا۔ جس مدینہ طیبہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری کا اُن کو شرف حاصل ہوا تھا اُس کو اپنے آخری ایام زندگی میں فتنہ و فساد سے پاک کرنا اپنا فریضہ سمجھتے تھے۔ ان کے ساتھ دیگر صحابہ امیر حصین[1] بن نمیر السکونی (الاصابہ ج ۱ ص ۳۳۹)، امیر عبداللہ بن عصام الاشعری (الاصابہ ج ۳ ص ۳۴۶) اور

---

[1] (حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں۔)

بعض نے شبہ کا اظہار کیا ہے کہ اس نام کے صحابی دوسرے تھے یہ نہ تھے مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ یہ حصین حمص کے والی بھی رہے تھے اور اس زمانہ میں جیسا خود ابن حجر نے یہی لکھا ہے کہ صحابہ کی جماعت میں سے والی مقرر ہوئے تھے۔ ان کے بیٹے یزید اور ان کے فرزند معاویہ بھی اپنے زمانوں میں والی رہے تھے۔

امیر عبداللہ بن مسعود الفزاری (تاریخ الاسلام ذہبی ج ۳ ص ۳۱) اور دوسرے صحابی و تابعی بھی بھیجے گئے تھے۔ امیر روح بن زنباع تابعی تھے ان کے فرزند ضبعان بن روح والی اُردن تھے۔ ان کے علاوہ متعدد وہ حضرات بھی شامل تھے جو اس سے پہلے عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس امیر المومنین کے پیغامبر کی حیثیت سے جا چکے تھے۔ ان سے حصین بن نمیر کی گفتگو کی تفصیل امیر المومنین کے ذاتی حالات کے سلسلہ میں آگے آتی ہے۔

حبیب بن کرہ کا جو بنی اُمیہ کی تحریر لے کر امیر المومنین کے پاس گیا تھا، یہ بیان ہے کہ جب فوج کا دستہ روانگی کیلئے تیار ہو گیا امیر المومنین اُسے رخصت کرنے خود آئے۔ تلوار گلے میں لگائے ہوئے تھے اور عربی کمان کاندھے پر لٹکائے ہوئے تھے۔ لشکر کے سواروں کو دیکھ رہے تھے اور یہ اشعار اپنی زبان سے کہہ رہے تھے جو بتغیر الفاظ پہلے نقل ہو چکے ہیں، یہاں بلاذری وطبری سے نقل کئے جاتے ہیں۔

أبلغ أبا بكر اذا الليل سرى　　وهبط القوم عَلَى وادي القرى

أجمع سكران من القوم ترى　　أم جمع يقظان نفي عنه الكرى

يَا عجبا من ملحد يَا عجبا　　مخادع فِي الدين يقفو بالعرى

میرا پیغام اس وقت ابوبکر (کنیت ابن زبیرؓ) کو پہنچا دینا۔ جب دیکھنا کہ رات ہو گئی اور وادی القریٰ میں فوج اُتر پڑی۔

کیا یہ مست و سرشار لوگوں کی جماعت تمہیں معلوم ہوتی ہے یا یہ لوگ بے خواب و بیدار ہیں جنہوں نے نیند کو پاس نہ آنے دیا۔

مجھے اس ملحد (دین میں نئی بات پیدا کرنے والے) سے تعجب ہوتا ہے۔ جو دین میں مکاری کرتا اور بزرگوں کو برا کہتا ہے۔

پھر امیر عسکر سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ مدینہ کے لوگوں کو تین دن کی مہلت دینا۔ مان جائیں تو خیر ورنہ لڑائی کرنا۔ جب غلبہ پا جاؤ تو باغیوں کا مال اور روپیہ اور ہتھیار اور غلہ (من مال اورقة او السلاح او طعام فهو للجند) یہ لشکریوں کیلئے ہے۔ بلاذری اور طبری میں ان ہی اشیاء کے لے لینے کے الفاظ ہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

اس حکم پر بڑی چہ میگوئیاں کی جاتی ہیں اور وہ حدیث پیش کی جاتی ہے جس میں مدینہ کی حرمت مٹانے اور اہل مدینہ پر خوف مسلط کرنے والوں پر لعنت کی گئی ہے۔ لیکن کوئی صاحب یہ نہیں بتاتے کہ مدینہ کی حرمت پر حرف لانے والا اصل میں تھا کون؟ اس خالص روحانی مرکز کو عسکری مورچہ اور بغاوت کا محور بنایا تھا کس نے۔ قرآن حکیم نے تو عین کعبہ میں بھی جنگ کی اجازت دی ہے پھر مدینہ کو فتنہ وشورش سے پاک رکھنے اور باغیوں کی سرکوبی میں کیا چیز مانع تھی۔ بالخصوص ایسی حالت میں کہ سمجھانے بجھانے، فہمائش کرنے اور امان پیش کرنے کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا گیا تھا۔ جو اہل مدینہ بغاوت میں شریک نہ تھے اُن سے حُسنِ سلوک کی تاکید کی گئی تھی۔ حضرت علی بن حسین (زین العابدینؒ) کے متعلق فوجی افسر کو خاص ہدایت کی گئی تھی کہ ''دیکھو علی بن حسین سے مراعات سے پیش آنا، اُن کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرنا، اُن کو اپنے قریب عزت سے بٹھانا۔ وہ اُن لوگوں کے شریک نہیں جنہوں نے بغاوت کی ہے ان کا خط ہمارے پاس آ گیا ہے۔''

امیر مسلمؓ نے اہل مدینہ کو مخاطب کر کے جو الفاظ کہے تھے وہ مؤرخین نے یہ لکھے ہیں:

''اے اہلِ مدینہ! امیر المومنین یزیدؒ سمجھتے ہیں کہ تم لوگ اصل ہو۔ تمہارا خون بہانا اُنہیں گوارا نہیں۔ تمہارے لئے تین دن کی مُدت مقرر کرتا ہوں جو کوئی تم میں سے باز آ جائے گا اور حق کی طرف رجوع کرے گا، ہم اُس کا عُذر قبول کر لیں گے اور یہاں سے چلے جائیں گے۔ اور اس ملحد (دین میں نئی بات پیدا کرنے والے) کی طرف متوجہ ہوں گے جو مکہ میں ہے اور اگر تم نہ مانو گے تو سمجھ لو کہ ہم حجت تمام کر چکے۔''

تین دن گزرنے کے بعد پھر دوبارہ اہل مخاطب کو مخاطب کر کے کہا کہ ''اے اہل مدینہ تین دن ہو چکے کہو اب تم کو کیا منظور ہے۔ ملاپ کرتے ہو یا لڑنا چاہتے ہو۔''

اہل مدینہ (باغیوں نے) نے جواب میں جب کہا کہ ہم لڑیں گے اس پر بھی امیر مسلمؒ نے پھر اُن سے یہ الفاظ کہے:

'' فَقَالَ لَهُم: لا تفعلوا ' بل ادخلوا فِي الطاعة' ونجعل حدنا و شوكتنا عَلَى هَذَا الملحد الَّذِي قَد جمع اِلَيهِ المراق والفساق من كل أوب . '' (طبری ج ۷ ص ۸)

''(امیر مسلمؒ نے اہل مدینہ سے) پھر کہا: دیکھو ایسا ہرگز مت کرو بلکہ تم سب طاعت گزاری اختیار کرو پھر ہم تم مل کر اپنا زور اُس ملحد پر ڈالیں جس نے فاسقوں کو چار جانب سے اپنے پاس جمع کر رکھا ہے۔''

فاسقوں اور بے دینوں سے مُراد باغیوں سے تھی جو احکام شرع کی خلاف ورزی کر رہے تھے مگر باغی پھر بھی باز نہ آئے۔ تین طرف خندقیں کھود رکھی تھیں۔ پتھروں کے ڈھیر اُن کے پاس تھے۔ صلح کی باتوں کا جواب پتھروں سے دیا اور جب امیر مُسلمؒ نے آخری بات کہی کہ اللہ سے ڈرو اور اپنی جانوں کی خیر مناؤ۔ فاتقوا الله فی انفسکم تو اُنہیں گالیاں دیں اور امیر المومنین کو بھی نہ چھوڑا، اُنہیں بھی گالیاں دیں فشتموه و شتموا يزيد۔

مدینہ کی آبادی کوئی لاکھوں کی نہ تھی۔ سب شہر باغی نہ تھا۔ بغاوت کے سرغنہ چند لوگ تھے جنہوں نے وقتی ہنگامہ بپا کر کے عوام کی ایک جماعت اکٹھی کر لی تھی پھر مورچہ بندی کی تھی۔ ان کی عسکری قوت کی کمزوری اس سے ظاہر ہے کہ خندقیں تین ہی طرف کھودی تھیں اور ایک طرف ایسی آبادی تھی کہ مدافعانہ تدبیر کارگر نہیں ہوسکتی تھی۔ انصار کا سب سے بڑا گھرانا بنو عبدالاشہل اس طرف آباد تھا۔ یہ گھرانہ باغیوں کا شروع سے مخالف اور امیر المومنین کا حمایتی تھا گویا بیعت توڑنے والے باغیوں کی فوج اتنی نہ تھی کہ سامنے سے حریف کا مقابلہ کر سکتے اور نہ اتنی کہ تین طرف خندق کھود کر تین طرف حفاظتی دستے متعین کر سکتے۔

فوجی زاویہ نگاہ سے شاید ہی کبھی کوئی ایسی عقیم کارروائی کی گئی ہو جیس اُس وقت مدینہ کے باغیوں نے کی تھی۔ اُن کو غرّہ تھا کہ ہمارا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے ہم ارضِ پاک کے رہنے والے ہیں۔ اُن کی اس جہالت کا اشارہ امیر المومنین کی اس گفتگو کے ایک فقرے سے ہوسکتا ہے جو موصوف نے امیر عسکر کو وداع کرتے وقت کہا تھا۔ فرمایا تھا:

'' واعلم انک تقدم علی قوم ذوی جهالة و استطالة قد افسدهم حلم امیر المومنین معاویه وطنّوا ان الایدی لا تنالهم۔''

''یہ سمجھ لو کہ تم ایسے لوگوں کی طرف جا رہے ہو جو نادان و ناسمجھ، شیخی خورے اور اکھڑ ہیں۔ جنہیں امیر المومنین معاویہؓ کے حلم نے بگاڑ رکھا ہے۔ اور ان کو یہ گمان ہے کہ میرا ہاتھ اُن تک نہیں پہنچ سکتا۔''

غرضیکہ جب کوئی چارہ کار باقی نہ رہا تو فوجی دستہ خندقوں کی طرف بڑھا۔ باغیوں نے پتھر اور تیر برسانے شروع کئے۔ **(وجعل اهل الشام یطوفون بها)** جب اہل شام خندقوں کا پھیرا لگانے لگے تو لوگوں نے پہاڑیوں اور چھتوں پر سے پتھروں اور تیروں کا انہیں نشانہ بنایا **والناس یرمونهم بالحجارة و النبل من فوق الاکام و البیوت** (الامامۃ والسیاسۃ ص۲۲۲)۔ اتنے میں بنو عبدالاشہل کے سرکردہ لوگوں نے امیر مسلمؓ کو مشورہ دیا کہ اُن کے محلے سے فوج گزار کر شہر پر قبضہ کرلیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ الامامۃ والسیاسۃ کے غالی مؤلف نے لکھا ہے کہ ان لوگوں کو چونکہ رشوت دی گئی اُنہوں نے راستہ دے دیا۔ **ففتح له طریقاً** (ص۲۲۲ ایضاً)۔ تھوڑی دیر لڑائی ہوتی رہی چند سرغنہ مارے گئے کچھ فرار ہوگئے جن میں بغاوت کا سب سے بڑا سرغنہ عبداللہ بن مطیع بھی تھا وفر ابن مطیع فلحق ابن الزبیر (ابن مطیع فرار ہوگیا اور ابن زبیر سے جاملا)۔ چنانچہ اپنے فرار کا اقرار بھی کیا ہے اور خود کہتا ہے:

''اما الذی فورت یوم الحرة و الشیخ لا یفر المره لاجزین کرة یضره۔''

پانچ چھ سرغنہ جو گرفتار ہوئے بجرم بغاوت قتل کئے گئے۔ رہیں وہ تفصیلات جو بعد میں گھڑی گئیں کہ

ہزاروں آدمی قتل ہوئے، خواتین کی بے حرمتی کی گئی، دو ہزار کنواری لڑکیاں حمل سے رہیں اور بے دریغ مدینہ کو لوٹا گیا۔ یہ سب داستانیں اکاذیب محض ہیں جو بعد کے مسلمانوں کو برافروختہ کرنے اور پہلے مسلمانوں کی عزت وحرمت پر حرف لانے کیلئے وضع کی گئیں۔ مدینہ طیبہ پہلا شہر نہیں تھا جہاں صحابہ و تابعین کی سرکردگی میں اسلامی فوجیں داخل ہوئی ہوں۔ ان اُموی اسلامی افواج نے سینکڑوں شہر فتح کئے۔ روم وایران ودیلم و بربر میں ان اُموی اسلامی افواج کا نظم وضبط مفتوح اقوام کیلئے حیران کُن رہا ہے تو خاص کر مدینہ میں امیر المومنین کی قوم کے ساتھ کوئی ناشائستہ حرکت کیسے ہوسکتی تھی۔

اور لُطف یہ ہے کہ یوم حرۃ وحصار ابن زبیرؓ کے بارے میں جتنی بھی روایتیں طبری میں ہیں وہ سب کی سب یا تو ابومخنف کی ہیں یا ہشام کلبی کی۔ لیکن ان روایتوں میں اشارتاً وکنایتاً بھی خواتین کی بے حرمتی کا یا لوگوں کے بے دریغ قتل کرنے کا کوئی ذکر نہیں۔ طبری کی جلد ۷ لغایۃ ۱۳ پر انہی دو راویوں کا قال ابومخنف وقال ہشام کی تکرار کے ساتھ سب کچھ بیان ہے مگر خواتین کی بے حرمتی یا لوگوں کے بے دریغ قتل کرنے کا ذکر تو درکنار اشارہ بھی نہیں۔

بلاذری نے بڑی تفصیل سے روایتوں کو یکجا کیا ہے اور ابومخنف و ہشام کلبی کے علاوہ واقدی جیسے داستان گو کی روایتیں بھی لی ہیں۔ لیکن اشارتاً وکنایتاً کہیں بھی خواتین کی بے حرمتی کا ذکر نہیں کیا۔ اشراف میں سے جو لوگ قتل ہوئے اُن کا جداگانہ باب باندھا ہے مگر نام صرف چھ اشخاص کے پیش کر سکے ہیں۔ حالانکہ وہ تمام اکاذیب بھی درج کئے ہیں جو ابومخنف و ہشام کلبی جیسے کذابین نے وضع کئے ہیں کہ جب باغیان مدینہ کی ہزیمت کی اطلاع موصول ہوئی امیر المومنین نے مسرت کا اظہار کرتے ہوئے یہ اشعار کہے تھے کہ ہم نے اپنے بدر کے مقتولین کا بدلہ لے لیا۔ اس کذب بیانی کے باوجود خواتین کی بے حرمتی کا ان کذابین نے بھی کوئی اشارہ نہیں کیا ہے ظاہر ہے کہ یہ سب اتہامات بعد میں تراشے گئے۔

بغاوت کا تو چند گھنٹوں میں قلع قمع ہوگیا تھا۔ شہر کو مفسدین اور فتنہ جو عناصر سے

پاک کرنے اور انتظامات درست کرنے میں ہفتہ عشرہ لگ گیا۔ امیر روح بن زنباع الجزامی کو مدینہ کے انتظام کیلئے متعین کیا۔ ابتداء محرم ۶۴ھ کو امیر مسلم مکہ معظّمہ کے قصد سے روانہ ہوئے۔ مرض کی حالت میں باغیوں کا مقابلہ کیا تھا۔ مدینہ منورہ سے روانگی کے بعد المشلل کے مقام پر وفات پا گئے۔ امیر حصین بن نمیر السکونی ان کے جانشین ہو کر آگے بڑھے۔ ۷ محرم ۶۴ھ کو مکہ میں داخل ہوئے۔ ابن زبیرؓ کے لوگوں کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ اگر وہ امیر المومنین کی قسم کو پورا کر دیں تو اُن کے ساتھ نیک برتاؤ ہوگا، چاہیں گے تو اُنہیں حجاز کا والی بنا دیا جائے گا۔ (انساب الاشراف ص ۵۴) مگر اُن لوگوں نے اُلٹا جواب دیا کچھ جھڑپیں ہوئیں جن میں اہل شام سے تین اشخاص مارے گئے اور ابن زبیرؓ کے کچھ مجروح ہوئے اور چار قتل (ص ۵۴ ایضاً)۔ ابن زبیرؓ کے لوگوں میں کسی شخص کی بے احتیاطی سے آگ کی چنگاری سے غلاف کعبہ جل گیا تھا۔ بلاذری ہی کی روایت احراق کعبہ کے بارے میں ہے کہ:

وکان سبب احتراقها ان رجلاً من اصحاب ابن الزبیر یقال له مسلم اخذ ناراً فی لیفة علی راس رمح فی یوم ریح فطارت شررة فتعلقت باستار الکعبة فاحرقتها.
(ص ۵۵)

(غلاف کعبہ) جلنے کا سبب یہ تھا کہ ابن زبیر کے ساتھیوں میں سے ایک شخص جس کو مسلم کہتے تھے برچھی کی نوک پر ایک انگارہ اُٹھا رہا تھا اُس دن ہوا تیز چل رہی تھی اُس کی چنگاری غلاف کعبہ پر جا پڑی جس سے وہ جل گیا۔

تقریباً یہی روایت طبری میں بتغیر الفاظ کئی سندوں سے بیان کی گئی ہے۔ (ج ۷ ص ۱۰)۔

دو ہفتے چار دن تک محاصرہ جاری رہا کہ امیر المومنین یزیدؒ کی وفات کی اطلاع پر اُٹھا لیا گیا اور خلافت کا فوجی دستہ دمشق جاتے ہوئے جب مدینہ منورہ سے گزرا تو حضرت علی بن الحسین (زین العابدینؒ) اُن کے گھوڑوں کیلئے دانہ چارہ لے کر آئے۔

فَاستَقبَلَهُ عَلِيُّ بنُ الحُسَينِ بنِ عَلِيِّ بنِ أَبِي طَالِبٍ وَمَعَهُ قَتٌّ وَشَعِيرٌ، فَسَلَّمَ عَلَى الحُصَينِ، فَقَالَ لَهُ عَلِيُّ بنُ الحُسَينِ: هَذَا عَلَفٌ عِندَنَا، فَاعلِف مِنهُ دَابَّتَکَ، فَأَقبَلَ عَلَى عَلِيٍّ عِندَ ذَلِکَ بِوَجهِهِ، فَأَمَرَ لَهُ بِمَا کَانَ عِندَهُ مِن عَلَفٍ.

(طبری ج۷ ص۱۷)

علی بن حسین بن علی بن ابی طالب اس کے (امیر حصین بن نمیر سردار لشکر) کے استقبال کو اپنے ساتھ جو اور چارہ لے کر نکلے۔ انہوں نے حصین کو سلام کیا اور علی بن حسین نے اُن سے کہا کہ میرے ساتھ دانہ چارہ ہے اپنے گھوڑوں کے لئے لیجئیے۔ وہ اُن کی طرف متوجہ ہوئے اور حکم دیا کہ ان سے چارہ دانہ لے لو۔

طبری کی اس روایت سے کیا یہ ثابت نہیں ہوتا کہ واقعہ حرہ کے مظالم کی داستانیں وضعی اور جھوٹی ہیں۔ حضرت زین العابدینؒ نے اُموی فوج کے گھوڑوں کے لئے دانہ چارہ بنفس نفیس لا کر اُس وقت پیش کیا تھا جب امیر المومنین یزیدؒ کی وفات ہو چکی تھی۔ مظالم کربلا و مظالم حرہ کی ذرہ بھر حقیقت بھی ہوتی تو یہ ہاشمی بزرگ حضرت حسینؓ کے صاحبزادے اُموی فوج کے سردار کا کیوں استقبال کرتے اور کیوں دانہ چارہ گھوڑوں کے لئے خود لا کر پیش کرتے۔ فاعتبروا!

امیر المومنین یزیدؒ کے خانگی و ذاتی حالات

مادری نسب :

امیر المومنین یزیدؒ کی والدہ ماجدہ سیدہ میسون نسباً یمنی عربوں کی مشہور شاخ بنو کلب سے تھیں اور اس عرب قبیلہ کی سکونت قدیم زمانہ سے حجاز و شام کے سرحدی علاقہ میں تھی۔ رومی و بازنطینی اثرات سے اس نواح کے دیگر قبائل کی طرح بنو کلب کے بیشتر افراد عیسائی مذہب کے پیروکار تھے۔ طلوع اسلام کے بعد سے نصرانیت ترک کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہوتے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ اسبغ بن عمرو کلبی ایک سردار کے پاس جو نصرانی المذہب تھے، تبلیغ کیلئے بھیجا تھا۔ یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ اپنے مشن میں کامیاب ہو جاؤ تو سردار قبیلہ کی بیٹی کو نکاح کا پیغام دینا۔ تین دن کے مباحثے کے بعد سردار قبیلہ نے مع جماعت کثیرہ دین اسلام قبول کر لیا اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اس کی بیٹی تماضر کلبیہ سے نکاح کر لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت دحیہؓ بن خلیفہ الکلبی جو سفارت نبوی ﷺ کی خدمات انجام دیتے تھے اسی قبیلہ سے تھے اور آپ کی ان سے دُہری قرابت تھی۔ یعنی آپ ﷺ کی چچیری بہن سیدہ برا بنت عبدالعزی ابولہب حضرت دحیہؓ کے حبالہ عقد میں تھیں اور آپ نے ان کی حقیقی بہن سیدہ شراف بن خلیفہ الکلبی سے نیز اُن کی بھانجی خولہ بنت الہذیل سے نکاح بھی کیا تھا۔ لیکن یہ دونوں خواتین خلوت صحیحہ سے قبل ہی وفات پا گئی تھیں۔ (کتاب المحبر ص ۹۳) ان کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب اور متبنی حضرت زید بن حارثہؓ نیز آپ کے صحابی حضرت قطنؓ بن زائر اور حضرت وائل بن حجرؓ کا نسبی تعلق بھی بنو کلب سے تھا۔

حضرت قطنؓ بن زائر اپنے قبیلہ کے وفد کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے۔ آپ ﷺ نے اُن کیلئے فرمان لکھوایا جس میں **اقامة الصلوة لوقتها و ایتاء الزکاة لحقها** یعنی مقررہ وقت پر نماز قائم رکھنا اور معینہ طور سے زکوٰۃ ادا کرنے کی ہدایت تھی۔ جس سے ثابت ہے کہ اس قبیلہ کی غالب اکثریت عہد نبوی ﷺ ہی میں مشرف بہ اسلام ہوگئی تھی۔ اور قریشی خاندانوں سے ان کلبیوں کے تعلقات مصاہرت و مناکحت برابر قائم تھے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کی ایک زوجہ سیدہ نائلہ بنت الفرافضہ کلبیہ خاتون تھیں۔ ان کے والد حضرت فرافضہ کلبی کو صحابی ہونے کا شرف حاصل تھا۔ **لـه صحبة وهو ختن عثمان بن عفان** (الاصابہ ج۳ص۲۰۳) یعنی وہ (الفرافضہؓ) صحابی تھے اور حضرت عثمان بن عفانؓ کے خسر تھے۔ ان کے فرزند اور سیدہ نائلہ کے بھائی ضب بن الفرافضہ بھی مسلمان تھے اور انہوں نے ہی اپنی بہن کا جو خود مسلمہ تھیں، حضرت عثمانؓ سے نکاح کیا تھا۔

" **وضب بن الفرافضه اسلم و هو انكحها وهى مسلمةً.**" (جمہرۃ الانساب ابن حزم ص۴۲۶)

''اور ضب بن الفرافضہ اسلام لائے اور انہوں نے ہی (اپنی بہن نائلہ کا) نکاح حضرت عثمانؓ سے کیا اور وہ اس وقت مسلمان تھیں۔''

حضرت عثمانؓ کے سوائے حضرت علیؓ اور ان کے دونوں صاحبزادوں حسنؓ اور حسینؓ کے ایک خسر امراؤ القیس بن عدی نسباً کلبی اور مذہباً عیسائی تھے۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے دستِ حق پر اسلام لائے۔ ان کی تینوں بیٹیاں محیاظ، سلمٰی اور الرباب علی الترتیب حضرت علیؓ، حسنؓ و حسینؓ کی زوجیت میں آئیں اور تینوں سے اولاد بھی ہوئی۔ حضرت حسینؓ کی یہ کلبیہ زوجہ سیدہ رباب ان کو بہت محبوب تھیں۔ ان کے بطن سے جو مشہور صاحبزادی سیدہ سکینہؒ متولد ہوئیں ان ہی دونوں کے اظہار محبت میں حضرت حسینؓ کے تین اشعار اوراق تاریخ میں محفوظ ہیں۔ کسی اور زوجہ کی الفت کے اظہار میں کوئی شعر یا کوئی قول آپ کا کوئی مذکور نہیں۔ نہ والدہ علی اکبر کے لئے جو حضرت معاویہؓ کی بھانجی تھیں اور نہ والدہ علی اصغر (زین العابدینؒ) کے لئے جو سلافہ نام نسباً سندھی

حسباً اُم ولد تھیں۔ وہ اشعار یہ ہیں:

لعمرک انی لاحب دارا تضیفها سکینه و الرباب

احبهما وابذل بعد مالی ولیس للائمی فیها عتاب

ولست لهم وان عتبوا مطیعا حیاتی اور یغیبنی التراب

(تاریخ طبری ج ۱۳، ص ۱۹۹)

قسم تیری جوانی میں اس گھر سے بلاشبہ محبت کرتا ہوں جہاں سکینہ اور رباب میزبانی کرتی ہوں۔ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں پھر اپنا مال (ان پر) خرچ کرتا ہوں اور اس میں کسی ملامت کرنے والے کیلئے ملامت کا موقع نہیں۔

ان عتاب کرنے والوں کی بات میں زندگی بھر نہیں سننے کا یہاں تک کہ قبر میں مجھے مٹی ڈھانپ لے۔

ان سکینہؒ کے ایک شوہر مصعب بن زبیرؓ کی والدہ بھی کلبیہ خاتون تھیں۔ الغرض ان چند رشتوں کے بیان کرنے راقم الحروف کا مقصد اس امر واقعہ کے اظہار کرنے سے ہے کہ اکابر صحابہ ومنادید قریش بنوکلب کی خواتین سے جو صفات نسوانی کے اعتبار سے شان امتیاز رکھتی تھیں مناکحت کے رشتے قائم کرنا پسند کرتے تھے۔ حضرت معاویہؓ کا قیام ابتدائی فتوحات اسلامی کے زمانے سے برابر ملک شام میں رہا تھا۔ جہاں خود انہوں نے اور ان کے خاندان نے شاندار اسلامی وملی خدمات انجام دی تھیں۔ خلافت فاروقی کے ایام میں وہ گورنری کے منصب جلیلہ پر فائز تھے۔ انعامات الٰہی سے سب کچھ حاصل تھا، اولاد نرینہ کی خوشی البتہ نہ تھی۔ اُن کی زوجہ اولیٰ فاختہ بنت قرظہ بن عبدعمرو بن نوفل بن عبدمناف سے دو بیٹے ہوئے۔ ایک عبدالرحمٰن جو صغرسنی میں ہی فوت ہوگیا تھا اور دوسرا عبداللہ جو ضعیف العقل تھا۔ اس لئے وہ کسی عربیہ دوشیزہ سے نکاح کرنے کا خیال کررہے تھے جو عمدہ صفات نسوانی سے متصف ہو اور خالق اکبر اس کے بطن سے اولاد نرینہ عطا فرمائیں تو بیٹا نجیب ثابت ہو۔ ایسی ایک دوشیزہ بنوکلب کے سردار بحدل بن اینف الکلبی کی دختر تھی۔ اس کلبی سردار بحدل کے جداعلیٰ جناب بن ہبل کے تین بیٹے تھے۔ عدی، حلیم وزہیر۔ عدی کی

نسل سے حضرت عثمانؓ کی زوجہ نائلہ تھیں۔ حلیم کی نسل سے حضرت علیؓ، حسنؓ و حسینؓ کی کلبیہ بیبیاں تھیں نیز مصعب بن زبیرؓ کی والدہ اور زہیر کی نسل سے یہ کلبی سردار بحدل بن اُنَیف اور اسکی دختر میسون تھی جو حسن و جمال کے ساتھ عقل و دانش میں ممتاز، دیندار اور نیک خصال تھی۔ علامہ ابن کثیر کہتے ہیں:

وَكَانَت (ميسون) حَازِمَةً عَظِيمَةَ الشَّأْنِ جَمَالًا وَرِيَاسَةً وَعَقلًا وَدِينًا. (البداية والنهاية ج۸ ص ۱۴۵)	اور وہ (میسون) زیرک ومحتاط، حسن و جمال نیز ریاست و سرداری، عقل و فراست اور دینداری میں عظیم الشان تھیں۔

اس دوشیزہ کے ذاتی صفات کے علاوہ بنو کلب کے طاقتور قبیلہ کے سردار کے گھرانے میں رشتہ کرنا امیر معاویہؓ کے لئے جو اس وقت صوبے کے گورنر تھے، سیاسی اغراض کے لئے بھی نہایت مفید تھا کیونکہ یہ سردار بحدل کلبی ایک دوسرے طاقتور قبیلہ کے سردار اُکَیدِر بن عبدالملک الکندی رئیس دومۃ الجندل کا رشتہ میں ماموں تھا۔ یہ وہی اُکَیدِر ہے جس کو حضرت سیف اللہ خالد بن ولیدؓ نے گرفتار کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اُس وقت پیش کیا تھا جب آپ ﷺ غزوہ تبوک سے مدینہ منورہ مراجعت فرما ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے اُکَیدر کو دین اسلام قبول کرنے کی تحریک کی وہ مسلمان ہوئے اور اپنے قبیلہ کی حلیفی کا فرمان حاصل کیا۔

وعرض محمد صلى الله عليه وسلم الاسلام على أُكَيدِر فاسلم واصبح له حليفاً.	اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اُکیدر کو اسلام پیش کیا۔ وہ مسلمان ہوئے اور (اپنے قبیلہ کی) حلیفی کا عہد نامہ کیا۔

(حیات محمد مؤلفہ محمد حسین ہیکل ص ۴۲۴)

ان ہی اکیدر کے ایک بھائی حریثؓ بھی مسلمان تھے (معجم البلدان بلاذری ص ۶۹)۔ دوسرا بھائی بشر بن عبدالملک عہد جاہلیت میں نوشت وخواند سے بہرہ یاب تھے۔ حضرت معاویہؓ کی پھوپھی الضیہا بنت حرب بن اُمیہ سے شادی کر کے مکہ میں مسکن گزین ہو گیا تھا اور اہل مکہ

نے اسی سے نوشت وخواند کا فن حاصل کیا تھا۔ الغرض حضرت معاویہؓ کے اس نکاح کی مصلحت سیاسی ہو یا معاشرتی، یہ رشتہ زوجین کیلئے مبارک ثابت ہوا۔ اس کلبیہ خاتون کے بطن سے خالق اکبر نے نجیب وہونہار فرزند عنایت کیا جس کا نام اُنہوں نے اپنے بڑے بھائی حضرت یزید بن ابوسفیانؓ کے نام نامی پر جنہوں نے فتوحات شام میں نمایاں حصہ لیا تھا، یزید رکھا۔

سن ولادت :

علامہ ابن کثیر حضرت معاویہؓ کے اس نکاح اور تولد فرزند کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

فتزوجها معاويه ولدت له يزيد بن معاويه فجاء ذكيا حاذقاً.	پس معاویہؓ کے دوشیزہ میسون سے یزید پیدا ہوا جو (فطرتاً) نجیب وذکی اور تیز فہم تھا۔

(البدایۃ والنہایۃ ج۸ص۸۰)

سنہ ولادت کے بارے میں دو روایات ہیں۔ بروایت اصح یزیدؒ کی ولادت ۲۲ھ میں بعہد خلافت فاروقی ہوئی۔ دوسری روایت میں سنہ ولادت ۲۵ھ ہے۔ علامہ ابن کثیر ۲۲ھ کے حالات کے سلسلہ میں کہتے ہیں۔

وفيها ولد يزيد بن معاويه و عبدالملک بن مروان.	اور اس سنہ (۲۲ھ) میں یزید بن معاویہ اور عبدالملک بن مروان پیدا ہوئے۔

(البدایۃ والنہایۃ ج۷ص۱۲۵)

یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ ۲۲ھ کے یہ دونوں مولود یعنی یزید اور عبدالملک سن رشد کو پہنچ کر نہ صرف فضائل علمی ومحاسن موروثی واکتسابی سے بہرہ ور ہوئے بلکہ اپنے اپنے وقت میں خلافت کے منصب جلیلہ پر بھی فائز ہوئے۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ یزید جب بطن مادر میں تھے۔ ماں نے خواب دیکھا کہ ان کی کوکھ سے چاند برآمد ہوا جس کی تعبیر یہ کی گئی کہ بیٹا پیدا ہوگا جو عظیم المرتبت ہوگا۔ (البدایہ)

خواب کی یہ روایت صحیح ہو یا غلط، بچپن ہی سے آثار نجابت وعلو مرتبت یزید میں پائے جاتے تھے۔

بالائے سرش زہوشمندی

می تافت ستارہ بلندی

سیدہ میسون کے بطن سے حضرت معاویہؓ کے ایک دو اولادیں اور بھی ہوئیں۔ یہ دونوں بیٹیاں تھیں۔ ایک کا نام امتہ المشارق تھا جو خورد سال فوت ہوگئی تھی، دوسری رملہ تھیں جو سن بلوغ کو پہنچ کر حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے فرزند عمرو بن عثمانؓ کے عقد میں آئیں اور ان رملہ کی بہو سیدہ سکینہ بنت حسینؓ تھیں جو زید بن عمرو بن عثمانؓ کے زوجیت میں آئی تھیں (کتاب المعارف ابن قتیبہ مطبوعہ مصر ص ۹۴)۔ ۳۰۳ھ امیر یزیدؒ نے اپنے محترم والد ماجد کے مرثیہ میں ایک شعر اپنی انہی بہن رملہ کے اپنے والد محترم کے مرنے پر گریہ و بکا کرنے کا جس قلب پاش پاش ہو ذکر کیا تھا اور وہ شعر یہ ہے۔

لما انتهينا و باب الدار منصفق　　بصوت رملة ريع القلب فانصدعا

والدہ یزیدؒ کی دین داری :

امیر یزیدؒ کی والدہ بڑی دین دار خاتون تھیں۔ احکام شریعت کی بڑی سختی سے پابندی کرتیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت معاویہؓ اپنے عہد خلافت میں دربار عام سے اُٹھ کر زنان خانے میں آئے۔ اس وقت ایک زنخا خادم بھی ساتھ چلا آیا۔ سیدہ میسون نے اس زنخے خادم سے بھی پردہ کیا۔

دَخَلَ عَلَيهَا مُعَاوِيَةُ يَومًا وَمَعَهُ خَادِمٌ خَصِيٌّ فَاستَتَرَتَ مِنهُ، وَقَالَت: مَا هَذَا الرَّجُلُ مَعَكَ ؟ فَقَالَ: اِنَّهُ خَصِيٌّ، فَاظهَرِي عَلَيهِ. فَقَالَت: مَا كَانَتِ

ایک دن معاویہؓ ان (میسون) کے پاس گئے اُس وقت ایک زنخا خادم بھی ان کے ساتھ تھا انہوں نے اس سے پردہ کیا اور (حضرت معاویہؓ سے پوچھا) یہ کون شخص

الـمُثـلَةُ لِتُـحِـلَّ لَهُ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيهِ. وَحَجَبَتهُ عَنهَا.
(البدایہ والنہایہ ج۸،ص۱۴۵)

آپ کے ساتھ ہے؟ انہوں نے جواباً کہا یہ زنخا ہے تم اس کے سامنے آسکتی ہو اس پر (سیدہ میسون) نے کہ زنخا ہونے سے اللہ نے جو حرام کیا ہے حلال نہیں ہوسکتا۔ پھر انہوں نے اس سے پردہ کیا۔

ایسی دین دار اور پابند احکام شریعت مسلمان خاتون کے بارے میں کذابین نے طرح طرح کی واہی اور نخیف روایتیں وضع کی ہیں۔ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ کی یہ زوجہ سیدہ میسونؓ اور حضرت عثمانؓ کی زوجہ نائلہؓ دونوں مذہباً حریت پسند عیسائی تھیں۔ (Jacobite Christians) (تاریخ عرب مؤلفہ حتی بحوالہ اغانی ص ۱۹۵)۔ بنوکلب کی صرف ان دوخواتین کے بارے میں جو خاندان بنی اُمیہ میں حضرت معاویہؓ وحضرت عثمانؓ کے حبالہ عقد میں آئیں یہ روایتیں وضع ہوئیں جن کو مستشرقین نے کتب تاریخ و سیر سے نہیں بلکہ ادبیات اور قصوں اور افسانوں کی کتابوں سے اخذ کیا ہے۔ جو اکثر و بیشتر معاندین کی تالیفات ہیں مثلاً اغانی اور اس کے مؤلف غالی گروہ کے تھے۔ لیکن ان ہی خواتین کی ہم جد و ہم عصر خواتین کے مذہبی عقائد کے متعلق جو بنی ہاشم خصوصاً حضرت علیؓ، حسنؓ و حسینؓ کے نکاح میں آئیں ایک لفظ بھی نہیں کہا گیا۔ حالانکہ یہ تینوں کلبیہ خواتین عیسائی خاندان کی اور عیسائی باپ کی بیٹیاں تھیں۔ ایک اور کذب بیانی سیدہ میسونؓ کے بارے میں یہ کی گئی اور اس کو بہت کچھ شہرت دی گئی کہ یہ دختر صحرا شہر کی محلاتی زندگی و معاشرت پر بدوی وصحرائی زندگی کو ترجیح دیتی تھی۔ نو اشعار کا ایک قطعہ ان سے منسوب کیا گیا ہے جس کے ایک شعر میں ان کے عالی مرتبت شوہر پر بھی چوٹ ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ اشعار کو سُن کر حضرت معاویہؓ کو ایسی ناگواری ہوئی کہ اپنی اس زوجہ کو طلاق دے کر مع اس کے خورد سال فرزند یزیدؒ کے اس کے میکے بھیج دیا۔ جہاں بادیہ شام میں یزیدؒ نے ایک عیسائی بدوی کی طرح اور بدوی جبلت کے ساتھ پرورش پائی۔ (تاریخ ادبیات مؤلفہ نکلسن، ص ۱۹۶)

اس کذب بیانی کی تائید میں نو شعر والدہ یزیدؒ سے منسوب کئے گئے ہیں مگر محققین کے نزدیک نہ یہ کلام سیدہ میسون کا ہے اور نہ طلاق کی کوئی اصلیت ہے۔ دائرہ معارف اسلامیہ میں لفظ ''میسون'' کے تحت محقق ہنری لامن (۱۸۶۲ء۔۱۹۳۷ء)(Hanri Lammens) کا یہ قول درج ہے: " هذا لابيات ليست لميسون و ليس الصحيح هى قائلتها . "
یعنی یہ اشعار نہ میسون کے ہیں اور نہ یہ صحیح ہے کہ یہ شعر اُس نے کہے ہوں۔ تاہم ان اشعار سے بدوی خواتین کے جذبات حب الوطنی کا اظہار ضرور ہوتا ہے جو شہری زندگی بسر کرنے کی حالت میں قدرتاً محسوس کرتی ہونگی۔

عربی ادبیات اور تاریخ کی بعض کتب میں یہ متفرق اشعار پائے جاتے ہیں۔ ابوالفداء نے پانچ شعر لکھے ہیں۔ نکلسن نے چھ اشعار کا انگریزی میں منظوم ترجمہ اپنی تالیفات ادبیات عرب میں درج کیا ہے۔ برٹن نے بھی پانچ شعروں کا مجموعہ اپنے سفرنامے کے حصہ دوم میں درج کیا ہے۔ مختلف ماخذوں سے نو شعر اس منسوبہ نظم کے ذیل میں درج ہیں اور ساتھ ہی ان کا منظوم اردو ترجمہ بھی۔ اس سے بخوبی اندازہ ہو سکے گا کہ یزید دشمنی میں اُن کے والدین پر بھی کس کس پیرایہ میں بہتان تراشیاں کی گئی ہیں۔ عربی کی ابیات میں بعض لفظ مختلف کتابوں میں مختلف ملتے ہیں تاہم مطلب و معنی میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔

الصرخة بنت البادية

دختر صحرا کی پکار

لَبَيتٌ تخفِقُ الأرواحُ فيه　　أحبُّ اليَّ من قصر مُنِيفِ

خیمہ صحرا کہ جس میں چلتی ہے ٹھنڈی ہوا۔ قصر والوں سے ہے بڑھ کر پُر فضا میرے لئے

وَلُبسُ عباءةٍ وَتقَرُّ عَينِي　　أحبُّ اليَّ مِن لِبس الشُّفوفِ

رکھتی تھی بے چین مجھ کو گرچہ وہ۔ نرم جامے سے بھی تھی راحت فزا اونی قبا میرے لئے

وَأكلُ كُسَيرَة فِي كِسر بَيتي أحب اليَّ من أكل الرَّغِيفِ

خشک ٹکڑے کھانا اپنے گھر کے اندر بیٹھ کر۔ بڑھ کر نان تازہ سے ہے خوش مزا میرے لئے

وَأصواتُ الرياح بكل فَجّ أحبُّ اليَّ من نَقر الدُّفوفِ

وادیوں میں ہے ہوا کی سنسناہٹ جس قدر۔ دف ونقارہ سے بڑھ کر خوش نوا میرے لئے

وَكَلبٌ ينبح الطُرَّاق عنّي أحبُّ اليَّ من قِطٍّ ألوفِ

بھونکنا کتے کا نو آئند مہماں دیکھ کر۔ گربہ مانوس سے بھی خوش نوا میرے لئے

وبكر يتبَعُ الأظعانَ صَعبٌ أحبُّ اليَّ من بَغل زَفُوفِ

بار اُٹھائے پشت پر یہ بن بیاہی اونٹنی۔ تیز رو خچر سے بھی ہے خوش ادا میرے لئے

وخَرق مِن بني عمي نحيفِ أحبُّ اليَّ من عِلج عليفِ

سیدھا سادہ نیک دل غربت کا مارا ابن عم۔ اجنبی سرکش میاں سے خوش ادا میرے لئے

خشونَةُ عيشتي فِي البدو أشهى الى نفسي من العيش الظّريفِ

زندگی صحرا کی کتنی ہی ہو تکلیف دہ۔ خوشگوار اس ناز ونعمت سے سوا میرے لئے

فما أبغي سوى وطني بديلا فحسبي ذاكَ من وطن شريفِ

اب قیام اس بے وطن کا اس جگہ ممکن نہیں۔ ہے وطن کی سرزمین راحت افزا میرے لئے

سیدہ میسون جیسی دین دار وعقیل خاتون سے اس قسم کے اشعار منسوب کرنے کا جو مقصد ہے وہ ان روایتوں سے بخوبی عیاں ہو جاتا ہے۔ جو کذابین نے اس سلسلے میں وضع کئے۔ برٹن نے ترجمہ اشعار کے ساتھ یہ لغو حکایت بھی تحریر کی ہے۔

''حکایت یہ ہے کہ معاویہؓ نے جب یہ گیت اتفاقاً سُن لیا تو گانے والی کو اس کے چچیرے بھائی اور اس کے محبوب صحرا بادیہ کو رخصت کر دیا۔ میسون اپنے بیٹے یزید کو ساتھ لے کر روانہ ہوگئی اور اس وقت تک دمشق کو واپس نہ لوٹی جب کہ علج علیف (منڈ منڈ گدھا) اپنے باپ دادا کے

پاس دوسرے جہاں میں نہ پہنچ گیا۔ یزید نے اپنی ماں سے شوگوئی کے مادہ کے ساتھ اپنے باپ کے خلاف نفرت وحقارت بھی ورثہ میں پائی تھی۔''

اس کے ساتھ برٹن نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

اس کتاب کے برطانوی ناظرین کے دل یہ سُن کر ضرور دہل جائیں گے کہ اس ذی فہم خاتون نے اپنے شوہر کو ''منڈ منڈ گدھا'' (Fatted Ass) تک کہہ ڈالا ہے۔''

(ج ۲، سفرنامہ مکہ ومدینہ سر رچرڈ الف برٹن)

غرض کہ اس طرز کی تہمت تراشی وافتراء پردازی کا لامتناہی سلسلہ اگرچہ اب تک نئے نئے رُوپ میں ہوتا رہا۔ بایں ہمہ اس حقیقت سے کسی کو بھی مجال انکار نہیں ہوسکتی کہ سیدہ میسون اپنے عالی مقام شوہر کی زندگی بھر وفادار رہیں۔ ان سے حدیث کی روایت بھی ہے اور سیدہ میسون سے حدیث روایت کرنے والوں میں حضرت محمدؒ (الباقر) بن علی (زین العابدینؒ) بھی ہیں۔ (ملاحظہ ہو دائرہ المعارف اردو بذیل عنوان میسون نیز کتب رجال وسیر) اور یزیدؒ کا بدوشعور سے محترم والد کی آغوش محبت ودامن تربیت میں پرورش پانا روزِ روشن کی طرح ثابت ہے جس کے بعض حالات وواقعات دوسرے اوراق پر آپ ملاحظہ کررہے ہیں۔

بچپن :

یزیدؒ کا زمانہ رضاعت اپنے ننیہالی قبیلہ کی دایہ کے خیمے میں اُموی وہاشمی گھرانوں کے دستور کے مطابق بسر ہوا۔ حجاز سے باہر علاقوں میں بھی یہ سادات قریش کے یہ خانوادے مسکن گزین ہوئے اپنے اس خاندانی دستور کے پابند رہے کہ خوردسال اطفال کو بدوی دائیوں کی پرورش میں دے دیتے۔ وہاں آب وہوا یوں بھی قوائے جسمانی کے بہترین نشوونما کیلئے بغایت اچھی ہوتی۔ بچپن سے محنت ومشقت اور سادہ وبےتکلف زندگی کی عادت اور بھاگ دوڑ، اونٹ گھوڑے

کی سواری وصید افگنی میں مہارت حاصل کرتے۔ فصیح عربی جو غیر زبانوں کے الفاظ کی آمیزش سے پاک ہوتی بدوؤں میں رہ کر سیکھتے۔ یزیدؒ کی دایہ کا کنبہ بادیہ شام کے اس علاقہ میں مقیم تھا جہاں کبھی قدیم لمائی رینا آباد تھا۔ یہ علاقہ تقریباً ایک صدی تک اُموی خلفاء کے بچوں کی پرورش گاہ بن گیا تھا۔ امیر المومنین عبدالملکؒ وامیر المومنین ولید ثانیؒ نے اس صحت بخش مقام پر محلات تعمیر کرائے تھے جو ''البادیہ'' کے نام سے مشہور ہوئے۔

امیر یزیدؒ کا زمانہ رضاعت بدوی دایہ کے خیمہ میں بسر ہونا یا اُس کے بعد والدہ ماجدہ کے ساتھ اپنے ننھیال میں آنا جانا، شہسواری وصید افگنی میں مہارت حاصل کرنا معمولی وقدرتی بات تھی۔ مگر وضاعین نے طرح طرح کی واہی حکایتیں وروایتیں وضع کیں۔ کبھی کہا گیا کہ والدہ یزید مذہباً عیسائی تھیں، کبھی یہ کذب بیانی کی گئی کہ شوہر نے طلاق دے دی تھی اسلئے اپنے بیٹے کو ساتھ لیکر میکے چلی گئیں۔ جہاں یزیدؒ نے ماں کے مذہب پر ہوش سنبھالا اور عیسائی مذہب میں رہ کر شراب نوشی کی عادت ڈالی وغیرہ وغیرہ۔ من الھفوات

یہ سب تہمت تراشیاں قطعاً بے اصل اور خرافات ہیں۔ لیکن ناسخ التواریخ کی شرمناک ہرزہ گوئی کے مقابلے میں یہ سب بھی ہیچ ہیں۔ یہ ہرزہ خوار نمیمت شعار ''مؤرخ'' کس درجہ گھٹیا الفاظ میں امیر المومنین کی سراپردہ عصمت وعفاف پر جو خود بھی بڑے زبردست عرب قبیلے کے سردار کی دختر اور بقول علامہ ابن کثیر بڑی دانش منداور دیندار پابند شریعت خاتون تھیں سبّ و شتم کرتا ہے۔ محض اس غرض سے اس کے الفاظ نقل کئے جاتے ہیں کہ یزید دشمنی میں کیا کچھ کذب بیانی اور افتراء پردازی ہے جو مؤلفات میں بھی کی گئی ہے جن کو ''تاریخ'' کا نام دیا گیا ہے۔ یہ نام نہاد مؤرخ لکھتا ہے۔

مادر یزید۔۔میسون نام داشت وا و دختر	یزید کی ماں کا نام۔۔۔ میسون تھا بحدل
بحدل (بن) انیف کلبیہ بود واز سفاح غلام	(بن) انیف کلبی کی بیٹی تھی بحدل کے غلام
بحدل حامل گشت و چوں از بادیہ برسرائے	سے اس کو زنا کا حمل اور جب وہ بادیہ سے

معاویہ آمد حمل او پوشیدہ ماند زیرا کہ معاویہ شوی نخستین نہ بود و از میسون مہر دوشیزگان طلب نمی فرمود لا جرم وقتے یزید متولد شد معاویہ اور اپسر خویش دانست دا زاں پس میسون برنجید و معاویہ را ہجا گفت و بحوارین رفت۔

(ص ۴۹۵۔ جلد ششم از کتاب دوم، ناسخ التواریخ مطبوعہ ایران)

معاویہ کے سرائے میں آئی تو اس کا حمل پوشیدہ تھا۔ کیونکہ معاویہ اسکا اولین شوہر نہ تھا اور اس نے میسون سے بردہ بکارت کا مطالبہ نہیں کیا چنانچہ جب یزید پیدا ہوا تو اُسے اپنا ہی بیٹا سمجھا۔ اس کے بعد میسون ناراض ہوگئی اور اس نے معاویہ کو چھوڑ اور حوارین کو چلی گئی۔

اس مفتری کذاب کو کیا کہا جائے؟

تعلیم وتربیت :

یزیدؒ جیسے غیر معمولی ذہین وفطین طالب علم کے اکتساب علم کے حالات گو تفصیلاً معلوم نہیں تاہم چند واقعات سے جو بعض ثقہ لوگوں نے برسبیل تذکرہ لکھ دیئے ہیں اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ نوعمری ہی میں لسانیات وشاعری میں امتیازی درجہ حاصل کرلیا تھا۔ قرآن شریف کے اچھے قاری تھے اور خطبات جمعہ وعیدین میں جو خطبے دیتے، قرآن شریف کے رکوع اور سورتیں اس طرح تلاوت کرتے جس سے اندازہ ہوتا ہے کلام اللہ بھی حفظ کیا تھا۔ خوش بیان و حاضر جواب تھے۔ بچپن کا واقعہ ہے کہ ان کے اتالیق نے کسی خطا پر سرزنش کی تھی۔ استاد شاگرد میں یہ گفتگو ہوئی:

فقال له مودبه: اخطاء ت یا غلام	اتالیق نے کہا: اے لڑکے تُو نے خطا کی۔
فقال یزید: الجواد یعثر	یزید نے کہا: اصیل گھوڑا ہی ٹھوکر کھاتا ہے۔
فقال المودب: ای والله یضرب فیستقیم	اتالیق نے کہا: ہاں واللہ کوڑا کھاتا ہے تو سیدھا ہوجاتا ہے۔
فقال یزید: ای والله فیضرب الف سائسه	یزید نے کہا: ہاں واللہ پھر تو اپنے سائیس کی ناک پھوڑ ڈالتا ہے۔

(ص۳، ج۴، قسم ثانی انساب الاشراف بلاذری مطبوعہ یروشلم)

حضرت معاویہؓ خود بھی اپنے اس غیر معمولی ذہین فرزند کی دیکھ بھال رکھتے بچپن کے کاموں پر سرزنش کرتے رہتے۔ ایک مرتبہ کسی خادم کو مارتے پیٹتے دیکھ لیا۔ فوراً بلایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے یہ الفاظ یزیدؒ کو سُنائے جو اسی موقع پر آپ ﷺ نے ابومسعودؓ سے فرمائے تھے۔

" **اعلم ان الله اقدر عليك منك.** " یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کو تجھ پر اس سے زیادہ قدرت ہے جو تجھ کو اُس پر ہے۔ (صحیح مسلم)

حدیث سنا کر بیٹے سے فرمایا:

"تیرا برا ہو کیا تو ایسے کو مارتا پیٹتا ہے جو اس کی سکت نہیں رکھتا کہ تیرا مقابلہ کر سکے۔ واللہ جن کو بدلہ لینے کی قدرت نہیں اُن کو معاف کر دینا اور خطاؤں سے چشم پوشی کرنا بہت بہتر اور احسن ہے۔" (ص ۲۲۷، ج ۸، البدایہ والنہایہ)

یزیدؒ کے زمانہ طالب علمی میں کتب درسی کی تدوین نہیں ہوئی تھی۔ قرآن وحدیث کے علاوہ ادبیات (شعر وشاعری) علم الانساب علماء کی صحبت وخطبات سے حاصل کئے جاتے۔ حضرت حجر بن حنظلہ الشیبانی الہذلی امیر یزیدؒ کے اُستاد تھے۔ **كان عالماً ولكن غلبه النسب** (تہذیب التہذیب) یعنی وہ عالم تھے لیکن علم النسب کا اُن پر غلبہ تھا۔ دغفل النسابہ سے مشہور تھے۔ ان ہی کے بنو اعمام میں حضرت امام احمد حنبلؒ ہوئے۔ حضرت دغفلؓ کو صحابی ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔

يقال: له صحبة. قال نوح بن أبي حبيب القومسي: فيمن نزل البصرة من الصّحابة دغفل النّسابة.
(الاصابة في تمييز الصحابة ص ۴۷۵)

کہتے ہیں ان کو صحابی ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔ نوح بن ابی حبیب القومسی نے (ان صحابہ کے بارے میں جو بصرہ میں مقیم تھے) کہا ہے کہ ان میں دغفل النسابہ بھی شامل ہیں۔

ایسے فاضل ونساب صحابی کی صحبت اور شاگردی سے یزیدؒ کو پورا استفادہ کرنے موقع ملا۔ حضرت دغفلؓ بصرہ سے جب دمشق آئے حضرت معاویہؓ نے ان کے تبحر علمی اور طلاقت لسانی کو دیکھ کر دمشق میں روک لیا اور فرمایا کہ آپ یزیدؒ کے پاس رہیئے اور اسے اپنی صحبت اور علم سے مستفیض کیجیئے۔ (الاصابہ) چنانچہ عرصہ تک ان کے خرمن علم سے یزیدؒ کو خوشہ چینی کے مواقع حاصل رہے۔ علوم دینیہ وادبیات کے علاوہ فنون حرب میں کماحقہ مہارت حاصل تھی۔ جو رومی عیسائیوں کے زبردست افواج کے مقابلے میں اس مجاہد اسلام کی تہورانہ ودلیرانہ جہادی سرگرمیوں کے کارناموں سے جو اوراق تاریخ پر ثبت ہیں، بخوبی ثابت ہے۔

عنفوان شباب :

اس جویائے علم اُموی قریشی نوجوان کو علماء صلحا وصحابہ کرامؓ کی صحبتوں سے استفادہ کرنے کی دھن تھی۔ دمشق کو جب ۴۱ھ میں مستقر خلافت ہونے کا امتیاز حاصل ہوا یزیدؒ کی عمر انیس بیس برس کی تھی۔ حجاز اور دوسرے اقطاع وممالک سے صحابہ رسول اللہ ﷺ امیر المومنین معاویہؓ کے پاس آتے، اکثر اُن کے پاس مقیم ہوتے۔ فرزند امیر المومنین کو ان صحابہ رسول ﷺ کی خدمتیں کرنے، ان کے فیضان صحبت سے مستفیض ہونے کے بے بہا مواقع حاصل ہوتے۔ جو صحابہ کرامؓ دمشق میں مسکن گزین تھے ان کے فیوض علمی وروحانی سے جیسا سابق میں ذکر ہو چکا امیر یزیدؒ نے پورا استفادہ کیا تھا۔ حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ بن عبدالمطلب بن الحارث بن عبدالمطلب الھاشمی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عم اور صحابی بن صحابی تھے، خلافت فاروقی میں ہی مدینہ سے دمشق چلے گئے تھے اور وہیں سکونت اختیار کر لی تھی۔ وہ امیر یزیدؒ کی صلاحیتوں کی بناء پر اُن سے بہت محبت کرتے تھے۔ حتی کہ اپنی وفات سے پہلے اُنہوں نے امیر موصوف ہی کو اپنا وصی و وارث بنایا۔ وصی اس کو بنایا جاتا ہے جس سے نہایت محبت ہو اور اس پر غایت درجہ اعتماد ہو۔

عَبدُالمُطَّلِبِ بنُ رَبِيعَةَ بنِ الحَارِثِ	حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ بن الحارث
بنِ عَبدِالمُطَّلِبِ بنِ هاشِمٍ، صَحَابِيٌّ	بن عبدالمطلب بن ہاشم صحابی تھے (مدینہ

"جَلِيلٌ، مِمَّنِ انتَقَلَ اِلَى دِمَشقَ، وَلَهُ بِهَا دَارٌ، وَلَمَّا مَاتَ أَوصَى اَلَى يِزِيدَ بنِ مُعَاوِيَةَ وَهُوَ أَمِيرُ المُؤمِنِينَ.

(ص ۳۱۲ ج۸، البداية و النهاية والاستيعاب: جمهرة الانساب ابن حزم ص ٦٤)

سے) دمشق منتقل ہوگئے تھے وہاں ان کا مکان بھی تھا۔ جب مرنے لگے (امیر) یزیدؒ بن معاویہ کو انہوں نے اپنا وصی بنایا اس وقت وہ امیر المومنین تھے۔

خطابت :

صحابہ کرامؓ وعلماء وصلحا کی صحبتوں کے علاوہ جس کا مختصر ذکر ابتدائی اوراق میں ہو چکا ہے۔ امیر یزیدؒ ریعان سن سے اپنے والد محترم کی مجالس میں بالالتزام حاضر رہتے جوان جیسے ذہین وفطین تاثر پذیر اور اخاذ طبیعت کے نوجوان کیلئے درس گاہ کی حیثیت رکھتیں۔ سالہا سال یہ سلسلہ جاری رہا ان ہی مجالس میں سے ایک مجلس کا یہ لطیفہ مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ جب ایک مرتبہ امیر زیادؒ اپنے صوبہ (عراق) سے دمشق آئے اور زر کثیر نیز جواہر سے مملو ایک صندوقچہ امیر المومنین معاویہؓ کو پیش کیا۔ وہ اس سے خوش ہوئے امیر زیادؒ نے کھڑے ہو کر تقریر کی جس میں اپنے زیر حکومت علاقہ میں نظم وضبط قائم کرنے کے سلسلے میں اپنی حسن کارگزاری کا مؤثر پیرایہ میں تذکرہ کیا۔ امیر موصوف اعلیٰ پایہ مدبر ومنتظم ہونے کے علاوہ زبردست خطیب بھی تھے۔ امیر یزیدؒ بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ اس لن ترانی کو سُن کر اُن سے نہ رہا گیا۔ امیر زیادؒ کی تقریر کے بعد کھڑے ہوئے اور نہایت جامع الفاظ میں صرف تین فقرے ایسے بلیغ کہے کہ زیاد سٹپٹا کے رہ گئے۔ وہ فقرے تحریر کرنے سے پہلے قارئین کو یاد دلاؤں کہ زیاد ابتداً دفتری خدمات پر مامور تھے۔ ان کے مادری نسب کے بارے میں تین مختلف روایتیں ہیں جن میں سے ایک یہ روایت بھی علامہ ابن قتیبہ نے کتاب المعارف (ص ۱۲۵) میں بزمرہ اولاد حضرت ابوسفیانؓ بعنوان ''زیاد بن ابی سفیانؓ'' بیان کی ہے کہ زیاد کی ماں سمیّہ نام کی ایک عجمی کنیز مقام زندرود (ایران) کی رہنے والی وہاں کے شہنشاہ کسریٰ کے جواری میں سے تھی جسے شہنشاہ مذکور نے یمن کے ایک حکمران ابی الخیر بن

عمرو الکندی کو ہبہ کر دیا تھا۔ یہ یمنی حکمران جب ایران سے یمن واپس جاتا ہوا طائف سے گزر رہا تھا اتفاقاً بیمار پڑ گیا۔ وہاں کے طبیب الحرث بن کلدہ بن عمرو بن علاج ثقفی کے علاج معالجے سے شفایاب ہوا۔ اس کامیاب علاج کے صلے میں اس نے اس کنیز کو بھی طبیب مذکور کو دے دیا۔ طبیب خود عقیم تھا اس کے غلام سے دو بیٹے ابوبکر نفیع اور نافع ہوئے۔ اول الذکر کو صحابی ہونے کا شرف حاصل تھا۔ اپنے کو مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے۔ ان کے باپ کے فوت ہو جانے پر ان کی ماں سمیّہ کا زمانہ جاہلیت کے پانچ مروجہ نکاحوں میں سے ایک قسم کا نکاح ابوسفیانؓ سے ہوا جس سے زیاد پیدا ہوئے۔ جاہلیت کے مروجہ نکاحوں میں سے کسی نکاح سے جو بچہ پیدا ہوا اُس کا نسب اسلامی شریعت کے مطابق تسلیم کیا جائے گا۔ امیر المومنین حضرت معاویہؓ نے اسی اصول کے تحت امیر زیاد کا نسب بعد تحقیق شرعی تسلیم کیا اور انہیں اپنے والد حضرت ابوسفیانؓ کا بیٹا اور اپنا بھائی سمجھا۔ ان توضیحی کلمات کے بعد اب وہ روایت علامہ ابن کثیر کے الفاظ میں ملاحظہ کریں، کہتے ہیں کہ امیر یزیدؒ نے امیر زیاد کو مخاطب کر کے کہا:

اِن تَفعَل ذٰلِکَ یَا زِیَادُ فَنَحنُ نَقَلنَاکَ مِن وَلَاءِ ثَقِیفٍ اِلَی قُرَیشٍ، وَمِنَ القَلَمِ اِلَی المَنَابِرِ، وَمِن زِیَادِ بنِ عُبَیدٍ اِلَی حَربِ بنِ أُمَیَّۃَ. فَقَالَ لَہُ مُعَاوِیَۃُ: اجلِس فِدَاکَ أَبِي وَأُمِّي.
(ص ۲۲۸ ج۸، البدایۃ والنہایۃ)

اے زیاد تم نے یہ سب کیا (تو تعلّی کیوں ہے) کیونکہ ہم ہی تو ہیں جنہوں نے تم کو (قبیلہ) ثقیف کی ولاء (تعلق حلیفی ورشتہ) سے ہٹا کر قریش میں ملایا اور قلم (کی گھس گھس اور خدمت کاتب) سے منبر پر (حاکم گورنر کی حیثیت میں پہنچا دیا) اور زیاد فرزند غلام سے حرب بن اُمیہ کے اخلاف میں شامل کیا (تو پھر تم کیا دون لیتے ہو)۔ حضرت معاویہؓ نے یہ سن کر بیٹے سے کہا: بس اب بیٹھ جاؤ تم پر میرے ماں باپ قربان۔

دیکھئے یہ تین فقرے مطالب کے اعتبار سے کتنے جامع و مانع ہیں ''من القلم

الی المنابر ''گنتی کے چار لفظ ہیں مگر ان سے امیر زیاد کی گویا پوری زندگی بیان کر دی۔ یہی تو کمال فصاحت و بلاغت ہے الی الحرب بن امیة کہا، ابوسفیانؓ کا نام نہیں لیا بلکہ ان کے باپ کا لیا جو ابوسفیانؓ سے بلند مرتبت اور اپنے زمانے میں قریش کی عظیم ترین شخصیت تھے۔ انتساب میں ایسی شخصیت کا نام لینا اسلوب بلاغت ہے۔ یہ تین فقرے امیر یزیدؒ نے برجستہ اور فی البدیہہ ایسے کہے کہ لوگ پھڑک اُٹھے اور رُوح فصاحت میں تازگی دوڑ گئی۔

کلمات تعزیت ادا کرنے کا یوں تو ہر کسی کو اتفاق ہوتا ہے۔ امیر یزیدؒ نے بھی حضرت حسنؓ کی وفات پر اُن کے چچا حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے جو کلمات تعزیت کہے تھے اُن کا ذکر ابتدائی اوراق میں ضمناً آیا ہے۔ وہ بھی تین ہی جملے تھے اور جو بقول علامہ ابن کثیر فصیح و مختصر عبارت میں تھے:

'' عزاه بعبارة فصيحة و جيزة شكره عليها ابن عباس.'' (ص ۳۰۸، ج ۸، البدایہ والنہایہ)

'' (یزید نے ابن عباسؓ سے) فصیح مگر مختصر عبارت میں تعزیت کی جس پر ابن عباسؓ نے ان کا شکریہ ادا کیا۔''

وہ مختصر عبارت ذیل میں درج ہے۔ لفظ تو معمولی ہیں مگر جو لفظ جہاں آیا ہے گویا نگینہ کی طرح ایسے تناسب سے جڑا ہے کہ دوسرا لفظ وہاں نہیں کھپ سکتا۔ معلوم ہے کہ حضرت حسنؓ کی کنیت ابومحمد تھی۔ امیر یزیدؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا تھا:

'' رَحِمَ اللّٰهُ أَبَا مُحَمَّدٍ أَوسَعَ الرَّحمَةِ وَأَفسَحَهَا' وَأَعظَمَ اللّٰهُ أَجرَکَ وَأَحسَنَ عَزَاءَکَ' وَعَوَّضَکَ مِن مُصَابِکَ مَا هُوَ خَيرٌ لَکَ ثَوَابًا وَخَيرٌ عُقبَى.'' (البدایہ و النہایہ)

اسلام میں بہترین خطبا کے نام گناتے ہوئے حضرت سعید بن مسیّب نے سب سے پہلے امیر المومنین معاویہؓ اور ان کے فرزند امیر المومنین یزیدؒ کے نام لئے پھر دو اُموی بزرگوں کے نیز عبداللہ بن زبیرؓ کا اگرچہ وہ ان کے ہم پایہ نہ تھے۔

اپنے والد محترم حضرت معاویہؓ کا امیر یزیدؒ کو بہت رنج و ملال تھا چہرے سے قلبی اذیت کا صاف اظہار ہو رہا تھا۔ جامع دمشق میں جب امیر المومنین کی حیثیت سے خطبہ دینے آئے تو حضرت ضحاک بن قیس الفہری صحابی رسول ﷺ جو عامل دمشق تھے، اُن کی اس کیفیت کو دیکھ کر پاس ہی آ بیٹھے۔ صاحب عقد الفرید لکھتے ہیں:

" ثم خرج (یزید) و علیه اثر الحزن، فصعد المنبر، واقبل الضحاک فجلس الی جانب المنبر، وخاف علیه الحصر، فقال له یزید: یا ضحاک، اجئت تعلّم بنی عبد شمس الکلام؟ " (العقد الفرید، ج ۲ ص ۱۳۷)

" پھر یزیدؒ قصر امارت سے نکل کر مسجد (دمشق) میں آئے ان کے چہرے پر رنج کا اثر تھا جب منبر پر چڑھے (حضرت) ضحاکؓ آگے بڑھے اور منبر کے پاس بیٹھ گئے۔ ان کو خوف ہوا کہ (شدت غم کی وجہ سے شاید) مافی الضمیر پوری طرح ادا نہ کر سکیں گے۔ یزیدؒ نے (ان کے شبہ کا احساس کر کے) ان سے کہا: اے ضحاکؓ! کیا آپ بنی عبد شمس کو تقریر سکھانے کیلئے یہاں آ بیٹھے ہیں؟"

پھر تقریر کی جس کے یہ فقرے مؤلفین نے نقل کئے ہیں:

الحمدللّٰه الذي ما شاء صنع، من شاء أعطى ومن شاء منع، ومن شاء خفض ومن شاء رفع. ان معاوية بن أبي سفيان كان حبلا من حبال اللّٰه، مدّه، ثم قطعه حين شاء أن يقطعه، وكان دون من قبله، وخيرا ممن يأتي بعده، ولا أزكّيه وقد صار الى ربه، فان يعف عنه فبرحمته، وان يعذبه	سب تعریف اللہ کو ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے جس کو چاہتا ہے منع کرتا ہے جس کو چاہے ذلیل کرے، جسے چاہے سربلند کرے۔ معاویہ بن ابی سفیان اللہ کی رسیوں میں سے ایک رسی تھے۔ جب تک چاہا اسے دراز کیا پھر جب اسے قطع کرنے کا ارادہ کیا قطع کردیا۔ وہ اپنے قبل والوں سے کم تر اور آئندہ آنے والوں سے بہتر تھے۔ میں اللہ

فبذنبه، وقد وليت بعده الأمر، ولست أعتذر من جهل، ولا أني عن طلب، اذا كره اللّٰه شيئا غيّره واذا أراد شيئا يسّره.
(العقد الفريد، ج ۲ ص ۳۷۸)

کی جناب میں ان کا تزکیہ نہیں کر رہا ہوں وہ تو اپنے رب کے پاس چلے گئے۔ جو اگر اُن کو معاف کرے تو یہ اُس کی رحمت اور اگر سزا دے تو گناہ کا بدلہ۔ اُن کے بعد میں اس امر (خلافت) کا ولی بنایا گیا ہوں۔ میں جہل کا عذر نہیں کرتا اور طلبِ علم سے مایوس نہیں۔ آپ لوگ سنبھل کر رہیں اور یہ یقین کریں کہ اللہ جس چیز کو مکروہ سمجھتا ہے اسے دیتا ہے اور جس چیز کو محبوب رکھتا ہے اسے آسان کر دیتا ہے۔

علامہ ابن کثیر نے تقریر کا آخری جملہ یہ لکھا: واذا اراد اللّٰه شيئاً هان یعنی اللہ تعالیٰ جس بات کا ارادہ کرے وہی ہوتی ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ لوگ اس تقریر کو سن کر ان کے پاس سے جدا ہوئے تو ایسے متاثر تھے کہ یزیدؒ پر کسی کو بھی فضیلت نہیں دیتے تھے یعنی امیر المومنین ہونے کی حیثیت سے فافترق الناس عنه وهم لا يفضلون عليه احداً (ص ۱۴۴، ض ۸، البدایہ و النہایہ)

امیر المومنین ہونے کی حیثیت سے ان کا یہ پہلا خطبہ تھا جو لوگوں کے سامنے آیا۔ فخطب الناس اول خطبة خطبها وهو امير المومنين۔ پس انہوں نے (یزید نے) لوگوں کے سامنے تقریر کی اور یہ ان کے امیر المومنین ہونے کے بعد پہلا خطبہ تھا۔ ظاہر ہے کہ کہ خطبہ اتنا مختصر تو ہرگز نہ ہوگا جو ان چند جملوں پر ہی مشتمل ہو۔ لیکن دیکھئے یہ چند جملے بھی موقع و محل کے اعتبار سے کیسے فصیح و بلیغ و جامع ہیں۔ پہلے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ و حکمت بالغہ کا سیدھے سادھے الفاظ میں ذکر کیا۔ اور یہ ذکر بھی ایک امیر المومنین کی وفات اور دوسرے کے تقرر کی مناسبت سے کس مؤثر پیرایہ میں کیا

ہے نہ کسی کی ستائش نہ کسی مزعومہ ''حق'' کا اشارہ۔ امیر یزیدؒ اپنے خطبات میں اکثر و بیشتر قرآن مجید کی آیات اور رکوع وسورتیں تلاوت کرتے اور فرماتے ان احسن الحدیث و ابلغ الموعظة کتاب الله ۔ (ص ۲۷۸، ج ۲، العقد الفرید) بہترین بات اور عمدہ نصیحت کتاب اللہ ہے۔ تقریر کے ان جملوں میں بار بار کلام اللہ کی تعلیم کا رنگ جھلکتا ہے۔

انتخاب و بیعت خلافت کے سلسلے میں کیسے غلط اور بے اصل اقوال اُن سے اور اُن کے والد ماجد حضرت معاویہؓ سے منسوب کر کے ان کی تقریروں اور تحریروں کو مسخ کیا گیا ہے۔ خاص کر حضرت معاویہؓ کی اس وصیت کو جو اپنے آخری وقت انہوں نے اپنے لائق فرزند کو اُن کے فرائض کی ادائیگی کے سلسلے میں کی تھی۔ علامہ ابن کثیر نے اس کو نقل کیا ہے جس کے عربی متن کو بخوف طوالت ترک کر کے یہاں ترجمہ درج کرتا ہوں۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں: قال معاویه یزید وهو یوصیه عند الموت (حضرت معاویہؓ نے یزیدؒ سے کہا وہ اپنی موت کے وقت اس کو یہ وصیت کر رہے تھے۔)

> اے یزید! اللہ سے ہر وقت ڈرتے رہنا یہ امر خلافت، تمہیں تفویض ہوا ہے اور تم اب اس کام کے با اختیار ہو جس کا میں تھا۔ تم نے اگر اس کو خوش اسلوبی سے انجام دیا مجھے اس سے بڑی خوشی ہوگی اور اگر اس کے خلاف کیا دکھ ہوگا۔ دیکھو لوگوں سے نرمی کا برتاؤ کرنا۔ ان کی طرف سے اگر تکلیف دہ باتیں یا ایسی باتیں پہنچیں جن سے تمہاری تنقیص ہوتی ہو تو اُن باتوں سے اغماض برتنا۔ اس طرزِ عمل سے تمہیں چین ملے گا اور تمہارے حق میں رعایا کی اصلاح ہو جائے گی۔ خبردار جھگڑے کی باتیں یا غصہ کرنے سے الگ رہنا ورنہ تمہیں اور تمہاری رعایا کو نقصان پہنچے گا۔ خبردار اہل شرف اور اچھے لوگوں کا لحاظ رکھنا، اُن کی توہین نہ کرنا۔ اُن کے ساتھ تکبر سے پیش نہ آنا۔ جہاں تک ہو سکے اُن سے نرمی کا برتاؤ کرنا۔ مگر اتنی نرمی بھی نہ برتنا کہ لوگ اُسے کمزوری و بے چارگی پر محمول

کرنے لگیں۔ دربار میں انہیں مقرب نہ ہونے دینا۔ ان سے قریب سے قریب تر ہونے کی کوشش کرنا تاکہ وہ تمہارا استحقاق پہچان لیں۔ ان کے حقوق نہ چھیننا اور نہ اُن میں کمی کرنا ورنہ وہ تمہارے حق سے انکار کرنے اور اس میں کمی کرنے کے درپے ہوجائیں گے اور تمہارے راستے میں رکاوٹ بن جائیں گے۔ کسی کام کا جب ارادہ کرو نیک اور متقی لوگوں میں جو تجربہ کار اور مسن اشخاص ہوں مشورے کیلئے بلانا۔ اُن کی جو رائے قائم ہو اُس کی مخالفت نہ کرنا۔ ہاں خبردار اپنے رائے پر نہ اڑ جانا اور بے جا اصرار نہ کرنا۔ کیونکہ اکیلے ایک شخص کی رائے کافی نہیں ہوتی۔ جس بات سے تم کو وقوف ہو اور اس کے بارے میں کوئی شخص صحیح مشورہ دے اُس کی تصدیق کرنا۔ ان امور کو اپنی عورتوں اور خادموں سے پوشیدہ رکھنا۔ اپنے ازار کی حفاظت کرنا اور اپنے نفس کی اصلاح کرتے رہنا۔ اس سے تمہارے حق میں لوگوں کی خود اصلاح ہوجائے گی۔ انہیں تم پر انگلیاں اُٹھانے کا کوئی موقع نہ دینا کیونکہ لوگ عیب جوئی کرنے میں بہت جلد باز ہوتے ہیں۔

نماز میں ہمیشہ حاضر رہنا۔ میری ان وصیتوں پر تم نے عمل کیا تو لوگ تمہارے حق میں اچھی طرح مان لیں گے۔ تمہاری حکومت عظیم تر ہوجائے گی اور لوگوں کی نگاہوں میں تمہارا وقار اور عظمت بڑھ جائے گی۔

دیکھو مکہ اور مدینہ کے باشندوں کے عزوشرف کو پہچاننا۔ کیونکہ وہی تمہاری اصل اور تمہاری برادری کے لوگ ہیں۔ اہل شام کی توقیر کا تحفظ کرنا کیونکہ وہ تمہارے طاعت گزار ہیں۔ دوسرے علاقوں کے لوگوں کو ایسے فرامین وتحریرات بھیجتے رہنا جن میں اُن کے ساتھ نیک برتاؤ کا

عہد کیا گیا ہو۔ کیونکہ اس سے ان کی اُمیدیں بڑھ جائیں گی۔ جب مختلف علاقوں کے وفود تمہارے پاس آئیں اُن سے اچھا سلوک کرنا کیونکہ وہ اپنے علاقے کے لوگوں کے نمائندے کی حیثیت سے آتے ہیں۔

بدگویوں اور چغل خوروں کی باتوں پر ہرگز دھیان نہ دینا کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ یہ لوگ بُرے مشیر ہوتے ہیں۔

(ص۲۲۰۔۲۲۱، ج۸، البدایہ والنہایہ)

مرنے والے خلیفہ کی زبان سے یہ یا اس قسم کی نصیحتیں اپنے جانشین اور اس فرزند کے لئے بے شک ادا ہوسکتی تھیں جس نے کم وبیش دس سال تک ولی عہد کی حیثیت سے مملکت اسلامی کے نظم ونسق کا عملی تجربہ حاصل کیا تھا۔لیکن وضاعین نے ان کے برخلاف جو روایتیں وضع کیں ان میں ان وصایا ونصائح کا تو ایک لفظ بھی نہیں ہے البتہ حضرت معاویہؓ کے منہ سے ایسے کلمات ادا کرائے گئے ہیں جن سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ انہوں نے محض محبت پدری سے نا اہل بیٹے کو جانشین بنایا اور طرح طرح کے جملوں سے اس کیلئے راستہ ہموار کیا۔ اور اسے بتایا کہ فلاں فلاں اشخاص تمہاری مخالفت کرائیں گے۔ ان میں سے فلاں فلاں سے یہ برتاؤ کرنا۔ یہ سب باتیں بے بنیاد اور وضعی ہیں جن کی تکذیب ان واقعات سے بخوبی ہوجاتی ہے جو ان اوراق میں آپ ملاحظہ کررہے ہیں۔

شاعری :

اہل عرب کے خصائص اور فضائل کے رمز شناس جانتے ہیں کہ خطابت اور شاعری کو ان کے یہاں کیسا بلند مرتبہ حاصل تھا۔ امیر یزیدؒ کو مبدا فیاض سے خطابت کے ساتھ شعر گوئی اور سخن سرائی کا بھی وہبی عطیہ مرحمت ہوا تھا۔ ان کا کلام نہایت قلیل ونایاب ہے۔ کذابین نے دیگر لغو بہتان تراشیوں کے ساتھ چند ایسے اشعار بھی منسوب کردیئے ہیں جن میں صریحاً کفریات اور

خرافات بکی گئی ہیں۔ علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ بعض روافض نے یہ شعر بھی امیر موصوف سے منسوب کیا ہے۔

لعبت هاشم بالملک فلا　　ملک جاء ہ ولا حی نزل

کسی کلمہ گو پر یہ اتہام کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کا بھی منکر تھا، احمقانہ اتہام ہے۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ اگر واقعی یہ شعر یزیدؒ کا ہے تو اُس پر اللہ کی لعنت اور اگر اُس کا نہیں ہے اور بدگویوں نے اس کی رُسوائی اور فضیحت کی غرض سے منسوب کر دیا ہے تو منسوب کرنے اور وضع کرنے والوں پر لعنت فلعنة اللّٰه علی من وضع علیه یشنع به علیه (پس اللہ کی لعنت ہو اس پر جس نے یہ اُن پر جڑا تا کہ اس سے اُن کی رُسوائی ہو)۔ (ص ۲۲۴، ج ۸، البدایہ والنہایہ)

صاحب کشف الظنون دیوان یزید بن معاویہ کے تحت لکھتے ہیں:

قال: أول من جمعه: أبو عبداللّٰه: محمد بن عمران المرزبانی' البغدادی.

وهو: صغیر الحجم في ثلاث کراریس. وقد جمعه من بعده جماعة' وزادوا فیه أشیاء لیست له.

وشعر یزید مع قلته في نهایة الحسن.

وميزت الأبیات التي له من الأبیات التي لیست له. وظفرت لکل صاحب البیت.

(ص ۸۲۰ ج ۱، کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون مطبوعہ قسطنطنیہ ۱۳۶۰ھ)

(دیوان یزید کو) کو سب سے پہلے ابوعبداللہ محمد بن عمران المرزبانی البغدادی نے جمع کیا وہ چھوٹے حجم کا تین ورق کا تھا۔ ان کے بعد ایک جماعت نے جمع کیا اور اس میں ایسی چیزیں اضافہ کر دیں جو یزید نے نہیں کہیں۔ لیکن یزید کے اشعار باوجود قلت کے نہایت درجہ حسن وخوبی کے ہیں اور میں نے ان ابیات میں جو اُن کی کہی ہوئی ہیں اور اُن میں جو اُن کی کہی ہوئی نہیں ہیں، امتیاز قائم کر دیا ہے اور جس کا جو شعر ہے اس نام معلوم کر لیا ہے۔

متعدد مؤلفین کتب تاریخ و سیر و ادبیات نے متفرق اشعار لکھے ہیں جن کے بارے میں یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ امیر یزیدؒ کے ہیں کہ نہیں۔ البتہ باغیان مدینہ کی تنبیہ کے لئے جو قطعہ اشعار ناظرین کتاب کے ابتدائی اوراق میں ملاحظہ کر چکے، وہ نیز حضرت معاویہؓ کی وفات پر جو مرثیہ کہا ہے یقیناً اُن ہی کا ہے۔ بلاذری نے بھی چند شعر نقل کئے ہیں جن میں سے بعض ذیل میں مع ترجمہ کے درج ہیں۔

امیر یزیدؒ فرماتے ہیں:

وساع يجمع الأموال جمعاً　　ليورثها أعاديه شقاء

کتنے کوشش کرنے والے مال جمع کرتے رہے۔ تاکہ اس کا وارث بدبختی سے اپنے دشمنوں کو بنا دیں۔

وكم ساع ليثري لم ينله　　وآخر ما سعى نال الثراء

اور کتنے اس کی کوشش کرنے والے کہ بہت مال پیدا کرلیں ناکام رہے۔ دوسرا (جس نے کچھ کوشش نہیں کی) مال کثیر پا گیا۔

ومن يستعتب الحدثان يوماً　　يكن ذاك العتاب له عناء

اور جس نے کسی دن (بھی) حوادث زمانہ سے آزردگی حاصل کی۔ اس کیلئے اس یہ عتاب ایک مصیبت بن کر رہے گا۔

لشر الناس عبد و ابن عبد　　وآلم من مشى مولى الموالي

بدترین انسان غلام ہے اور غلام زادہ۔ اور سب سے زیادہ دکھ محسوس کرنے والا آزاد کردہ غلاموں کا سابق آقا ہے۔

اعص العواذل وارم الليل عَن عرض　　بذي سبيب يقاسي ليله خببا

ملامت کرنے والوں کی بات نہ مان اور ایسے گھوڑے پر رات گزار دے۔ جو گردن پر لمبے بال رکھتا ہے اور رات کی تکلیفیں دُلکی چال کے ذریعہ جھیل لیتا ہے۔

أقب لم يثقب البيطار سرته ولم يدجه ولم يرقم له عصبا

چھریرے بدن کا گھوڑا جس کی نال کو بیطاء نے نہیں کاٹا (یعنی وہ گھر میں پیدا نہیں ہوا)۔ اور نہ اس کی گردن پر نشتر لگایا ہے اور نہ اُس کے پٹھے پر کوئی نشان لگا ہے (یعنی پرانا نہیں بلکہ نیا ہے)

حتى يثمر مالاً أو يقال فتى لاقى التي تشعب الفتيان فانشعبا

اس امید پر کہ بہت مال بٹورے یا (کم سے کم) جوانمرد کہلائے۔ ایک احمق نے اس (بیسوا شراب) سے ملاقات کی جو جوانمردوں کو ہلاک کر دیتی ہے تو (آخرکار) ہلاک ہو کر رہا۔

لا خير عند فتى أودت مروءته يعطي المقادة من لا يحسن الجنبا

جس جوان کی مردت پژمردہ ہوگئی اس میں کچھ بھلائی نہ رہی۔ جو فرمان دہی کا فرض بہتر طریقے سے ادا نہیں کرسکتا اس کو دوسروں کی اطاعت کرنی پڑتی ہے۔

کلام موعظتِ نظام :

امیر یزیدؒ کے مندرجہ بالا چند شعر کتاب انساب الاشراف بلاذری سے برسبیل تذکرہ نقل کئے گئے ہیں ورنہ دیوان[1] یزیدؒ کے قلمی اور مطبوعہ نسخوں میں نصائح و موعظت کے اچھے اچھے اشعار ملتے ہیں جن کا انتخاب دوسری کتاب میں پیش کیا گیا ہے۔ منظوم کلام کے علاوہ بعض مؤلفین نے امیر موصوف کے چند اقوال پند و نصائح کے نقل کئے ہیں۔ ان میں سے دو ایک اقوال یہاں درج کرنا بے محل نہ ہوں گے۔ قاضی ابوبکر بن العربی[2] متوفی ۵۴۳ھ نے جو حجۃ الاسلام امام

---

[1] مثلاً خدا بخش خان لائبریری پٹنہ میں اس دیوان کا جو قلمی نسخہ ہے اس میں پند و نصائح کے اچھے اشعار ہیں۔

[2] قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ بن احمد بن العربی المعافری ملک اندلس کے مشہور مقام اشبیلیہ کے ایک علمی گھرانے میں شعبان ۴۶۸ھ میں پیدا ہوئے اور عنفوان شباب میں تحصیل علم کی دھن میں وطن سے نکلے۔ الجیریا، مراکش، مصر، شرق اردن، بیت المقدس، دمشق، حجاز و عراق (بغداد) کے نامور علماء و شیوخ فن سے اکتساب فیض کرتے رہے۔ چند سال حجۃ الاسلام امام غزالیؒ متوفی ۵۰۵ھ کی صحبت میں رہ کر فیوض علیہ سے بہرہ ور ہوئے۔ تقریباً بیس ممالک اسلامیہ کے اساطین علم و فن سے کسب فیض کر کے وطن لوٹے۔ قاضی ابوبکر بن العربی آئمۃ المسلمین اور فقہائے مالکی میں سے تھے اور قاضی عیاض مؤلف کتاب الشفاء کے شیوخ میں سے ہیں۔ ان کی تفصیلات کی تعداد (۳۵) ہے جو بیشتر تفسیر و حدیث و اخلاقیات پر مشتمل ہیں۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

ابو حامد الغزالی کے خلیفہ اور شاگرد تھے امام احمد بن حنبلؒ کی کتاب الزہد[1] کے حوالے سے امیر المومنین یزیدؒ کے ایک خطبے سے اُن کا قول نقل کیا ہے۔ امیر موصوف فرماتے ہیں:

اذا مرض أحدكم مرضاً فأُشفي ثم تماثل، فلينظر الى أفضل عمل عنده فليلزمه ولينظر الى أسوأ عمل عنده فليدعه.

(ص ۲۳۳ كتاب العواصم من القواصم)

تم میں سے جب کوئی کسی مرض سے بیمار پڑ جائے اور پھر شفا پا کر صحتیاب ہونے لگے تو اُسے غور کرنا چاہیئے کہ اسنے کونسا اچھا عمل کیا تھا کہ اس پر مداومت کرے پھر یہ سوچے کہ کون سا برا عمل اُس نے کیا تھا اُسے ترک کردے۔

(گذشتہ سے پیوستہ) ان کی تفسیر انوار الفجر فی تفسیر القرآن جو بیس سال کی مدت میں مکمل ہوئی، اسی ہزار ورق (ایک لاکھ ساٹھ ہزار صفحات) پر محیط نوے جلدوں پر تھی اور آٹھویں صدی ہجری تک سلطان مراقش کے خزانہ میں موجود تھی۔ قاضی صاحب کی تصانیف میں سے العواصم من القواصم فی تحقیق مواقف الصحابہ بعد وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے۔ اس کتاب کا حوالہ مؤرخ ابن خلدون نے اپنے شہرہ آفاق مقدمہ تاریخ میں ولایت العہد کی بحث کے سلسلے میں دیا ہے۔ (ص ۲۱۷ مطبوعہ مصر)۔ قاضی موصوف نے اپنی اس تالیف میں ان اکاذیب کی پوری قلعی کھولی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرامؓ کے مؤقف اور مشاجرات کے بارے میں وضع ہوئے۔ حضرت حسینؓ اور امیر یزیدؒ کے واقعات کے سلسلے میں حضرت حسینؓ کے اقدام کے متعلق لکھا ہے:

''ولكنه رضي الله عنه لم يقبل نصيحة أعلم أهل زمانه ابن عباس، وعدل عن رأي شيخ الصحابة ابن عمر۔'' (ص۲۳۲)

''لیکن اُنہوں نے (حسینؓ نے) اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم ابن عباسؓ کی نصیحت قبول نہ کی اور شیخ صحابہ ابن عمرؓ کی رائے سے انحراف کیا۔''

[1] امام احمد بن حنبلؒ کی کتاب الزہد کا جو نسخہ طبع ہوا ہے وہ اصل نسخے سے حجم میں بہت کم ہے۔ امام موصوف کی مسند بہت کبیر حجم کی ہے اور کتاب الزہد اس مسند کی ضخامت کے ایک ثلث کے تھی۔ صاحب التعجیل المنفعۃ کتاب الزہد کے بارے میں لکھتے ہیں: فانه كتاب كبير فى قدر ثلث المسند مع كبر المسند وفيه من الاحاديث و الاثار مما ليس فى مسند شئى كثير۔ (خطبہ الکتاب ص ۸)۔ مطبوعہ نسخہ میں سے ایک حصہ علیحدہ کر دیا گیا ہے جو سرسری نظر سے دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ امیر المومنین معاویہؓ و امیر المومنین یزیدؒ کے بارے میں جو اوراق تھے یا دیگر ابنی اُمیہ کے متعلق وہ خارج کر دیئے گئے ہیں۔ پھر بھی چند آثار ان کے موجودہ اوراق میں بھی کہیں نہ کہیں باقی رہ گئے ہیں۔

امیر المومنین یزیدؒ کے اس کلام موعظت انضمام کو امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی کتاب الزہد میں جیسا کہ ضمناً پہلے ذکر ہو چکا، اس مقام پر نقل کیا ہے۔ جہاں صحابہ کے بعد اور تابعین سے پہلے متقین کے خطبات و مواعظ سے وہ اقوال نقل کئے جن کی زہد و ورع میں پیروی کی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے قاضی ابوبکر بن العربی فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک امیر المومنین یزیدؒ کی عظیم منزلت تھی کہ ان کے خطبے سے التقاط کر کے اس قول کو اس مقام پر نقل کیا اور اُن کو طبقہ زہاد صحابہ و تابعین میں داخل کیا ''**یدخلہ فی جملۃ الزھاد من الصحابۃ و التابعین الذین یقتدی بقولھم و یرعوی من وعظھم**'' (ص۲۳۲ ایضاً)۔

امیر یزیدؒ کے کلام کا بہت قلیل حصہ دست برد زمانہ سے محفوظ رہا تاہم کہیں کہیں ان کے حکیمانہ اقوال کتب تاریخ و سیر و رجال میں مل ہی جاتے ہیں۔ بلاذری نے ایک موقع پر یہ حکیمانہ مقولہ درج کیا ہے۔ امیر یزیدؒ فرماتے ہیں:

'' **حفظ الندیم و الجلیس و اکرامھما من کرم الخلیفۃ و قضاء حق النعمۃ.**''

(ص۱۰، ج۴، قسم ثانی انساب الاشراف بلاذری مطبوعہ یروشلم)

'' ندیم و جلیس کا تحفظ اور اس کی عزت و توقیر کرنا خلیفہ کے کرم اور نعمت کے شکر کے ادا کرنے کا ذریعہ ہے۔''

ذکر ہو چکا کہ حضرت ابو درداء جیسے عالم و زاہد صحابی سے ابتدائے عمر میں مانوس تھے۔ اُن کو من فقہاء العلماء میں کہہ کر ان کے فیض صحبت کے بارے میں یہ قول منقول ہے:

'' **ان ابا الدرداء من الفقھاء العلماء الذین یشفون من الداء.**''

(کتاب الجرح والتعدیل الرازی)

حلم و کرم :

ابتدائی اوراق میں بعض ثقہ مؤرخین کی تحریرات کے جو اقتباسات آپ نے ملاحظہ کئے اُن سے معلوم ہوا کہ امیر المومنین یزیدؒ کس درجہ حلیم و کریم تھے الولد سر لابیہ اپنے والد محترم کی

پاکیزہ سیرت سے یہ اوصاف ارثاً بھی ملے تھے اور ان کی مجلس اور صحبت میں بالالتزام رہنے سے اکتساباً بھی حاصل ہوئے تھے **وکان یزید یحدث نفسه بالتزامها** ۔حضرت معاویہؓ کے حلم وکرم کے واقعات تو سب نے ہی لکھے ہیں خواہ وہ مخالف ومعاند ہوں یا موافق وآزاد نگار۔ایک مخالف نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ کسی انصاری کو عطیے کی جو رقم دی گئی وہ اُن کی نظر میں نہ صرف قلیل تھی بلکہ اُن کے شایانِ شان بھی نہ تھی۔وہ اتنے برہم ہوئے کہ اپنے بیٹے کو رقم دے کر کہا کہ جاؤ ان درہموں کو لے جا کر معاویہؓ کے منہ پر دے مارو۔تابعدار بیٹا گیا اور حضرت معاویہؓ سے سارا حال کہہ سُنایا۔ حضرت ممدوح نے فرمایا تم اپنے باپ کا حکم اور اپنی قسم پوری کرنی چاہیئے۔میں اپنے منہ پر ہاتھ رکھے لیتا ہوں مگر ذرا زور سے نہ مارنا۔امیر یزیدؒ نے اپنے والد محترم سے عرض کی کہ اس طرح تو لوگ ہم بزدل اور ذلیل سمجھیں گے۔حضرت معاویہؓ نے فرمایا:''اے فرزند عزیز!حلم وبردباری کے عمل سے نہ کبھی ذلت ہوتی ہے نہ سُبکی بلکہ مخالف رام ہوتا ہے اور معاند کی زبان گنگ۔

امیر یزیدؒ کے حالات زندگی میں ایسی مثالیں ملتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے والد ماجد کے اس ارشاد پر عمل کیا۔حلم وکرم کے ساتھ مخالفین اور معترضین سے درگذر اور معافی سے پیش آتے رہے۔مؤرخ المدائنی نے لکھا ہے کہ عبدالرحمٰن بن حسان ایک مرتبہ امیرالمومنین یزیدؒ کے پاس آئے۔انہوں نے ان کے حسب توقع ان کی خاطر مدارت نہیں کی۔اس پر انہوں نے ہجو میں کچھ اشعار کہے۔امیر یزیدؒ کے اعیان میں سے حصین بن نمیر یا مسلم بن عقبہ نے کہا:

'' اقتله فان حلم أمیر المؤمنین مُعَاوِیَة جرأ الناس علیکم' فَقَال: جفوناه و حرمناه فاستحققناه ذلک منه' فبعث الیه بثلاثین ألف درهم' فمدحه. ''

(ص ۱۱، ج ۶، قسم ثانی، انساب الاشراف مطبوعہ یروشلم)

'' آپ ان کو قتل کر دیجئے کیونکہ امیرالمومنین معاویہؓ کے حلم نے لوگوں کو آپ پر بہت جری کر دیا ہے۔(امیرالمومنین یزیدؒ) نے فرمایا: ہم نے ان کے ساتھ خشکی برتی تھی اور محروم رکھا تھا اس

لئے (اس ہجو کے) ہم مستحق ہو گئے، اس کے بعد انہیں تیس ہزار درہم بھیج دیئے تو انہوں نے اُن کی مدح کی۔''

ایک اور واقعہ بھی مؤرخ ابوالحسن المدائنی سے منقول ہے کہ ایک شاعر ابن ہمام السلولی نے اپنے قصیدے میں بنی اُمیہ کی دشمنی میں یہ شعر بھی کہا تھا:

حشينا الغيظ حتى لو شربنا دماء بن اميه ماروينا

ہم پر اتنا غیظ وغضب سوار ہے کہ اگر ابنی اُمیہ کا خون بھی پی جائیں تو تسکین نہ ہو۔

یہ واقعہ امیر المومنین یزیدؒ کی بیعت خلافت کے چند دن بعد ہی کا ہے۔ امیر المومنین نے یہ حال معلوم ہوتے ہی ابن ہمام کی حاضری کیلئے عامل بصرہ کو حکم دیا۔ چنانچہ عامل مذکور (ابن زیاد) نے گرفتار کر کے مالک نام کے ایک ضامن کی ضمانت پر اس شرط پر رہا کر دیا کہ امیر المومنین کے حضور میں پیش ہو۔ شاعر حاضر ہوا:

وقدم على يزيد فعزاه عَن مُعَاوِيَة وهنأه بالخلافة وأتى ابنه مُعَاوِيَة فاستجار به فآمنه يزيد وصفح عنه وكتب الى ابن زياد يأمره أن لا يعرض له وأوصاه به.
(ص۷ ج۴، قسم ثانی انساب الاشراف مطبوعه يروشلم)

(ابن ہمام) امیر المومنین یزیدؒ کے پاس حاضر ہوئے (حضرت) معاویہؓ کی وفات پر تعزیت کی اور خلافت کی مبارکباد دی اور ان کے صاحبزادے معاویہؓ (بن یزید بن معاویہ) کی خدمت میں جا کر امان طلب کی۔ ان کی سفارش پر ان کو معاف کر دیا گیا اور ابن زیاد کو حکم بھیج دیا کہ اب ابن ہمام سے تعرض نہ کیا جائے۔

ابن ہمام نے ۲۱ شعر کا ایک قصیدہ کہا جس میں ابن زیاد کو مخاطب کر کے ان واقعات اور امیر المومنین یزیدؒ کے حلم وکرم کا ذکر کرتے ہوئے ان کو ان کے منصب ''امام وخلیفہ'' سے یاد کیا ہے۔ چنانچہ آخر شعر اس قصیدے کا ہے:

وقدشهدالناس عندالامام أنّي عدوّ لأعدائكا

اُسی وقت ثقفی قبیلہ کے ایک ممتاز شخص امیر المومنین یزیدؒ کے پاس حضرت معاویہؓ کی وفات پر تعزیت کرنے اور خلافت کی مبارک باد دینے آئے اور عرض کیا۔

أصحبت يا أمير المؤمنين فارقت الخليفة وأعطيت الخلافة، فأجرك اللّٰه على عظيم الرزية، ورزقك الشكر على حسن العطية.

اے امیر المومنین خلیفہ مرحوم سے آپ کی جدائی ہوگئی اور خلافت آپ کو مل گئی پہلی مصیبت پر اللہ تعالیٰ آپ کو اجر دے اور دوسری نعمت پر شکر کی توفیق۔

(ص ۵ ایضاً)

ابن ہمام بھی اُس وقت موجود تھے انہوں نے اس مضمون کو فی البدیہہ ذیل کے اشعار میں نظم کر دیا۔

اصبر يزيد فقد فارقت ذا ثقه واشكر عطاء الذي بالملك أصفاكا

اے یزید صبر کرو کیونکہ ان سے تمہاری جدائی ہوگئی جو دین میں بہت مرتبے والے تھے۔ اور اس عطیے پر شکر کرو کہ ملک (حکومت) دے اللہ نے تمہیں برگزیدہ کیا۔

أصبحت لا رزء فِي الأقوام نعلمه كما رزئت ولا عقبي كعقباكا

جو مصیبت تم پر پڑی ہے ہم جانتے ہیں کہ کسی قوم پر نہیں پڑی۔ اور اُمید رکھتے ہیں کہ تم کو اجر بھی ایسا ملے گا جو کسی کو نہ ملے گا۔

أعطيت طاعة أهل الأرض كلهم فأنت ترعاهم واللّٰه يرعاكا

آپ کو تمام اہل زمین کی اطاعت حاصل ہوگئی۔ تو آپ ان کی نگہبانی کرتے ہیں اور اللہ آپ کا نگہبان ہے۔

وفي مُعَاوِيَة الباقي لنا خلف اذا هلكت ولا نسمع بمنعاكا

اور آپ کے بعد معاویہ (فرزند یزید) اچھے خلف ثابت ہوں گے۔ لیکن اللہ کرے ہمیں آپ کی وفات کی خبر نہ سُننی پڑے۔

ان ہی اوصاف حلم وکرم ومعافی ودرگزر کا نتیجہ تھا کہ ایک ہجو گو معاند مداح وثنا خواں ہوگیا۔ الغرض والدمحترم کی تربیت نے اس ذہین فرزند کی فطری صلاحیتوں کے سنوارنے اور خیرالقرون کے بقیہ صحابہ وتابعین کی مجلسوں اور صحبتوں کے ماحول اور تربیت کے اثرات نے امیر یزیدؒ کی سیرت میں پاکیزگی پیدا کی کہ غیر مسلم مؤرخ بھی ان کے حلم وکرم ورحمدلی اور دیگر صفات حسنہ کے معترف ہیں۔ جیسا کہ ایک رومی مؤرخ نے بتایا ہے کہ امیر یزیدؒ پبلک اور عوام میں کس درجہ محبوب تھے۔

یتیموں اور مسکینوں کی خدمت اور خبر گیری :

یہ اس رحمدلی اور دیگر صفات حسنہ کے فطری جذبہ کا اثر تھا کہ امیر یزیدؒ نوعمری ہی سے یتیموں اور مسکینوں کی خدمت اور خبر گیری پر مستعد رہتے۔ یوں تو سب ہی یتیموں کی خدمت اور خبر گیری کی جاتی مگر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی جناب میں اس اُموی نوجوان کو جو عقیدت بدوشعور سے تھی اُس کا اظہار دیگر واقعات کے علاوہ جن کا ضمناً اشارہ ہو چکا اس امرِ واقعہ سے بھی ہوتا ہے کہ حضرت موصوف نے خاندان بنی عدی کے یتیموں کو لاکر اپنے مکان میں رکھا۔ ان کی خبر گیری وخدمت اپنی ذات پر لازم کرلی۔ اپنی جیب خرچ کی رقم اس کارِ خیر میں صرف کرتے۔ ایک مرتبہ اُنہوں نے اپنے والدِ محترم سے درخواست کی کہ بنی عدی، بنی سہم و بنی جمح کے یتامیٰ کی پرورش کیلئے رقوم وظائف معین فرمائیں۔ اس درخواست پر جو گفتگو باپ بیٹے میں ہوئی علامہ ابن کثیر کے الفاظ میں پڑھئے:

فَقَالَ (مُعَاوِيَة) : مَا لَکَ وَلِأَيتَامِ بَنِي عَدِيٍّ؟

(حضرت معاویہؓ نے) کہا: بنی عدی کے یتیموں سے تمہیں کیا تعلق؟

فَقَالَ (يَزِيد): لِأَنَّهُم حَالَفُونِي وَانتَقَلُوا اِلَى دَارِي.

یزید نے کہا: انہوں نے مجھ سے حلیفی کا تعلق کرلیا ہے اور میرے گھر منتقل ہوگئے ہیں۔

فَقَالَ مُعَاوِيَةُ: قَد فَعَلتُ ذَلِکَ کُلَّهُ. وَقَبَّلَ وَجهَهُ. (ص ۲۲۷ ج ۸ البدایۃ والنہایۃ)

حضرت معاویہؓ نے یہ سُن کر فرمایا کہ ہمیں سب باتیں منظور ہیں۔ پھر یزیدؒ کی پیشانی کو بوسہ دیا۔

واضح رہے کہ حضرت عمر فاروق اعظمؓ کے خاندان بنی عدی کے علاوہ جن دو اور خاندانوں کے یتیموں کے وظائف کا ذکر یزیدؒ نے اپنی درخواست میں کیا تھا ان میں بنی سہم حضرت عمرو بن العاصؓ فاتح مصر کا خاندان تھا جس میں متعدد مہاجرین حبشہ (سابقون الاولون) بدری صحابہ و مہاجرین کے گھرانے شامل تھے جنہوں نے اجنادین، یمامہ اور شام کے زبردست معرکہ ہائے جہاد میں شریک ہوکر جام شہادت حاصل کرنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ اسی طرح بنی جمح میں بھی متعدد بدوی صحابہ، مہاجرین حبشہ خصوصاً حضرت عثمان و قدانہ عبداللہ وسائب ابنائے حضرت مظعون بن حبیب جیسے صحابیوں کے گھرانے نیز حضرت ابو محذورہ کا گھرانا بھی تھا۔ حضرت ابو محذورہؓ مسجد الحرام میں مؤذن تھے اور عہد نبوی کے بعد بھی یہ خدمت ان ہی کے اخلاف و احفاد میں متوارث رہی۔ یہ تینوں خاندان حلف المطیبین میں شامل تھے۔ ایسے ممتاز خاندانوں کے یتامیٰ کی خدمت کا جذبہ امیر یزیدؒ کی حساس طبیعت میں رفق و رحمدلی کے جذبات نوعمری میں پیدا ہوئے تھے۔ تقریباً ان ہی جیسے تاثرات نے زمانہ شباب میں ان مجاہدین و شہداء و صحابہ کرام کی عظیم ترین جہادی سرگرمیوں کی قدر و عظمت اور فداکارانہ خدمات دینی کی تاسّی و پیروی کیلئے خود ان کو مجاہدانہ اقدامات کی غرض سے تیغ بکف میدان جہاد میں لا کھڑا کیا۔

حرارتِ دینیہ و خدماتِ ملّیہ:

امیر یزیدؒ نے جس زمانے میں شعور کی آنکھیں کھولیں وہ زمانہ زبردست اسلامی فتوحات کا زمانہ تھا۔ اعلائے کلمۃ اللہ کے ساتھ ساتھ اقوام عالم کے فرسودہ و غیر صالح نظام کے بجائے صالح و عادلانہ نظام قائم کرنے کے جذبہ سے بھرپور نوجوان غازیان عرب کا سیل رواں یوں بیکراں تھا کہ:

تھمتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا

مؤرخین کا متفقہ بیان ہے کہ امیر المومنین معاویہؓ نے رومی عیسائیوں کے خلاف ۱۶ مرتبہ غزوات اور جہاد کئے۔

" فَأَغزَا مُعَاوِيَةُ أَرضَ الرُّومِ سِتَّ عَشرَةَ غَزوَةً ' تَذهَبُ سَرِيَّةٌ فِي الصَّيفِ وَتَشتُو بِأَرضِ الرُّومِ. " (ص۱۳۳، ج۸، البدایہ والنہایہ)

" حضرت معاویہؓ نے رومی (عیسائیوں) کے علاقہ پر ۱۶ مرتبہ جہاد کئے۔ گرمیوں اور سردیوں میں (جداگانہ) عسکری نہیں بھیجا کرتے تھے۔"

امیر یزیدؒ جیسے پرجوش قریشی نوجوان کو زمانہ شباب میں جہادی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی تڑپ بے چین کئے ہوئے تھی۔ آخر کار اپنے والد محترم سے درخواست کی کہ گرمیوں کی عسکری مہم میں مجھے تعینات کریں۔ تولینی العام الصائفة المسلمین (ص۲۲۷، ج۸، البدایہ و النہایہ) اس سال کی عسکری مہم مسلمانان پر مجھے تعینات کیا جائے۔

امیر المومنین حضرت معاویہؓ نے رومی عیسائیوں کی سیاسی قوت کے استیصال کیلئے اسلامی مجاہدین کی دو افواج تیار کی تھیں۔ سردیوں کی فوج شواتی کہلاتی تھی اور گرمیوں کی صوائف۔ ابتدائی اوراق میں جہاد قسطنطنیہ کا ذکر تفصیلاً آچکا ہے۔ اس جہاد کی مہم "صوائف" کی قیادت جیوش امیر یزیدؒ کر رہے تھے اور حضرت ابوایوب انصاریؓ کے وفات پا جانے پر ان کی حسب وصیت جب فصیل قسطنطنیہ کے نیچے ان کو دفن کیا تو قیصر نے یہ دیکھ کر امیر یزیدؒ کے پاس پیغامبر بھیج کر حال معلوم کرنا چاہا تھا۔

فأرسل الی یزید: ما هذا الذي أری؟ قال: صاحب نبینا' وقد سألنا أن نقدمه في بلادک' ونحن منفذون وصیته أو تلحق أرواحنا بالله. (ص۱۳۳ ج۳' العقد الفرید مطبوعۃ مصر)

" قیصر روم نے یزیدؒ کے پاس (پیغام) بھیجا کہ یہ کیا کر رہے ہو جو ہم دیکھ رہے ہیں؟ یزیدؒ نے جواب دیا کہ یہ ہمارے نبی کے صحابیؓ کا جنازہ ہے۔ انہوں نے تمہارے ملک کے اندر لے جا کر

دفن کرنے کی خواہش کی تھی۔ اب ہم ان کی وصیت کی تعمیل کر رہے ہیں۔ (اگر تم مانع ہوئے تو ہم دفن ضرور کریں گے) خواہ ہم کو اپنی جانیں اس میں دے دینی پڑیں۔''

روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ امیر یزیدؒ کی بات سن کر قیصر کے منہ سے جیسے ہی یہ لفظ خباثت آمیز نکلے ہیں کہ تم لوگ جب یہاں سے لوٹ کر جاؤ گے تو یہ نعش نکال کر کتوں کو دے دیں گے (فاذا ولیت اخرجناہ الی الکلاب) میزبان اور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نعش کی بے حرمتی کے متعلق امیر یزیدؒ کی حمیت دینی کو قیصر کے یہ لفظ سننے اور برداشت کرنے کی تاب کہاں تھی۔ بجلی کی طرح رومیوں کے ہجوم کی طرف بڑھے۔ پیچھے پیچھے غازیان عرب کا فوجی دستہ لپکا۔ اللہ اکبر کے فلک شگاف نعروں کی گونج میں ایسا شدید حملہ کیا کہ رومیوں کو قلعہ بند ہو جانا پڑا۔ قلعہ کے دروازے پر پہنچ کر امیر یزیدؒ نے لوہے کے گرز سے جو اس وقت اُن کے ہاتھ میں تھا اِس زور سے ضربیں لگائیں کہ کئی جگہ شگاف پڑ گئے۔ اغانی جیسے غالی مؤلف نے بھی لکھا ہے:

ثم کف العسکر و حمل حتی عزم الروم فاحجرھم فی المدینة و ضرب باب القسطنطنیة بعمود حدید کان فی یدہ فھشم حتی انخرق. (ص ۳۳، ج ۱۶، اغانی)	پھر یزیدؒ فوج کو ادھر پھیر کر (رومیوں کے) حملہ کو لے گئے یہاں تک کہ رومیوں کو منہزم کر کے شہر کے اندر محصور کر دیا اور قسطنطنیہ کے دروازے پر لوہے کے گرز سے جو ان کے ہاتھ میں تھا ضربیں لگائیں کہ (جگہ جگہ سے) پھٹ گیا۔

باب قسطنطنیہ پر امیر یزیدؒ کے اس حملہ کی تائید مزید علامہ ابن کثیر کے اس بیان سے ہوتی ہے۔ جہاں انہوں نے حضرت معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں امیر یزیدؒ کے قسطنطنیہ کے دروازے پر رومیوں سے قتال کرنے کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ:

'' وَكَانَ فِي جُمْلَةِ مَن أَغْزَا ابنُهُ يَزِيدُ ' وَمَعَهُ خَلقٌ مِنَ الصَّحَابَةِ ' فَجَازَ بِهِمُ الخَلِيجَ' وَقَاتَلُوا أَهلَ القُسطَنطِينِيَّةِ عَلَى بَابِهَا. '' (ص ۱۳۳، ج ۸، البدایہ والنہایہ)

''اوران غازیوں میں جنہوں نے ان کے (معاویہؓ) کے زمانے میں جہاد کئے تھے ان کے فرزند یزیدؒ بھی تھے جن کے ساتھ صحابہ کی جماعت تھی، جو خلیج پار کر کے پہنچے اور قسطنطنیہ کے دروازہ پر شہریوں سے قتال کیا۔''

رومیوں کو شکست دینے کے بعد امیر یزیدؒ نے قیصر روم کو للکارا اور کہا:

ولئن بلغني أنه نبش من قبره أو مثّل به لا تركت بأرض العرب نصرانيا الا قتلته' ولا كنيسة الا هدمتها.
(ص ۱۳۳ ج۳ ، العقد الفريد)

اگر مجھ کو یہ خبر پہنچی کہ ان کی (ابو ایوب انصاریؓ) کی قبر کو توڑا پھوڑا گیا یا مثلہ کیا گیا تو (سن رکھو) میں ایک نصرانی کو بھی جو عرب کی سرزمین میں موجود ہوگا، زندہ نہ چھوڑوں گا اور نہ کسی گرجا کو بغیر منہدم کئے رہنے دوں گا۔

قیصر روم کو ان تہدید آمیز کلمات اور امیر یزیدؒ کے بے باکانہ حملے سے کچھ ایسا خوف دامنگیر ہوا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی قسم کھا کر اس نے یقین دلایا کہ قبر کی بے حرمتی نہ کی جائے گی بلکہ اس کی حفاظت ہوگی۔ راوی کا بیان ہے کہ بعد میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی قبر پر قبّہ بھی بنوا دیا تھا۔

'' انه بنى على قبره قبّة يسرج فيها الى اليوم.'' (ص۱۳۳، ج۳، العقد الفرید)

'' اس نے (قیصر نے) ان (ابو ایوب انصاریؓ) کی قبر پر قبّہ بھی بنوا دیا جہاں آج کے دن تک چراغ روشن رہتا ہے۔''

آغانی کے غالی مؤلف نے امیر یزیدؒ کی اس غیرت وحمیّت ملّیہ اور حرارت دینیہ کے متعلق کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے میزبان اور محترم صحابی کی نعش کی بے حُرمتی کا خیال بھی برداشت نہ کر سکے، بے خوف وخطر رومیوں کے ہجوم پر حملہ آور ہوئے یہ لغو توجیہ کی ہے کہ رومی کیمپ میں چونکہ قیصر روم اور جبلہ بن ایہم کی خوبصورت بیٹیاں موجود تھیں ان پر ہاتھ ڈالنے اور قبضہ کرنے

کا جذبہ اس بے باکانہ حملے کا محرک اصلی تھا۔ اس قول کی رکاکت خود ہی عیاں ہے۔ بعض مستشرقین نے جنہیں خلفائے اسلام کی تنقیص کی حکایتیں بیان کرنے میں خاص لطف آتا ہے، اغانی کے حوالے سے یہ حکایتیں نقل کی ہیں۔ پروفیسر ہتی نے بھی امیر یزیدؒ کے بارے میں اس حکایت کو بیان کیا ہے لیکن دوسری جگہ حاشیہ پر یہ بھی لکھا ہے کہ اغانی وغیرہ کی ان روایتوں پر اعتماد نہیں کرنا چاہیئے جو خلفاء کی رنگین زندگی سے متعلق ہوں۔

مؤرخ المسعودی (متوفی ۳۴۶ھ) نے اپنی تالیف ''التنبیہ والاشراف'' میں قسطنطنیہ کے محل وقوع کا تذکرہ کرتے ہوئے کہ ساحل سمندر سے بجانب الشامی بیس میل کا چکر کاٹ کر امیر یزیدؒ نے اس شہر کا سب سے اول محاصرہ کیا تھا۔ لکھا ہے کہ:

وقد حاصر القسطنطينة في الاسلام من هذه العدوة ثلاث أمراء آباؤهم ملوك و خلفاء ' أولهم يزيد بن معاوية بن أبي سفيان ' والثاني مسلمة بن عبدالملک بن مروان ' والثالث هارون الرشيد بن المهدي. (ص ۱۴۰ ، التنبيه و الاشراف المسعودی مطبوعة لندن ۱۸۹۴ء)	اور زمانہ اسلام میں اسی ساحل بحر سے چل کر تین امراء (جیوش اسلامی) نے جن کے آباء ملوک و خلفاء تھے، قسطنطینہ کا محاصرہ کیا تھا ان میں سب سے اول یزید بن معاویہ بن ابی سفیان تھے، دوسرے مسلمہ بن عبدالملک بن مروان اور تیسرے ہارون الرشید بن مہدی تھے۔

مولانا حسین احمد مدنی نے اپنے مکتوبات میں جس کا اقتباس ابتدائی اوراق میں نقل ہو چکا ہے یہ جو لکھا کہ تاریخ شاہد ہے کہ معارک عظیمہ میں یزیدؒ نے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے (مکتوبات ج ۱) اس کی تائید بازنطینی شہنشائیت کے غیر مسلم مؤلف نیز دوسرے مؤلفین کے بیان سے ہوتی ہے۔ کتاب Bezantine Empire میں ہے کہ:

رومی شہنشاہ قسطنطین چہارم کے عہد سلطنت کا آغاز ہی تباہی کے ساتھ ہوا۔
خلیفہ معاویہ کی افواج اور بیڑہ جہازات نے افریقہ سسلی اور ایشیائے کوچک

پر بیک وقت حملے شروع کئے جو بطور پیش خیمہ کے تھے۔ ۶۷۳ء میں خلیفہ موصوف نے ایک ایسی زبردست بری و بحری مہم کی تیاری کی جس کی مثل اُس وقت تک عربوں کی جانب سے معرکہ آرائی کی کوئی مہم نہیں بھیجی گئی تھی۔ یہ عظیم الشان بیڑہ جہازات افریقہ سسلی اور قسطنطنیہ کے محاصرے کیلئے ملک شام سے روانہ ہوئے۔ ایسی زبردست مہم مسلمانوں کی جانب سے اب تک نہیں بھیجی گئی تھی۔ جنرل عبدالرحمٰن[1] کی معیت میں خلیفہ کے فرزند اور ولی عہد یزید بھی متعین تھے۔ اسلامی بیڑہ جہازات نے رومی شاہی بیڑے کو شکست دے کر درہ دانیال میں اپنا راستہ نکال لیا اور شہر سائزکس پر قبضہ کر کے اس کو اپنا فوجی کیمپ بنالیا۔ اور باسفورس کی ناکہ بندی کری۔ چار سال تک محاصرہ جاری رہا۔ محصور فوج نے زبردست مقادمت کر کے اور کچھ نہیں تو روز بد کو کچھ دنوں تک ٹالے رکھا۔ (ص ۱۷۰)

اسی طرح ایک مسلم مؤرخ کا بیان ہے کہ:

ان السنة التي حاصر فيها يزيد بن معاوية القسطنطينة ۵۱ للهجرة ووفق ۶۷۲ مسيحية وقد جاء ها يزيد برّا وكان بسر بن أرطاة ماسكا البحر. وقد انتشرت السفن الحربية العربية على طول ساحل بحر مرمرة و هاجم العرب القسطنطينة بين شهر ابريل و سبتمبر.

(حاضر العالم الاسلامی ص ۲۱۴)

جس سنہ میں یزید بن معاویہ نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا وہ ۵۱ھ مطابق ۶۷۲ء تھا۔ یزیدؒ بری راستے سے پہنچے تھے اور بسر بن ارطاۃ سمندری راستہ طے کر کے۔ عربوں کے حربی جہازات ساحل مرمرۃ پر پھیل گئے تھے۔ عربوں نے اپریل اور ستمبر کے مابین قسطنطنیہ پر حملے جاری رکھے۔

---

[1] غیر مسلم مؤلف کو مغالطہ ہوا جنرل عبدالرحمٰن بیڑہ جہازات کے کمانڈر تھے اور امیر یزیدؒ بری فوج کے۔

چونکہ متعدد سالوں تک یہ جہادی مہمیں بحری کمانڈروں کے علاوہ امیر یزیدؒ کی قیادت میں جاری رہیں اس لئے مؤرخین کے بیان کردہ سنین اور بحری جنرلوں کے ناموں میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے۔ استیعاب میں بسلسلہ تذکرہ وفات حضرت ابوایوب انصاریؓ لکھا ہے کہ:

" وتوفی بالقسطنطینیة من ارض الروم سنة خمسین و قیل: سنة احدی و خمسین فی خلافة معاویه تحت رایة یزید."

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ص ۵، حاشیہ الاصابہ ج ۱)

"اور ابوایوبؓ کا انتقال ۵۰ھ میں ہوا اور کہتے ہیں کہ ۵۱ھ میں سرزمین روم میں بزمانہ خلافت معاویہؓ ہوا تھا۔ اور وہ یزید کے زیر قیادت جہاد میں شریک تھے۔"

اس ذکر میں یہ بات بھی آتی ہے کہ جب یزیدؒ کو لشکر کا سردار بنایا گیا (**فلما ولی معاویه یزید علی الجیش الی قسطنطینیة**) تو کسی کے کہنے پر کہ ایک جوان العمر کو امیر مقرر کیا ہے، حضرت ابوایوب انصاریؓ نے فرمایا کہ ہمیں اس کی کیا پرواہ کہ ایک جوان کو ہم پر مقرر کیا گیا (**وما علینا ان امر علینا شاب**) اس جہاد کیلئے بڑے اہتمام سے تیاریاں کی گئی تھیں۔ حجاز کے مختلف قبائل قریش وانصار کے اکابرین کے پاس قاصد کے ذریعہ تحریریں بھیجی گئیں اور خواہش کی گئی کہ وہ امیر یزیدؒ کے ساتھ رومیوں کے خلاف جہاد میں شرکت کریں۔ چنانچہ قیادت یزیدؒ سے کسی فرد واحد نے بھی اختلاف نہیں کیا۔

" فلم یتخلف عنه احد، حتی کان فیمن خرج ابو ایوب الانصاری صاحب النبی صلی اللّٰه علیه وسلم." (ص ۱۳۲، ج ۳، العقد الفرید)

"کسی ایک فرد نے بھی (امیر یزیدؒ کی قیادت سے) اختلاف نہیں کیا اور جو لوگ (اس جہاد قسطنطنیہ کیلئے) گئے ان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت ابوایوب انصاریؓ بھی تھے۔"

اور یہی وہ صحابی تھے جن کو نہ صرف یہ امتیازی شرف حاصل ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کی تشریف آوری مدینہ کے ابتدائی ایام میں میزبانی کی خدمات انجام دیں۔ بلکہ آپ ﷺ کے استراحت فرماتے وقت پہرہ بھی دیا تھا جس پر آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اے ابوایوب اللہ تمہاری (تمہارے جسم کی) بھی اسی طرح حفاظت کرے جس طرح تم نے اللہ کے نبی کی رات میں پہرہ داری کی ہے۔صاحب کتاب[1] ''**الروض الانف فی شرح السیرۃ النبویۃ لابن ھشام**'' لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی اس دعا سے ابوایوب انصاریؓ کے جسم کی رومیوں ہی سے حفاظت کرائی۔ پھر اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے جو بیان ہو چکا، امیر یزیدؒ کی زبان سے نکلے ہوئے وہ تہدیدی کلمات بھی نقل کئے ہیں جو رومیوں سے فرمائے تھے جس پر رومی عیسائیوں نے اپنے مسلک کے مطابق حلف لیا اور عدہ کیا کہ ان صحابی رسول کی قبر کی حفاظت کریں گے۔

جہاد قسطنطنیہ کے ''اول جیش من امتی'' کی قیادت کے امتیاز اور بشارت مغفرت کے ساتھ یہ سعادت بھی امیر یزیدؒ کو حاصل ہوئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیہ[2] پیشن گوئی کا کہ **یدفن عند سور القسطنطینیۃ رجل صالح** (العقد الفرید ج ۳، ص ۱۳۳) یعنی فصیل قسطنطنیہ کے پاس ہی ایک مرد صالح دفن ہوگا، عملاً ظہور بھی اس امیر مجاہد و جواں صالح کے تہورانہ اقدام سے ہوا۔**ذلک فضل اللّٰہ یوتی من یشاء۔**

مشہور یورپین مؤرخ ایڈورڈ گبن نے اپنی تالیف'' تاریخ عروج و زوال رومۃ الکبریٰ'' میں امیر یزیدؒ کے جہاد قسطنطنیہ میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کی شرکت اور وفات پانے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس معرکہ جہاد میں امیر معاویہؓ کے فرزند یزیدؒ کی موجودگی اور ان کی شجاعت و بسالت کی مثال اس وقت اسلامی فوج کے سپاہیوں کی حوصلہ افزائی کا موجب اور سبب بن گئی تھی۔ اس مؤرخ نے یہ بھی بالصراحت بیان کیا ہے کہ (حضرت) حسینؓ بھی قسطنطنیہ کے اس اولین جہاد میں موجود تھے۔ گبن کے الفاظ یہ ہیں:

---

[1] ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد السھیلی (متوفی ۵۸۱ھ)

[2] حَرَسَكَ اللّٰهُ يَا أَبَا أَيُّوبَ كَمَا بِتَّ تَحرُسُ نَبِيَّهُ. (الروض الآنف)

''حسن کے چھوٹے بھائی حسین نے اپنے والد سے جرات و دلیری کا کچھ نہ کچھ حصہ ورثہ میں پایا تھا اور عیسائیوں کے خلاف قسطنطنیہ کے جہاد میں امتیازی خدمت انجام دی تھی۔''

(ص ۲۸۶ تاریخ عروج وزوال رومۃ الکبریٰ، گبن)

تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت حسینؓ کی زندگی میں پہلا اور آخری جہاد یہی معرکہ جہاد تھا جس میں غازیان اسلام کے جیش کی قیادت و سپہ سالاری امیر یزیدؒ کر رہے تھے اور اس معرکہ کے بعد بھی ایشیائے کوچک کے متعدد معرکوں میں انہوں نے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ ارض روم کی جہادی سرگرمیوں سے جب واپس آتے، حرمین شریفین کا سفر اختیار کرتے اور حج و زیارت روضہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوتے۔ تین سال متواتر امیر حج کے فرائض ادا کرتے رہے۔ ارض پاک میں اپنا ایک مکان بھی تعمیر کرایا تھا اور مدینہ منورہ کے ہاشمی و قریشی گھرانوں کی دو خواتین کو حبالہ عقد میں لائے تھے۔ خلفائے اسلام میں امیر المومنین یزیدؒ ہی پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے دیبائے خسروی کا بیش بہا غلاف خانہ کعبہ پر چڑھایا۔

'' اول من کساہ (الکعبۃ المعظمۃ) الدیباج یزید بن معاویہ.''

(ص ۲۵۱ تاریخ الکعبۃ المعظمۃ، ص ۷۴ ترجمہ فتوح البلدان بلاذری، ص ۱۰۵ الجامع اللطیف)

'' خانہ کعبہ پر سب سے اول (جس خلیفہ نے) دیبائے خسروی کا غلاف چڑھایا وہ یزید بن معاویہ تھے۔''

عہد اسلام میں سب سے پہلا غلاف جو یمنی کپڑے کا تھا سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چڑھایا۔ آپ کے بعد حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں۔ حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ میں نہ حج کیا اور نہ غلاف چڑھایا۔ پھر حضرت معاویہؓ اور امیر یزیدؒ اور ان کے بعد عبداللہ بن زبیرؓ اور دوسرے خلفاء نے۔ قوی آثار سے ثابت ہے کہ اپنے چار سالہ زمانہ خلافت میں

ہر سال بیش قیمت کپڑے کے غلاف علماء وصلحا کی جماعت کے ہاتھ دمشق سے مکہ معظّمہ بھیجتے رہے۔ خدام کعبہ ومجاوران روضہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وظائف وعطایا سے خدمت کرتے اور کوشش کرتے کہ جوار رسول ﷺ کے رہنے والوں کو زیادہ سے زیادہ رقوم دی جائیں۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ بن ابی طالب کے عطیے کے بارے میں خود امیر موصوف کا قول پڑھ چکے ہیں کہ ابن جعفرؓ چونکہ اپنا مال دوسروں پر صرف کر دیتے ہیں اُن کو دینے کے یہ معنی ہیں کہ ہم اہل مدینہ کو دے رہے ہیں۔ علامہ ابن کثیر نے یہ واقعہ بھی بیان کیا ہے کہ جب وظیفہ وعطیہ کی بیش بہا رقم لے کر ابن جعفرؓ امیر یزیدؒ کے پاس سے باہر آئے تو مال واسباب سے لدے کوہانی اونٹ (بختی) باب یزیدؒ پر کھڑے دیکھے جو خراسان سے مال و ہدایا لے کر آئے تھے۔ ابن جعفرؓ لوٹ کر امیر موصوف کے پاس گئے اور درخواست کی کہ تین بختاتی (دوکوہانی اونٹ) مرحمت ہوں تاکہ حج وعمرہ اور سفر شام کیلئے باری باری استعمال کرسکوں۔ امیر یزیدؒ نے صاحب سے دریافت کیا کہ یہ کیسے اونٹ ہیں جو دروازے پر موجود ہیں۔ صاحب کا جواب، امیر المومنین کا حکم اور ابن جعفرؓ کے کلمات کو علامہ ابن کثیر کے الفاظ میں پڑھئے:

فَقَالَ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، هَذِهِ أَرْبَعُمِائَةِ بُخْتِيَّةٍ جَاءَتْنَا مِنْ خُرَاسَانَ تَحْمِلُ أَنْوَاعَ الْأَلْطَافِ وَكَانَ عَلَيْهَا أَنْوَاعٌ مِنَ الْأَمْوَالِ كُلِّهَا.

صاحب نے عرض کیا: اے امیر المومنین یہ چار سو کوہانی اونٹ ہیں جو ہمارے پاس خراسان سے مختلف قسم کے ہدایا لیکر آئے ہیں اوران پر وہ سب مال لدا ہوا ہے۔

فَقَالَ: اصْرِفْهَا إِلَى أَبِي جَعْفَرٍ بِمَا عَلَيْهَا.

(امیر یزید نے) فرمایا: یہ سب اونٹ مع اس مال کے جو اُن پر ہے ابن جعفرؓ کو دیا جائے۔

فَكَانَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ جَعْفَرٍ يَقُولُ: أَتَلُومُونَنِي عَلَى حُسْنِ الرَّأْيِ فِي هَذَا؟ يَعْنِي يَزِيدَ.

عبداللہ بن جعفرؓ (لوگوں سے) کہا کرتے تھے کہ تم لوگ اس شخص یعنی یزیدؒ کے بارے میں کیا میرے حسن رائے پر مجھے ملامت کر سکتے ہو؟

(ص۲۳۰ ج۸، البدایہ والنہایہ)

حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کی جود وسخا ضرب المثل تھی۔ علامہ ابوجعفر محمد بن حبیب الہاشمی متوفی ۲۴۵ھ نے اپنی تالیف کتاب المحبر میں بذیل عنوان ''اجواد الاسلام'' یعنی زمانہ اسلام کے سب سے زیادہ سخی اور دریا دل اشخاص کی فہرست میں خاندان رسالت (بنی ہاشم) کے جن پانچ حضرات کے نام اور ان کے جود وسخا کے حالات لکھے ہیں یعنی:

(۱) عبیداللہ بن عباسؓ بن عبدالمطلب

(۲) امیرالمومنین عبداللہ السفاح بن علی بن عباسؓ

(۳) محمد بن جعفر بن عبیداللہ بن عباسؓ

(۴) طلحہ بن حسن بن علی بن ابی طالب

اور

(۵) جعفرؓ بن ابی طالب

ہیں۔ ان کے جود وسخا کے حالات کتاب کے چار صفحات پر محیط ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کی سخاوت و دریا دلی سے زیادہ مستفید ہونے والے دیارِ نبی ﷺ ہی کے لوگ تھے اور اسی بناء پر جیسا کہ خود امیرالمومنین یزیدؒ نے فرمایا تھا کہ اسی نیت سے ان کو لاکھوں روپیہ اور مال واسباب عطا ہوتا تھا کہ یوں اُن کے ذریعہ اہل مدینہ کو مل سکے۔

منصف مزاجی :

منصف مزاجی کی یہ کیفیت تھی کہ ذاتی معاملات میں بھی امیر یزیدؒ دامن انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ ابن کثیر نے سلامہ نام کی ایک کنیز کا واقعہ بیان کیا ہے جو مدینہ منورہ کی رہنے والی حسن و جمال میں یکتا اور ہمہ صفت موصوف تھی۔ قرآن شریف اچھی قراءت سے سُناتی، شاعرہ اور مغنیہ بھی تھی۔ حضرت حسان بن ثابتؓ کے فرزند عبدالرحمٰن نے جو خود بھی شاعر تھے اور جن کا ذکر ایک قصہ میں اوپر گزر چکا، اس کنیز کی امیر یزیدؒ سے بہت کچھ ثنا وصفت کر کے اس کی خریداری پر راغب کیا۔

وَدَلَّهُ عَلى سَلَّامَةَ وَجَمَالِهَا وَحُسنِهَا وَفَصَاحَتِهَا' وَقَالَ: لَا تَصلُحُ اِلَّا لَکَ يَا أَمِيرَالمُؤمِنِينَ' وَأَن تَكُونَ مِن سُمَّارِكُ.

(ص۲۳۴، ج۸، البدایہ والنہایہ)

اور انہیں (امیر یزیدؒ کو) سلامہ اور اس کے حسن و جمال و فصاحت کی طرف رغبت دلائی اور کہا کہ اے امیرالمومنین یہ کنیز سوائے آپ کے اور کسی کے لائق نہیں خواہ آپ اسے قصہ خوانی ہی کیلئے رکھ لیں۔

کنیز کے آقا سے خریداری کا معاملہ طے کرلیا گیا۔ کنیز مذکور مدینہ سے دمشق آ کر داخل حرم کی گئی اور دوسری کنیزوں پر اسے فوقیت حاصل ہوگئی۔ لیکن جب یہ راز افشاء ہوا کہ یہ کنیز اور مدینہ منورہ کا ایک شاعر احوص بن محمد ایک دوسرے کے دام محبت میں گرفتار ہیں۔ امیر یزیدؒ نے احوص کو جو دمشق میں موجود تھا نیز سلامہ کو مواجہ میں طلب کر کے تصدیق کی۔ ان دونوں نے فی البدیہہ اشعار میں اقرار محبت کیا۔ سلامہ نے کہا کہ شدید محبت مثل روح کے میرے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہے تو کیا اب رُوح اور جسم میں مفارقت ہو سکے گی؟

حُبًّا شَدِيدًا جَرَى كَالرُّوحِ فِي جَسَدِي فَهَل يُفَرَّقُ بَينَ الرُّوحِ وَالجَسَدِ

امیر یزیدؒ نے یہ حال دیکھ کر سلامہ کو احوص کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا:

''خُذهَا يَا أَحوَصُ فَهِيَ لَکَ . وَوَصَلَهُ صِلَةً سَنِيَّةً.'' (ص۲۳۶، البدایہ والنہایہ)

''اے احوص! اب یہ (سلامہ) تمہاری ہے تم اسے لے لو۔ پھر اسے اچھا انعام عطا کیا۔''

انصاف پسند طبیعت ہی کا تقاضا تھا کہ داخل حرم کرنے کے بعد بھی ان کے جذبات کا احترام کیا۔

امیر یزیدؒ کے مختصر سے زمانہ خلافت کے حالات بیان کرنے میں مؤرخین نے بخل سے کام لیا ہے۔ تاہم ان کی انصاف پسندی و عدل گستری اور رحم دلی کے واقعات تجسس و تفحص سے مل ہی جاتے ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

امیر زیاد بن ابی سفیانؓ کے اکیس بیٹے اور نو بیٹیاں یہ تیس اولادیں مختلف ازواج سے تھیں۔ بڑے عبدالرحمٰن تھے جو خراسان کے والی تھے۔ امیرالمومنین یزیدؒ نے ان کو اس خدمت

سے سبکدوش کر کے اُن کے چھوٹے بھائی مسلم بن زیاد کو جو اُم ولد کے بطن سے بڑی قابلیت کے نوجوان تھے، اُن کی جگہ متعین کیا۔ یہ بصرہ سے مع چند اعیان قبائل عرب خراسان چلے گئے۔ اُن کے سوتیلے بھائی عبیداللہ کو جو اُس وقت کوفہ اور بصرہ کے والی تھے، بعض اعیان کا اُن کے ساتھ جانا ناگوار تھا اُنہوں نے روکنے کی کوشش کی مگر یہ لوگ چلے گئے۔ انہوں نے ان لوگوں کے مکانات منہدم کردایئے۔ اس واقعہ کی اطلاع ملتے ہیں امیر یزیدؒ نے اُن پر عتاب کیا اور حکم دیا کہ ان سب کے مکانات کو اپنے صرف اور روپیہ سے فی الفور تعمیر کرادیں۔

" فکتب الیہ یزید بن معاویہ ان یبنیھا بالجص والآجر والساج من مالہ فبناھا." (ص ۸۰، البلدان للیعقوبی مطبوعہ لیڈن ۱۸۶۰ء)

" پس (امیر) یزید بن معاویہ نے ان (عبیداللہ) کو تحریراً حکم بھیجا کہ ان (منہدمہ مکانات) کو اینٹ چونہ اور ساگوان کی لکڑی سے تعمیر کرائیں، یوں اُنہوں نے ان کو پھر تعمیر کروایا۔"

جن لوگوں پر عمال حکومت کی جانب سے ظلم و زیادتی ہوتی، امیرالمومنین یزیدؒ کی خدمت میں فریادی آتے اور فائز المرام واپس جاتے۔ مؤرخ المدائنی کی یہ روایت بلاذری نے لکھی ہے کہ عبدالرحمٰن بن برثن جن کے باپ کا نام فیروز حصین تھا مگر اپنی ماں اُم برثن کی نسبت سے مشہور تھے، یتیم و لاوارث بچے کی حیثیت سے اُن کی پرورش ہوئی۔ فضائل ذاتی سے بہرہ ور تھے۔ امیر عبیداللہ بن زیاد کے زمانہ میں کسی خدمت پر مامور تھے۔ اُنہوں نے ناراض ہوکر برطرف کردیا اور دو لاکھ روپیہ تاوان کا عائد کیا۔ یہ (عبدالرحمٰن بن برثن) فریادی بن کر امیرالمومنین کے پاس آئے اپنا سب حال اور دکھ درد کہہ سُنایا۔ امیر موصوف نے اُسی وقت عبیداللہ کو تحریری حکم بھیجا کہ ان کے دو لاکھ روپے فوراً واپس کردیئے جائیں اور کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ عبدالرحمٰن کا خوردسال بچہ ان کے غلام کے ہاتھ سے اتفاقاً سر پر چوٹ لگنے کی وجہ سے مارا گیا تھا اُنہوں نے سزا دینے کے بجائے اُسے آزاد کردیا۔ امیر یزیدؒ کو ایسے کریم الطبع الشخص کا دکھ درد دور کردینے سے ایسی مسرت ہوئی کہ اس دن تیس غلام آزاد کردیئے۔

واعتق ذلک الیوم ثلاثین مملوکا ، وقال: من احب ان یقیم فلیقم ومن احب یذهب فلیذهب.
(ص ۱۰، ج ۴، قسم ثانی، انساب الاشراف بلاذری مطبوعہ یروشلم)

اور اُس دن تیس غلام (امیر یزید نے) آزاد کردیئے اور اُن سے فرمایا (یعنی غلاموں سے) جو ہمارے پاس رہنا چاہے رہے اور جو جانا چاہے جائے۔

لوگ کسی عامل کے متعلق شکایت کرتے اس پر لحاظ فرماتے۔ حضرت ابن زبیرؓ کا طرزِ عمل اور رویہ پوشیدہ نہ تھا لیکن انہوں نے جب عامل مکہ کی شکایت میں اہل مکہ کی جانب سے امیر المومنین کو تحریر بھیجی، اُس پر لحاظ کیا اور اپنے عامل کو تبدیل کردیا۔ وہ تحریر یہ تھی:

وکتب ابن الزُّبَیرِ الی یزید عَن أهل مَکَّة: انک بعثت الینا رجلًا أخرق لا یتجه لأمر رشد ولا یرعوي لعظمة الحلیم، فلو بعثت الینا رجلًا سهل الخلیقة لین الکتف لرجونا أن یسهل من هذه الأمور ما استوعر، وأن یجمع منها ما تفرق، فانظر فِي ذلک، فان فیه صلاح خواصنا و عوامنا. والسلام [1]
(ص ۳۰، ج ۴، قسم ثانی، انساب الاشراف بلاذری وطبری ج ۷)

اور ابن زبیرؓ نے یزیدؒ کو اہل مکہ کی جانب سے یہ خط بھیجا: تم نے کیسے ناکارہ شخص کو ہمارے پاس بھیجا ہے جو کسی دانش کی بات پر توجہ نہیں کرتا اور نہ کسی حلیم کے سمجھانے کو مانتا ہے۔ اگر کسی خوش اخلاق اور متواضع شخص کو یہاں بھیجتے تو اُمید تھی کہ بہت سی مشکلات آسان ہوجاتیں اور تفرقہ جاتا رہتا۔ اس بارے میں تمہیں غور کرنا چاہیئے کیونکہ اسی میں خواص و عوام سب کی بہتری ہے۔ والسلام۔

صحابہ اور اکابر امت کی سفارش کو کبھی نہ ٹالتے۔ مختار ثقفی کو سب جانتے ہیں کیا ابن

---

[1] عبداللہ بن زبیرؓ نے امیر المومنین یزیدؒ کی زندگی تک خلافت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اگرچہ بیعت نہیں کی تھی لیکن وہ انہیں خلیفہ بالفعل یقیناً سمجھتے تھے کہ اُمت کی امامت انہیں کے ہاتھ میں ہے اور اسی لئے امیر مکہ کے عزل کی نسبت انہیں درخواست بھیجی۔

الوقت اور مفسد تھا۔ عبیداللہ بن زیاد نے اس کی بعض حرکتوں کی پاداش میں سو کوڑے مار کر قید میں ڈال دیا تھا۔ اس کی بہن صفیہ بنت ابی عبید بن مسعود ثقفی جو صالحات العابدات سے تھیں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی زوجہ تھیں، اُن کے کہنے سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے امیر یزیدؒ کو سفارشی خط لکھا۔ امیر موصوف نے عبیداللہ بن زیاد کو رہا کرنے کا حکم دے دیا۔

فارسل ابن عمرؓ الی یزید بن معاویة یتشفع فیه فارسل یزید الی ابن زیاد فاطلقه و سیره الی الحجاز.
(ص۳۹، ج۸، البدایہ والنہایہ)
(ص۸۷، انساب الاشراف بلاذری)

ابن عمرؓ نے یزید بن معاویہ کو اس (مختار) کی سفارش میں تحریر بھیجی (امیر یزیدؒ) نے ابن زیاد کو تحریراً حکم دیا کہ (مختار) کو چھوڑ دیں اور حجاز کو بھیج دیں۔

ایسا ہی واقعہ عبداللہ بن الحارث بن نوفل بن الحارث بن عبدالمطلب الہاشمی[1] کا ہے۔ ان کو بھی مختار ثقفی کے ساتھ ابن زیاد نے قید کر دیا تھا۔ ان کی والدہ حضرت ابوسفیانؓ کی دختر اور حضرت معاویہؓ کی بہن تھیں۔ ان کی رہائی کی سفارشیں بھی امیر یزیدؒ نے قبول کر کے ابن زیاد کو رہا کرنے کا حکم دے دیا۔

فوجه یزید رسولاً و کتب معه الی ابن زیاد بتخلیة سبیله، و کتب للرسول منشوراً، فانطلق الرسول الی عبیداللّٰه فأخرجه، و کان مع المختار فِي محبس واحد حین حبس ابن زیاد المختار.

یزیدؒ نے ایک پیغامبر کے ذریعہ تحریری حکم ابن زیاد کو بھیجا کہ ان کو رہا کر دیں اور پیغامبر کیلئے بھی فرمان لکھا۔ وہ عبیداللہ کے پاس پہنچا اور ان کو قید خانے سے کہ مختار کے ساتھ ایک ہی قید خانے میں قید تھے، نکالا کیونکہ ابن زیاد نے جب مختار کو قید کیا تھا ان کو بھی اس کے ساتھ محبوس کیا تھا۔

---

[1] مختار ثقفی اور اس کی تحریک سے کسی ہاشمی کا کوئی تعلق نہ تھا۔ اور نہ مختار نے اُس وقت تک عملاً کوئی حرکت کی تھی اس لئے حضرت ابن عمرؓ نے اس کی سفارش کی اور امیر المومنین نے سُنی۔ یہ لوگ تو بہت بعد میں بے نقاب ہوئے لیکن داد دینی چاہیئے کہ امیر عبیداللہ بن زیاد نے مختار ثقفی کو اُسی وقت تاڑ لیا تھا۔ کاش یہ شخص وہیں ختم کر دیا جاتا تو اُمت اس کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رہتی۔

عبداللہ بن الحارث کا لقب ببّہ تھا۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ ان دونوں قیدیوں نے قید سے چھوٹنے کے کچھ عرصے بعد سیاسی جھگڑوں میں اسی عبیداللہ کے خلاف نمایاں حصہ لیا تھا۔ ببّہ کی حرکت سیاسی تھی لیکن مختار کی مذہبی۔ یہ شخص سبائیہ کے پھندے میں پھنس کر دین محمدی سے روگردان ہو چکا تھا۔

امیر یزیدؒ کی رحم دلی اور کرم نوازی سے دور ونزدیک کے سب ہی لوگ واقف تھے۔ آفت رسیدہ پناہ لینے بے دھڑک آجاتے بالخصوص شعرا۔ المدی نے فضالہ بن شریک شاعر کا واقعہ بیان کیا ہے کہ کسی قریشی ذی حیثیت شخص کی ہجو کہہ ڈالی۔ جان کا خوف لاحق ہوا تو امیر یزیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مدحیہ اشعار پڑھے دو شعر یہ تھے:

اذا ما قریش فاخرت بطریفها　　فخرت بمجد یا یزید تلید

قریش جب اپنے آباء واجداد پر فخر کرنے لگیں۔ تو اے یزید تم جواباً بزرگی رکھتے ہوا پنی بزرگی پر فخر کرو۔

بمجد أمیر المؤمنین ولم یزل　　أبوک أمین اللّٰہ جد رشید

امیرالمومنین ہونے کی بزرگی پر اور اس بات پر۔ کہ تمہارے والد اللہ کے امین تھے (بوجہ کاتب وحی ہونے کے) اور تمہارے دادا قائد دانشمند۔

امیر یزیدؒ نے اس قریشی کو جن کا نام عاصم بن عمر تھا، تحریراً مطلع کیا کہ فضالہ شاعر کو ہم نے اپنے جوار پناہ میں لے لیا ہے۔ تم اسے ہمارے لئے معاف کر دو۔ پھر اپنے پاس ہی رکھ لیا۔ (ص ۱۰، ج ۴، قسم ثانی، انساب الاشراف بلاذری)

سیرت یزیدؒ پر آزاد و بے لاگ آرائیں :

سیرت یزیدؒ کے بارے میں غیر مسلم مؤرخین ومحققین کی آرائیں ہی یقیناً آزاد اور بے لاگ آرائیں ہوسکتی ہیں۔ ان غیر مسلم مؤرخین کے بعض اقوال یہاں نقل کرنا بے جا نہ ہوں گے۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے لائق مقالہ نگار رقم طراز ہیں:

یزید نہ تو غیر سنجیدہ اور بیہودہ شہزادہ تھا اور نہ ایسا لا اُبالی اور بے پرواہ حکمران جیسا ان مؤرخین نے بیان کیا ہے جو یا تو شیعوں کے بغض وعناد سے تاثر پذیر ہیں یا عراق وحجاز (شام) کے سیاسی جھگڑوں کے حالات سے یا پھر اس کی بہت ہی مختصر سی مدت حکمرانی کے حادثہ کا اثر لئے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ یزید نے (اپنے والد) معاویہؓ کی پالیسی وطریقہ کار کے بدستور جاری رکھنے کی کوشش کی اور ان کے باقی ماندہ رفقائے کار کو قائم و برقرار رکھا۔ وہ خود شاعر تھا، موسیقی کا ذوق رکھتا تھا۔ اہل ہنر اور شعراء کا قدردان اور ادب وآرٹ کا مربی اور سرپرست تھا۔

مملکت کے شمالی علاقہ میں اس نے نئی فوجی چھاؤنی ''قنذقنسرین'' قائم کر کے ملک شام کے دفاع اور عسکری قلعہ بندی کی تکمیل کی اور انتظامی نظام کو مکمل کر دیا۔ مالیات کی از سرِ نو تنظیم کی۔ نجرانی عیسائیوں[1] کے جزیہ کی شرح کو جو خلیفہ عمرؓ کے عہد میں ملک عرب سے محکمانہ طور سے خارج البلد کئے گئے، ہلکا کر دیا۔ برخلاف اس کے سامری یہودیوں پر جن کو ابتدائی فتوحات اسلامی کے زمانہ میں بصلہ خدمات جزیہ سے مستثنیٰ کیا گیا تھا، جزیہ عائد کر دیا۔

یزید کو زراعت کی ترقی سے دلچسپی تھی۔ دمشق کے نخلستانی علاقہ غوطہ میں آب پاشی کے سسٹم کو مکمل کرنے کی غرض سے بالائی علاقہ میں ایک نہر کھدوائی جو ان کے نام سے ''نہر یزید'' کہلاتی ہے اور مضافات سلیجیہ کی اس سے آب پاشی ہوتی ہے۔ خلفائے اسلام میں تنہا یزید ہی ایسا خلیفہ ہے جس کو ''مہندس'' (نہر کا ریز کا ماہر وانجینئر) کا لقب دیا گیا تھا۔

---

[1] نجران کے عیسائیوں نے جب اپنے وطن یمن میں خفیہ آلات حرب اور گھوڑے جمع کرنے شروع کئے تھے تو اُن کے مفسدانہ وباغیانہ عزائم کے پیش نظر حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کو جلاوطن کر کے عراق کے علاقہ میں بسا دیا تھا اور دو سال کا جزیہ بھی اس نقل مکانی کی وجہ سے معاف کر دیا تھا۔ (باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں)

سیرت یزیدؒ کے پیش پاء افتادہ تصویرکشی کے قطعاً خلاف مؤلف Continuatica by Zanito Arabaa اپنی تالیف میں یہ تصویر پیش کرتا ہے:

''یزید حد درجہ متواضع وحلیم، سنجیدہ ومتین، خود بینی وتکبر سے مبرّا، اپنی زیردست رعایا کا محبوب، تزک واحتشام شاہی سے متنفّر، معمولی شہریوں کی طرح سادہ زندگی بسر کرنے والا اور مہذب تھا۔'' [1]

ولہازن مؤرخ کا قول ہے کہ: ''کسی بھی خلیفہ کی مدح وثناء اس طور سے نہیں ہوئی یہ الفاظ تو دل کی گہرائیوں سے نکلے ہیں۔'' (ص۱۱۶۳، انسائیکلو پیڈیا آف اسلام)

ایک اور بلند پایہ محقق انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار دے خوئے امیر یزیدؒ کی سیرت کے بارے میں رومی مؤرخ کے مندرجہ بالا الفاظ نقل کرنے کے بعد جن میں امیر موصوف کو طبعاً سنجیدہ ونرم خُو ومہذب بتایا گیا ہے، لکھتے ہیں:

''اس قول کی تصدیق اس امر واقعہ سے ہوجاتی ہے کہ معاویہ ثانی (فرزند یزید) کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اپنے والد کی طرح نرم خو حکمران تھا۔ یزید کے مخالفین نے بغض وتعصب سے ان کے بارے میں جو بیان کیا ہے پھر روایتوں سے اور بھی رنگ آمیزیاں کی گئی ہیں۔ اس کی بہت کچھ تردید (رومی مؤرخ کے) اس بیان سے ہوجاتی ہے۔ شراب نوش ہونے کے اتہام کے خلاف تو خود یزید نے اس وقت جب ابن زبیر کے مقابلے میں فوجی دستہ بھیج رہا تھا اپنے اشعار میں احتجاج کیا تھا۔ اس بارے میں فیصلہ کن شہادت تو ابن الحنفیہ (برادر حسین) کی ہے جنہوں نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اہل مدینہ نے جو الزامات (یزید کی شراب نوشی وغیرہ کے) لگائے ہیں وہ سب جھوٹے ہیں۔ یہ بات صحیح ہے کہ یزید شکار کے شوقین تھے مگر وہ امن پسند وصلح جو اور فیاض وفراخدل شہزادہ تھا۔

(گذشتہ سے پیوستہ) امیر یزیدؒ کے زمانہ میں چونکہ ان کی تعداد بھی کم ہوگئی تھی اور ان کی صنعت بھی ماند پڑ گئی تھی اسلئے ان کی درخواست پر ازرُوئے انصاف جزیہ کی مقدار کو ہلکا کردیا گیا۔ [1] علامہ ابن کثیرؒ نے بھی تقریباً یہی الفاظ لکھے تھے۔

ان غیر مسلم محققین کے علاوہ علامہ ابن کثیر نے سیرت یزیدؒ کے بارے میں جو فقرات لکھے ہیں وہ آپ ابتدائی اوراق میں پڑھ چکے۔ ان سے اُن بیانات کی پوری تائید ہوتی ہے کہ یزیدؒ کی ذات میں حلم وکرم، فصاحت وشجاعت کی عمدہ صفات تھیں اور ملک داری کے بارے میں عمدہ رائے رکھتے تھے۔ سنجیدگی اور متانت وتہذیب کے بارے میں رومی مؤرخ کی تصدیق انساب الاشراف بلاذری کی مندرجہ ذیل ایک روایت سے ہوتی ہے جو قدیم مؤرخ المدائنی کی سند سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ عطاء بن ابی صیفی الثقفی امیر المومنین یزیدؒ کی محفل میں آئے۔ وہاں عمرو بن عبد عمرو بھی موجود تھے ان دونوں میں خاندانی رقابت کے تحت گفتگو چھڑ گئی۔ طرفین سے فصاحت و بلاغت کے موتی لُٹائے گئے۔ جن کا ترجمہ کرنا مضمون کی حلاوت کو ضائع کر دینا ہے۔ ان حضرات کی گفتگو سن کر امیر یزیدؒ نے فرمایا:

" عنكما فقد احسنتما وما قلتما فحشا." (ص ۹، ج ۴، انساب الاشراف)

"بس بس آپ لوگوں نے خوب کہا اور پھر یہ کہ کوئی فحش بات بھی نہیں کی۔"

گویا مہذب اور دین دار مسلمانوں کی طرح امیر یزیدؒ کو فحش کلامی سے بھی نفرت تھی اور فحش وشنیعہ افعال سے بھی۔ ایسے افعال کے مرتکبین کو سخت سزائیں دیتے۔ المدائنی کی ایک اور روایت بھی بلاذری نے لکھی ہے کہ خالد نام کے ایک ذی حیثیت شخص نے اپنے غلام سے لواطت کے فعل شنیعہ کا ارتکاب کیا تھا۔ امیر المومنین یزیدؒ نے سزا کے طور پر کوڑے لگوائے اور حد جاری کی۔ المدائنی کی روایت کی الفاظ یہ ہیں:

وقال المَدَائِنِيّ: لاط خالد بن اِسمَاعِيل بن الأشعث بغلام له فِي استه فشهد عليه امرء ان من موالیه وامرأتاهما وغلام لم يحتلم فحده يزيد وكان ماقتًا له.

اور مدائنی کہتے ہیں کہ خالد بن اسمعیل بن الاشعث نے ایک غلام سے لواطت کا فعل کیا اس کے موالی میں سے دو مردوں اور ان کی دو عورتوں نے گواہی دی۔ غلام بالغ نہیں ہوا تھا۔ پس (امیر) یزیدؒ نے اس فعل کے

(ص ۱۰، ج ۴، قسم ثانی، انساب الاشراف بلاذری مطبوعہ یروشلم) ارتکاب پر حد جاری کی اور وہ اس سے نفرت کرنے لگے۔

سادہ زندگی :

امیر یزیدؒ کا زمانہ قرن اول کا وسطی زمانہ تھا۔ یعنی صحابہ کرام کے ان پاکیزہ نفوس کا زمانہ مبارک جنہوں نے مشکوٰۃ نبوت سے براہ راست نور اخذ کر کے اپنے قلوب کو مجلّی و مصفّیٰ و مزکی کرنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ ان بزرگواروں کے حالات زندگی سے واضح ہے کہ باوجود دولت وثروت کی بہتات وفراوانی کے جو اس زمانہ میں غنائم وفتوحات سے ہر فرد ملت کو حاصل تھی، یہ حضرات اکثر و بیشتر حد درجہ سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ خود دمشق میں ایسے متعدد صحابہ موجود تھے۔ خصوصاً ابو درداؓ جو وہاں کے عہدہ قضاء پر عرصہ تک مامور رہے۔ ان کی صحبت ومجالست اپنے ابتدائی ایام میں امیر یزیدؒ کو میسر ہوئی تھی۔ ان حضرات کو نہ عیش وتنعم دنیاوی کی کبھی پرواہوئی نہ خواہش۔ خود امیر المومنین معاویہؓ کے پاس عظیم مملکت کے اطراف وکناف سے محاصل وغنائم کا کثیر المقدار زر و مال آتا۔ قومی وملی تعمیری کاموں کے مصارف کے علاوہ لاکھوں روپیہ دوسروں کو بالتخصیص بنو ہاشم کو دریا دلی سے دیتے مگر اپنی ذات یا خانگی ضروریات پر واجبی سا خرچ کرتے اکثر پرانے اور بوسیدہ کپڑے پہنے رہتے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی کتاب الزہد میں یہ روایت بسند صحیحہ درج کی ہے:

" رَأَیتُ مُعَاوِیَۃَ عَلَی المِنبَرِ بِدِمَشقَ یَخطُبُ النَّاسَ وَعَلَیہِ قَمِیصٌ مَرقُوعٌ."

(ص ۱۷۲، کتاب الزہد طبع مکہ)

"میں نے (حضرت) معاویہؓ کو جامع (دمشق) میں لوگوں کو خطبہ دیتے دیکھا۔ ان کے جسم پر اس وقت پھٹی ہوئی قمیص تھی۔"

امام اوزاعیؒ کے شیوخ میں حضرت یونس بن میسرہ الحمریؒ ہیں جو زاہد وقت تھے۔ وہ اپنا چشم دید واقعہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

" رَأَيتُ مُعَاوِيَةَ فِي سُوقِ دِمَشقَ وَهُوَ مُردَفٌ وَرَاءَ هُ وَصِيفًا' عَلَيهِ قَمِيصٌ مَرقُوعُ الجَيبِ." (ص ۱۳۵، ج۸، البدایه و النهایه)

''میں نے (حضرت) معاویہؓ کو دمشق کے بازار میں سوار جاتے دیکھا ان کے پیچھے خادم بیٹھا تھا اور وہ اس وقت ایسی قمیص پہنے ہوئے تھے جس کا گریبان پھٹا ہوا تھا۔''

ایسے پاک نفیس اور شفیق باپ کے ظل عاطفت میں جس ذہین وفطین فرزند نے شعور کی آنکھیں کھولی ہوں جسے زاہدین اور صفواۃ الصالحین کی مجالست اور تربیت کی برکات سے متمتع ہونے کے مواقع حاصل ہوئے ہوں۔ اُس نے بھی ساری زندگی ایسی سادہ اور بے تکلف گزاری کہ ہم عصر مؤرخ کو واضح الفاظ میں اس حقیقت کا اعتراف اور اظہار کرنا پڑا کہ امیر یزیدؒ شان و شوکت سے متنفر عام شہریوں کی طرح معمولی اور سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔

ان کی سیرت طیبہ کے بارے میں باوجود وضاعین کی تہمت تراشیوں کے شواہد ایسے موجود ہیں کہ ایک حق پسند اور منصف مزاج شیعہ نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔ کتاب العواصم من القواصم کے مرتب محبّ الدین خطیب نے حاشیہ کتاب پر اپنے ایام طالب علمی کا یہ واقعہ درج کیا ہے کہ ترکی خلیفہ امیر المومنین سلطان عبدالحمید خاں ثانیؒ کے زمانہ خلافت میں ہم لوگ دارالعلوم قسطنطنیہ میں تحصیل علم کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مجلس طلبہ میں ''سیرت وخلافت معاویہؓ'' موضوع بحث تھا۔ میرے ایک ہم درس نے جو مسلکاً شیعہ تھے اس بحث میں حصہ لیا اور اپنی تقریر کے دوران باعلان کہا کہ یزید بن معاویہ پاک سیرت خلیفہ تھے۔ خطیب موصوف لکھتے ہیں:

فوقف صديقي الشهيد السعيد عبدالكريم قاسم الخليل وكان شيعيا' فقال: أنتم تسمون سلطاننا خليفة' وأنا أخوكم الشيعي أعلن أن يزيد بن معاوية كان بسيرته الطيبة

پھر میرے دوست شہید عبدالکریم قاسم الخلیل جو مسلکاً شیعہ تھے (تقریر کرنے) کھڑے ہوئے۔ انہوں نے کہا: آپ حضرات ہمارے ان موجود سلطان کو خلیفہ کہتے ہیں اور میں آپ کا شیعہ بھائی ہوتے ہوئے باعلان

أحق بالخلافة وأصدق عملا بالشرع المحمدي من خليفتنا' فكيف بأبيه معاوية.

(ص ۲۰۸ حاشیہ العواصم من القواصم مطبوعہ قاہرہ باہتمام لجنۃ الشباب المسلم)

کہتا ہوں کہ یزید بن معاویہؓ اپنی پاک سیرت کے اعتبار سے بہ نسبت ہمارے موجودہ خلیفہ کے خلافت کے زیادہ مستحق تھے اور شرع محمدی پر عمل پیرا ہونے میں ان سے زیادہ صادق تھے تو پھر کہاں ان کے والد (معاویہؓ) کا درجہ اور منزلت۔

نہر یزید :

متقدمین نے دنیا کی جنتوں ''جناں الارض'' کے یہ چار مقامات بتائے ہیں:

(۱) غوطہ، دمشق (۲) صگد، سمرقند (۳) شعب بوّان اور (۴) جزیرہ الایلہ، مگر ان سب میں فوقیت دمشق کو حاصل ہے۔ خود یاقوت حموی جنہوں نے یہ چاروں مقامات دیکھے تھے، دمشق کو ہی فوقیت دیتے تھے۔ مولانا حالی مرحوم نے شکوہ ہند میں ہندوستان جنت نشان سے خطاب کرتے ہوئے یہ چاروں نام اپنے اس شعر کے مصرعہ آخر میں لئے ہیں:

تیرے باغوں کی فضاؤں نے دیئے دل سے بُھلا
شعب بوّان وسمرقند ودمشق واصفہان

عرب شعراء نے صدہا اشعار دمشق کی تعریف وتوصیف میں کہے ہیں اور اس کو جنت سے تشبیہ دی ہے۔ ابن بطوطہ نے بھی چند شعر نقل کئے ہیں۔ ان میں سے یہ تین شعر دیکھئے۔

ان تكون جنة الخلود بأرض فدمشق' ولا تكون سواه

اگر خلد بریں زمیں پر ہے تو وہ دمشق ہے اور اسکے سوائے کوئی نہیں

أو تكن في السماء فهي عليها قد أبت هواء ها و هواها

اور اگر بہشت آسماں پر ہے تو وہ دور دمشق ہی پر ہے۔ کیونکہ اس کی ہوائیں اور خواہشات اسی امر کی مؤید ہیں۔

بلد طیب و رب غفور　　فاغتنمها عشیة وضحاها

(دمشق) پاکیزہ شہر ہے (جنت کی نعمتیں اس میں ہیں) اور وہ رب غفور ہے۔ تُو غنیمت جان وقت کو اور بعیش کوش (کہ عالم دوبارہ نیست)۔

اس عروس البلاد دمشق کی حسن وخوبی، سرسبزی وشادابی اس کی دل آویز فضاؤں کی نزہت وفرحت اس کی نہروں کی مشاطگی کی بناء پر ہے جس میں ''نہر یزید'' کا خاص حصہ ہے۔ یہ نہر امیر المومنین یزیدؒ نے اپنے چار سالہ عہد خلافت میں خاص اپنے انتظام اور ذاتی نگرانی میں کھدوائی تھی۔ اس کو جبل قاسیون کے پہاڑی اور پتھریلی زمین سے کاٹ کر اس خوبی کے ساتھ لایا گیا اور آب روانی کے اصولوں اور آب گزاری کے ضوابط کے پیمانے پر اس طور سے عملاً برتا گیا کہ تیرہ سو برس کی طویل مدت گزر جانے کے بعد بھی ''نہر یزید'' کی برکات آج تک بدستور جاری ہیں۔ اصطخری وابن حوقل وغیرہ نے ''نہر یزید'' کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ یہ بڑی نہر ہے، قد آدم پانی بہتا ہے، بڑے علاقہ کو سیراب کرتی ہے **نهر عظيم اجراه يزيد بن معاويه يعرض فى كثير**۔ ابن حوقل نے کہا ہے کہ اسی مخرج سے نہر المزۃ اور نہر تضاۃ بھی نکلتی ہیں۔ مگر وہ علاقہ جہاں ''نہر یزید'' بہتی ہے جو اب بہترین اور شاداب علاقہ ہے، پہلے خشک پڑا تھا۔ امیر یزیدؒ نے اپنے پاس سے لاکھوں روپیہ صرف کر کے اس کو گلزار بنا دیا اور اپنی فنی قابلیت کی ایسی ان مٹ یادگار چھوڑی کہ آج تک نہ صرف اس علاقہ صلیحیہ وغوطہ کی آب باشی ہوتی ہے بلکہ اس کا آب شیریں گھر گھر پہنچتا ہے۔ پروفیسر حتی دمشق کے ذریعہ وطریقہ آب رسانی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> ''بنی اُمیہ کی لازوال ناموری اور ستائش کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے دمشق کی آب رسانی کا ایک ایسا سسٹم قائم کیا جو اُن کے ہم عصر مشرقی ممالک میں تو سب پر فائق تھا ہی مگر آج تک بدستور کام دے رہا ہے۔ ''نہر یزید'' کے نام سے ایک نہر موسوم ہے اور یہ ''نہر یزید'' وہ ہے جو (حضرت) معاویہؓ کے فرزند نے اس غرض سے بردہ سے نکالی یا اغلباً اس کی توسیع کرائی تھی کہ اراضی غوطہ کی آب پاشی کو مکمل کر دیا جائے۔

مضافات دمشق کے سرسبز نخلستان غوطہ اور اس کے شاداب باغات اور چمنستانوں کے وجود کا دارومدار بردہ کے پانی سے ہے۔ نہر یزید کے علاوہ چار اور شاخیں اور جمہے بھی بردہ سے پھوٹ کر تمام آبادی میں سرسبزی اور شادابی پھیلاتی ہیں۔''

(ہسٹری آف دی عربس، ص ۴۳۱)

مسٹر جسٹس امیر علی نے ''دمشق میں آب رسانی'' کی ذیلی سُرخی سے لکھا ہے کہ:

''دمشق میں آب رسانی انتظام ایسا ہے کہ مشرقی ممالک میں اب تک کوئی اس پر سبقت نہ لے جاسکا اور یہ بنی اُمیہ کے حکمرانوں کی ان مٹ یادگار ہے۔ یونانی برادہ کو ''کریسوروہاس'' کہتے تھے۔ اور ان کے قدیم شہر میں پانی آب شیریں اس سے کافی مقدار میں پہنچتا تھا۔ لیکن آب رسانی کے ایسے ذرائع اور سسٹم کو اس حد تک ترقی دے دینا کہ آج کے دن تک بھی کم حیثیت سے کم حیثیت گھر کے اندر بھی فوارہ موجود ہو بلاشک خاندان بنواُمیہ کے سلاطین کا رہین منّت ہے۔''

(ہسٹری آف سیرینز، جسٹس امیر علی، ص ۱۹۳)

مسٹر جسٹس امیر علی نے مندرجہ بالا اقتباس میں دمشق کی آب رسانی کے سسٹم کو بنی اُمیہ کے حکمرانوں اور سلاطین کی ان مٹ یادگار تو فرمایا ہے اور لکھا ہے کہ شہر میں سات نہروں اور بے شمار نالیوں کا ایسا جال بچھا ہوا ہے کہ ہر گھر میں پانی پہنچتا ہے، مگر اپنے مسلک کے اعتبار سے ''نہر یزید'' کا ذکر نہیں کیا۔ جس سے ان کے ہم عقیدہ ''نہر یزید'' کے پانی کے استعمال سے اجتناب کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے منہاج السنۃ (ج ۲) کے آخری صفحات میں اس فرقے کی بہت سی حماقتیں گنوائی ہیں اور لکھا ہے کہ وہ کس طرح ''نہر یزید'' سے پانی نہیں پیتے حالانکہ

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں کی کھودی ہوئی باولیوں اور نہروں سے پانی پیا ہے۔ اسی طرح یہ لوگ شامی توت نہیں کھاتے، حالانکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کے ملکوں سے آئی ہوئی پنیر اور دوسری چیزیں استعمال کرتے تھے اور ان کے ہاتھوں کا بُنا ہوا کپڑا پہنتے تھے۔ یہ لوگ بنی اُمیہ کی تعمیر کردہ جامع مسجد میں نماز نہیں پڑھتے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے بنائے ہوئے کعبہ میں بار بار نماز پڑھی تھی۔ اسی طرح یہ لوگ دس کا لفظ زبان پر نہیں لاتے کہ عشرہ مبشرہ کی یاد دلاتا ہے۔ ''نہر یزید'' کا نام مؤلف موصوف کی زبان قلم پر شاید اسی بناء پر نہ آیا ہو لیکن یہ نام تو زبان زد خاص و عام ہے۔ شعراء کے اشعار میں اس کا ذکر آتا ہے۔ نہر بردی، نہر ثور اور نہر یزید کے نام ابوعبداللہ محمد بن الاصفہانی نے دیکھئے کس صنعت گری سے اپنے اشعار میں کھپائے ہیں۔ کہتے ہیں:

یزید شوقی و ینمو کما　　یزید یزید و ثور یثور

ومن بردی برد القلبی المشرق　　فھا انا من صرۃ مستجیر

بعض آزاد نگار مؤرخین نے امیر یزیدؒ کی اس ان مٹ یادگار کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جو خلیفہ رفاہ عام کے کاموں میں ایسی دلچسپی لیتا ہو، مہینوں اور برسوں تک ایک ایک چپہ زمین کی پیمائش کر کے فن مہندسی سے آب گزاری کے موالغات پر غلبہ حاصل کر لیتا ہو اور اس اٹھارہ بیس میل کے وسیع علاقے پر نظر ڈال کر جہاں پانی کم یاب تھا، نہر بہا کر سرسبز مرغزاروں میں تبدیل کر دیتا ہو (ص ۴۲۷ لامن) اس پر یہ اہتمام کہ کتوں بندروں سے کھیلتا تھا اور شراب میں مدہوش پڑا رہتا تھا کوئی لایعقل اور دوں فطرت ہی عائد کر سکتا ہے جو الیقی نے المہندس کی تشریح کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ مہندس اس شخص کو کہتے ہیں جو نہر و کاریز کے دھاروں کے بہاؤ اور روانی آب کیلئے حساب لگانے اور پیمائش کرنے کا فن جانتا ہو۔ **المھندس الذی بقدر مجاری القنی** (لغت جوالیقی)۔ اور جب اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھا جائے کہ جس پہاڑی علاقہ سے یعنی جبل قاسیون سے یہ نہر نکالی گئی اس میں بہت سے غار ہیں۔ جن میں ایک نہ ایک پیغمبر اور نبی کے آثار بتائے

جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک غار کے بارے میں مشہور ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کچھ عرصہ رہے تھے۔ پھر اسی پہاڑ پر کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ محترمہ نے قرار پکڑا تھا۔ اس مقام کا نام ربوہ ہے جس کے معنی قطعہ مرتفع کے ہیں۔ آیہ کریمہ وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ. (المؤمنون: ۵۰) کی تفسیر میں ابن جبیر نے اسی مقام کا اپنے سفرنامے[1] میں ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ محترمہ نے اسی بلند جگہ قرار پکڑا جہاں آب شیریں کا چشمہ ہے، سایہ دار درخت چاروں طرف جھوم رہے ہیں۔

معجم البلدان میں یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ اسی مقام ربوہ پر جس کے پاس سے نہر یزید نکالی گئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تھی۔ اسی مقام کا ذکر قرآن شریف میں ہے وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ. (المؤمنون: ۵۰). یہاں عالی شان مسجد واقع ہے اور دوسری چھوٹی مسجد کہف ہے (معجم البلدان ص۷۵۲ ج۲)۔

اسی مقام کے قریب سے نہر یزید کس خوبی سے نکالی گئی ہے جو آج تک اس کے نزدیک بہتی ہے اور ان مقدس یادگاروں کی نزہت اور فضا میں دلآویزی پیدا کرتی ہے اور غوطہ و دمشق کے حسن وخوبی کو دوبالا کر کے شاعروں سے کہلواتی ہے:

أما دمشق فجنّةٌ ..... ينسى بها الوطنَ الغريبْ

دمشق تو جنت ہے (ایسے مقام کو چھوڑ کر اور کہاں جائے)۔ اسلئے مسافر اس جگہ آ کر اپنے وطن کو بھول جاتا ہے۔

للّٰه أيام السبوتِ ..... بها ومنظرها العجيبْ

ایام سبت میں (بخدا غوطہ جا کر)۔ اس کے مناظر عجیب (خوشنما معلوم) ہوتے ہیں۔

أنظر بعينک هل ترى ..... الا محباً أو حبيبْ

ذرا آنکھ کھول کر دیکھو۔ سوائے محبّ اور حبیب کے اور کوئی نظر نہ آئے گا۔

---

[1] رحلۃ ابن جبیر، مؤلف ابن جبیر متوفی ۶۱۴ھ

وغدَتْ أزاهرُ روضهِ ..... تختال في فرح وطِيبْ

اس چمنستان کی کلیاں فرحت کے (انبساط کے ساتھ کھلتی ہیں)۔ ہوا کے جھونکے سبزہ زار میں تموج پیدا کرتے ہیں۔

(رحلة ابن بطوطة،وقال فيها ابو الحسن علی بن موسی بن سعيد العنسی الغرناطی)

خلیفہ اور منصب خلافت :

خلافت و امارت و امامت یہ سب اصطلاحیں عنادیں ہیں۔ ملت کے امور داخلی و خارجی کی انجام دہی کا اختیار اور قدرت جس فرد ملت کو حاصل ہو اُسے خلیفہ و امیر و امام کہا گیا ہے۔ اور کہا جاتا ہے خواہ ایک یا چند افراد اس کی بیعت اطاعت سے منکر یا اسکی اہلیت پر معترض ہوں وہ خلیفہ و امیر المومنین و امام المسلمین ہی مانا اور کہلایا گیا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اس مبحث پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہ حضرت ابن زبیرؓ اور ان کے ساتھیوں نے امیر یزیدؒ کے خلاف مکہ معظّمہ میں محاذ قائم کرلیا تھا اور امیر موصوف کی وفات کے بعد اپنی خلافت کی بیعت بھی لے لی تھی۔ فرمایا ہے کہ ان واقعات کے باوجود امیر یزیدؒ اسی طرح جائز خلیفہ اور امام المسلمین تھے جیسے حضرت علیؓ تھے کہ ان کی بیعت سے ایک بڑی جماعت نے انکار کیا تھا اور تمام بلاد المسلمین پر تسلط و اقتدار ان کا قائم نہ ہوسکا تھا بایں ہمہ وہ امام المسلمین تھے۔ اسی طرح امیر المومنین عبدالملکؒ و دیگر خلفاء بنی اُمیہ کی مثال دیتے ہوئے کہ جمیع اسلامی ممالک ان کے زیرِ اقتدار تھے، شیخ الاسلام موصوف فرماتے ہیں:

وَكَذَلِكَ الخُلَفَاءُ الثَّلَاثَةُ وَمُعَاوِيَةُ تَوَلَّوْا عَلَى جَمِيعِ بِلَادِ المُسلِمِينَ، وَعَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهُ لَم يَتَوَلَّ عَلَى جَمِيعِ بِلَادِ المُسلِمِينَ. فَكَونُ الوَاحِدِ مِنْ هَؤُلَاءِ اِمَامًا، بِمَعنَى أَنَّهُ كَانَ لَهُ سُلطَانٌ وَمَعَهُ السَّيفُ يُوَلِّي وَيَعزِلُ، وَيُعطِي وَيَحرِمُ،

اور اسی طرح تینوں خلفاء (یعنی حضرت ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم) اور معاویہؓ مسلمانوں کے سب ملکوں پر حکمران رہے۔ لیکن حضرت علیؓ نے مسلمانوں کے سب ممالک پر حکمرانی نہیں کی پاس ان میں سے ہر ایک (یعنی یزیدؒ اور اُموی خلفاء جن کا ذکر اوپر کیا ہے)

وَيَحكُمُ وَيُنَفِّذُ، وَيُقِيمُ الحُدُودَ وَيُجَاهِدُ الكُفَّارَ، وَيَقسِمُ الأَموَالَ أَمرٌ مَشهُورٌ مُتَوَاتِرٌ لَا يُمكِنُ جَحدُهُ. وَهَذَا مَعنَى كَونِهِ إِمَامًا وَخَلِيفَةً وَسُلطَانًا، كَمَا أَنَّ إِمَامَ الصَّلَاةِ هُوَ الَّذِي يُصَلِّي بِالنَّاسِ. فَإِذَا رَأَينَا رَجُلًا يُصَلِّي بِالنَّاسِ كَانَ القَولُ بِأَنَّهُ إِمَامٌ أَمرًا مَشهُودًا مَحسُوسًا لَا يُمكِنُ المُكَابَرَةُ فِيهِ. وَأَمَّا كَونُهُ بَرًّا أَو فَاجِرًا، أَو مُطِيعًا أَو عَاصِيًا، فَذَاكَ أَمرٌ آخَرُ. فَأَهلُ السُّنَّةِ إِذَا اعتَقَدُوا إِمَامَةَ الوَاحِدِ مِنْ هَؤُلَاءِ: يَزِيدَ، أَو عَبدِالمَلِكِ، أَوِ المَنصُورِ، أَو غَيرِهِمْ كَانَ بِهَذَا الِاعتِبَارِ. وَمَنْ نَازَعَ فِي هَذَا فَهُوَ شَبِيهٌ بِمَنْ نَازَعَ فِي وِلَايَةِ أَبِي بَكرٍ وَعُمَرَ وَعُثمَانَ، وَفِي مُلكِ كِسرَى وَقَيصَرَ وَالنَّجَاشِيِّ وَغَيرِهِم مِنَ المُلُوكِ.

(ص۲۴۰، ج۲، منہاج السنۃ)

اسی معنی واعتبار سے امام تھے کہ ان کو اقتدار حاصل تھا اور قوت عسکریہ اس کے پاس تھی وہ ہی عزل ونصب کرتا تھا اور کفار سے جہاد کرتا تھا اور اموال کی تقسیم کرتا تھا۔ یہ باتیں عیاں اور متواتر ہیں اور ان کا انکار ممکن نہیں۔ اس معنی واعتبار سے وہ (یعنی امیر یزیدؒ) امام اور خلیفہ اور سلطان تھے۔ یعنی جیسے مثلاً امام نماز کا جو لوگوں کو نماز پڑھائے تو یہ قول کہ وہ امام ہے عیاں اور بین ہے جس میں کسی حجت وتکرار کی گنجائش نہیں لیکن یہ بات کہ وہ نیک کردار ہے یا فاجر ہے، پرہیزگار ہے یا گنہگار امر دیگر ہے۔ پس اہل سُنت جو یزیدؒ کو یا عبدالمالکؒ کو یا المنصورؒ یا اُن کے علاوہ دوسرے (خلفاء) کی امامت کے معتقد ہیں وہ اسی اعتبار سے ہیں اور جو کوئی اس بارے میں نزاع کرے وہ ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی (حضرت) ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کی حکمرانی (خلافت) کے بارے میں نزاع کرے یا بادشاہوں میں سے کسریٰ و قیصر و نجاشی کے بارے میں کہے کہ وہ حکمران نہ تھے۔

سیرۃ یزیدؒ کے سلسلہ میں یہ گفتگو اس بحث پر یوں ضروری ہوئی کہ صدیوں سے جو پروپیگنڈہ سیاسی مناقشات کی بنا پر بنی اُمیہ اور خاص طور سے امیر المومنین یزیدؒ کے خلاف ہوتا رہا

اس کے نتیجہ میں رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ایک طبقہ ان کو جائز خلیفہ تسلیم کرنے سے ہی منکر ہوا۔

خلفائے ثلاثہؓ اور حضرت علیؓ :

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا مندرجہ بالا ریمارک تاریخی حقائق پر مبنی ہے اور تاریخ کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ تاریخ کی کھلی شہادت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تین خلافتیں متفق علیہ طور سے گزریں۔ خلیفہ اول حضرت صدیق اکبرؓ کی بیعت سے حضرت علیؓ کے توقف کرنے کی کیسی غلط شہرت دی گئی حالانکہ ان کے بعجلت تمام بیعت کرنے کی روایت بھی علامہ ابن جریر طبری نے جن کا مسلکاً شیعہ ہونا اہل تحقیق کے نزدیک اب مختلف فیہ نہیں رہا، حبیب بن ابی ثابت تابعی کی سند سے لکھی ہے جن کو علامہ ذہبی نے ثقات التابعین میں شمار کیا ہے اور امام بخاریؒ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ یہ وہ راوی ہیں کہ جنہوں نے حضرت ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ سے حدیثوں کی سماعت کی تھی (ص ۲۰۹، میزان الاعتدال)۔ حبیب بن ثابت فرماتے ہیں:

كَانَ عَلِيٌّ فِي بَيْتِهِ اِذْ أُتِيَ فَقِيلَ لَهُ: قَدْ جَلَسَ أَبُوبَكرٍ لِلبَيعَةِ، فَخَرَجَ فِي قَمِيصٍ مَا عَلَيهِ اِزَارٌ وَلَا رِدَاءٌ، عَجِلًا، كَرَاهِيَةَ أَن يُبطِيءَ عَنهَا، حَتّٰى بَايَعَهُ ثُمَّ جَلَسَ اِلَيهِ وَبَعَثَ اِلَى ثَوبِهِ فَأَتَاهُ فَتَجَلَّلَهُ، وَلَزِمَ مَجلِسَهُ.

(ص ۲۱۰، ج ۲، تاریخ طبری طبع اول مصر)

حضرت علیؓ اپنے گھر میں تھے کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور انہیں اطلاع دی کہ ابوبکر بیعت لینے کیلئے بیٹھے ہیں۔ علیؓ یہ سنتے ہی باہر نکل آئے اس وقت ان کے بدن پر چادر تھی نہ ازار۔ ان کو اس قدر جلدی اس لئے تھی کہ وہ بیعت میں پیچھے رہ جانے کو پسند نہ کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ابوبکرؓ سے بیعت کی پھر ان کے پاس ہی بیٹھ گئے اور اپنے کپڑے منگوائے، کپڑے آ گئے تو پہنے اور ان کی مجلس میں بیٹھے رہے۔

دوسری روایت بھی اسی طبری میں اس سے زیادہ واضح الفاظ میں ہے یعنی عمرو بن حریث کہتے کہ میں نے حضرت سعید بن زیدؓ سے دریافت کیا:

اشهدت وفاة رسول اللّٰه ص؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَمَتَى بُويِعَ أَبُوبَكرٍ؟ قَالَ: يوم مات رسول اللّٰه ص كَرِهُوا أَن يَبقَوا بَعضَ يَومٍ وَلَيسُوا فِي جَمَاعةٍ قَالَ: فَخَالَفَ عَلَيهِ أَحَدٌ؟ قَالَ: لَا اِلَّا مُرتَدٌّ أَو مَن قَد كَادَ أَن يَرتَدَّ، لَولَا أَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يُنقِذُهُم مِنَ الأَنصَارِ قَالَ: فَهَل قَعَدَ أَحَدٌ مِنَ المُهَاجِرِينَ؟ قَالَ: لَا، تَتَابَعَ المُهَاجِرُونَ عَلَى بَيعَتِهِ، مِن غَيرِ أَن يَدعُوَهُم.

(ص۲۱۰، ج۲، تاریخ الطبری طبع اول مصر)

کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت موجود تھے؟ انہوں نے کہا: کہ ہاں۔ پھر انہوں نے سوال کیا: ابو بکرؓ سے بیعت کب کی گئی؟ اس کے جواب میں فرمایا: جس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اُسی دن، صحابہؓ اس کو اچھا نہیں جانتے تھے کہ ایک دن بھی اس طرح گزاریں کہ وہ جماعت سے منسلک نہ ہوں۔ اس پر عمرو نے پوچھا کہ کیا ابو بکرؓ کی کسی نے مخالفت کی تھی؟ سعید بن زید نے جواب دیا: نہیں، البتہ مرتد نے یا انصار میں سے اس شخص نے مخالفت کی تھی جو قریب تھا کہ مرتد ہو جاتا، اگر اللہ عزّ وجل اس کو اس سے نہ بچا لیتے۔ عمرو نے پوچھا: کیا مہاجرین میں سے کسی نے پہلو تہی کی تھی؟ حضرت سعید نے کہا کہ: نہیں مہاجرین تو بغیر بلائے ہی بیعت کرنے ٹوٹ پڑے تھے۔

خود حضرت علیؓ کا یہ قول بسند صحیح مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہم نے اپنے معاملہ پر غور کیا تو سمجھا کہ نماز اسلام کا ستون اور دین کی اصلی بنیاد ہے تو رسول اللہ ﷺ نے جس شخص کو ہمارے دین کی امامت کا حکم فرمایا اُسی کو ہم نے اپنی دُنیوی قیادت کیلئے

منتخب کرلیا اور ابوبکرؓ کو اپنا امیر بنالیا۔ جب انہوں نے جہاد کا اعلان کیا ہم نے ان کے حکم پر جہاد کیا۔ جو انہوں نے عطا کیا اس کو بخوشی قبول کرلیا اور ان کے حکم سے حدود اللہ قائم کیں، کبھی کوئی اختلاف نہیں ہوا۔

واقعات تاریخ شاہد ہیں کہ حضرت علیؓ برابر ان خدمتوں کو انجام دیتے رہے جو خلیفہ رسول اللہ ان کو سپرد کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے اٹھارہ دن بعد ہی جب جیش اسامہ کی روانگی کے بعد مدینہ کی حفاظت کیلئے حضرت صدیق اکبرؓ نے مختلف راستوں پر حفاظتی دستے متعین کئے ایک دستہ حضرت علیؓ کی سرکردگی میں متعین کیا (ص ۲۲۳، ج ۳، تاریخ طبری)۔ پھر جب نواح مدینہ میں غدار قبیلوں کی سرکوبی کیلئے خلیفہ رسول اللہ بنفس نفیس مقام ذوالقصہ تشریف لے جانے لگے تو حضرت علیؓ نے آپ کی سواری کی باگ پکڑ لی اور حضرت صدیق اکبرؓ سے فرمایا کہ:

> ''اے خلیفہ رسول اللہ ﷺ! آپ کہاں تشریف لے جارہے ہیں۔ میں آپ سے اس وقت وہی کہوں گا جو غزوہ اُحد کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا تھا کہ آپ اپنی تلوار میان میں رکھیں اور اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر درمندنہ کریں۔''

(ص ۳۱۵، ج ۱، البدایہ والنہایہ)

حضرت علیؓ کے حضرت ابوبکرؓ سے تخلف عن البیعۃ کی روایتیں مابعد کے مشاجرات صحابہ کا رنگ لئے ہوئے ہیں۔ حضرت علیؓ کا پنج وقتہ نمازیں حضرت صدیق اکبرؓ کی امامت میں پڑھنا تو کسی ثبوت کا محتاج نہیں۔ فدک وغیرہ کے بارے میں حضرت فاطمہؓ کی ناراضی کا قصہ بھی من گھڑت ہے۔ حضرت علیؓ برابر اپنے زمانہ میں اسی طرح عمل کرتے رہے جیسا حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ وغیرہ کیا کرتے تھے۔ حضرت فاطمہؓ بیمار ہوئیں اور مرض بڑھتا گیا۔ حضرت ابوبکرؓ ان کی عیادت کیلئے تشریف لے گئے۔ حضرت فاطمہؓ نے انہیں اندر بلایا اور باتیں کیں۔ (الموافقہ بین اھل بیت و الصحابہ، زمخشری)

حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ بچپن سے حضرت ابوبکرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دینی وملی خدمات کی انجام دہی میں منہمک دیکھتے تھے اور جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی جناب میں ان کی کیا کچھ منزلت ہے۔ ان کے مشوروں پر کیسا اعتماد ہے، ان کی خدمات کا کیا کچھ اعتراف ہے، کسی کچھ قدر ہے۔ انہوں نے تو اپنے کانوں سے سنا تھا جب آنحضور ﷺ نے حضرت حسّان مداح رسول اللہ سے پوچھا تھا کہ ابوبکرؓ کی شان میں بھی کچھ کہا ہے۔ اس پر چند شعر سنائے جنہیں سن کر آپ ﷺ بہت خوش ہوئے۔ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ بھی ان کو اپنا بزرگ جانے، ان کے فرمانے کو مانتے، ان کے فیصلے کو بخوشی اور خوشدلی سے قبول کرتے تھے۔ یہ خفگی اور ناراضگی کی باتیں سب وضعی ہیں۔

اب حضرت حسّانؓ کے وہ شعر سُنیے جنہیں سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا تم نے سچ کہا ہے وہ ایسے ہی ہیں۔ فَضَحِکَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ حَتّٰی بَدَت نَوَاجِذُہٗ ثُمَّ قَالَ : صَدَقتَ یَا حَسَّانُ ھُوَ کَمَا قُلتَ. (طبقات ابن سعد باب ذکر الغار والہجرۃ الی المدینۃ) یہ سن کر رسول اللہ ﷺ اس قدر ہنسے کہ دندان مبارک نمایاں ہوگئے اور فرمایا اے حسّان تم نے سچ کہا ہے وہ ایسے ہی ہیں۔

یہ اشعار یہ تھے:

اِذَا تَذَکَّرتَ شَجوًا مِن أَخِي ثِقَةٍ
مصیبت کے وقت اگر کسی بھروسہ کے آدمی کی یاد کرو

فَاذکُر أَخَاکَ أَبَابَکرٍ بِمَا فَعَلَا
تو اپنے بھائی ابوبکر کی ان خدمات کو نہ بھولو جو انہوں نے انجام دیں

خَیرُ البَرِیَّۃِ أَتقَاھَا وَأَعدَلُھَا
نبی کے بعد خلائق میں سب سے زیادہ متقی اور عادل

اِلَّا النَّبِيُّ وَافَاھَا لِمَا حَمَلَا
اور ہر ذمہ داری کو پورا کرنے والے ہیں

وَالثَّانِي التَّالِي المَحمُودُ مَشھَدُہٗ
نبی کے ہمراہ وہ دوسرے شخص تھے جن کا ہر کارنامہ پسندیدہ ہے

وَأَوَّلُ النَّاسِ مِنھُم صَدَّقَ الرُّسُلَا
اور لوگوں میں سب سے پہلے ہیں جنہوں نے انبیاء کی تصدیق کی

وثانی اثنین فی الغار المنیف وقد طاف العدو به اذا صعدو الجبلا

اور بلند غار میں وہ دو میں ایک تھے جب دشمن پہاڑ پر چڑھ کر گرد گھوم رہے تھے

وکان حب رسول اللّٰہ قد علموا من البریة لم یعدل به احدا

وہ رسول اللہ کے محبوب ہیں اور لوگوں کو تحقیق کے ساتھ علم ہے کہ ساری مخلوق میں آپ کے نزدیک ان سے زیادہ کوئی نہیں

(السنن الکبری للبیہقی)

نہج البلاغہ کے مشہور شارح ابن ابی الحدید نے شیعی فاضل شریف المرتضیٰ کی کتاب الشافی کے حوالے سے سنی قاضی القضاۃ کی کتاب سے یہ کہہ کر ایک عبارت نقل کی ہے کہ حاکباً عن قاضی القضاۃ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت فاطمہؓ کے جنازے کی نماز پڑھائی تھی اور چار تکبیریں کہی تھیں ان ابابکر هو الذی صلی علیٰ فاطمة و کبر اربعا (ص ۸۸۰، ج ۲، شرح نہج البلاغہ مطبوعہ ایران)۔ یہی ابن ابی الحدید کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر الصدیقؓ کے جنازے کے پاس کھڑے ہو کر حضرت علیؓ نے جو تقریر کی تھی اس میں کہا تھا: رحمک اللّٰہ ابا بکر کنت اول الناس اسلاما (ص ۷۰۹، ج ۲، شرح نہج البلاغہ مطبوعہ ایران) یعنی اے ابوبکرؓ رحمت ہو اللہ کی آپ پر آپ ہی ہیں جو سب لوگوں میں سب سے پہلے اسلام لائے۔

اسی طرح حضرت فاروق اعظمؓ کی ذات سے حضرت علیؓ کو یہ عقیدت تھی کہ ان کے ایام خلافت میں کنیت کے بجائے ان کو امیر المومنین کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے۔ یہی ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ کہتے ہیں:

ان علیاً لم یخاطب عمر منذ ولی الخلافة بالکنیة وانما کان یخاطبه بامره المسلمین هکذا ینطق کتب الحدیث و کتب السیر و التواریخ.

(حضرت) علیؓ (حضرت) عمرؓ کو اس وقت سے جب وہ خلیفہ ہوئے ان کی کنیت سے مخاطب نہیں کرتے تھے بلکہ امیر المومنین کہہ کر خطاب کرتے تھے اور یہ بات اسی طرح

(ص ۲۳۴، ج ۲، شرح نہج البلاغہ مطبوعہ ایران)

سے کتب حدیث و کتب سیر اور تواریخ میں بیان ہوئی ہے۔

ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ خلافت فاروقی میں حضرت علیؓ نے قاضی کی حیثیت سے کام کیا تھا (ج ۴، ص ۸۲)۔ ۱۳ھ میں ایران میں جب مسلم مجاہدین زبردست معرکوں میں داد شجاعت دے رہے تھے، ان کے سردار ابوعبید ثقفی کے مقتول ہونے سے مسلمانوں کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ حضرت عمرؓ نے چند ہی مہینوں میں زبردست فوج اکٹھی کی اور ارادہ کیا کہ میں خود سپہ سالار بن کر چلوں گا۔ چنانچہ حضرت علیؓ کو اپنا نائب مقرر کر کے عراق کی طرف کوچ کیا۔ چند میل چلے تھے کہ صحابہ کبار نے رائے دی کہ امیر المومنین کا محاذ جنگ پر بذات خود تشریف لے جانا مناسب نہیں۔ آپ نے ارادہ ترک کر دیا (ج ۴، ص ۸۲)۔ مؤرخین نے حضرت علیؓ کو آپ کی غیبت میں اپنا نائب مقرر کرنے کا ذکر کیا ہے۔

ان دونوں بزرگوں سے یہ محبت اور احترام حضرت علیؓ کو کیوں نہ ہوتا۔ بچپن ہی سے ان ہی دونوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بطور وزیر و مشیر کے دیکھتے تھے۔ خود فرماتے ہیں:

قال علی کثیراً ما کنتُ اسمع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول کنت انا و ابوبکر و عمر وفعلت انا و ابوبکر و عمر و خرجت انا و ابوبکر و عمر و دخلت انا و ابوبکر و عمر.

حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا کہ میں اور ابوبکر و عمر تھے۔ میں نے اور ابوبکر و عمر نے یہ کیا۔ اور میں اور ابوبکر و عمر نکلے، میں اور ابوبکر و عمر چلے، میں اور ابوبکر و عمر داخل ہوئے۔

(ج ۱، ص ۱۴۹، ازالۃ الخفاء طبع اول)

بعثت رسول اللہ ﷺ کے وقت حضرت علیؓ صرف پانچ برس کے صغیر السن تھے۔ آٹھ دس برس کے بعد ان کی عمر ایسی ہوئی کہ یہ باتیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جن کی پرورش

میں رہتے تھے سن کر حافظہ میں محفوظ رکھیں اور بیان کیں۔ خود ابن ابی الحدید ہی ان کے سن وصال کے بارے میں لکھتے ہیں:

قد علمنا بالروية الصحيحة و الشهادة القائمة انه (على) اسلم هو حديث غرير و طفل صغير فلم نكذب الناقلين ولم نستطع ان نلحق اسلامه باسلام البالغين.
(ص ۷۰۶، ج ۲، نہج البلاغہ)

ہم کو روایت صحیحہ اور شہادت قائمہ سے معلوم ہوا ہے کہ وہ (علیؓ) جب اسلام لائے تو وہ بہت چھوٹی عمر کے طفل صغیر تھے۔ پس ہم ناقلین کی تکذیب نہیں کر سکتے اور نہ اس کی استطاعت رکھتے ہیں کہ ان کا اسلام بالغین کے اسلام کے برابر رکھ سکیں۔

ان سب بزرگوں کے درمیان کامل اتحاد تھا۔ ادھر سے عقیدت و احترام تھا اُدھر سے محبت وشفقت۔ اسی اتحاد ومحبت کا قوی ثبوت ہے کہ اپنی نور دیدہ سیدہ اُم کلثومؓ[1] بنت فاطمہ الزہراؓ کو حضرت عمرؓ کے عقد میں دیا تھا۔ اور جب حضرت عمرؓ ایک مجوسی کے ہاتھ سے شہید ہوئے تو جنازہ اُٹھتے وقت کس حسرت سے یہ الفاظ فرمائے تھے:

قال (علی) ما من الناس احد احب الی ان القی اللّٰہ بما فی صحیفة من هذا المسجی.
(ص ۲۱۸، ج ۱، ازالۃ الخفاء طبع اول)

(حضرت علیؓ نے) کہا انسانوں میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں کہ اللہ کے حضور میں اس کا اپنے نامہ اعمال کے ساتھ پیش ہونا بہ نسبت ان صاحب جنازہ کے نامہ اعمال کے مجھے زیادہ محبوب ہو یعنی کاش میرا بھی نامہ اعمال ان ہی کے نامہ اعمال جیسا ہو۔

نام اعمال کا اشارہ حضرت فاروق اعظمؓ کی عظیم ترین خدمات دینیہ وطیبہ کی جانب سے جو انہوں نے قبل خلافت اور عہد خلافت میں انجام دیں۔ حضرات شیخین کا زمانہ اخوت و مساوات اور یک جہتی کا مثالی زمانہ تھا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اس مبارک عہد کی تصویر کشی

---

[1] سیدہ اُم کلثومؓ کے بطن سے دو اولادیں ہوئیں ایک صاحبزادے زید بن عمر اور ایک صاحبزادی رقیہ بنت عمر۔

ان الفاظ میں کی ہے:

تمام مسلمین در زمان ایشان باہم موتلف و با یکدیگر مراحم و بر کفار شدید و بر جہاد متوافق، نام مخالفت درمیان ایشان واقع نہ سپاہ و رعایا خلیفہ را از جان خود دوست دارتر و خلیفہ بر رعایا و سپاہ از پدر مشفق و مہربان تر۔
(ص ۱۴۹، ج ۱، ازالۃ الخفاء، طبع اول)

تمام مسلمان ان کے (شیخینؓ) کے زمانہ میں باہم متحد اور ایک دوسرے کے مہربان تھے، کفار پر شدید اور جہاد پر متفق تھے۔ مخالفت کا نام بھی ان کے درمیان نہیں آیا تھا۔ سپاہ اور رعایا خلیفہ کو اپنی جانوں سے زیادہ عزیز رکھتی اور خلیفہ رعایا اور سپاہ پر باپ سے زیادہ مشفق اور مہربان تھے۔

اس زمانہ کی برکات خلیفہ سوئم حضرت عثمان ذی النورینؓ کے عہد خلافت تک باقی رہیں۔ اور نشو ونمائے ملت اسی منہج پر جاری رہا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معین فرمایا تھا۔

آنحضرت برائے نشو ونمائے ملت اسلامیہ صورتے معین فرمودن کہ تا آخر عہد حضرت عثمانؓ متحقق شد۔
(ص ۱۳۰، ج ۱، ازالۃ الخفاء، طبع اول)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ملت اسلامیہ کی نشو ونما کیلئے ایک صورت معین فرمائی تھی جو آخر عہد حضرت عثمانؓ تک یقیناً رہی۔

نشو ونمائے ملت اسلامیہ کیلئے اجتماع اور ائتلاف کو جو اہمیت تھی اس کا قدرے اندازہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ حجۃ الوداع کے بعض ارشادات سے ہوتا ہے جو اُمت کو وصیت کے طور پر فرمائے گئے تھے۔ ارشاد ہوا تھا:

ایھا الناس ان دماء کم و اموالکم و اعراضکم حرام علیکم الی ان تلقوا ربکم کحرمۃ یومکم ھذا فی شھرکم ھذا فی بلدکم ھذا الاھل بلغت اللھم اشھد.

لوگو! تمہارے خون، تمہارے مال، تمہاری عزتیں قیامت کے دن تک ایک دوسرے پر ایسی ہی حرام ہیں جیسا کہ تم آج کے دن (یوم حج) کی اس مہینہ کی اور اس شہر (مکہ) کی حرمت کرتے ہو۔ دیکھو میں

(ص ۱۴۹، ج ۱، ازالۃ الخفاء، طبع اول) نے (اللہ کا) پیغام پہنچا دیا۔ اے اللہ گواہ رہ۔

پھر اسی خطبہ میں یہ ہدایت کس بلیغ لہجہ میں صحابہ کو کی گئی تھی۔

الا فلا ترجعوا بعدی ضلالاً یضرب بعضکم رقاب بعض۔ خبردار! میرے بعد گمراہ نہ ہوجانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔

حضرت فاروق اعظمؓ کو مسجد نبوی میں نماز پڑھاتے مجوسی[1] غلام نے خنجر سے زخم کاری لگایا تھا۔ جب تحقیق ہوگیا کہ قاتل کون ہے تو آپ نے سجدہ ادا کیا اور فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ میں کسی کلمہ گو کے ہاتھ سے نہیں مارا گیا اور میرا زمانہ وہ نہیں جس سے رسول اللہ ﷺ نے ڈرایا تھا۔

حضرت عمرؓ تو مرنے سے پہلے کسی کو اپنا جانشین نامزد نہ کرسکے کیونکہ اس بلند معیار پر جو اُن کے پیش نظر تھا اور جس کا اظہار بھی چند بلیغ جملوں میں انہوں نے کیا تھا کوئی شخص پورا نہ اُترتا تھا۔ لوگوں کے اصرار پر چھ اکابر صحابہ کی مجلس شوریٰ بنادی کہ اپنے میں سے کسی کو منتخب کرلیں مگر ساتھ ہی یہ شرط بھی عائد کردی کہ اگر پانچ ایک طرف ہوں اور ایک ان کے مخالف تو اس کی گردن ماردی جائے۔ اگر چار ایک رائے ہوں اور دو مخالف تو ان دو کا خاتمہ کردیا جائے اور اگر رائے مساوی ہو تو جدھر عبدالرحمٰن بن عوفؓ رائے دیں وہ قبول کی جائے اور مخالفت کرنے والوں کی گردن اُڑادی جائے۔ گویا ایسے نازک لمحات میں بھی اس کی مطلق پرواہ نہ کی کہ ان عظمائے ملت یعنی عثمانؓ وعلیؓ وطلحہؓ وزبیرؓ وسعدؓ وعبدالرحمٰن بن عوفؓ میں سے جو اختلاف کرے اس کی گردن ماردی جائے۔ اس کڑی شرط نے باوجودیکہ شوریٰ میں سے ہر شخص رائے دہندہ تھا اور اُمیدوار بھی، یہ صورت پیدا کردی کہ ایک صاحب نے اپنے آپ کو اُمیدوار ہونے سے علیحدہ کرلیا اور بقیہ حضرات

---

[1] حضرت عمر فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں ایران کی ساسانی شہنشاہیت کا خاتمہ ہوا تھا۔ ایرانی سازش ہی نے آپ کا خاتمہ کیا۔

بشکست عمر پشت ہژبران عجم را — برباد فنا داد رگ وریشہ جم را
این عربدہ برغصب خلافت زعلی نیست — با آل عمر کینہ قدیم است عجم را

نے اظہار رائے بعد ان کو یعنی عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو مختار کر دیا کہ وہ اپنی صوابدید اور عام لوگوں کے خیالات اور آراء معلوم کر کے عثمانؓ و علیؓ میں سے جس کو چاہیں منتخب کر لیں۔ طبری نے بیان کیا ہے حضرت علیؓ کو اپنے منتخب نہ ہونے کا ملال ہوا اور انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ پر طرف داری کا الزام لگایا۔ جس کے جواب میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا:

''اے علی! اپنے خلاف مجھے قدم اُٹھانے پر مجبور نہ کرو۔ میں نے بہت غور کیا اور برابر لوگوں سے مشورے کرتا رہا مگر وہ کسی کو بھی عثمانؓ کے برابر نہیں سمجھتے۔''

یہ سُن کر حضرت علیؓ یہ کہتے ہوئے چل دیئے: **یبلغ الکتاب اجله** یعنی تحریر بہت جلد اپنی مدت کو پہنچ جائے گی۔

لوگ حضرت عثمانؓ سے بیعت کرنے پر ٹوٹ پڑے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے جب حضرت علیؓ کو جاتے دیکھا تو پکار کر کہا:

" ومن نکث فانما ینکث علیٰ نفسه ومن اوفی بماعاهدعلیه الله فسیوتیه اجرا عظیما."

''جو شخص عہد شکنی کرتا ہے وہ اپنے ہی نفس کے خلاف کرتا ہے اور جو اللہ کے کئے ہوئے عہد کو پورا کرتا ہے تو اللہ اسے بڑا اجر دے گا۔''

اس پر حضرت علیؓ لوٹے اور بیعت کر لی مگر برابر یہ کہتے رہے فریب ہے اور کتنا بڑا فریب۔ (طبری)

معلوم نہیں طبری کا یہ بیان کہاں تک صحیح ہے لیکن واقعات شاہد ہیں کہ اس انتخاب کے بعد سے اُمت میں پہلی مرتبہ کچھ ذاتی و خاندانی و نسلی امتیازات کی باتیں ہونے لگیں۔ اور حضرت عثمانؓ کے تقریباً بارہ سالہ عہد خلافت میں جب فتوحات کی کثرت اور مال و غنائم کی بہتات سے معاشرے کی وہ صورت تبدیل ہونے لگی جو اس سے پہلے کی دو خلافتوں میں سادگی کی رہی تھی۔ بہت سے صحابہؓ دیگر ممالک اور صوبوں میں جا بسے تھے۔ عجمیوں کے اختلاط سے ایک نئی نسل بھی خاص کر کوفہ و بصرہ میں پیدا ہو چکی تھی۔ مدینہ اور اس کے باہر جب حضرت عثمانؓ اور ان کے عمال پر نکتہ

چینیاں شروع ہوئیں اور دولت واقتدار کے حصول کے فتنے نے سر نکالا تو منافقین کو بھی اس اختلاف کو ہوا دینے کا اچھا موقع ہاتھ آ گیا۔ عبداللہ بن سبا نے جس کے وجود کو مصری فاضل ڈاکٹر طہٰ حسین نے فرضی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، جس طرح بعض مؤرخین نے کربلا میں حسینی شہادت کا انکار کیا ہے وہ پُر فریب پروپیگنڈہ شروع کر دیا جس کے تلخ نتائج سے آج تک اُمت کو چھٹکارا نہ مل سکا۔

حضرت عثمانؓ پر بلوائیوں کی یورش ہوئی مگر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت اور وصیت کا اس درجہ پاس ولحاظ کیا کہ باوجود ہر طرح کی قدرت کے اپنی حفاظت اور جان بچانے کیلئے قوت اور تشدد برتنے کا مطلق خیال نہ کیا اور جوار رسول اللہ ﷺ میں کسی کلمہ گو کے خون بہانے کے روادار نہ ہوئے۔ حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ وغیرہ صحابہ کی شہر میں موجودگی کے باوجود یہ تقریباً ستر برس کے امام المسلمین جو رسول اللہ ﷺ کے دوہرے داماد تھے، آپ ﷺ کی پھوپھی زاد بہن کے بیٹے تھے، سابقون الاولون میں سے بڑے فیاض ورحم دل اور رسول اللہ ﷺ کے چہیتے تھے، تلاوت قرآن کرتے ہوئے اپنے گھر کے اندر ذبح کر دیئے گئے مگر قاتلین پر ہاتھ اُٹھانے یا اُٹھوانے کیلئے باوجود لوگوں کے بار بار اصرار کرنے کے کسی طرح آمادہ نہ ہوئے۔

حضرت عثمانؓ کی زوجہ محترمہ سیدہ نائلہؓ کے خط کے مضمون سے جو اُنہوں نے اپنے عالی مقام شوہر کی مظلومانہ شہادت کے بعد ہی حضرت معاویہؓ کو قاصد کے ہاتھ بھیجا تھا اور اپنے چشم دید واقعات تحریر کئے تھے، ان حالات کا انکشاف ہوتا ہے جو اکثر تاریخ میں بیان نہیں ہوئے۔ یہ خط شعبی اور مسلمہ بن محارب نیز حضرت معاویہؓ کے پروتے حرب بن خالد بن یزید بن معاویہ کی اسناد سے ایک شیعہ مؤلف یعنی ابوالفرج الاصبہانی متوفی ۳۵۶ھ نے اپنی مشہور کتاب اغانی (ج ۱۰، ص ۶۸) میں درج کیا ہے۔ ابتدائی فقرات کے بعد خط کا مضمون یہ بتایا گیا ہے:

مضمون خط سیدہ نائلہؓ بیوہ حضرت عثمانؓ

وانـي أقص عليكم خبره، لأني كنت مشاهدة أمره كله، حتى أفضي اليه:	میں ان کا پورا واقعہ تم سے بیان کرتی ہوں جو میرا اپنا چشم دید ہے۔

وان أهل المدينة حصروه في داره، يحرسنه ليلهم ونهارهم. قيام على يحرسنه ليلهم ونهارهم. قيام على أبوابه بسلاحهم، يمنعونه كل شيء قدروا عليه، حتى منعوه الماء، يحضرونه الأذى، ويقولون له الافك. وأهل مصر قد أسندوا أمرهم الى محمد بن أبي بكر ص عمار بن ياسر، وكان عليّ مع المحرّضين من أهل المدينة، ولم يقاتل مع أمير المؤمنين، ولم ينصره، ولم يأمر بالعدل الذي أمر اللّه تبارک وتعالى به. فضلت تقاتل خزاعة و سعد بن بكر و هذيل، وطوائف من مزينة و جهينة، وأنباط يثرب، ولا أرى سائرهم، ولكني سميت لكم الذين كانوا أشد الناس عليه في أول أمره و آخره. ثم انه رمي بالنّبل والحجارة، فقتل ممن كان في الدار ثلاثة نفر، فأتوه يصرحون اليه،ليأذن لهم في القتال، فنهاهم عنه، وأمرهم أن يردوا عليهم نبلهم، فردّوها اليهم، فلم يزدهم ذلک على القتال الّا جراءة، وفي الأمر الا اغراء. ثم

اہل مدینہ نے ان کے گھر کا چاروں طرف سے پورا سخت مسلح محاصرہ کررکھا تھا۔ دن رات دروازوں پر پہرا تھا۔ ہرگز کوئی چیز یہاں تک کہ پانی سے بھی منع کردیا تھا۔ان پر الزامات لگاتے رہے گالیاں دیتے رہے۔ مصری جماعت کے سرغنہ محمد بن ابی بکر وعمار بن یاسر تھے اور علی بھی مدینہ کے لوگوں کے ساتھ تھے۔ انہوں نے نہ امیر المومنین کی کوئی مدد کی نہ ان کی جانب سے لڑے اور نہ انہوں نے اس عدل سے کام لیا جس کا حکم اللہ تبارک وتعالیٰ سے ہے۔خزاعہ، سعد بن بکر، ہذیل، مزینہ وجھینہ کے قبائل لڑائی کرتے رہے سب نہ سہی اکثر ضرور تھے۔ میں نے ان میں سے جو شدید تھے اُن کے نام لکھ دیئے ہیں۔ ان لوگوں نے گھر میں تیر اور پتھروں کی بھرمار کردی۔تین آدمی گھر میں قتل ہوگئے۔مجبور ہوکر گھر کے اور آدمیوں نے عثمانؓ سے لڑائی کی اجازت مانگی۔ انہوں نے اجازت نہیں دی بلکہ حکم دیا کہ تیر دشمنوں کو واپس کردو مگر اس سے وہ کچھ جنس نہ پڑے بلکہ اور دلیر ہوگئے۔ پھر انہوں نے دروازہ میں آگ لگادی۔ آخرکار تین آدمیوں کی کوشش سے مسجد میں ان لوگوں کے سامنے مصالحت کے لئے رو بہ رو بات کرنے کیلئے بلوایا۔ وہ

أحرقوا باب الدار، فجاء ه ثلاثة نفر من أصحابه، فقالوا: ان في المسجد ناسا يريدون أن يأخذوا أمر الناس بالعدل، فاخرج الى المسجد حتى يأتوك، فانطلق فجلس فيه ساعة، وأسلحة القوم مطلة عليه من كل ناحية، وما أرى أحدا يعدل، فدخل الدار، وقد كان نفر من قريش على عامتهم السلاح، فلبس درعه، وقال لأصحابه: لولا أنتم ما لبست درعا، فوثب عليه القوم، فكلمهم ابن الزبير، وأخذ عليهم ميثاقا في صحيفة، بعث بها الى عثمان: ان عليكم عهد اللّٰه وميثاقه ألّا تعرّوه بشيء، فكلموه و تحرجوا، فوضع السلاح، فلم يكن الا وضعه، حتى دخل عليه القوم يقدمهم ابن أبي بكر، حتى أخذوا بلحيته، ودعوه باللّقب. فقال: أنا عبداللّٰه و خليفته، فضربوه على رأسه ثلاث ضربات، وطعنوه في صدره ثلاث طعنات، وضربوه على مقدم الجبين فوق الأنف ضربه أسرعت في العظم، فسقطت عليه وقد أثخنوه وبه حياة، وهم

اسلحہ کے سایہ میں تھوڑی دیر بیٹھے رہے۔ نتیجہ کچھ نہ نکلا اور پھر وہ گھر واپس آ گئے اُس وقت قریش سب مسلح تھے۔ عثمانؓ نے بھی ذرعہ پہن لی تھی یہ کہہ کر کہ میں تمہاری وجہ سے پہنتا ہوں ورنہ مجھے اس کی ضرورت نہ تھی۔ اتنے میں اُن پر حملہ کیا گیا۔ ابن زبیرؓ نے اُن لوگوں کو سمجھایا اور اُن سے تحریری معاہدہ کیا جس میں پختہ عہد کیا گیا تھا کہ اب کوئی حملہ نہ ہوگا۔ وہ باز آ گئے ابن زبیرؓ نے بھی ہتھیار اُتار دیئے مگر فوراً موقع پا کر ان لوگوں کی ایک جماعت نے جس کے آگے آگے محمد بن ابی بکر تھے اندر آ کر حملہ کر دیا اور آتے ہی ڈاڑھی پکڑ لی اور گالی دی۔ (حضرت) عثمانؓ نے کہا کہ میں تو اللہ کا بندہ اور خلیفہ ہوں۔ اسی اثناء میں ان لوگوں نے تین وار نیزے کے آپ کے سینے پر کئے اور تین وار سر پر کئے اور ایک تلوار سر کے اگلے حصے پر ایسی ماری کہ ہڈی تک بیٹھ گئی۔ میں عثمانؓ پر چھا گئی تا کہ اُن کو بچا سکوں کیونکہ وہ سر کاٹ کر لے جانا چاہتے تھے۔ اتنے میں شیبہ بن ربیعہ کی بیٹی بھی عثمانؓ پر چھا گئی۔ اُن لوگوں نے ہم دونوں کو کھینچ کر زمین پر پٹخ دیا اور ہمارے کپڑے پھاڑ ڈالے مگر عثمانؓ کی حرمت کے آگے ہمیں اپنی عزت کی پرواہ نہ تھی۔ اس طرح ان کے بستر پر

يـريـدون قطع رأسه، ليذهبوا به، فأتتني بنت شيبة بن ربيعة، فألقت نفسها معي عـليـه، فـوطئنا وطئا شديدا، وعرّينا من ثيابنا، وحرمة أمير المؤمنين أعظم. فـقتـلوه رحمة اللّٰه عليه في بيته، وعلى فـراشـه. وقـد أرسـلـت اليكم بثوبـه، وعـلـيـه دمه، وانه واللّٰه لئن كان أثم من قتـلـه، لما يسلم من خذله. فانظروا أين أنتـم مـن الـلّٰـه جل وعز، فانا نشكي ما مسـنـا اليــه، ونستـنـصر وليـه وصالح عباده. (كتاب الأغانی)

ان کے گھر میں اُن کو مار ڈالا۔ میں اُن کا خون لگا کر تاتم کو بھیجتی ہوں۔ اگر قاتل مجرم ہیں تو وہ بھی مجرم ہیں جنہوں نے رُسوا ہوتے دیکھا اور مدد نہیں کی۔ اب سوچ لو اللہ کو منہ دکھانا ہے۔ فریاد ہے مصیبت کا پہاڑ ہم پر ٹوٹ پڑا۔ ہم اللہ کے روبرو اپنی شکایت کرتی ہیں۔ اور خون عثمانؓ کے وارثوں اور اللہ کے نیک بندوں سے مدد طلب کرتی ہیں۔ (نائلہ بیوہ عثمان)

مضمون خط کے بیان کرنے میں راویوں سے سہواً یا عمداً کوئی غلطی بھی ہوئی ہو، خلیفہ وقت کو اس سفاکانہ بے رحمی کے ساتھ ان کے گھر کے اندر گھس کر قتل کرنا اور اس وقت قتل کرنا جب کہ وہ تلاوت قران میں مصروف ہوں، ایسا حادثہ تھا کہ اگر بیوہ عثمانؓ فریادی نہ بھی ہوتیں تو قاتلین سے قصاص لینا خصوصاً مقتول کے رشتہ داروں کا نص قرآن کی رُو سے فرض اولین تھا۔ حضرت علیؓ اور دوسرے اکابر صحابہؓ کو جو اُس وقت مدینہ میں موجود تھے، شاید یہ گمان نہ تھا کہ بلوائی اس فعل شنیعہ کا ارتکاب کرسکیں گے۔ سازش کا تو الزام کسی طور ثابت نہیں بلاذری کی روایت ہے کہ جب حضرت علیؓ اپنے گھر میں گئے اُن کی بیٹیاں رو رہی تھیں اُنہیں دیکھ کر آنسو پونچھنے لگیں، پوچھا کیوں رو رہی ہو۔ قـلـن نبـكـي عـلـى عثمان فبكىٰ، وقال ابكين ۔ (انساب الاشراف) انہوں نے کہا کہ (خالو) عثمان پر۔ (یہ سُن کر حضرت علیؓ خود) رونے لگے اور فرمایا: ہاں روؤ۔

فتنہ اولیٰ :

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفاء میں ایک موقع پر لکھا ہے:

پس فتنہ اولیٰ مقتل حضرت عثمانؓ و مابعد اوست تا آنکہ خلافت معاویہ بن ابی سفیانؓ مستقر شد وفتنہ ثانیہ بعد موت معاویہ بن ابی سفیانؓ ت استقرار خلافت عبدالملک۔
(ج ا،ص ۱۳۰)

پس پہلا فتنہ حضرت عثمانؓ کے قتل اور اس کے بعد کے واقعات ہیں اس وقت تک کے جب تک کہ خلافت معاویہ بن ابوسفیانؓ قائم نہ ہوئی۔ اور دوسرا فتنہ حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد سے اُس وقت تک رہا جب تک کہ خلافت عبدالملک (بن مروان) قائم نہ ہوئی۔

فتنہ سے مراد وہ خانہ جنگیاں ہیں جن سے اُمت میں تفرقہ پڑ گیا اور اجتماع و ائتلاف کے فقدان سے خلافت خاصہ کے برکات زائل ہو گئے۔ اس حالت کی تشریح کرتے ہوئے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ:

چوں نوبت خلافت حضرت مرتضیٰ رسید بحکم تقدیر الٰہی تفرق امت پدید آمد و اکثر بلدان از طاعت خلیفہ برآمدند۔
(ازالۃ الخفاء، ج ۲،ص ۱۴۷)

جب نوبت خلافت حضرت مرتضیٰ کی پہنچی تقدیر الٰہی سے اُمت میں تفرقہ پڑ گیا اور اکثر شہر خلیفہ کی اطاعت سے باہر ہو گئے۔

یہاں خانہ جنگیوں کے حالات بیان کرنا مقصود نہیں۔ عرض کرنا یہ ہے کہ جھگڑے بھی شدید ہوئے، خون ریزی بھی ہوئی لیکن نیتوں میں چونکہ شر نہیں تھا، سبائیوں کی دراندازیوں کے باوجود لڑ جھگڑ کر پھر ایک ہو گئے۔ یہ صحابہ اور تابعین ہی تھے جن کی طبائع کی صحیح عکاسی ان الفاظ میں کی گئی ہے:

جھگڑتے تھے لیکن نہ جھگڑوں میں شر تھا
خلاف آشتی سے خوش آئند تر تھا

عام الجماعت :

اپنے والد ماجد کی آخری وصیت کی متابعت میں حضرت حسنؓ نے جب حضرت معاویہؓ سے بعد میں صلح بیعت کر لی تو اتحاد المسلمین کی پھر وہی کچھ کیفیت رونما ہوئی جو خلفائے ثلاثہ کے مبارک زمانہ میں تھی۔ اس خوشی میں صحابہ اور تابعین نے اس سال کا نام ہی عام الجماعۃ رکھا یعنی جماعت المسلمین کے اتحاد و اتفاق کا سال۔ حضرت معاویہؓ اس کے بعد تقریباً بیس سال تک مسند خلافت پر متمکن رہے اور بے نظیر حسن تدبر سے تمام فتنہ پرورانہ سرگرمیوں کو دور کر کے ہر خطہ مملکت میں امن و امان بحال کیا۔ سب سے زیادہ ابتر حالت شرقی ممالک کی تھی۔ وہاں کا نظم و نسق حکومت درست کرنے کیلئے اپنے سوتیلے بھائی امیر زیادؓ کو متعین کیا جو حضرت علیؓ کے زمانہ سے گورنر فارس تھے اور حسن انتظام کی بدولت ایرانی رعایا اُن کو نوشیرواں[1] ثانی کہتی تھی۔ اپنے بھائی کی طرح امیر زیادؓ بحیثیت مدبر و منتظم و حکمران عظیم شخصیت کے حامل تھے۔ مفسدین کیلئے درشت مزاج امن پسندوں کیلئے نرم خو بقول شاعر۔

درشتی و نرمی بہم در بہ است
چو فاصد کہ جراح و مرہم نہ است

مفسدین کا قلع قمع ہو کر بہت جلد ان ممالک کی حالت بھی درست ہوگئی۔ چنانچہ اُمت کے داخلی اور خارجی تمام تعمیری کام جو پچھلے چار پانچ برس کی طوائف الملوکی سے رُکے پڑے تھے اب حضرت معاویہؓ نے تیزی سے شروع کئے۔ ہر طرف خوشحالی کی لہریں دوڑ گئیں۔ امیر المومنین کا اصول حکمرانی حلم و کرم، عدل و انصاف، جود و سخا تھا جس سے رعایا کے محبوب بن گئے تھے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: **کانت سیرۃ معاویہ مع رعیتہ من خیار امیر الالاۃ وکان رعیتہ یحبونہ** (یعنی حضرت معاویہؓ کا سلوک اپنی رعایا کے ساتھ حکمرانوں کے بہترین سلوک کی طرح تھا اور ان کی رعایا اُن سے محبت کرتی تھی)۔

---

[1] ص ۲۸۵، جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۸۵۰ء مقالہ ایڈورڈ تھامس

صحیح مسلم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

((خِيَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُحِبُّونَهُم وَيُحِبُّونَكُم ، وَيُصَلُّونَ عَلَيكُم وَتُصَلُّونَ عَلَيهِم))

(صحیح مسلم، باب خیار الائمہ وشرارہم، ح:۱۴۸۱)

''تم میں بہترین حکمران وہ ہوں گے جن سے تم محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت کریں، تم ان کو دعا دیتے ہو وہ تم کو دعا دیں۔''

سرداری وحکمرانی کی جو بہترین صفات ان کی ذات میں مجتمع تھیں ایسی کسی میں کم ہی ہونگی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے تھے:

'' مَا رَأَيتُ رَجُلًا كَانَ أَخلَقَ بِالمُلكِ مِن مُعَاوِيَةَ.''

''میں نے کسی شخص کو بھی حکمرانی سے ایسی مناسبت رکھتے نہیں دیکھا جیسی (حضرت) معاویہؓ کو ہے۔''

اسی طرح دیگر معاصرین کے اقوال ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ فرماتے تھے:

'' مَا رَأَيتُ أَحَدًا أَسوَدَ مِن مُعَاوِيَةَ.''

''میں نے (حضرت) معاویہؓ سے زیادہ سرداری کے لائق کسی کو نہ پایا۔''

سُننے والے نے جب سوال کیا کہ حضرت عمرؓ سے بھی زیادہ؟ فرمایا:

''كَانَ عُمَرُ خَيرًا مِنهُ ، وَكَانَ مُعَاوِيَةُ أَسوَدَ مِنهُ.''

''حضرت عمرؓ اُن سے برتر تھے دیگر صفات میں لیکن معاویہؓ سرداری میں بڑھ کر تھے۔''

(ص ۱۳۵، ج ۸، البدایہ والنہایہ)

علامہ ابن کثیر نے حضرت لیث بن سعدؒ کی سند سے جو زاہد وقت اور متقی ومتورع عالم تھے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں فاتح ایران اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے، یہ قول نقل کیا ہے کہ:

''مَا رَأَيتُ أَحَدًا بَعدَ عُثمَانَ أَقضَى بِحَقٍّ مِن صَاحِبِ هَذا البَابِ. يَعنِي مَعَاوِيَةَ.''

’’میں نے (حضرت) عثمانؓ کے بعد کسی کو ایسا حقانی فیصلہ کرتے نہیں دیکھا جیسے یہ دروازے والا یعنی معاویہؓ۔‘‘

حضرت عمیر بن سعد الانصاریؓ جو زاہد صحابی تھے اور حمص کے عامل تھے حضرت فاروق اعظمؓ نے اُن کو معزول کر کے حضرت معاویہؓ کا تقرر کیا۔ کسی نے اُن کے سامنے حضرت معاویہؓ کی تنقیص میں کہا تو حضرت عمیرؓ نے فرمایا:

’’ لَا تَذْكُرُوا مُعَاوِيَةَ اِلَّا بِخَيرٍ ، فَاِنِّي سَمِعتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ : اللّٰهُمَّ اهدِ بِهِ .‘‘ (البدایہ والنہایہ)

’’معاویہؓ کا ذکر سوائے بھلائی کے اور کسی طرح نہ کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ: اے اللہ اسے ہدایت کا ذریعہ بنا۔‘‘

واقعات شاہد ہیں کہ نازک ترین موقعوں پر بھی حضرت معاویہؓ نے رُشد و ہدایت کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ مسلمان نسلیں رہتی دُنیا تک حضرت امیر معاویہؓ کی شکر گزار رہیں گی کہ عین اُس وقت جب قیصر روم اس تاک میں بیٹھا تھا اور اپنی فوجوں کو اسلامی سرحد پر مجتمع کر رہا تھا کہ جوں ہی صفین کی خانہ جنگی میں اسلامی فوجیں برادر کشی سے گھٹ گھٹا کر خستہ و ماندہ پڑ جائیں، اُن پر حملہ کر کے مسلمانوں کی حربی قوت کو فنا کے گھاٹ اُتار دے، حضرت معاویہؓ نے سب سے پہلے اس خطرہ کا احساس کر کے قیصر کو ڈانٹ بتائی کہ اگر ایک قدم بھی تُو نے اسلامی سرحد کی طرف بڑھایا تو میں اور میرے چچیرے بھائی (علیؓ) باہم صلح صفائی کر لیں گے اور پھر ہماری متحدہ فوجیں تیرے علاقہ پر دھاوا کر کے تجھے اپنا ملک چھوڑ کر بھاگ جانے پر مجبور کر دیں گے۔

علامہ ابن کثیر نے اس واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

فَلَمَّا رَأَى مَلِكُ الرُّومِ اشتِغَالَ مَعَاوِيَةَ بِحَربِ عَلِيٍّ تَدَانَى اِلَى بَعضِ البِلَادِ فِي جُنُودٍ عَظِيمَةٍ ، وَطَمِعَ فِيهِ ،	جب قیصر روم نے معاویہؓ کو علیؓ سے جنگ میں مبتلا دیکھا اپنی فوجیں اسلامی سرحدوں کی طرف قبضہ کرنے کی طمع میں بڑھائیں۔

فَكَتَبَ اِلَيهِ مُعَاوِيَةُ : وَاللّٰهِ لَئِن لَم تَنتَهِ وَتَرجِعِ اِلَى بِلَادِكَ يَا لَعِينُ لَأَصطَلِحَنَّ أَنَا وَابنُ عَمِّي عَلَيكَ وَلَأُخرِجَنَّكَ مِن جَمِيعِ بِلَادِكَ ، وَلَأُضَيِّقَنَّ عَلَيكَ الأَرضَ بِمَا رَحُبَت. فَعِندَ ذٰلِكَ خَافَ مَلِكُ الرُّومِ وَانكَفَّ ، وَبَعَثَ يَطلُبُ الهُدنَةَ.

(ص۱۹۹، ج۸، البدایہ والنہایہ)

جب قیصر روم نے معاویہؓ کو علیؓ سے جنگ میں مبتلا دیکھا اپنی فوجیں اسلامی سرحدوں کی طرف قبضہ کرنے کی طمع میں بڑھائیں۔ معاویہؓ نے اس کو لکھ بھیجا۔ اے لعین! میں اور میرے چچیرے بھائی تیرے خلاف صلح کرلیں گے اور تجھ کو تیرے ملک سے نکال دیں گے اور وسیع زمین تجھ پر تنگ کردیں گے۔ قیصر اس سے خائف ہوا، لوٹ گیا اور طلب صلح کیلئے وفد بھیجا۔

بعض یورپین مؤرخین گبن وغیرہ لکھتے ہیں کہ (حضرت) معاویہؓ نے اپنی گلوخلاصی کیلئے قیصر سے دب کر صلح کرلی تھی لیکن مسلمان مؤرخین نے اس کے قطعاً خلاف لکھا ہے۔ گبن کو خود اعتراف ہے کہ خانہ جنگی سے چھٹکارا حاصل کرنے ہی سے خلیفہ معاویہؓ نے رومیوں کے خلاف جہادی سرگرمیاں شروع کردی تھیں۔ جن میں جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے کہ ان کے فرزند امیر یزیدؒ نے نمایاں حصہ لیا تھا۔ علامہ ابن کثیر حضرت معاویہؓ کے عہد خلافت کے ذکر میں لکھتے ہیں۔

" وَالجِهَادُ فِي بِلَادِ العَدُوِّ قَائِمٌ ، وَكَلِمَةُ اللّٰهِ عَالِيَةٌ ، وَالغَنَائِمُ تَرِدُ اِلَيهِ مِن أَطرَافِ الأَرضِ ، وَالمُسلِمُونَ مَعَهُ فِي رَاحَةٍ وَعَدلٍ وَصَفحٍ وَعَفوٍ."

(ص۱۱۹، ج۸، البدایہ والنہایہ)

"دشمن ممالک کے خلاف جہاد برابر قائم تھا اللہ کا نام بلند تھا۔ مالِ غنیمت تمام اطراف ارض سے ان کے پاس آتا تھا اور مسلمان ان کے زمانہ میں آرام وانصاف، ترحم ودرگزر کے ساتھ رہتے تھے۔"

مؤرخ گبن کو بڑی مسرت ہے کہ مسلمانوں کے باہمی تنازعات نے یورپ کے ایک حصہ یعنی فرانس اور برطانیہ کو اسلامی اقتدار کے تحت آجانے سے بچالیا اور قسطنطنیہ کے مفتوح ہو

جانے میں دیر لگی۔ وہ اپنے عیسائی قارئین کو بتاتا ہے۔

''اس تحقیق و تفتیش کے دوران میں ان واقعات کو منظر عام پر لاؤں گا جن سے ہمارے برطانوی آباؤ اجداد اور ہمارے ہمسایہ گال (یعنی فرانسیسی) قرآن کی معاشرتی و مذہبی حلقہ بگوشی سے بچے رہے، جن سے روم کا کروفر و عظمت و جلال محفوظ رہا۔ جن سے قسطنطنیہ کا محکوم ہو جانا رکا رہا اور جن سے ان کے (عیسائیوں) کے دشمنوں (مسلمانوں) کے اندر نفاق و زوال کی تخم ریزی ہو سکی۔''

(تاریخ عروج و زوال۔ رومۃ الکبریٰ)

اس عیسائی مؤرخ کی یہ مسرت کچھ زیادہ بے جا بھی نہیں۔ مجاہدین اسلام کی صفوں میں شہادت عثمانؓ کے بعد کے واقعات سے اگر انتشار و اضمحلال کی کیفیت رونما نہ ہوگئی ہوتی، جنگ جمل و صفین و نہروان میں تقریباً ستر اسّی ہزار کلمہ گو ایک دوسرے کی گردنیں کاٹ کر فنا نہ ہوگئے ہوتے، یورپ کا نقشہ کچھ اور ہی ہوتا۔ اور آج مسیحیت کے دیار و امصار میں ناقوس کلیسا کی آوازوں کے بجائے اذانوں کی آوازیں گونجتیں اور اس کے بعض خطوں میں حضرت اقبال کو ''خاموش اذانوں اور سجدوں کے پوشیدہ نشانیوں'' کا حسرت کے ساتھ ذکر نہ کرنا پڑتا۔ اور نہ گبن کو زبان طعن دراز کرنے کا موقع ملتا۔ وہ تو فیضان تھا حضرت معاویہؓ جیسے بزرگ صحابی کے حسن تدبر کا کہ ملت کی بگڑی حالت کو گویا آن واحد میں سنبھال لیا اور طبیب حاذق کی طرح قوم کی اندرونی عوارض کا فوری تدارک کر کے کاروانِ ملت کو جادہ پیمانی کے لئے پھر مستعد کر دیا۔ محدث دہلوی نے خلیفہ راشد کی خدمات پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

چناں کہ طبیب حاذق تدبیر صحت مریض و ازالہ مواد مرض او می نماید و حمیہ می فرماید ہم چناں ایں خلیفہ راشد جلب صحت طبیعت عالم می کند و ازالہ مادہ مرض می سازد و ارشاد حمیہ می

جس طرح حاذق طبیب مریض کی صحت اور مادہ مرض کی دفیعہ کی تدبیر کرتا ہے اور پرہیز بتاتا ہے اس طرح خلیفہ راشد طبائع اہل دنیا کی صحت و تندرستی کے حصول کا اور مادہ مرض

نماید۔ (ص۱۴۴، ج۱، ازالۃ الخفاء، طبع اول)

کے دفیعہ کا ازالہ کر دیتا ہے اور پرہیز بتا دیتا ہے۔

یہ خلیفہ راشد ہی کی خدمت تھی جو حضرت معاویہؓ نے انجام دی۔ اگر چہ حضرت علیؓ چند سوابق اسلامیہ کے اعتبار سے ذاتی طور سے ان پر فوقیت رکھتے تھے مگر اپنے ماحول کی وجہ سے مقاصد خلافت خاصہ انجام دینے سے قاصر رہے۔ محدث دہلوی نے بھی فرمایا ہے کہ:

مقاصد خلافت خاصہ علی وجھہا (درزمان علیؓ) متحقق نگشت بعد مرتضیٰؓ چوں معاویہؓ بن ابی سفیانؓ متمکن شد و اتفاق ناس بردے بحصول پیوست وفرقت جماعت المسلمین از میان برخاست دے سوابق[1] اسلامیہ نداشت۔۔۔۔الی آخرہ۔ (ص۱۳۲، ج۱، ازالۃ الخفاء، طبع اول)

(حضرت علیؓ کے زمانہ میں) خلافت خاصہ کے مقاصد اس کے مطابق پورے نہ ہوئے اور حضرت مرتضیٰؓ کے بعد جب حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ (خلافت پر) متمکن ہوئے اور ان کی ذات پر لوگوں کا اتفاق و اتحاد حاصل ہوگیا اور جماعت مسلمین کے درمیان سے تفرقہ اُٹھ گیا وہ اگر چہ سوابق اسلامیہ (بمقابلہ حضرت علیؓ کے) نہ رکھتے تھے۔ (مگر مقاصد خلافت کے برآئے)

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ پیران پیر فرماتے ہیں:

واما خلافة معاویه بن ابی سفیان فثابتة صحیحة. (ص۲۱، غنیۃ الطالبین)

لیکن (حضرت) معاویہ بن ابی سفیانؓ کی خلافت درست اور ثابت ہے۔

---

[1] شاہ صاحب اپنی جلالت قدر کے باوجود سبائی حضرات سے گلو خلاصی نہ پا سکے۔ سیدنا معاویہؓ کے سوابق ان کی سمجھ میں نہ آئے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں جانتے تھے جو کتاب وحی کی خدمت ان کے سپرد کی۔ حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ جانتے تھے جنہوں نے اہم ترین مناصب کا انہیں اہل جانا اور جمہور صحابہ کرام کو یہ سوابق معلوم تھے جن کی بناء پر انہوں نے ان کی خلافت پر اجماع کیا اور ارشاد نبوی ﷺ کی پیروی میں انہیں ہادی و مہدی باور کیا۔ اور اسی طرح ان کے حقوق کی رعایت کی جس طرح حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ کے حقوق کی کرتے تھے۔

پس ایسی خلافت کو جس میں ملت کا اتحاد و اتفاق قائم و برقرار رہا ہو اور اُمت مسلمہ ایک صحابی و کاتب وحی کے زیر قیادت اعلائے کلمۃ اللہ میں مصروف جہاد رہی ہو، زبردست فتوحات حاصل ہوئی ہوں، تمام اُمت امن و امان اور راحت و آرام سے زندگی بسر کرتی ہو، وہ خلافت خلافتِ راشدہ کیوں نہ کہلائے۔ کیا محض اس لئے اس کو ''ملک عضوض'' کا نام دیا جائے کہ خلیفہ راشد ''ازالہ مادہ عرض'' اور ''جلب صحت طبیعت عالم'' کی غرض سے ایسی تدابیر اختیار کرنے پر مجبور ہو جس کو آج کی اصطلاح میں ''مارشل لاء'' کہتے ہیں اور وہ بھی ایک علاقے سے فتنہ وفساد کے دفیعہ کیلئے۔

ایک حدیث وضع کی گئی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ قول منسوب کیا گیا کہ:

((الخِلَافَةُ فِي أُمَّتِيّ ثَلَاثُونَ سَنَةً ، ثُمَّ مُلكًا بَعدَ ذَلِکَ))

(مسند احمد، سنن الترمذی، السنن الکبری للنسائی، مسند ابی داؤد الطیالسی)

اس وضعی حدیث کے راوی حشرج بن نُباتہ العبسی کوفی ہیں وہ سعید بن جمہان سے اور وہ حضرت سفینہؓ سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری اُمت میں خلافت تیس برس رہے گی پھر اسکے بعد بادشاہت ہوگی۔ یہ حدیث بہ تغیر الفاظ ابو داؤد وغیرہ میں بھی ہے۔ اول تو اس کے راوی حشرج بن نباتہ العبسی کوفی تمام آئمہ رجال کے نزدیک ضعیف الحدیث اور لا یحتج بہ ہیں۔ منکر حدیث ہیں۔ یہ حشرج، سعید بن جمہان البصری سے روایت کرتے ہیں کہ جن کی وفات ۱۳۶ھ میں اور حضرت سفینہؓ کا انتقال ۷۴ھ میں ہوا۔ ان دونوں کے سنین وفات میں ۶۲ برس کا فرق ہے۔ پھر یہ سعید تو بصرہ کے رہنے والے تھے اور حضرت سفینہؓ مدنی ہیں وہیں اُن کی وفات ہوئی۔ انہوں نے یہ حدیث اُن سے کب، کیونکر اور کہاں سُنی۔ حضرت سفینہؓ کے علاوہ اور کسی صحابی نے ایسی حدیث کا جو نظام خلافت کو صرف تیس برس تک قائم رہنے کی پیشنگوئی کرتی ہو، روایت نہ کرنا ہی اس کے وضعی ہونے کا بین ثبوت ہے۔ اور صاف ظاہر

ہوتا ہے کہ یہ وضعی حدیث حضرت معاویہؓ کی خلافت کی تنقیص میں اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشن گوئی کے اثر کو زائل کرنے کے مقصد سے وضع ہوئی جو حضرت جابر بن سمرہ صوابیؓ سے مروی ہے اور صحاح کی اکثر کتب میں موجود ہے۔ نیز ترمذی میں یہ تصریح بھی ہے کہ اس بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی حدیثیں مروی ہیں۔

حضرت جابر بن سمرہ بیان کرتے ہیں:

((سَمِعتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَا يَزَالُ الاِسلَامُ عَزِيزًا اِلَى اثنَيْ عَشَرَ خَلِيفَةً ، كُلُّهُم مِن قُرَيشٍ)) (صحیح مسلم، باب الناس تبع لقریش والخلافۃ فی قریش، ح:۱۸۲۱)

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا کہ: دین اسلام قوت سے رہے گا یہاں تک کہ بارہ خلیفہ[1] ہوں اور وہ سب قریش سے ہونگے۔''

ان بارہ خلفاء میں پانچویں امیر المومنین معاویہؓ اور چھٹے امیر المومنین یزیدؒ ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشن گوئی کے خلاف جو عین مطابق واقعہ ہے حضرت معاویہؓ کی خلافت کو ''بادشاہت'' کا نام دیا جائے یا ''ملک عضوض'' کا اس کامیاب عہد کا مفاد ملیہ کے لئے مبارک ہونا واقعات تاریخ سے ثابت ہے جس کا اعتراف اس زمانہ میں خاص و عام کو ایسا تھا کہ دل کی گہرائیوں سے نکل کر زبان پر آتا اور شعراء کے قطعات میں اس کا اظہار ہوتا[2]۔ عرب کے مشہور شاعر الراعی عبید بن الحصین نے مندرجہ ذیل اشعار اُس زمانہ میں امیر یزیدؒ کو بھیجے تھے جب بہتیرے علم و دانش رکھنے والے اور نزاکت وقت اور ماحول کو سمجھنے والے دور اندیش و مخلص مسلمان حضرت معاویہؓ کو یہ مشورہ

---

[1] ایک فرقے نے شاید اسی بناء پر اپنے بارہ امام قرار دیئے جن میں سے بارہویں کو جن کی ولادت ہی مشکوک ہے کہتے ہیں کہ وہ صغرسنی میں غائب ہو گئے لیکن زندہ ہیں قرب قیامت میں ظاہر ہونگے۔

[2] کتاب اللہ شاہد ہے اور متفق علیہ حدیث بھی کہ خلافت نبوت کے عالموں کی کوئی خاص تعداد نہیں۔ ارشاد مبارک ہے کہ بنو اسرائیل کی سیاست ان کے انبیاء کے سپرد تھی۔ ایک نبی کی وفات پر دوسرا نبی اس کا جانشین ہوتا تھا۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں لیکن خلفاء ہوں گے اور بہت ہونگے۔ صحابہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ پھر ہمیں کیا ہدایت ہے؟ فرمایا: ''بس پہلے کے بعد پہلے کی بیعت کرو، ان کے حق ادا کرو، ان کی رعیت کی بابت اللہ اُن سے پوچھے گا۔'' یہ بارہ کی تحدید آخر عہد اُموی تک کے لئے ہے جو مسلمانوں کے انتہائی عروج کا زمانہ تھا۔

دے رہے تھے کہ سابقہ حالات کے پیش نظر وہ اپنی زندگی ہی میں خلافت کیلئے نامزدگی کا انتظام کر جائیں اور اس کیلئے وہ ان کے صاحبزادے یزیدؒ کا نام پیش کرتے تھے جن کی اہلیت سب کے نزدیک مسلم تھی۔ اور اُس عہد کی فوجی قوت جس کی قیادت متعدد معارک عظیمہ میں وہ کر چکے تھے کلیتاً اُن کے ساتھ ہی تھی۔ مگر حضرت معاویہؓ اور خود یزیدؒ بھی مصلحت وقت کا تقاضا سمجھنے اور عام رجحان کو دیکھنے کے باوجود جیسا کہ ابتدائی اوراق میں اشارۃً ذکر ہوا اس مسئلہ میں متأمل تھے۔ اگرچہ باپ کے بعد بیٹے کے ہاتھ پر بیعت ہو جانا کوئی نئی بات نہیں رہی تھی۔ حضرت علیؓ کے بعد اُن کے فرزند حضرت حسنؓ سے عراقیوں نے بیعت کر لی تھی۔ حضرت موصوف سے جب دریافت کیا گیا تھا تو آپ نے منع نہیں فرمایا تھا۔

شاعران اشعار میں امیر یزیدؒ کو مخاطب کرتا ہے کہ نزاکت وقت کا تقاضا یہی ہے کہ امیر یزیدؒ ولی عہدی قبول کر لیں، وہ کہتا ہے:

يزيد يا ابن أبي سُفيَان هل لكم	**الى ثناء وود غير منصرم**
اے یزید، اے ابوابوسفیان کے بیٹے!	(لوگوں کو) غیر منقطع مدح وثناء اور محبت
کیا تمہیں کچھ رغبت ہے	(ہر دلعزیزی) کی طرف
انا نقول ويقضي اللّٰه مقتدرًا	**وما يشأ ربنا من صالح يدم**
ہم لوگ کہہ رہے ہیں اور اللہ قدرت رکھتے	اور ہم لوگوں کا رب کسی اچھے کام کو چاہتا ہے
ہوئے ہم لوگوں کی بات پوری کرے گا	تو وہ کام برقرار رہ جاتا ہے
فاعهد نقاتلكم خذها يزيد وقل	**خذها معاوي غير العاجز الهرم**
اپنے سے جنگ کرنے والوں پر نگرانی[1]	اور اے معاویہ تم بھی اس پر قابض بنو
رکھو اور اے یزید اس خلافت کو حاصل کرو	کمزوری اور ناتوانی مت دکھاؤ

---

[1] غالباً یہ اشارہ ہے عبداللہ بن زبیرؓ کی طرف جو حضرت معاویہؓ اور یزیدؒ کے شروع سے ہی مخالف تھے اور اس ولی عہدی کی مخالفت انہوں نے کی تھی اور کرائی تھی۔

ولا تحط بها فِي غير داركم
اوراس (خلافت) کو (اپنے گھر کے سوا) کسی دوسرے گھر میں نہ اتارو

انی أخاف علیکم حیرة الندم
میں تمہارے بارے میں پشیمانی کی حیرانی سے ڈرتا ہوں

ان الخلافة ان تعرف لثالثکم
اگر یہ خلافت (تم دونوں کے سوا) کسی تیسرے کے لئے معروف ومنسوب ہوئی

تثبت معادنها[1] فیکم ولا ترم[2]
(جب بھی) اس کے مراکز تمہیں لوگوں میں باقی رہیں گے اور ہمیشہ رہیں گے (کیونکہ اس کی اہلیت تمہیں میں ہے اور کسی میں نہیں)

ولا تزال وفود فِي دیارکم
اور تمہارے ہی گھروں میں ہمیشہ لوگوں کے وفد آتے رہیں گے

فِي ظل أبلج سباق الی الکرم
ایک بشاش چہرے والے بزرگی وکرم کی طرف بڑے سبقت لے جانے والے کے زیرِ سایہ (یعنی معاویہؓ)

(انساب الاشراف بلاذری[3])

یہ اشعار اُس زمانے کے لوگوں کے خیالات کے مظہر ہیں کہ حضرت علیؓ کے ایام میں جس خوفناک انتشار کا ملت کو سابقہ پڑا تھا حضرت معاویہؓ کے بیس سال عہد خلافت میں بالکل دور ہوکر اتحاد و اخوت کی نعمتوں سے ملت اسلامیہ پھر متمتع ہوگئی۔ حکمرانی کی ایسی صلاحیت دوسروں میں نہ تھی۔ غرض یہ کہ جب ولی عہدی پایہ تکمیل کو پہنچ گئی اور کُل اُمت کی رائے اس کی موافقت میں ایک یا معدودے چند افراد کے علاوہ بلا کسی دباؤ کے جیسا تفصیلاً بیان ہو چکا خوش دلی سے حاصل ہوگئی تو شاعر نے یہ دو شعر اور لکھ کر امیر یزیدؒ کے پاس ارسال کئے۔

---

[1] معدن الشے مرکز (منتخب اللغات) [2] فلا ترم ولا یزال (تاریخ دمشق ابن عساکر)

[3] بنیادی طور پر انساب الاشراف میں مرقوم یہ اشعار ''طبقات فحول الشعراء'' مؤلف محمد بن سلّام بن عبیداللہ الجمحی بالولاء متوفی ۲۳۲ھ سے منقول ہیں۔

راحت كما راح أو تغدو كغدوته — عنس و خود عليها راكب يفد

ایک مضبوط تیز رفتار ناقہ ہے اور — وہ رات کو چلا تو چل پڑی دن کو

اس پر ایک سوار — چلا تو چل پڑی پیغام لایا ہے

تنتاب آل أبي سُفيَان واثقة — بسيب أبلج منجاز لما بعد

کہ ایک دریا دل ہنس مکھ اور — اب خلافت پر آل ابی سفیان ہی

وعدہ وفا کے حسن تدبیر سے — یکے بعد دیگرے فائز ہونگے

(انساب الاشراف بلاذری)

اسلامی عقیدے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین اور افضل البشر اور انسان کامل تھے۔ ڈبلیو منٹگمری واٹ ایک غیر مسلم مؤرخ بھی جنہوں نے حال ہی میں آپ ﷺ کی سیرت طیبہ پر دو کتابیں تالیف کی ہیں، یہ اقرار و اعتراف کرتے ہیں کہ مفکر و مدبر و منتظم ہونے کی حیثیت سے آپ ﷺ کی شخصیت فرزندان آدم میں عظیم ترین شخصیت تھی۔ وہ لکھتے ہیں:

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ابتدائے اسلام کے تاریخی حالات پر کوئی شخص جتنا زیادہ غور و حوض کرے اس کو آپ کی کامرانی و کامیابی کی وسعت و عظمت پر اتنا ہی زیادہ استعجاب ہوگا۔''

اسی کے ساتھ اس مؤرخ نے عہد نبوی ﷺ کے حالات کا غائر مطالعہ کرنے کے بعد لکھا ہے کہ آپ نے کمال فراست و مردم شناسی سے انتظامی امور کی انجام دہی کیلئے موزوں افراد کو پسند فرمایا تھا۔ اور یہ ثابت ہے کہ آپ کے عمال میں غالب اکثریت بنی اُمیہ کی تھی۔ اور جیسا آپ پچھلے اوراق میں پڑھ چکے ہیں کہ آپ ﷺ نے حضرت ابوسفیانؓ، ان کے فرزاندان حضرت یزیدؓ اور حضرت معاویہؓ کو متعین فرمایا۔ خلافت صدیقی و فاروقی میں حضرت یزید بن ابوسفیانؓ اور حضرت معاویہؓ نے کیسی کیسی اہم خدمات ملّیہ انجام دیں، جن اشخاص کو خود حضور سرور کائنات ﷺ نے پسند اور منتخب فرمایا ہو ان میں سے جو فرد بھی زمام خلافت ہاتھ میں لے یقیناً وہ خلیفہ راشد ہے اور اس کی خلافت، خلافتِ راشدہ ہے۔ پھر آپ ہی کی پیشن گوئی کے اعتبار سے حضرت معاویہؓ اور ان کے فرزند امیر یزیدؒ بارہ خلفاء کے زمرہ میں شامل ہیں۔

سیاسی اختلافات اپنی جگہ اور نظام خلافت اپنی جگہ۔ ملت میں سوائے خلیفہ کے نہ کوئی دوسرا امیر المومنین ہوسکتا تھا اور نہ امام۔ لفظ امام خلفاء ہی کیلئے مخصوص تھا۔ بعد میں علم حدیث و فقہ کے ماہرین کیلئے بھی استعمال ہونے لگا۔ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ نے حضرت معاویہؓ سے بیعت کی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے امیر یزیدؒ سے بیعت نہیں کی مگر اُن کے جیتے جی اپنی خلافت کی بھی بیعت نہ لی۔ اُن کے انتقال کے بعد جب بیعت لی تو کسی ہاشمی نے اُن سے بیعت نہیں کی۔ دیگر اہل خاندان کی طرح حضرت علی بن الحسینؒ اور ان کے فرزند جناب محمد بن علی (الباقرؒ) اور ان کے اخلاف سب خلیفہ وقت کی بیعت میں برابر شامل رہے۔ جناب علی بن موسی (الرضا) اور ان کے فرزند محمد بن علی خلیفہ وقت کے داماد بھی تھے اور ان کی بیعت میں شامل۔

کتب تاریخ کی تصریحات سے ثابت ہے کہ یہ سب حضرات خلیفہ وقت کو امیر المومنین کے خطاب سے مخاطب کرتے تھے۔ غرضیکہ ملت کے سیاسی نظام میں وہی فرد خلیفہ و امام تھا جس کو ملت کے داخلی و خارجی امور کی انجام دہی کا اختیار کامل حاصل تھا۔ کوئی دوسرا شخص نہ ان القاب سے مخاطب ہوسکتا تھا اور نہ کیا جاسکتا تھا۔ ملت کی سربراہی اپنے وقت میں جیسی آل ابوسفیان کی کامیاب رہی اس کا ثبوت کتب تاریخ کے علاوہ آثار قدیمہ سے بھی ہوتا ہے۔ اگرچہ خلافت میں نہیں لیکن کاروبار خلافت اور انتظام مملکت کی بہترین انجام دہی میں حضرت معاویہؓ کے سوتیلے بھائی امیر زیاد اور اُن کی اولاد کا ممتاز حصہ رہا۔ حضرت حسینؓ کے واقعہ حزن انگیز میں امیر ابن زیاد کو متہم کیا جاتا ہے۔ لیکن بے لاگ تحقیق میں ان کا کوئی قصور ثابت نہیں ہوتا اور اگر کوئی قصور ہوتا تو امیر المومنین یزیدؒ ان کو سزا دیئے بغیر کیسے چھوڑ سکتے تھے۔

شرقی ممالک کی ابتر حالت سنبھالنے میں اس خاندان نے جو نمایاں خدمات انجام دیں ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ پہلوی زبان کے رسم الخط میں امیر زیاد اور ان کے فرزند مسلم بن زیاد کے مونوگرام اور طغروں سے جو اس عہد کے سکہ جات پر کندہ ہیں ان کی حکمرانی کی وسعت اور قوت و استحکام کا قدرے اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اُس زمانے میں ملت کی سیاسی قیادت اور مملکت کی

انتظامی مشین کی درستی آل ابوسفیان ہی کے تجربہ کار ہاتھوں میں تھی۔مگر وضعی روایات میں صورت حال کو جس قدر مسخ کر کے بیان کیا گیا ہے اس کی کوئی حد نہیں۔طرح طرح کے بہتان تراشے گئے اور مسلسل پروپیگنڈے سے تشہیر کی گئی۔

مفتریات واہیہ :

امیر یزیدؒ کے کردار کے بارے میں یہ جتنے بہتان زبان زد خاص و عام ہیں، سبائی راویوں کے تراشیدہ اور بیان کردہ ہیں۔مؤرخین نے جن لوگوں کی سند سے یہ باتیں بیان کی ہیں ان میں اکثر کو آئمہ رجال نے کذاب کہا ہے۔مثلاً مؤرخ بلاذری نے جن روایوں کے سلسلہ روایت سے مے نوشی سے مدہوش ہو کر نماز ترک کر دینے، گانے بجانے والی چھوکریوں کو رکھنے، شکاری کتوں باز و بندروں کو پالنے وغیرہ کی روایتیں درج کی ہیں، ذرا اُن کی کیفیت ملاحظہ ہو۔ بلاذری لکھتے ہیں:

حَدَّثَنِي العَمرِيّ عَن الهَيثَم بن عدي عَنِ ابن عياش و عوانة وعن هشام ابن الكلبي عَن أبيه وأبي مخنف وغيرهما.

(ص ۱، ج ۴، انساب الاشراف مطبوعہ یروشلم)

العمری نے مجھ سے بیان کیا، اُن سے الہیثم بن عدی نے اُن سے ابن عیاش وعوانہ نے اُن سے ہشام بن کلبی نے اُن سے اُن کے باپ نے اور (اسی طرح) ابو وغیرہ (نے بھی بیان کیا ہے)۔

ابومخنف کو تو آپ جانتے ہیں آئمہ رجال نے کذاب کہا ہے۔مندرجہ بالا راویوں میں پہلا راوی ہشام کا باپ محمد بن سائب الکلبی ابوالنصر کوفی غالی سبائی اس خیال وعقیدے کا تھا کہ جبریل فرشتہ وحی الٰہی غلطی سے حضرت علیؓ کے بجائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا۔ اس کو بھی آئمہ رجال کذاب کہتے ہیں۔(ص ۶۲، ج ۳، میزال الاعتدال، ذہبی)

دوسرا پہلے راوی کا بیٹا ہشام متوفی ۲۰۴ھ ہے۔جس کو ابن عساکر نے رافضی نا قابل اعتماد کہا ہے اور دارقطنی نے متروک الحدیث (ص ۲۵۶، ج ۳، ایضاً)۔تیسرے راوی ابن

عیاش کو بھی اسی طرح منکر الحدیث بتایا جاتا ہے۔ چوتھا راوی الہیثم بن عدی ہے جس کو امام بخاری نے ناقابل اعتماد اور کذاب کہا ہے نیز ابو داؤد نے بھی جھوٹا بتایا ہے (ص ۲۵۶ ج ۳ ایضاً)۔ پانچویں راوی العمری متوفی ۲۲۹ھ کو بھی آئمہ رجال ضعیف الحدیث کہتے ہیں (ص ۳۵۴، ج ۳ ایضاً)۔ ان کے علاوہ اور دو ایک اسی قماش کے راوی ہیں جن کی زبانی یہ خرافات مشتہر ہوئیں۔ لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی امیر یزیدؒ کا زمانہ نہیں پایا۔ کوئی سو برس بعد کا ہے کوئی ڈیڑھ سو برس کوئی دوسو برس بعد کا۔ کسی عینی شاہد کی کوئی روایت بیان نہیں کی گئی۔ اس کے برخلاف جو بزرگ امیر موصوف سے ذاتی واقفیت رکھتے تھے، ان کے پاس مقیم رہے تھے اور شب و روز کے معمولات کے عینی شاہد تھے یعنی حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ، حضرت محمد بن علیؒ (ابن الحنفیہ)، حضرت علی بن الحسینؒ (زین العابدین) وغیرہم وہ سب امیر المومنین یزیدؒ کی نیکوکاری، صوم وصلوٰۃ کی پابندی، پرہیزگاری اور علم وفضل کے معترف رہے اور مے نوشی وغیرہ کے جو بہتان سیاسی مخالفت میں ان پر عائد کئے گئے اُن کی پُرزور تردیدیں کیں۔ یہ سب بزرگ ان کی بیعت پر مستقیم رہے اور باغیوں کی حرکات سے متنفر۔ بایں ہمہ ایک طبقے نے ان خرافات ک پروپیگنڈہ اس شدومد سے مسلسل اور متواتر کیا کہ اس کذب ودروغ وبدگوئی کو بھی لوگ سچ سمجھنے لگے۔ نازی پارٹی کے ڈائریکٹر نشر واشاعت گوئبلز نے جھوٹ کو سچ کر دکھانے کے سلسلہ میں بتایا تھا کہ کیسا ہی سفید یا سیاہ جھوٹ بولو بے دھڑک بولو، شدومد سے بولو اور مسلسل ومتواتر بولو اور پروپیگنڈہ کرو تو بالآخر لوگ جھوٹ کو سچ سمجھنے لگیں گے[1]۔ یہی حالت اور کیفیت ان بہتانوں کے پروپیگنڈے کی ہوئی۔ طرح طرح کے قصے اور حکایتیں تراشی گئیں۔ جن میں سے ایک لغو روایت جس کو کتاب الاغانی کے غالی مؤلف نے درج کیا ہے، مثالاً پیش کی جاتی ہے۔ مؤلف مذکور امیر یزیدؒ کے سفر حج کی یہ حکایت لکھتے ہیں کہ:

---

[1] یہ طریقہ کار یہودیوں کا چلن رہا ہے جسے روافض وسبائی گروہ نے خوب استعمال کیا اور گوئبلز چونکہ خود یہودی تھا اسلئے اپنی قوم کے اس طریقہ کار کو سائنٹفک طریقہ سے استعمال کرنے کا جدید دور میں بانی کہلایا۔

ولـمّـا حـجّ[1] فـي خلافة أبيـه جلـس بـالـمـديـنة عـلى شراب، فاستأذن عـليه عبداللّه بن عباس، والحسين بـن عـلـي، فأمر بشرابه فرفع وقيل لـه: انّ ابـن عبـاس ان وجـد ريح شـرابک عـرفـه. فحجبـه وأذن لـلـحسيـن، فلما دخل وجد رائحة الشـراب مـع الـطّيب فقال: للّه درّ طيبک هـذا مـا أطيبـه، ومـا كنت أحسـب أحـدا يتـقـدّمـنا في صنعة الـطيـب، فـمـا هـذا يـا ابن مُعَاوِيَةَ؟ فـقـال: يـا أبـا عبـداللّه، هذا طيب يـصـنـع لـنـا بـالشأم. ثم دعا بقدح فشـربـه، ثـم دعا بقدح آخر فقال: اسق أبـا عبـدالـلّـه يـا غلام. فقال الـحسيـن: عـليک شرابک أيها الـمـرء، لا عيـن عـليک مـنّي. فشرب.

(ص۶۱، ج۱۳، کتاب الاغانی)

یزید نے جب اپنے والد کے زمانہ میں حج کیا تو مدینہ آ کر شراب نوشی کر رہے تھے کہ اتنے میں عبداللہ بن عباسؓ و حسین بن علیؓ نے آنے کی اجازت چاہی۔ (یزید نے) شراب لانے کا حکم دیا پھر ہٹوا دیا کیونکہ ان سے کہا گیا کہ ابن عباسؓ کو اگر تمہاری شراب کی بُو آ گئی تو پہچان جائیں گے۔ اسلئے شراب کو چھپا دیا۔ پھر حسینؓ نے آنے کی اجازت چاہی وہ جب داخل ہوئے تو انہیں خوشبودار شراب کی خوشبو آئی۔ (حسینؓ نے یزیدؒ سے) کہا تمہاری یہ خوشبو کیسی اچھی ہے۔ مجھے تو یہ گمان بھی نہ تھا کہ خوشبو کہ صنعت میں کوئی ہم سے سبقت[2] لے جائے گا۔ اے ابن معاویہ! یہ کیا خوشبو ہے؟ (یزید نے کہا) اے ابوعبداللہ[3] یہ خوشبو ہمارے لئے شام میں بنائی جاتی ہے۔ پھر انہوں نے ایک پیالہ منگایا اور پیا پھر ایک اور پیالہ منگا کر چھوکرے سے کہا کہ یہ ابوعبداللہ کو پلاؤ۔ اس پر (حضرت حسینؓ نے) کہا کہ اے شخص یہ شراب اپنی تم اپنے لئے ہی رہنے دو میری نظریں تم پر نہیں (گویا میں منہ پھیر لیتا ہوں تم پی جاؤ) پھر انہوں نے پی لی۔

---

[1] کتاب الاغانی میں لفظ ''رجع'' استعمال ہوا ہے۔

[2] حضرت حسینؓ کے دادا ابو طالب بن عبدالمطلب خوشبوؤں اور عطریات کی تجارت کرتے تھے اور یہ اشیاء اپنے ہاں تیار کراتے تھے۔ یہ اشارہ اسی صنعت کی جانب ہے۔

[3] حضرت حسینؓ کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔

اس حکایت کے وضع کرنے والے نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ امیر یزیدؒ مے نوشی کر رہے تھے۔ اس کیلئے ''شراب'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا اطلاق مسکّر اور غیر مسکّر دونوں پر ہوتا ہے پھر یہ تو خوشبودار شراب تھی بمعنی شربت۔ لغت میں شراب کے معنی ہیں کل مائع یشرب یعنی ہر رقیق چیز جو پی جائے وہ شراب ہے۔ قرآن شریف میں ہے:

يَخرُجُ مِن بُطُونِهَاشَرَابٌ مُختَلِفٌ أَلوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ ۔(النحل:٦٩)

وہ شراب (پینے کی چیز) جو ان کے بطون سے مختلف رنگوں کی نکلتی ہے جس میں لوگوں کیلئے شفاء ہے۔ یعنی شہد۔

اسی طرح شراب کا لفظ احادیث میں شربت کیلئے آیا، مثلاً: '' أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ أُتِيَ بِشَرَابٍ فَشَرِبَ مِنهُ.'' (صحیح البخاری، کتاب الاشربہ، ح:۵۶۲۰)

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شراب لائی گئی پس آپ نے بھی پی یعنی شربت نوش فرمایا۔''

اسی طرح دیگر کتب احادیث مؤطا (ج ۲، ص ۱۶۱) و ترمذی (ص ۹۱) میں لفظ شراب شربت ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہ ایک لفظ ہے جس کا اطلاق جیسا عرض کیا مسکّر و غیر مسکّر دونوں پر ہوتا ہے۔ شراب شام (مثلث) چونکہ نشہ آور نہ تھی حضرت فاروق اعظمؓ نے ملک شام کے سفر کے موقع پر اس کے استعمال کی اجازت دی تھی۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ معترض ہوئے تو آپ نے فرمایا میں نے کسی حرام چیز کو حلال نہیں کیا۔ شراب شام (مثلث) میں نشہ (سکّر) نہیں اسلئے حلال ہے (مؤطا امام مالک)۔ آپ کے مکتوب موسومہ حضرت عمار بن یاسرؓ میں اس کی مزید تصریح ہے۔

مَا رُوِيَ عَن سَيِّدِنَا عُمَرَ أَنَّهُ كَتَبَ الَى	حضرت عمرؓ نے عمار بن یاسرؓ کو لکھ بھیجا تھا
عَمَّارِ بنِ يَاسِرٍ : اِنِّي أُتِيت بِشَرَابٍ	کہ میرے پاس ملک شام سے شراب آئی
مِن الشَّامِ طُبِخَ ذَهَبَ ثُلُثَاهُ وَبَقِيَ ثُلُثُهُ	ہے وہ پکائی گئی یہاں تک کہ اس کا دو تہائی

يَبقَى حَلالُهُ وَيَذهَبُ حَرَامُهُ وَرِيحُ جُنُونِهِ فَمُر مَن قِبَلَک فَليَتَوَسَّعُوا مِن أَشرِبَتِهِم.
(ص۱۱۵، ج۵، بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع)

جل گیا اور ایک تہائی باقی رہ گیا۔ حلال باقی رہ جائے گا نشہ کرنے والی اُڑ جائے گی۔ پس تم اپنے یہاں کے لوگوں کو حکم دے دو کہ وہ اپنے مشروبات میں وسعت پیدا کر سکتے ہیں (یعنی استعمال کر سکتے ہیں)۔

اسی شراب شام (مثلث) کو صحابہ و تابعین کی طرح امیر یزیدؒ بھی خوشبوئیں شامل کر کے استعمال کرتے تھے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ تو اس شراب شام (مثلث) کے استعمال کو شرائط اہل سُنت والجماعت میں شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

احلَالَ المُثَلَّثِ مِن شَرَائِطِ مَذهَبِ السُّنَّةِ وَالجَمَاعَةِ، وَأَن لَا يَحرُمَ نَبِيذَ الخَمرِ، لِمَا أَنَّ فِي القَولِ بِتَحرِيمِهِ تَفسِيقَ كِبَارِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنهُم، وَالكَفُّ عَن تَفسِيقِهِم، وَالإِمسَاكُ عَنِ الطَّعنِ فِيهِم مِن شَرَائِطِ السُّنَّةِ وَالجَمَاعَةِ.
(ص۱۱۶، ج۵، بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع)

مثلث (شراب شام) کو حلال سمجھنا اہل سنت والجماعت ہونے کے شرائط میں سے ہے۔ اور نبیذ کو حرام نہ سمجھنا بھی کیونکہ اس کو حرام سمجھنے میں بڑے بڑے صحابہ کو مبتلائے فسق کرنا لازم آتا ہے اور صحابہ کو مبتلائے فسق نہ کرنا اور ان کے طعن سے زبان روکنا بھی منجملہ اہل سُنت والجماعت ہونے کے شرائط میں سے ہے۔

مثلث (شراب شام) کے استعمال سے جب اہل سُنت والجماعت کے محترم امام کے فتوے کے بموجب کسی پر زبان طعن دراز نہیں کی ہوسکتی، اس کو فاسق و فاجر نہیں کہا جاسکتا تو امیر المومنین یزیدؒ کو اس بارے میں کیوں مستثنیٰ کیا جائے۔ محض سیاسی مخالفت کے پروپیگنڈے کی بناء پر؟

عجم میں لفظ شراب کا اطلاق خمر پر ہوتا ہے۔ عرب میں خمر خاص ہے اور شراب تمام مشروبات پر حاوی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے اس کی تائید مزید ہوتی ہے یعنی:

" حُرِّمَتِ الخَمرُبِعَینِهَا ' وَالسَکرُ مِن کُلِّ شَرَابٍ."

(کتاب الاشربہ،سنن النسائی، ح:۵۶۸۴)

یعنی خمر اصلاً حرام ہے اور پینے کی جس چیز میں نشہ ہو وہ بھی۔ **لا عبرة التسمية**

مشروبات میں کسی شربت پر عربی لفظ شراب کا اطلاق ہونے سے کہ اس میں نشہ نہ ہو حرام نہیں ہو جاتا۔ اغانی کی مندرجہ بالا حکایت میں شراب کا لفظ اُسی خوشبودار شربت مثلث (شراب شام) کیلئے ہے اور وہ ایسا خوشبودار تھا کہ اگر یہ روایت صحیح ہے تو حضرت حسینؓ کو اس کی خوشبو پر تعجب ہوا۔ یہ شربت (مثلث) اہل شام کو مرغوب تھا ایسے ہی اہل عراق کو نبیذ مرغوب تھی۔ یہ دونوں غیر نشہ آور مشروبات تھے جو صحابہ و تابعین استعمال کرتے تھے۔ اور جیسا ابھی ذکر ہوا شراب شام (مثلث) اور نبیذ کے استعمال کو حرام نہ سمجھنا تو امام ابوحنیفہؒ نے شرائط اہل سُنت والجماعت میں سے قرار دیا ہے۔ چنانچہ اسی قسم کے شربت کو سراب الصالحین کا نام دے کر لوگ پیتے پلاتے اور لطف اندوز ہوتے ہیں۔ شراب شام کی جب یہی نوعیت ہو تو ایک حلال اور دوسری حرام ایں چہ بوالعجبی است۔

وجد و منع بادہ اے زاہد تو کافر نعمتی است
دشمن مے بودن و ہمرنگ مستان زیستن

عجیب عجیب لغو قصے اور مہمل حکایتیں امیر یزیدؒ کو بادہ پرستی سے متہم کرنے کیلئے تراشی گئیں جیسے اغانی کی مندرجہ بالا حکایت ہے۔ آج کے شر القرون میں بھی اُم الخبائث کے اعلانیہ استعمال کی جب جسارت نہیں کی جاتی تو خیر القرون کے ممتاز تابعی پر جس نے یدوشعور سے صحابہ کبار کی صحبت و مجالست کی سعادت حاصل کی ہو اور جو فریضہ حج کی ادائیگی کی غرض سے اور امیر حج کی حیثیت سے دمشق سے ارض مقدس حجاز پہنچا ہو، یہ بہتان باندھنا کہ مدینہ منورہ میں بیٹھ کر جہاں کے دو ممتاز ہاشمی اور فاروقی خانوادوں کی خواتین اس کے حبالہ عقد میں ہوں بادہ نوشی کر رہا تھا کہ اتنے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حسین بن علیؓ ملاقات کو تشریف لائے۔ حضرت حسینؓ نے شراب کی

خوشبو کی تعریف کی تو دو قدحے منگوائے ایک خود پیا اور دوسرے سے ان کی تواضع کی، انتہائی لغو بیانی ہے۔ پہلی بات تو اس حکایت کے بارے میں قابل لحاظ یہ ہے کہ امیر یزیدؒ ہر حیثیت سے ان کے خورد تھے۔ سن وصال میں بھی اور رشتے وقرابت میں بھی۔ ایک رشتے سے حضرت حسینؓ کے خسر ہوتے تھے اور دوسرے رشتے سے بہنوئی۔ اپنے ایسے محترم بزرگ کے سامنے جو علو مرتبت کے ساتھ اتقاق اور پرہیزگاری میں شان امتیاز رکھتے ہوں امیر موصوف کو مے نوشی کی مجال ہی کب ہوسکتی تھی۔ چہ جائیکہ بادہ مے سے اپنے بزرگ کی تواضع کرنا اور اگر ان جیسے سنجیدہ اور متین خورد نے ایسی گستاخی کی جسارت بحالت نشہ بھی کی ہوتی تو حضرت حسینؓ کیوں خاموش رہتے۔ وہ تو اپنے اس عزیز کی وہ گوشمالی کرتے کہ سارا نشہ ہی ہرن ہو جاتا۔

اس لغو حکایت کے وضع کرنے والے نے اس کا بھی لحاظ نہ کیا کہ کیسی واہی بات کس کے بارے میں کہہ رہا ہے۔ یعنی حضرت حسینؓ سے یہ قول منسوب کر رہا ہے **علیک شرابک أیها المرء ' لا عین علیک منّي** (اے شخص تیری شراب تجھے سزاوار ہم تجھے نہیں دیکھ رہے بالفاظ دیگر ہم نظر بچائے لیتے ہیں تُو نوش کر جا)۔ کس درجہ مہمل قصہ تراشہ ہے اگر کچھ بھی اصلیت اس حکایت کی سمجھی جائے تو یہ ہوسکتی ہے کہ اپنے محترم بزرگ کی تشریف آوری پر اسی خوشبودار شربت سے شراب شام کہلاتی تھی، تواضع کی گئی ہوگی۔ اس کی خوشبو کے بارے میں کہا گیا ہے کہ حضرت حسینؓ نے تعریف بھی کی تھی۔ لیکن ''قدح آخر'' کے پینے سے جیسا اس حکایت میں بیان ہوا ہے حضرت حسینؓ کا پرہیز کرنا نشہ آور چیز کے پینے سے پرہیز کرنا نہ تھا بلکہ مرض برسام کی وجہ سے خوشبودار ٹھنڈے شربت کے استعمال کرنے میں احتیاط برتی ہوگی۔

یہ عارضہ حضرت حسینؓ کو اپنے والد محترم کے زمانہ قیام عراق میں عارض ہوا تھا جو مزمن صورت اختیار کر گیا تھا اور اسی لئے ضروری تھا کہ آپ اس قسم کے مشروبات سے پرہیز کریں۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ زبان اور آلات تکلم متاثر تھے۔ ابن جریر طبری نے فرزدق شاعر کا یہ اسی کے بیٹے لبطہ کی سند اور ہشام کلبی جیسے غالی راوی کی روایت سے نقل کیا ہے کہ:

''جب میں نے حضرت حسینؓ سے حدود حرم کے اندر ملاقات کے وقت مناسک حج اور دعائیں معلوم کیں اور آپ نے مجھے بتائیں تو آپ کی زبان میں ثقل تھا۔''

فرزدق کے الفاظ ہیں:

'' واذا هُوَ ثقيل اللسان من برسام اصابه بِالعِرَاقِ.'' (ص ۲۱۸، ج ۶، طبری)

یعنی مرض برسام کی وجہ سے جو عراق (کے قیام) میں آپ کو عارض ہو گیا تھا، ثقیل اللسان تھے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فضل آپ کے شامل حال ہوا کہ اس مرض کے دیگر عوارض اور شدائد سے جو اختلاط ذہنی وغیرہ کے عارض ہو جاتے ہیں، آپ محفوظ رہے[1]۔ زبان موٹی پڑ جانے سے البتہ منہ سے بولنے میں تکلف ہوتا تھا ناک کی مدد سے بولنا پڑتا تھا۔ علامہ ابن کثیر نے شہاب بن حراش راوی کے عزیز کی جس نے عراق میں آپ سے بات چیت کی تھی یہ روایت نقل کی ہے۔

فَلَقِيتُ حُسَينًا ' فَرَأَيتُهُ أَسوَدَ الرَّأْسِ وَاللِّحيَةِ' فَقُلتُ لَهُ: السَّلَامُ عَلَيكَ أَبَا عَبدِاللَّهِ. فَقَالَ: وَعَلَيكَ السَّلَامُ. وَكَانَت فِيهِ غُنَّةٌ. (ص ۱۶۹، ج ۸، البدایہ والنہایہ)	اور میں نے حضرت حسینؓ سے ملاقات کی اور ان کے سر اور ڈاڑھی کے بال سیاہ دیکھے پھر میں نے اُن سے کہا: السلام علیک یا ابو عبداللہ، اُنہوں نے فرمایا: وعلیک السلام۔ اور وہ نام میں بولتے تھے۔

شاید اسی مزمن مرض ہی کے اثرات کا سبب ہو کہ آپ کی نسل کے بعض اشخاص کے

---

[1] مرض برسام کے بارے میں عہد مامون کے مشہور عراقی طبیب علی بن العباس المجوسی لکھتے ہیں: '' البرسام وهی ورم يتحدث فی الحجاب و يتبع ذلک اخطلاطا لذهن لما قيادی عنه الضروا لی الدماغ بالمشاركة.'' (ص ۳۵۷، کامل الصناعۃ الطبیہ، مطبوعہ مصر) یعنی حجاب حاجز کے ورم کو برسام کہتے ہیں۔ اس ورم کے نتیجے میں دماغ کو بالمشارکت صدمہ پہنچتا ہے اور ذہن میں اختلاط واقع ہو جاتا ہے یعنی مریض خبط الحواس ہو جاتا ہے۔

''بر'' صدر و سینہ کو کہتے ہیں (ص ۴۵، العرب للجوالیقی)۔ برسام اور سرسام دو جداگانہ مرض ہیں۔ برسام کو ''المومم'' بھی کہتے ہیں (حاشیہ لسان العرب)۔ شعاء الغلیل للخفاجی (ص ۳۱۴ طبع مصر) میں برسام اور سرسام کو ایک ہی مرض کہا ہے مگر سرسام سے سر متاثر ہوتا ہے اور برسام سے ورم حاجز عارض ہو جاتا ہے جس کا ابتدائی اثر آلات تکلم پر پڑتا ہے۔

تکلم کی بھی یہی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ یہی شہاب بن حراش کہتے ہیں کہ آپ کے پوتے (جناب زید بن علی بن حسین) بھی اسی طرح بولتے تھے۔

فَحَدَّثتُ بِهِ زَيدَ بنَ عَلِيٍّ فَأَعجَبَهُ وَكَانَت فِيهِ غُنَّةٌ. قَالَ سُفيَانُ بنُ عُيَينَةَ: وَهِيَ فِي الحُسَينِيِّينَ.
(ص۱۶۹، ج۸، البدایہ والنہایہ)

(شہاب نے کہا) میں نے زید بن علی بن حسین سے وہ بات بیان کی جو اُنہیں بڑی اچھی لگی۔ وہ بھی ناک میں بولتے تھے اور سفیان بن عیینہ کہتے تھے کہ حسینیوں میں چیز پائی جاتی تھی۔

اگر یہ واقعہ یہی ہے جیسا کہ روایت میں بیان ہوا ہے تو ظاہر ہے کہ ایسے مزمن مرض کی وجہ سے جس سے آلات ''تکلم'' متاثر تھے، حضرت حسینؓ نے ٹھنڈے شربت کا قدح آخر نوش کرنے سے پرہیز کیا ہوگا اور اس حالات مرض میں پرہیز ہی کرنا چاہیئے تھا۔ مگر امیر یزیدؒ پر بہتان تراشی کی غرض سے اس حکایت کے وضع کرنے والے نے اس ''قدح آخر'' کو ''قدح مے'' سے تعبیر کر کے یہ مہمل قول آپ سے منسوب کر دیا۔ امیر یزیدؒ کو اگر بادہ پرست و مے گسار جانتے تو ملاقات ہی کو کیوں تشریف لاتے۔ تین سال تک متواتر امیر یزیدؒ امیر حج کے فرائض ادا کرتے رہے۔ حضرت حسینؓ اور دیگر صحابہ و تابعین میں سے کسی نے بھی اُن کی اقتداء میں مناسک حج ادا کرنے سے انکار نہیں کیا[1]۔ جہاد قسطنطنیہ میں سپہ سالار تھے۔ اکابر صحابہ کی جماعت بشمول حضرت حسینؓ ان کی فوج میں شامل تھی۔ ان میں سے کسی نے بھی ایک ''بادہ پرست'' کی قیادت پر اعتراض نہ کیا۔ ظاہر ہے کہ مے نوشی کے یہ بہتان بعد میں تراشے گئے ہیں۔ حضرت حسینؓ نے خلافت کیلئے اپنے آپ کو زیادہ اہل سمجھا اور بلاشبہ وہ امیر یزیدؒ سے بعض فضائل ذاتی میں برتر تھے اور اپنی برتری کا گفتگوؤں میں اظہار بھی فرماتے تھے لیکن اپنی زبان سے کبھی امیر یزیدؒ کو بادہ گسار و مے نوش نہیں کہا۔ ان اتہامات کی اگر کچھ بھی اصلیت ہوتی تو آپ جیسے نڈر اور شجیع شخصیت کو اظہار حقیقت سے کیا

[1] حضرت حسینؓ نے اپنی زندگی میں ۳۵ حج کئے جن میں سے متعدد پا پیادہ کئے۔ (کتاب نسب قریش ص ۲۵)

چیز مانع ہوسکتی تھی۔آپ امیر یزیدؒ کے ذاتی حالات سے بخوبی واقف تھے ان کو نہ مے نوش جانتے تھے اور نہ فاسق وفاجر۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے بارے میں راویوں نے بیان کیا ہے کہ امیر یزیدؒ کو شرب خمر سے متہم کرتے تھے مگر اپنے ذاتی علم سے نہیں، سُنی سُنائی باتوں سے۔ بلاذری کی مندرجہ ذیل روایت سے بھی اس کا انکشاف ہوجاتا ہے۔

ثم بسط ابن الزُّبَيرِ لسانه فِي يزيد بن مُعَاوِيَة وتنقصه وقال: لقد بلغني أنه يصبح سكران ويمسي كذلك. (ص۲۱، ج۴، انساب الاشراف)	ابن زبیرؓ نے یزید بن معاویہ کے بارے میں اپنی زبان کھولی اوران کی تنقیص کی اور کہا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ نشہ کی حالت میں وہ صبح کرتے ہیں ایسے ہی شام۔

گویا انہوں نے اپنی زبان ہی سے یہ اقرار کیا کہ یزیدؒ کی شراب نوشی کا کوئی ذاتی علم ان کو تھا لوگوں سے سُن سُنا کر اپنی زبان کھولی تھی۔امیر المومنین یزیدؒ نے بعض لوگوں کو جو یہ جھوٹی باتیں کہتے تھے دروغ گوئی کی سزا بھی دی تھی۔حضرت ابن الزبیرؓ پر اُن کو بہت غصہ آیا اور سخت کارروائی کا تہیہ کیا۔حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ اوران کے فرزند معاویہ ثانی نے کہا۔

يا اميرالمؤمنين ان ابن الزبير رجل ابى لجوج فدعى على امره. (ص۲۰، ج۴، انساب الاشراف)	اے امیرالمومنین ابن زبیرؓ ضدی اور جھگڑالو شخص ہیں اُنہیں اُن ہی کے حال پر چھوڑ دیجئے۔

مگر یہ مشورہ قبول نہ ہوا۔اپنی قسم پوری کرانے کیلئے اُن کو گرفتار کرانا چاہا۔ چند افسر بھیجے جن میں ایک افسر عبداللہ بن عضاۃ الاشعری بھی تھے۔اُن سے اور حضرت ابن الزبیرؓ سے جو گفتگو ہوئی بلاذری نے الہیثم وغیرہ کی روایت سے اس طرح نقل کی ہے۔عضاۃ کو دوسری جگہ عضام بھی لکھا ہے۔

قَالَ ابن الزُّبَيرِ لابن عضاه: انّما انا حمام هذا المسجد، أفكنتم قاتلي حمامةٍ من حمام المسجد؟

ابن زبیرؓ: میں تو مسجد الحرام کے کبوتروں میں سے (گویا) ایک کبوتر ہوں کیا تم لوگ کبوتران حرم سے بھی لڑائی کرو گے؟

ابن عضاہ نے یہ الفاظ اُن کے منہ سے سُن کر اپنے آدمی کو آواز دے کر بلایا اور کہا کہ ذرا تیر کمان تو اُٹھالاؤ۔ جب تیر کمان آ گیا ابن عضاہ نے ایک تیر کمان پر چڑھایا اور ایک کبوتر پر شست باندھ کر کہا:

" یا حمامة أیشرب یزید الخمر؟ قولي نعم' فواللّٰه لئن قلت لأقتلنک."

''اے کبوتر! کیا یزید شراب نوش ہیں؟ تو نے اگر ہاں کہا تو واللہ میں تجھے مار ڈالوں گا۔''

پھر کہا:

یا حمامة أتخلعین أمیر المؤمنین یزید وتفارقین الجماعة و تقیمین بالحرم لیستحل بک؟

اے کبوتر! کیا تُو امیر المؤمنین یزید کی بیعت (خلافت) توڑ بیٹھے گا جماعت (مسلمین) سے علیحدگی اختیار کرلے گا اور حرم کعبہ میں مقیم ہوگا تا کہ یہاں (پناہ گزین ہونا) تجھے حلال ہو جائے؟

فَقَالَ ابنُ الزُّبیرِ: ویحک یا ابن عضاه أو یتکلم الطیر ؟

اس پر ابن زبیرؓ نے کہا: اے ابن عضاہ یہ کیا کہہ رہے ہو کیا پرند بھی بات چیت کر سکتے ہیں؟

قَالَ: لا ولکنک أنت تتکلم' وأنا أقسم باللّٰه لتبایعن طائعًا أو کارهًا أو لتقتلن' ولئن أمرنا بقتالک ثم دخلت الکعبة لندمنّها أو لنحرقنّها علیک أو کما قَالَ'

(ابن عضاہ نے) کہا: پرند تو بات نہیں کر سکتے مگر تم تو بول سکتے ہو۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم سے ہم بیعت لے کر رہیں گے خواہ برضامندی یا بکراہت ورنہ ہم تم سے قتال کریں گے اور اگر تم خانہ کعبہ کے اندر جا بیٹھو گے تمہیں وہیں سے پکڑیں گے چاہے اس میں ہمیں انہدام واحراق کا کوئی کام ہی نہ کرنا پڑ جائے۔

فَقَالَ ابنُ الزُّبَیرِ: أو تحل الحرم والبیت؟

ابن زبیرؓ نے کہا: کیا تم مسجد الحرام اور بیت اللہ میں لڑائی کو حلال وجائز کرو گے؟

قَالَ: انما یحله من ألحد فیه.

(ابن عضاہ نے) کہا: یہ تو وہ کرے گا جو اس کے اندر بیٹھ کر خلاف ورزی (احکام شریعت) کا مرتکب ہوگا۔

(ص۲۱، ج۴، انساب الاشراف)

اس صاف گوئی پر حضرت ابن الزبیرؓ دم بخود رہ گئے کچھ کہہ نہ سکے۔ شرب خمر کے اتہام کی کچھ بھی حقیقت ہوتی تو اس موقع پر وہ اپنی زبان کیوں نہ کھولتے کیوں چپ سادھے رہتے۔ امیر یزیدؒ نے جب باغیان مدینہ کی سرکوبی کیلئے فوجی دستہ بھیجا ہے اس وقت تین شعر فی البدیہہ کہے تھے جو ابتدائی اوراق میں درج ہیں۔ ان میں ان ہی ابن الزبیرؓ کو مخاطب کر کے کہا تھا کیا تم اسے شرابی بدمست کی جماعت سمجھتے ہو یا اُس ہوشمند کی جو (بغاوت فرو کرنے کو) فوجیں روانہ کرتا ہے۔ آخری شعر تھا:

واعجباً من ملحدٍ واعجباً	**مخادعٍ فی الدین یقفوا بالفری**
افسوس اُس ملحد (دن میں نئی بات	جو دین کے بارے میں دھوکہ دیتا ہے اور
پیدا کرنے والے) پر افسوس	جھوٹی بات کو سچی بیان کرتا ہے

مخادع فی الدین سے سیاسی اغراض کیلئے کعبہ کے اندر پناہ گزیں ہو کر بغاوت وفتنہ پیدا کرنے کا پروپیگنڈہ مراد ہے اور ''**یقفوا بالفری**'' سے شراب خمر وغیرہ کے بہتانوں کی جانب اشارہ ہے۔ سیاسی اغراض کی خاطر مذہب کی آڑ لینے اور اس طرح دین میں نئی بات پیدا کرنے کی بناء پر ''ملحد'' کہا۔ اور ابن عضاہ نے بھی اپنی گفتگو میں کعبہ کے اندر پناہ گزیں ہو کر سیاسی نظام درہم برہم کرنے کی کارروائی کے بارے میں ''**الحد فیه**'' کہا تھا۔

غرضیکہ یہ باتیں تو اُن کے ہمعصر سیاسی مخالفین کی تھیں مگر جتنا زمانہ گزرتا گیا نئے نئے بہتان تراشے گئے۔ حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک بھی درمیان میں لایا گیا اور اس قسم کی مکذوبہ لغو روایتیں گھڑی گئیں کہ یزید کو حضرت معاویہؓ کی گود میں دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا: ایک دوزخی جنتی کی گود میں جا رہا ہے۔ حالانکہ دُنیا جانتی ہے کہ یزید کی ولادت آپ ﷺ کی وفات کے کم از کم بارہ برس بعد ہوئی تھی۔ جھوٹی حدیثوں، وضعی روایتوں اور بہتانوں کا انبار در انبار ہے جو عہد بہ عہد وضع ہو کر دیگر کتب کے علاوہ کتب تاریخ میں بھی موجود ہے۔

ناسخ التواریخ کے مؤلف نے تو حد سے تجاوز کر کے ۶۱ھ کے اس سیاسی حادثہ کا

تذکرہ نوع انسان کے مورث اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام کے ہبوط کرہ ارض کے سلسلہ میں کرتے ہوئے امیر یزیدؒ پر ان کی زبان سے ایک مرتبہ نہیں اکٹھے چار مرتبہ لعن کے الفاظ کہلوائے ہیں اور لکھا ہے کہ بی بی حوّا کی تلاش میں تمام کرہ ارض کا چکر کاٹ کر جب زمین کربلا پر گزر ہوا تو یکا یک ان پر ''اندوہ بزرگ'' طاری ہوگیا، سینہ میں تنگی محسوس ہوئی، پیروں میں لغزش ظاہر ہوئی ''وخون از پائے ادبردمید'' (ص۱۱۲، ج۲) یعنی اُن کے پیروں سے خون جاری ہوگیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے باری تعالیٰ سے عرض کیا کہ ساری دُنیا میں پھر آیا ہوں کہیں بھی یہ کیفیت میری نہیں ہوئی، کیا خطا مجھ سے سرزد ہوئی جو ایسا ہوا۔ جواب میں یہ وحی آئی:

یادم ما حدث منک ذنب ولکن یقتل فی هذه الارض ولدک الحسین ظلماً فسال دمک موافقة لدمه. (ص۱۲۲، ج۶)	اے آدم گناہ تو تم سے کوئی سرزد نہیں ہوا لیکن اس زمین پر تمہاری اولاد میں سے حسین قتل ہوگا اسلئے یہ تمہارا خون اس کے خون کی موافقت میں بہہ گیا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے پوچھنے پر کہ قاتل حسین کون ہوگا ''خطاب آمد یزید ملعون اہل آسمانہا وزمینہا است'' چنانچہ جبرائیل کے مشورہ سے اُنہوں نے چار مرتبہ یزید پر لعن کیا اُس کے بعد مؤلف ناسخ التواریخ نے ہر نبی و پیغمبر کو جن کے نام اُنہیں یاد تھے کربلا پہنچا کر اُن کی زبان سے بھی اسی طرح الفاظ لعن کہلوائے ہیں۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ اسی اپنی کتاب میں حضرت حسینؓ اور اُن کے ساتھیوں کی جو تقریریں اور گفتگوئیں درج کی ہیں اُن میں یزید اور اہل شام کا نہیں کوفیوں ہی کا شکوہ ہے۔ زہیر بن القین کے تو یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ:

''اے لوگو! حسین کا راستہ مت روکو ان کو اپنے ابن عم یزید کے پاس جانے دو۔''

کیا ایک بادہ پرست کے پاس جا رہے تھے اور وہ بھی بیعت کرنے کو۔

بقول محقق دے خوئے حادثہ کربلا نے رفتہ رفتہ اور تدریجاً افسانے کی شکل اختیار کرلی۔ وضعی روایتوں اور مسلسل پروپیگنڈے، مثالب کی لغو حکایتوں، مناقب کی جھوٹی حدیثوں

سے واقعات تاریخ مسخ صورت پیش کئے گئے۔ حقیقت تعصّبات کے پردوں میں روپوش ہوگئی اور ایسی فضا پیدا کردی گئی کہ سبّ وشتم کے سوائے کسی کو کچھ یاد نہ رہا اور اب تو یہ نوبت پہنچی ہے کہ:

انہیں لے دے کے ساری داستاں میں یاد ہے اتنا
کہ ابن معاویہ مے نوش وفاسق اور ستم گر تھا[1]

ان اوراق میں اس بارے میں تفصیلاً لکھنے کی گنجائش نہیں۔

حلیہ:

جسمانی حیثیت سے امیر یزیدؒ متناسب الاعضاء تھے۔ قد بلند و بالا، جسم مضبوط، رنگ گورا، خوبصورت آنکھیں جن سے ذہانت ٹپکتی تھی۔ (ص۳، ج۴، انساب الاشراف)

" ویقال کان ابیض وکان حسن اللحیة خفیفها." (ص۳، ایضاً)

''یہ بھی کہتے ہیں کہ یزید سفید گورے رنگ کے تھے اور ہلکی خوبصورت ڈاڑھی تھی۔''

وفات :

بروایت اصح ۱۴ ربیع الاول کو بعارضہ نقرس حوارین میں جو تدمر اور دمشق کے درمیان پُرفضا مقام ہے وفات پائی۔ ان کے فرزند اور ولی عہد معاویہ بن یزید نے نماز جنازہ پڑھائی۔ تدفین کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ واقدی کی روایت ہے کہ ہر دلعزیز امیر المومنین کا جنازہ اتنے دور مقام سے لوگ اپنے ہاتھوں پر دمشق لائے اور جامع دمشق کے مقبرہ باب الصغیر میں اُن کے والد ماجد کے پہلو میں دفن کیا۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں:

وقال الواقدي: دفن يزيد بدمشق فِي مقبرة الباب الصغير ومات بحوارين فحمل على أيدي الرجال اليها ' وفيها دفن أبوه مُعَاوِيَة. (ص۶۰' ج۴' انساب الاشراف بلاذری)

---

[1] علامہ شبلی کے اس شعر کے دوسرے مصرعہ میں تصرف لفظی کیا گیا ہے۔

واقدی کہتے ہیں کہ یزید دمشق میں باب الصغیر کے مقبرے میں دفن ہوئے۔
انتقال اُن کا حوارین میں ہوا وہاں سے جنازے کو لوگ اپنے ہاتھوں سے
دمشق لائے اور اُن کے والد معاویہؓ کے پہلو میں دفن کیا۔

سیدنا معاویہؓ کی قبر تو آج بھی موجود ہے مگر امیر المومنین یزیدؒ کی قبر کے آثار مٹا دیئے گئے ہیں۔ امیر یزیدؒ دشمنی نے ایک دوسرے مقام کو ان کا مدفن ظاہر کیا ہے جو غلط ہے۔ ابوبکر بن حنظلہ نے امیر یزیدؒ کا مرثیہ کہا تھا اس کے ایک شعر سے ظاہر ہوتا ہے کہ مدفن دمشق میں نہیں حوارین ہی میں ہے۔ وہ شعر یہ ہے:

یا ایھا القبر بحوارینا ضممت خیر الناس اجمعینا

اے قبر جو حوارین میں ہے سب لوگوں میں سے اچھا شخص تیرے پہلو میں آرام کر رہا ہے

مگر اس شعر کو اس طرح بھی کہا گیا ہے:

یا ایھا المیت بحوارینا اصبحت خیر الناس اجمعینا

اے وہ شخص جس کا انتقال حوارین میں ہوا تو سب آدمیوں سے بہتر ہو گیا

امیر المومنین یزیدؒ نے بیالیس برس کی عمر پائی۔ تقریباً یہی عمر اُن کے نواسے امیر المومنین یزید بن عبدالملکؒ کی ہوئی۔ مُدت خلافت تین برس نو مہینے تھی اور تقریباً یہی مُدت خلافت اُن کے ہم نام نواسے یزید بن عبدالملکؒ کی بھی ہوئی۔

ازواج و اولاد:

امیر المومنین یزیدؒ کی زوجہ اولیٰ والدہ معاویہ ثانی کلبیہ خاتون تھیں۔ اُن کے انتقال کے بعد ان چار خواتین کو باوقات مختلف حبالہ عقد میں لائے۔

(۱) بنت ابی ہاشم بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس نام فاختہ تھا اور لقب حبّہ۔

(۲) اُم کلثوم بنت عبداللہ بن عامر اُمویہ

(۳) اُم محمد بنت عبداللہ بن جعفر طیار ہاشمیہ

(۴) اُم مسکین بنت عاصم بن عمر فاروق

اولاد میں تیرہ بیٹے اور چھ بیٹیاں کل انیس اولادیں تھیں۔

بیٹیوں میں سیدہ عاتکہ زوجہ امیر المومنین عبدالملکؒ بڑی دانشمند بی بی تھیں۔ اُن سے دو بیٹے یزید و مروان فرزندان عبدالملکؒ ہوئے۔ سیدہ عاتکہ نے طویل عمر پائی۔ قرشیہ خواتین میں یہ خصوصیت اُن ہی کو حاصل تھی کہ بارہ خلفائے اسلام اُن کے محرم تھے یعنی:

(۱) اُن کے دادا حضرت معاویہؓ (۲) اُن کے والد امیر یزیدؒ

(۳) اُن کے بھائی معاویہ ثانیؒ (۴) اُن کے خُسر مروان بن الحکمؒ

(۵) اُن کے شوہر عبدالملکؒ (۶) اُن کے فرزند یزید بن عبدالملکؒ

(۷) الولید (۸) سلیمان

(۹) ہشام، اُن کے پوتے (۱۰) ولید بن یزید

اور سوتیلے بیٹے الولید بن عبدالملک کے دو بیٹے

(۱۱) یزید بن ولید بن عبدالملک (۱۲) ابراہیم بن ولید بن عبدالملک

امیر یزیدؒ کی دوسری صاحبزادی اُم یزید کی شادی الاصبغ بن عبدالعزیز بن مروان سے ہوئی جو امیر عمر بن عبدالعزیزؒ کے بھائی تھے۔ تیسری بیٹی رملہ عباد بن امیر زیاد کی زوجہ تھیں۔ اُن کے فوت ہو جانے پر چوتھی بیٹی اُم عبدالرحمٰن بھی اُن ہی کو بیاہی گئیں۔ پانچویں بیٹی امیر المومنین یزیدؒ کی اُم محمد زوجہ عمرو بن عتبہ بن ابوسفیان تھیں اور چھٹی صاحبزادی اُم عثمان زوجہ عثمان بن محمد بن ابوسفیان تھیں۔

امیر المومنین یزید کے تیرہ بیٹوں میں:

(۱) معاویہ ثانیؒ سب سے بڑے تھے جو خلافت پر فائز ہوئے۔ (۲) خالد

(۳) عبداللہ الاکبر (۴) ابوسفیان (۵) محمد (۶) ابوبکر

(۷) عبداللہ الاصغر جن کا لقب الاسوار تھا۔ (۸) عمر (۹) عثمان

(۱۰) عبدالرحمٰن (۱۱) عتبہ (۱۲) یزید (۱۳) عبداللہ جن کو اصغر الاصاغر کہتے تھے۔

امیر المؤمنین معاویہ ثانیؒ

معاویہ ثانی اپنے والد کے فرزند اکبر تھے۔ اُن کی والدہ دومۃ الجندل کے سردار اکیدر کی بھتیجی تھیں۔ ۴۲ھ میں ولادت ہوئی۔ بیعت خلافت کے وقت ۲۲ سال کی عمر تھی۔ بلاذری کہتے ہیں کہ:

فلما مات يزيد بايع الناس مُعَاوِيَة وأتته بيعة الآفاق الا ما كان من ابن الزُّبَيرِ ' فولي ثلاثة أشهر' ويقال أربعين يوماً ' ويقال عشرين يوماً. (ص۶۲، انساب الاشراف)

جب یزید کی وفات ہوگئی لوگوں نے معاویہ (ثانی) سے بیعت کی سوائے ابن زبیرؓ کے اور تمام مقامات کے لوگوں نے بیعت کی، تین مہینے خلیفہ رہے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چالیس یوم اور یہ بھی کہ بیس یوم۔

معاویہ ثانی بڑے نیک خصلت اور باپ دادا کی طرح حلیم وکریم تھے۔ خلقتاً کمزور جثہ کے تھے، رنگ سُرخ وسفید تھا۔ كان شاباً صالحاً (وہ جوان صالح تھے) (تاریخ الاسلام ذہبی، ج ۲، ص۱۸۲)۔ حدیث اور تفسیر کی اچھی تعلیم حاصل کی تھی۔ اُن کے استاد عمر المخصوص تابعی عقیدتاً قدریہ تھے۔ اُستاد کے خیالات کا اثر شاگرد پر بھی پڑا تھا۔ بچپن سے اپنے دادا حضرت معاویہؓ کی شفقت میں پرورش پائی تھی۔ بیعت خلافت کے وقت سیاسی حالات سازگار نہ تھے۔ عراق وحجاز میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے طرف داروں کی تحریک شدت سے جاری تھی اور خود ملک شام میں حضرت ضحاکؓ بھی اُن ہی کے طرفدار تھے۔ معاویہ ثانی نے مخالف حالات کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہ پائی۔ اپنے اُستاد سے مشورہ کیا اُنہوں نے کہا اگر معدلت کے ساتھ سیاسی حالات کو درست کرنے کی ہمت نہیں رکھتے ہو تو خلافت سے سبکدوش ہو جاؤ۔ چنانچہ انہوں نے اعیان حکومت، سردارانِ قبائل اور علماء وفضلاء کا بڑا اجلسہ طلب کیا اور قبل جلسہ اپنے والد اور دادا کے مخصوص لوگوں

سے علیحدہ علیحدہ بات چیت کی۔ پھر اس مجمع عام میں تقریر کی جلسہ میں بیشتر وہ حضرات موجود تھے جنہوں نے حضرت معاویہؓ اور امیر یزیدؒ کی خلافتوں میں بڑے بڑے کام کئے تھے اور ان کے مخالفوں سے نبرد آزمائی کی تھی۔ معاویہ ثانی اپنے باپ دادا کی طرح اچھے خطیب بھی تھے۔ اُن کی اس تقریر کے بعض جملے مؤرخین نے نقل بھی کئے ہیں۔ یہ فقرات اُن سے منسوب ہیں:

ان كانت الخلافة خيرًا فقد استكثر آل أبي سُفيَان منه' وان كان شرًا فلا حاجة لنا فيه' فاختاروا لأنفسكم امامًا تبايعونه هو أحرص على هذا الأمر مني وأخلعوني فأنتم فِي حل من بيعتي. (ص ٦٥، انساب الاشراف بلاذری)	خلافت اگر کوئی اچھی چیز ہے تو آل ابوسفیان اس کا خوب مزہ چکھ چکے۔ اگر بُری چیز ہے تو ہم کو اس کی حاجت نہیں۔ پس آپ خود اپنے میں سے اپنا امام منتخب کرلیں اور ایسے شخص کی بیعت کرلیں جو اس کام میں مجھ سے زیادہ خواہشمند ہو اور آپ لوگ میری بیعت سے آزاد ہیں۔

اور پھر حسان بن مالک کو متعین کیا کہ جب تک کسی کے ہاتھ پر بیعت نہ ہوجائے تم نماز پڑھاؤ اور مجلسِ شوریٰ کے انعقاد کا انتظام کرو۔ سبائی راویوں نے اُن کی اس تقریر کے بعض فقرے وضع کر کے مشہور کئے ہیں جن سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ انہوں نے اپنے والد اور دادا کی برائیاں بیان کی تھیں مگر ان لوگوں کو یہ خیال نہ آیا کہ برائیاں بیان کرنے کیلئے اُنہوں نے ان لوگوں کو جلسے میں طلب کیا جو اُن کے باپ دادا کی پالیسی کے طرف دار اور اُن کے کارگزار عمال رہے تھے۔ مجمع میں نہ سبائی عراقی تھے اور نہ حجازی بلوائی، بدگوئی کرتے بھی کس کے سامنے کس کے مواجہہ میں۔ یہ سب وضعی باتیں ہیں۔ مدت خلافت کیلئے بھی کسی نے چالیس دن بیان کئے ہیں کسی نے بیس دن۔ لیکن تحقیق سے یہ مدت تین ماہ سے لیکر چھ ماہ ثابت ہوتی ہے۔ مرض الموت کے بارے میں صحیح روایت یہ ہے کہ وبائی ہیضے میں فوت ہوئے۔ اُن کے چھوٹے بھائی علامہ خالد بن یزید نے نماز جنازہ پڑھائی۔ مقبرہ صغیر باب الفرادیس میں دفن ہوئے۔ رحمۃ اللہ۔ ان سے کوئی عقب نہیں۔ اپنے باپ دادا کی طرح اُن کی کنیت عبدالرحمٰن تھی۔ مخالف تنقیصاً ابولیلیٰ کہتے تھے۔

علامہ خالد بن امیر المومنین یزیدؒ

مسلمانوں میں سب سے پہلے سائنسداں اور بابائے کیمیا

امیر المومنین معاویہؓ اور امیر المومنین یزیدؒ کے علمی ذوق کی بدولت دمشق میں یوں تو علماء وفضلاء کی اچھی جماعت تھی لیکن خود بیت معاویہؓ ''بیت الخلافہ'' کے ساتھ ''بیت الحکمہ'' بھی بن گیا تھا۔ اُن ہی کے پوتے علامہ خالد بن یزیدؒ تھے جو علم حدیث وتفسیر ولسانیات کے علاوہ دیگر علوم وفنون میں بہرہ وافر رکھتے تھے۔ علوم طبیعہ، فنون، طب اور کیمیا سے اُن کو خاص شغف تھا۔

صاحب ضاجة الطرب فی تقدمات العرب نیز ابن خلکان (ص ۲۱۱) نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ:

کان اول من اشتهر في الطب بين الاسلام خالد بن يزيد بن معاوية الاموی کان اعلم القريش بفنون العلم وله كلام فی صنعة الكيمياء والطب ورسائله فيهما دالة على معرفته وبراعته. (مطبوعۃ بیروت، ص ۴۳۵)	زمانہ اسلام میں سب سے پہلے علم طب میں جو شخص مشہور ہوا وہ خالد بن یزید بن معاویہ اُموی تھا جو قوم قریش میں فنون علمیہ کا بڑا عالم تھا۔ کیمیا اور طب کے رموز اُس نے بیان کئے ہیں اور اس پر جو رسائل ہیں اُن سے اُس کی معرفت علمی اور ذکاوت ذہنی کا پتہ چلتا ہے۔

البیرونی نے علامہ خالد کو اسلام کا سب سے پہلا حکیم بتایا ہے (آثار الباقیہ البیرونی ص ۳۰۲)۔ زمانہ حال کے مشہور مؤرخ پروفیسر ہتی لکھتے ہیں کہ:

''علم طب سے فن کیمیا کا بہت قریب کا تعلق ہے اور یہ ان اکتسابات علمیہ میں سے ہے جس کو عربوں نے سب سے اول حاصل کیا تھا۔ خالد بن یزید کو روایت میں اسلام کا سب سے پہلا سائنسدان اور فلاسفر (حکیم) بتایا گیا ہے۔''

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ موجودہ کیمسٹری کے بانی مبانی یہی صدر اول کے مسلمان عرب تھے۔ جورجی زیدان، جو ایک شامی النسل عیسائی فاضل تھا تاریخ التمدن الاسلامی میں اس کا اعتراف کرتا ہے اور لکھتا ہے:

" لا خلاف فی ان العرب هم الذین اسسوا الکیمیاء الحدیثة. بتجاربهم و استحضراتهم." (تاریخ التمدن الاسلامی، ج ۳، ص ۱۸۴)

"اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہ عرب ہی تھے جنہوں نے موجودہ فن کیمیا کی اپنے تجربات اور ذہنی قابلیتوں سے بنیاد ڈالی۔"

جملہ مؤرخین و محققین کا اتفاق ہے کہ ان عرب فاضلوں میں جن کے علمی اور فنی کدوکاوش سے کیمیا کو علمی درجہ حاصل ہوا۔ خالد بن یزید ہی پہلے عرب فاضل ہیں جن کو اس علم میں حد درجہ انہماک تھا۔ صاحب کتاب الاغانی خالد بن یزید کے اس شغف و انہماک کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے۔

" خالد بن یزید بن معاویة بن أبي سفیان . و کان من رجالات قریش سخاء وعارضة وفصاحة' و کان قد شغل نفسه بطلب الکیمیاء فأفنی بذلک عمره' وأسقط نفسه." (کتاب الاغانی ج ۱۰، ص ۸۴)

"خالد بن یزید بن معاویہ بن ابوسفیان۔ سخاوت و قابلیت و فصاحت میں قریش کے بڑے لوگوں میں سے تھے۔ طلب علم کیمیا کے شغل میں انہوں نے اپنی ذات کو مصروف رکھا اور اپنی عمر اس میں صرف کر ڈالی اور اپنے کو فنا کر دیا۔"

زمانہ حال کے ایک اور شیعی مؤرخ جسٹس امیر علی خالد بن یزید کے خاندان کا تذکرہ اپنے نقطہ نظر سے کرنے کے بعد ان کے علم و فضل اور فن کیمسٹری میں ان کی مہارت و فضیلت کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

"بنی اُمیہ نے اپنی تمام مدت حکومت میں صرف ایک عالم فاضل خالد بن یزید کو پیدا کیا جو

علوم طبیعہ اور علم وادب میں اپنے اکتسابات علمیہ کیلئے نامور ہے۔ خالد نے جو طب اور کیمسٹری کا جید عالم تھا، ان مضامین پر اپنی تالیفات چھوڑی ہیں۔''

علامہ خالد کے تذکروں میں یہ بھی بتایا ہے کہ انہوں نے صنعت کیمیا کو ایک رومی راہب موریانس سے حاصل کیا تھا اور اپنے اس استاد فن سے بعض امور میں تحریری مباحثہ بھی کیا تھا۔ چنانچہ اُن کے ایک رسالہ میں ان امور اور رموز کا بیان بھی ہے۔ سلسلہ بحث نے نظم کا پیرایہ بھی اختیار کیا تھا۔ علامہ خالد اپنے والد کی طرح اچھے شاعر بھی تھے۔

'' ولہ فیھا ثلاث رسائل تضمنت احدا من ما جری لہ مع موریانس المذکور وصورۃ ما تعلمہ منہ و الرموز التی اشار الیھا ولہ فی ذلک اشعار کثیرۃ.''

(صناجۃ الطرب فی تقدمات الطرب، ص ۲۳۵)

علامہ خالد نے نہ صرف علم طب و کیمیا کو سبقاً سبقاً رومی اساتذہ سے حاصل کیا بلکہ ان میں قدمائے یونان ومصر کی جس قدر بھی تالیفات دستیاب ہوسکیں اُن کو حاصل کیا۔ ان کے تراجم عربی زبان میں کرائے اور اس کیلئے دمشق اور مصر میں دارالتراجم قائم کئے۔ کیمبرج یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر عربی مسٹر براؤن نے ۲۰۔۱۹۱۹ء میں ''طب عربی'' پر جو لیکچر کالج آف فزیشنز میں دیئے تھے وہ کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں۔ پہلے لیکچر میں Early Story of Alchemy کے عنوان کے تحت کہتے ہیں کہ:

> ''یونانیوں کے علم وحکمت سے واقفیت حاصل کرنے کی خواہش کی اولین تحریک اُموی شہزادہ خالد بن یزید بن معاویہ کے دل میں جو علم کیمیا سے خاص شغف رکھتا تھا، پیدا ہوئی۔ فہرست ابن الندیم کے بیان کے مطابق جو اس بارے میں ہماری معلومات کا سب سے قدیم اور سب سے بہتر ذریعہ ہے جو ہم تک پہنچا ہے، خالد نے یونانی فلاسفروں کو ملک مصر میں مجتمع کیا اور اس مضمون کی یونانی و مصری (قبطی) تصانیف کو عربی زبان میں ترجمہ کرنے کیلئے ان کو مقرر کیا۔ یہ ترجمے تھے جو ایک زبان سے دوسری زبان میں کئے گئے تھے۔ ان مترجموں میں

سے ایک کا نام استفانوس تھا جس نے دمشق کے دارالترجمہ میں متعدد کتابیں ترجمہ کی تھیں۔

" و استفانوس الذی کان اول المترجمین لخالد مشار الیه وقد ترجم له عدة مصنفات من الرومی الی العربی." (صناجتہ الطرب فی تقدمات العرب ص ۴۲۹)

"خالد موصوف کا اولین مترجم استفانوس تھا اور اُس نے متعدد تصانیف کا رومی زبان سے عربی زبان میں ترجمہ کیا تھا۔"

پروفیسر آر۔اے نکلسن (۱۸۶۸ء ۔ ۱۹۴۵ء) نے اپنی مشہور کتاب A Literary History of Arabs میں یونانی علوم کی کتابوں کے عربی میں ترجمہ ہونے کا تذکرہ کرتے ہوئے یہی لکھا ہے۔

تاریخ ادب عربی کے قابل مؤلف کلیمنٹ ہوار نے خالد بن یزید کے علم کیمیا کی تحصیل اور اس کی تصانیف کا ذکر کیا ہے۔

غرضیکہ مندرجہ بالا تصریحات سے یہ امر بدرجہ تواتر ثابت ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے شخص جنہوں نے علم کیمیا کو حاصل کیا اس کے تجربات کئے اور اس فن میں کتابیں لکھیں، خالد بن یزید ہی تھے۔ پروفیسر ہوار نے ایک دوسرے موقع (ص ۳۱۳) پر لکھا ہے کہ ازمنہ متوسط کا مشہور ماہر فن کیمیا جابر بن حیان غالباً خالد بن یزید کا شاگرد تھا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جعفر الصادقؒ شاید جابر کے استاد تھے۔

جابر بن حیان کا زمانہ ضرور جناب جعفر صادقؒ کے بعد کا ہے۔ لیکن خود جناب موصوف کا جن کی وفات ۱۴۸ھ میں ہوئی، فن کیمیا کی معلومات کا حصول اپنے پیش رو علامہ خالد بن یزید کی مساعی علمیہ سے کرنا کسی طرح مستبعد نہیں خیال کیا جا سکتا۔

صاعد اندلسی نے طبقات الامم میں علامہ خالد کا تذکرہ کیا ہے اور اُن کو فن کیمیا کا باپ کہا ہے کیونکہ عالم اسلام میں اُنہی نے سب سے پہلے اس فن کی تحصیل کی تھی اور اس میں کتابیں

تصنیف کی تھیں۔ جاحظ البیان والتبین میں فرماتے ہیں کہ:

کان خالد بن یزید بن معاویة خطیباً شاعرًا وفصیحاً جامعاً وجید الرای کثیر الادب وکان اول من ترجم کتب النجوم والطب والکیمیا. (ج ا ص ۲۱۲)

قدیم یونانیوں کا خیال تھا کہ اکسیر کے ذریعہ ناقص دھاتوں کی تکمیل ہوسکتی ہے اور ان کو اعلیٰ بنایا جاسکتا ہے۔ اسی غلط فہمی سے چاندی سے سونا بنانے کا خیال پیدا ہوا تھا۔ لیکن علامہ خالد کی مساعی علمیہ کی بدولت اسلام میں آکر کیمیا کا گویا مذہب ہی بدل گیا اور بجائے سونا چاندی بنانے کے اس سے طب وقرابادین میں اشیاء کے اجزاء وخواص کے تعین میں مدد لی جانے لگی۔

بلاذری نے انساب الاشراف میں بیان کیا ہے کہ خالد کی جو اپنے زمانے کے بہترین خطیب بھی تھے اور ساتھ ہی شاعر وادیب بھی۔ کیمیا کی دھن میں یہ کیفیت ہوگئی تھی کہ اکثر خاموش رہتے اور کیمیا کے تجربات کے بارے میں غور وخوص کرتے رہتے تھے۔ (انساب الاشراف بلاذری قسم ثانی جز۴، ص ۶۶ مطبوعہ بیروت)

طب کے مسائل کے علاوہ علامہ خالد نے اپنے کیمیاوی کارخانہ ''لیبارٹری'' میں بعض ایسی دریافتیں اور ایجادات بھی کیں جن سے عربوں کے فن حرب کو رومیوں پر فوقیت حاصل ہوئی۔ ان کے باپ دادا کو رومیوں سے برابر برسرپیکار رہنا پڑا تھا۔ اور ''آتش یونان'' سے جو رومی فوجیں استعمال کرتی تھیں، بڑے نقصانات اُٹھانا پڑتے تھے۔ یہ ایک کیمیاوی مرکب تھا جس کی ایک پچکاری چلانے سے آگ لگ جاتی تھی۔ قلعہ یا جہاز جس چیز پر پڑتی اس کو جلا دیتی۔ گبن نے اس کو ایک شامی عیسائی کی ایجاد بتایا ہے جو بنی اُمیہ کے عہد میں شام سے بھاگ کر روم پہنچا تھا۔ خالد کی لیبارٹری میں حل وعقد سے اس کا نسخہ معلوم کرلیا گیا اس کا جزو اعظم روغن تفت تھا لہذا عربی میں اس کو تفت بھی کہنے لگے تھے۔ اس کیمیکل مرکب کی دریافت نے مسلمانوں کے آلات حرب کو زیادہ کارگر بنا دیا تھا۔ دشمن اس سے زیادہ کسی چیز کو مہیب نہیں جانتے تھے۔ اس کو اُڑتا اژدھا کہتے

تھے۔ بعد کی صلیبی جنگوں میں اس کا استعمال کثرت سے کیا گیا۔ صلیبی جنگ آزما جب اس کا مقابلہ کسی طرح نہ کر سکتے تو اپنے بادشاہ سینٹ لوئی کے پاس پہنچ کر فریادی ہوتے۔ لوئی زمین پر گر پڑتا اور آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر تضرع وزاری سے کہتا کہ: ''اے خداوند مسیح مجھے اور میری فوج کو اس بلا سے بچالے۔'' (تمدن عرب ص ۴۲۹)

علامہ خالد نے علم کیمیا پر جو تصانیف کی ہیں اُن میں سے ایک میں اپنے اجتہادات اور تجربات کو جنہیں ''رموز'' سے تعبیر کیا گیا ہے بیان کیا ہے۔ اپنے بیٹے ابی سفیان کو جسے خود یہ علم سکھایا تھا بطور وصیت کے صنعت کیمیا کے ''رموز'' لکھ دیئے تھے۔ ابن الندیم نے خالد اور ان کی تصانیف کے بارے میں لکھا ہے۔

''باخراج كتب القدماء في الصنعة خالد بن يزيدبن معاوية وكان خطيبا شاعرا فصيحا حازما ذا رأي وهو أول من ترجم له كتب الطب والنجوم وكتب الكيمياء ورأيت من كتبه كتاب الحرارات كتاب الصحيفة الكبير كتاب الصحيفة الصغير كتاب وصيته الى ابنه في الصنعة.'' (فہرست ابن ندیم ص ۳۵۴)

''خالد نے صنعت (کیمیا) پر قدماء کی کتابوں کے حصول میں بڑی دردسری اُٹھائی۔ وہ خطیب بھی تھے اور فصیح شاعر و ہوشمند بھی۔ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے طب و نجوم و کیمیا کی کتابوں کا ترجمہ کرایا۔ میں نے ان کی تصانیف مطالعہ کی ہیں جس میں کتاب الحرارات و کتاب صحیفہ کبیر و صغیر تھیں اور ایک کتاب جس میں اپنے بیٹے کو صنعت کیمیا کے رموز وصیت کئے ہیں۔''

یہ تو وہ تصانیف ہیں جو ابن الندیم نے مطالعہ کی تھیں۔ معلوم نہیں دیگر علوم کے بارے میں اُن کی اور کیا تالیفات ہوں گی جو ضائع ہوگئیں۔ پروفیسر براؤن نے ایک لیکچر میں اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ کیمیا کے علاوہ دیگر علوم فلسفہ وطب وغیرہ پر بھی خالد نے قدماء یونان و مصر کی تصانیف کا ترجمہ کرایا تھا۔ پروفیسر ہتی اور براؤن نے جابر ابن حیان کے فن کیمیا میں علامہ خالد بن یزید کی شاگردی کا ذکر کرتے ہوئے شبہ کا اظہار کیا ہے۔ برخلاف ان کے جورجی زیدان نے تاریخ

التمدن الاسلامی (ج ۳،ص ۱۸۴) میں صاف صاف لکھا ہے کہ جعفر الصادق نے اس فن کی تعلیم علامہ خالد موصوف سے حاصل کی تھی۔ جب یہ ثابت ہے کہ خالد اسلام میں کیمیا کے موجد و مؤسس کا درجہ رکھتے تھے اپنے بیٹے کو بھی یہ علم سکھایا تھا اور اس کیلئے ایک خاص کتاب بھی لکھی تھی تو اس کے بعد کسی مسلمان نے ان علوم کو حاصل کیا ہو، اُن کے تجربات اور تصانیف سے ضرور استفادہ کیا ہوگا۔ خالد اور اُن کے اخلاف برابر حجاز جاتے رہتے تھے۔ کتاب انساب الاشراف بلاذری میں خالد کا تفصیل سے تذکرہ ملتا ہے۔ مصعب بن زبیر کی حقیقی بہن رملہ سے نکاح کرنا اور دیگر واقعات کا بیان ہے۔

حضرت زبیرؓ کی پوتی سے نکاح اُسی سال ہوا تھا جس سال حجاج نے اس زبیری خاتون کے بھائی عبداللہ بن زبیرؓ کو قتل کیا تھا۔ حجاج کو جب خالد کے اس ارادہ کا علم ہوا تو اُس نے رقعہ بھیجا جس میں لکھا تھا کہ:

" قل له ما كنت أراك تخطب الى آل الزبير حتى تشاورني ' ولا كنت أراك تخطب اليهم وليسوا لك بأكفاء وقد قاتلوا أباك على الخلافة ورموه بكل قبيح ."

''میں نہیں سمجھتا تھا کہ آپ آل زبیر کے یہاں رشتہ کریں گے تو مجھ سے مشورہ بھی نہ کریں گے۔ وہ خاندان تو آپ کا کفو و ہمسر بھی نہیں۔ ان لوگوں نے تو آپ کے والد سے خلافت کے بارے میں لڑائی کی تھی اور بُرے بُرے الزام لگائے تھے۔''

جس وقت علامہ خالد نے یہ رقعہ پڑھا تو بڑا طیش آیا۔ قاصد سے کہا:

" لو كانت الرسل تعاقب لقطعتك آرابًا ثم ألقيتك على باب صاحبك."

''اگر پیغامبروں کو سزا دینا جائز ہوتا تو تمہارے ٹکڑے کر کے حجاج کے دروازے پر پھنکوا دیتا۔''

پھر کہا کہ: جاؤ اس کو جواب دو کہ ہم یہ نہ سمجھتے تھے کہ تم اپنے آپ کو اتنا اونچا جاننے لگے ہو کہ اپنے

خاندان قریش میں بغیر تمہارے مشورہ کے میں رشتہ بھی نہ کروں۔ کیا وہ یہ بات نہیں جانتا ہے زبیری تو ہمارے ہمسر اور کفو ہیں۔ اے اُم الحجاج کے بیٹے تیرا بُرا ہو کیا تُو نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی خاندان میں خدیجہ بنت خویلد سے نکاح کیا تھا اور العوام نے صفیہ بنت عبدالمطلب سے۔ آل ابوسفیان اور بنواُمیہ کے تو یہ آل زبیر ہمسر ہیں اور ہم کفو بھی۔ آخر میں فرمایا تھا۔

وأما قولک : قاتلوا أباک علی الخلافة ورموه بکل قبیح' فهي قریش تقارع بعضها بعضًا حتی اذا أقرّ اللّٰه الأمر مقره عادت الی أحلامها وفضلها.
(ص ٦٧)

اور تمہارا یہ کہنا کہ (آل زبیر نے) تمہارے والد سے خلافت پر جنگ کی اُن پر قبیح الزام لگائے۔ سُنو قریش آپس میں کتنی ہی جنگ و جدل کر بیٹھیں جب لڑائی ختم ہو جاتی ہے تو پھر وہ اپنی خاندانی نجابت وشرافت اور رشتہ داری پر پلٹ آتے ہیں۔ (شتر کینہ نہیں رکھتے)

چنانچہ اپنے والد کے سیاسی حریف عبداللہ بن زبیرؓ کی سوتیلی بہن سے جو بنوکلب کی نواسی تھیں، نکاح کیا۔ انہی کے بارے میں ان کے یہ شعر بھی بلاذری نے لکھے ہیں۔

أحب بني العوام طرًا لحبها
میں ان کی محبت میں بنوالعوام
(زبیریوں سے) محبت کرتا ہوں

ومن حبها أحببت أخوالها کلبا
اور انہی کی محبت کی بناء پر ان کی
ننہیال بنوکلب سے

ولا تکثروا فیها الضجاج فانني
مجھ سے ان کے بارے میں زیادہ
تکرار مت کرو

تنخلتها عمدًا زبیریة قلبا
میں نے قصداً انہیں منتخب کیا ہے کہ ان کا دل
زبیری خصائص کا آئینہ دار ہے

امیرالمومنین یزیدؒ کے فرزند کے زبیری خاندان میں اس رشتہ سے بھی ان اکاذیب کی تردید ہو جاتی ہے جو کعبہ کی بے حرمتی اور اہل مکہ پر مظالم کی تراشی گئی ہیں۔ زبیری خاندان کے

علاوہ ہاشمی خاندان میں اپنا ایک نکاح حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کے یہاں کیا تھا۔اسی ہاشمیہ زوجہ کے بارے میں بلاذری نے ان کے یہ اشعار لکھے ہیں۔

منافیه جادت بخالص ودها — **لعبد منافی اغر مشهر**

بنوعبدمناف کی اس ذی مرتبہ خاتون نے — عبدمناف کے ممتاز فرزند کو اپنی خالص محبت سے نوازا ہے

مطهرة بين النبی محمدٍ — **وبين الشهيد ذی الجناهين جعفر**

وہ ایسے پاک نسب کی ہیں کہ ایک طرف محمد جیسے رسول ہیں — اور دوسری طرف جعفر ذوالجناحین جیسے شہید

یہ شعر اس طرح بھی لکھا ہے۔

مقابلة بين النبی محمد — **وبين علی ذی الفخار و جعفر**

ان کے ایک طرف محمد جیسے نبی ہیں — اور دوسری طرف علی وجعفر جیسے قابل فخر بزرگ

ہاشمی خاندان میں فرزند امیرالمومنین یزیدؒ کا یہ رشتہ مناکحت کیا اس بات کا مزید ثبوت نہیں کہ خاندان معاویہؓ و خاندان علیؓ میں کوئی خاندانی ونسلی عناد یا مغایرت نہ تھی۔ سیاسی جھگڑوں کے باوجود یہ سب ایک ہی تھے۔

علمی وفنی شغف کے ساتھ ساتھ مملکت کے انتظامی امور میں بھی مہارت تھی۔عرصہ تک صوبہ حمص کے گورنر رہے اور وہاں انہوں نے اپنے صرف سے جامع مسجد تعمیر کی تھی۔

وكان خالد علی حمص فبنی مسجدها ' وكان له أربعمائة عبد يعملون فِي المسجد ' فلما فرغوا من بنائه أعتقهم.

(انساب الاشراف بلاذری ص ۶۹)

اور (علامہ) خالد حمص کے حاکم تھے وہاں اُنہوں نے مسجد تعمیر کرائی جس کی تعمیر میں اُن کے چارسو غلام کام کرتے تھے۔ جب تعمیر سے یہ لوگ فارغ ہوگئے اُن سب کو آزاد کردیا۔

ان کی علم دوستی اور علوم دینیہ کے ذوق قلبی کا اندازہ اس عدیم المثال واقعہ سے ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے علمی سرمایہ کو حاصل کرنے کیلئے انہوں نے حبر الامۃ کے غلام شاگرد ابوعبداللہ عکرمہ کو چار ہزار دینار میں خرید لیا تاکہ اپنے پاس رکھ کر ان کی علمی معلومات سے بہرہ مند ہوں۔

مَاتَ ابنُ عَبَّاسٍ وَعِكرِمَةُ عَبدٌ فَاشتَرَاهُ خَالِدُ بنُ يَزِيدَ بنِ مَعَاوِيَةَ مِن عَلِيِّ بنِ عَبدِاللّٰهِ بنِ عَبَّاسٍ بِأَربَعَةِ آلافِ دِينَارٍ.
(الطبقات الکبری ابن سعد)

حضرت ابن عباسؓ کی وفات ہوگئی تو اُس وقت بھی عکرمہ غلامی کی حالت میں تھے۔ خالد بن یزید بن معاویہ نے اُنہیں علی بن عبداللہ بن عباس سے چار ہزار دینار میں خرید لیا۔

اسی روایت میں مزید یہ بھی ہے کہ جب عکرمہ نے علی بن عبداللہ بن عباس سے شکوہ کیا کہ آپ نے اپنے والد کے علم کو اتنی رقم میں فروخت کر دیا۔ اُنہیں ندامت ہوئی اور علامہ خالد سے اس معاملہ بیع وشراء کو منسوخ کرا کے عکرمہ کو آزاد کر دیا۔ مذہبی اعمال کے بڑے پابند تھے۔ جمعہ کو کہ عید المسلمین ہے روزہ رکھتے اسی طرح ہفتہ واتوار کو اہل کتاب کی عیدیں ہیں۔ محدث ابو زرعہ دمشقی کا قول ان کے اور ان کے بھائی معاویہ ثانی کے بارے میں ہے کہ: کان خیار القوم (البدایہ) اپنے دادا اور باپ کی طرح بخشش وعطا وجود وسخا میں بڑے دریا دل تھے۔ شعراء نے ان کی مدح میں جو کہا ہے، یہ دو شعر سُنئے۔

سَأَلتُ النَّدَا وَالجُودَ حُرَّانِ أَنتُمَا فَقَالَا جَمِيعًا اِنَّنَا لَعَبِيدُ
میں نے مہربانی اور سخاوت سے پوچھا کیا تم غلام ہو یا آزاد
تو اُن دونوں نے جواب دیا کہ ہم آزاد نہیں غلام ہیں

فَقُلتُ وَمَن مَولَا كُمَا فَتَطَاوَلَا عَلَيَّ وَقَالَا خَالِدُ بنُ يَزِيدِ
میں نے اُن سے پوچھا کہ تمہارا آقا اور مالک کون ہے
تو اُن دونوں نے میری طرف بڑھ کر کہا ہمارے آقا خالد بن یزید ہیں (البدایہ والنہایہ)

سنہ وفات کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ کسی نے ۸۴ھ لکھا ہے کسی نے ۹۰ھ۔ ابن کثیر کے نزدیک آخر الذکر سنہ صحیح ہے لیکن بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر المومنین ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں وفات ہوئی۔ واللہ اعلم

اولاد میں چھ بیٹے تھے۔ سعید، یزید، حرب، عتبہ، ابوسفیان اور عبداللہ۔ آخر الذکر کے نکاح میں حضرت حسینؓ کے بھائی عباس بن علی مقتول کربلا کی پوتی سیدہ نفیسہ تھیں۔ جن کے بطن سے ان کے فرزند علی بن عبداللہ بن خالد بن یزید تھے۔ جنہوں نے امیر المومنین عبداللہ المامون عباسی کے عہد میں بادعائے خلافت دمشق پر قبضہ کرلیا تھا۔

امیر المومنین یزیدؒ کے بقیہ فرزندان اور ان کی اولاد کا تذکرہ دوسری جلد میں ملاحظہ ہو۔

☆☆☆

توضیحات

تاریخوں کے دن معلوم کرنے کا کلیّہ :

عیسوی سنہ کی کسی تاریخ کا دن معلوم کرنے کیلئے دو کلیے وضع کئے گئے ہیں۔ایک ان سنین کیلئے ہے جو ۱۷۵۲ء سے پہلے کے ہوں۔ دوسرا اُس کے بعد کے سنین کیلئے ہے۔ یہ دونوں کلیے پروفیسر خواجہ دل محمد ایم ۔اے کی Dil's New Arithmetic میں دیئے گئے ہیں۔اُردو ایڈیشن میں صرف دوسرا کلیہ درج ہے۔ پہلا کسی غلطی سے ترک ہوگیا۔بعض لوگ جو اپنی خاص مصلحتوں کی وجہ سے اس کتاب کی تردید پر تُلے ہوئے ہیں وہ دوسروں کو مغالطہ میں ڈالنے کیلئے ایک جز پہلے کلیہ کا اور ایک دوسرے کلیہ کا لے لیتے ہیں اور کھینچ تان کر غلط کو صحیح ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کرتے ہیں۔اس کتاب کی دوسری جلد ''تحقیق مزید'' میں یہ دونوں کلیے وضاحت سے پیش کردیئے گئے ہیں اور بعض ان تاریخوں کے دن جو پہلے سے صحیح طور پر معلوم ہیں۔اسی کلیہ کی مدد سے نکال کر چند مثالیں بھی درج کردی ہیں۔ یہاں ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔

مثال نمبر ۱: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ وسنہ ولادت عیسوی سنہ کے اعتبار سے ۲۰ اپریل ۵۷۱ھ ہے اور یوم ولادت متفقہ طور سے دوشنبہ (پیر) ہے۔علامہ شبلی نے سیرۃ نبوی میں لکھا ہے:

> تاریخ ولادت کے متعلق مصر کے مشہور ہیت دان عالم محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں انہوں نے دلائل ریاضی سے ثابت کیا ہے کہ آپ کی ولادت ۹ ربیع الاول روز دوشنبہ مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء میں ہوئی تھی۔ (سیرۃ نبوی جلد ا ص ۱۷۱)

کلیہ حساب کی مدد سے ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کا دن حسب ذیل طریقہ سے معلوم کرلیا جاتا ہے۔

اس مثال میں: س = ۵۷۰ د = (دن) جنوری ۳۱

ل = ۱۴۲ فروری ۲۸

د = ۱۱۰ مارچ ۳۱

مجموعہ = ۸۲۲ اپریل ۲۰

مجموعہ = ۱۱۰ دن

گویا س + ل + د = ۷ / ۸۲۲

۱ ۱ ۷
۷) ۸ ۲ ۲
۷
۱ ۲
۷
۵ ۲
۴ ۹
۳ باقی

یعنی س = اس سال سے ایک سال پہلے کا سنہ

ل = لوند کے سالوں کی تعداد جو اس سنہ تک ہو

د = جنوری سے اس تاریخ تک کے دن

مجموعہ کو سات (۷) پر تقسیم کرنے سے تین (۳) باقی بچتا ہے۔ کلیہ کے مطابق باقی عدد کو شنبہ (سنیچر) سے شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ سنیچر سے تین (۳) دن آگے شمار کرنے سے مطلوبہ دن دوشنبہ (پیر) آتا ہے۔ اور یہی دن آپ کی کی ولادت باسعادت کا دن ہے۔

اسی ایک مثال سے ثابت ہوتا ہے کہ تاریخوں کے دن معلوم کرنے کا یہ کلیہ کس قدر صحیح و کارآمد ہے۔ حضرت حسینؓ کے مقتول ہونے کا واقعہ ۱۰ محرم ۶۱ھ مطابق ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء کو چہار شنبہ تھا۔ چنانچہ اسی کلیہ سے یہ دن معلوم کرلیا گیا ہے۔ جو پچھلے اوراق میں آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔

دسویں محرم ۶۱ھ کو چونکہ جمعہ نہ تھا جیسا افسانوی طرز کی موضوع روایتوں میں بیان ہوا ہے بلکہ چہار شنبہ تھا۔ شیعہ مؤرخین کو یہ دشواری پیش آئی کہ چہار شنبہ (بدھ) کو جمعہ کیسے ثابت کریں۔ ناسخ التواریخ کے شیعہ مؤرخ کو یہ تدبیر سوجھی کہ سانحہ کربلا ہی کو ایک سال پہلے قرار دے لیا جائے اور اس غرض سے حضرت معاویہؓ کی وفات بھی ایک سال قبل کی بتائی جائے۔ چنانچہ تعین سال وفات معاویہؓ ''سال شہادت سید الشہداء'' کے ذیلی عنوان سے یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ ۶۱ھ کی دسویں محرم کو نہ جمعہ تھا نہ شنبہ اور نہ دوشنبہ بلکہ اس سے ایک سال پہلے ۶۰ھ میں دسویں محرم کو جمعہ آتا ہے۔ اسلئے:

'' وفات معاویہ را در سال پنجاہ ونہم ہجری رقم کنم وقتل سید الشہداء در سال شصتم ہجری بعد از ظہر جمعہ عاشورا دانیم۔'' (ص ۱۵۰، جلد ششم از کتاب دویم)

بالفاظ دیگر قتل حسین کا دن جمعہ بتانے کیلئے معاویہؓ کی وفات بھی جو متفقہ طور سے ۶۰ھ میں ہوئی تھی اس سے ایک سال پہلے ۵۹ھ میں قرار دے لی جائے اور حضرت حسینؓ کے مقتول ہونے کا واقعہ جو ۶۱ھ کی دسویں محرم چہار شنبہ کے دن پیش آیا تھا اُسے بھی ایک سال پہلے ۶۰ھ کی دسویں محرم کو قرار دیا جائے کیونکہ اسی سال کی دسویں محرم کو جمعہ آتا ہے۔ چنانچہ رقم طراز ہیں کہ:

'' در سالے کہ سید الشہداء در عاشورا شہید شد اول ماروز چہار شنبہ برآمد واجب میکند کہ روز عاشورا جمعہ باشد وایں راست نپاید گر در سال ۶۰ھ۔'' (ص ۱۵۰، ایضاً)

بایں ہمہ یہ شیعہ مؤرخ تسلیم کرتے ہیں کہ اس بارے میں محدثین کا اختلاف ہے کہ ۶۱ھ کی دسویں محرم کو کون سا دن تھا۔ ایک جماعت تو جمعہ کا دن بتاتی ہے۔ دوسرا گروہ شنبہ کہتا ہے اور بعض دوشنبہ۔ ایک اور قدیم مؤرخ ابن واضح یعقوبی متوفی ۴۸۴ھ بھی کہتے ہیں:

'' وکانت مقتله لعشر لیل خلون من المحرم ۶۱ھ و اختلفوا فی الیوم السبت وقالوا یوم لاثنین وقالوا یوم الجمعة. ''

'' اور وہ (حسینؓ) دسویں محرم کو مقتول ہوئے اس دن کے بارے میں لوگوں کا اختلاف

ہے۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ شنبہ تھا بعض دوشنبہ بتاتے ہیں اور بعض جمعہ۔''

ملا باقر مجلسی نے جلاء العیون میں ایک جگہ (ص ۴۶۴) تو یہ لکھا ہے کہ یہ واقعہ جانسوز دسویں محرم ۶۱ھ کو پیش آیا تھا وہ دن یا تو جمعہ تھا یا دوشنبہ۔مگر دوسرے صفحہ (ص ۴۶۵) پر اپنے ایک امام (جناب جعفر) سے یہ قول منسوب کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نور کو اول ماہ رمضان یوم جمعہ میں پیدا کیا تھا اور ظلمت کو چہار شنبہ عاشورا کے دن اور یہی چہار شنبہ وہ دن تھا جب حسینؓ شہید ہوئے۔

یہی روایت بتغیر الفاظ مؤلف ناسخ التواریخ نے بھی درج کی ہے (ص ۴۱۹، جلد ششم از کتاب دویم)۔''مجاہد اعظم'' کے شیعہ مؤلف نے تاریخوں کے دن معلوم کرنے کے قواعد علم ریاضی سے تفصیلاً بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

''۱۰ محرم ۶۱ھ کو ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء سے مطابق ماننا پڑتا ہے۔انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۱۳ طبع یازدہم میں بھی اسی تاریخ کو تسلیم کیا گیا ہے۔'' (مجاہد اعظم، ص ۴۰۲)

تقویم سنین ہجری وعیسوی اور کلیہ حساب سے ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء کو چہار شنبہ آتا ہے نہ جمعہ۔ بظاہر تو یہ بات کسی خاص اہمیت کی حامل نہیں کہ حضرت حسینؓ کا واقعہ جس تاریخ کو پیش آیا وہ دن چہار شنبہ تھا یا جمعہ یا شنبہ دوشنبہ۔لیکن یہ ثابت کرنے کیلئے سبائی راویوں نے جس طرح دیومالائی انداز کی روایتیں گھڑ ڈالی ہیں۔جن کے چند نمونے پچھلے اوراق میں پیش کئے گئے ہیں اسی طرح تاریخوں کے دن بھی اٹکل پچو قرار دے لئے ہیں اسلئے یہاں یہ بحث اُٹھائی گئی۔مستند تقویم سے ہجری وعیسوی تاریخوں کی مطابقت ہو جائے تو اس کلیہ سے صحیح دن قرار دیا جا سکتا ہے۔جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت کی مندرجہ بالا مثال سے واضح ہے۔مزید وضاحت کیلئے ملاحظہ ہو''تحقیق مزید'' کے صفحات۔

☆☆☆

مفروضہ صحابیت وموروثی فضیلت

''عرض مؤلف'' (طبع سوئم) میں حضرات حسنین کے سنین ولادت کا ذکر ہو چکا ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت حسنؓ کی کم سنی کا یہ واقعہ مذکور ہے۔ نیز مصعب زبیری متوفی ۲۳۶ھ کی کتاب نسب قریش (ص۲۳) اور ''الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ'' اور دیگر کتب میں بھی بیان ہوا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ایک دن اپنے ابتدائی ایام خلافت میں نماز عصر سے فارغ ہو کر مسجد نبوی سے باہر تشریف لے جا رہے تھے۔ حضرت علیؓ بھی ساتھ تھے کہ حسنؓ کو گلی میں بچوں کے ساتھ کھیلتے دیکھا (والحسن یلعب مع الصبیان ۔کتاب نسب قریش ص۲۳) اُن کے چہرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شباہت آتی تھی۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرطِ محبت سے گود میں اُٹھا لیا اور حضرت علیؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

وابأبي ... شبه بالنبي ليس شبيهاً بعلي

اے وہ جو نبی کے مشابہ ہے اور علی کے مشابہ نہیں تجھ پر میرا باپ فدا۔

یہ واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چند دن بعد کا ہے۔ (وذلک بعد وفاۃ النبی ﷺ ص۲۳ ایضاً) اب دیکھئے جب حسنؓ ہی بعد وفات نبی ﷺ اتنے کم سن بچے تھے کہ چونسٹھ پینسٹھ برس کے کمزور جثہ کے بزرگ گود میں اُٹھا کر کاندھے پر چڑھا لیں (فاحتملہ علی رقبتہ) تو حسینؓ جو اُن سے سال بھر چھوٹے تھے یقیناً اور بھی کم سن و ناسمجھ بچے ہونگے مگر اُن کی ولادت کے بارے میں عجیب عجیب روایتیں ہیں۔ ملا باقر مجلسی کہتے ہیں کہ حسینؓ شکم مادر میں صرف چھ مہینے رہے (جلاء العیون ص۳۱۳ مطبوعہ ایران ۱۳۳۴ھ)۔ پھر اسی کتاب میں دوسرے مقام پر اپنے ایک امام کی سند سے یہ بھی لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی فاطمہؓ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک بیٹے کی بشارت دیتا ہے جسے میری اُمت میرے بعد شہید کر دے گی۔

یہ سُن کر انہوں نے کہا مجھے ایسا بیٹا نہیں چاہیئے ۔ تین مرتبہ یہی گفتگو ہوئی بالآخر جب آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ بیٹا اور اس کے فرزندان پیشوایان دین اور میرے آثار کے وارث اور میرے علم کے خزانہ ہونگے ،تو وہ راضی ہوگئیں ۔ ''پس حاملہ شد بحضرت امام حسین و بعد از شش ماہ آن حضرت متولد شد د۔'' (ص۳۱۲) اسی کے ساتھ کہتے ہیں ''چھ ماہ کا پیدا شدہ بچہ زندہ نہیں رہتا سوائے حضرت حسین اور حضرت عیسیٰ کے ۔'' شاید اس روایت سے حضرت حسینؓ کی عمر میں چند ماہ کا اضافہ مقصود ہو ورنہ جو جنین شکم مادر میں پورا نشو ونما نہ پا سکے اگر بعد وضع حمل وہ زندہ بھی رہے تو قویٰ کی کمزوری تو بہر نوع قائم رہے گی ۔

اگر یہ روایت صحیح ہو تب بھی عہد رسالت میں تو حسین طفل صغیر تھے کہ ان کی صحابیت کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا ۔ روایت پرستی کی سحر کاری ہے کہ ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں حضرت حسینؓ کی صحابیت اور فضیلت کے ثبوت میں شیعہ ٹکسال کی گھڑی ہوئی اور دو کٹر شیعہ راویوں کی ہی سند سے یہ روایت حضرت عمار بن یاسرؓ کے ترجمہ میں درج کر ڈالی ہے کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نبی کو سات سات نجباء و وزراء و رُفقاء عطا ہوئے تھے مجھ کو چودہ عطا ہوئے ۔ یعنی حمزہ و جعفر و ابوبکر و عمر و علی و حسن و حسین و عبداللہ بن مسعود و سلمان و عمار و ابوذر و حذیفہ و مقداد و بلال ۔''

حضرت عثمانؓ کا نام شیعہ راویوں نے ترک کر دیا ۔ راویوں میں ایک تو کثیر بن اسمٰعیل النواہی جس کے متعلق محدث ابن عدی نے کہا ہے کہ وہ کٹر شیعہ تھا اور دوسروں نے بھی اسے گمراہ بتایا ہے (میزان الاعتدال ج ۲،ص ۳۵۲) ۔ اور دوسرا فطر بن خلیفہ ہے ۔ المعارف میں جو فہرست شیعہ راویوں کی امام ابن قتیبہ نے درج کی ہے اس میں اٹھاروں نام اسی فطر کا ہے (ص ۲۶۰) ۔ جامع ترمذی میں بھی ایک شیعہ راوی مسیّب بن نجیہ کوفی سے اسی مضمون کی روایت ہے جس میں اتنا اضافہ اور ہے کہ جب آپ ﷺ سے دریافت کی گیا کہ وہ چودہ نجباء و رُفقاء (رقبا) آپ کے کون کون سے ہیں فرمایا: انا و ابنای یعنی میں اور میرے یہ دونوں بیٹے (یعنی حسن و حسین) ۔ پھر وہ

سب نام گنائے جن میں حضرت عثمان کا نام شامل نہیں تھا۔ شیعہ راویوں کا آپ ﷺ سے یہ قول منسوب کرنا کہ اپنے نجباء و وزراء و رفقاء و رقباء میں خود اپنی ذات اقدس کو بھی شامل فرمائیں اور ایسے کم سن بچوں کو جو سن تمیز کو بھی نہ پہنچے تھے جس درجہ بے معنی ہے ظاہر ہے۔

یہاں اس بات کا سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ یہ اور اس قسم کی سب روایتیں اگر شیعوں اور سبائیوں کی من گھڑت ہیں تو پھر سُنیوں کی کتابوں میں کیوں ہیں؟ مختصر جواب یہ ہے کہ منافقین عجم نے حضرت فاروق اعظمؓ کو شہید کر لینے کے بعد مناقب و مثالب کی حدیثیں گھڑ گھڑ کر مراکز اسلام سے دور دراز مقامات پر پھیلانی شروع کر دیں۔ پھر شہادت عثمانؓ اور اس کے نتیجے میں جنگ جمل و صفین کے واقعات پھر شہادت علیؓ پھر واقعہ کربلا اور فتنہ ابن زبیرؓ وغیرہ کے بعد جب یہ دیکھا کہ سیاسی انتشار پیدا کرنے کے باوجود مسلمانوں کی دینی وحدت کا قلعہ اتنا مضبوط ہے کہ اس میں کوئی رخنہ نہیں پڑا تو مناقب و مثالب کی حدیثوں کے علاوہ اختلاف قراءت کی روایتیں، تفسیری روایتیں بنا بنا کر مشہور کرنے لگے۔

امیر المومنین عمر بن عبدالعزیزؒ کو اس فتنہ روایات کا احساس ہوا تو اُنہوں نے ابوبکر بن حزم جو والئی مدینہ بھی تھے، حکم دیا کہ صحیح روایتیں و حدیثیں جمع کریں۔ مگر جلد ہی امیر المومنین کی وفات ہوگئی اور ابوبکر بن حزم بھی عہدے سے معزول کر دیئے گئے۔ اس کے بعد سے تو ہر طرف جامعین احادیث کھڑے ہوگئے یہاں تک کہ ائمہ صحاح ستہ نے اپنی اپنی کتابیں مدوّن کر لیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب شیعہ، سُنی، خارجی، معتزلی، قدریہ وغیرہ سب ملے جلے رہتے تھے۔ دینی بٹوارہ نہیں ہوا تھا اس لئے ہر فرقے کے راویوں سے جو بظاہر حال ثقہ معلوم ہوتے تھے، جامعین احادیث روایتیں لے لیا کرتے تھے۔ چنانچہ صحاح کی کتابوں میں شیعوں کی روایتوں کا حصہ رسدی بھی کافی موجود ہے۔ یہ سب حدیثیں جو ''اہل البیت'' سے متعلق ہیں نیز فضائل علیؓ و فاطمہؓ و حسن و حسین میں مروی ہیں تمام تر تو نہیں اکثر و بیشتر شیعوں کی ہیں جو حصہ رسدی کی حیثیت سے سُنیوں کی کتابوں میں آ گئی ہیں۔

بعض شیعہ مصنفین نے سنیت کا لبادہ اوڑھ کر تصانیف کیں۔ مثلاً حاکم صاحب المستدرک کہ ان کی کتاب کے تقریباً ہر صفحہ سے شیعیت نمایاں ہے۔ اُس زمانہ میں جسے زمانہ اجمال کہتے ہیں، سُنیت کی نمائش کرنا اُن کیلئے ضروری بھی تھا۔ چنانچہ فضائل ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کی حدیثیں بھی درج کردی ہیں۔ اسی طرح علامہ ابن جریر طبری ہیں جن کے مسلکاً شیعہ ہونے کا ذکر پچھلے اوراق میں مجملاً ہو چکا ہے اُن کی تفسیر اور تاریخ کی کتابوں کو سُنی اپنی کتابیں سمجھنے لگے اور اُن کی مندرجہ روایتوں وحدیثوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے یہاں تفصیل کا موقع نہیں۔

''عرض مؤلف'' (طبع سوئم) میں ضمناً بیان ہوا ہے کہ سورۃ احزاب کا چوتھا رکوع اول سے آخر تک ازواج مطہرات نبی کریم علیہ وعلیہن الصلوات والتسلیم کی شان پاک میں نازل ہوا ہے جس سے کوئی صاحب عقل و ہوش انکار نہیں کرسکتا۔ اس رکوع کی ابتداء ہی ان الفاظ سے ہوتی ہے: ''اے نبی اپنی بیویوں سے کہہ دو''۔ پھر درمیان میں ینساء النبی (اے نبی کی بیویو!) کہہ کہہ کر مخاطبت فرمائی گئی ہے اور یہ مخاطبت آخر رکوع تک قائم ہے۔ ایک آیت اس رکوع کی یہ ہے:

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا. (الاحزاب:۳۳)

''(اے نبی کی بیویو!) اور تم اپنے گھروں میں رہا کرو۔ اور اگلی جاہلیت والی زینت کی نمائش (غیروں کے آگے) نہ کیا کرو۔ اور نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرتی رہو۔ اللہ اس کے سوا اور کچھ نہیں چاہتا کہ تم سے اے اہل خانہ پلیدی دُور کردے اور اچھی طرح تمہیں پاک کردے۔''

اس آیت سے پہلے بھی ازواج مطہرات سے ہی مخاطبت ہے اُن کے سوا کسی سے نہیں۔ اور پھر اسی آیت کے بعد بھی اور خود اس آیت میں بھی ان ہی بیویوں سے خطاب ہے۔ اب

دیکھئے ابن جریر طبری نے اپنی کتاب ''جامع البیان فی تفسیر القرآن'' کے جز ۲۲ ص ۵ میں ایک دو نہیں اکٹھی سترہ (۱۷) موضوع احادیث اس ثبوت میں درج کی ہیں کہ یہ آیت حضرت علی و فاطمہ و حسن و حسین رضوان اللہ علیہم کے بارے میں ہے۔ پہلی حدیث کے الفاظ ہیں:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نزلت ھذہ الآیۃ فی خمسۃ فی و فی علی رضی اللّٰہ عنہ و حسن رضی اللّٰہ عنہ و حسین رضی اللّٰہ عنہ و فاطمۃ رضی اللّٰہ عنھا.	یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ آیت پانچ شخصوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ میرے بارے میں اور علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اور حسنؓ کے بارے میں اور حسینؓ کے بارے میں اور فاطمہؓ کے بارے میں۔

اس وضعی اور قطعاً جھوٹی حدیث کے آئینہ ہی میں علامہ ابن جریر طبری کی شیعیت کا جنہیں سُنیوں نے اپنا امام قرار دے رکھا ہے صاف اور صحیح عکس دیکھا جا سکتا ہے۔ اس وضعی حدیث کے راویوں میں متعدد سبائی شیعہ شامل ہیں۔ یعنی عطیہ بن سعد بن جنادہ العوفی جو ایک جغادری سبائی محمد بن سائب الکلبی سے روایت کرنا ظاہر کرتا ہے اور خود ہی اس کی کنیت بھی ''ابوسعید'' گھڑ ڈالتا ہے (میزان الاعتدال ج ۲، ص ۲۰۱ وتہذیب التہذیب)۔ تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ حضرت ابو سعید الخدریؓ صحابی رسول سے روایت کر رہا ہے۔ عطیہ نے تو ''ابوسعید'' پر اکتفا کیا تھا، الخدری کا اضافہ نہیں کیا تھا مگر علامہ ابن جریر طبری ''ابوسعید'' کے ساتھ صراحتاً ''الخدری'' بھی لکھتے ہیں۔ اس سے صاف عیاں ہے کہ ان کی شیعی فطرت بھی عطیہ سے کچھ کم نہ تھی۔ ان آیات کی تفسیر میں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: یَا أَیُّھَا النَّبِیُّ قُل لِّأَزوَاجِکَ (اے نبی اپنی بیویوں سے کہہ دو) اور درمیان میں یَا نِسَاءَ النَّبِیِّ کہہ کر مخاطبت فرمائی گئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس منسوبہ قول کو اپنی تفسیر میں درج کرنا کی یہ آیت میری ازواج کے بارے میں نہیں بلکہ خود میرے اور علی و فاطمہ و حسن و حسین کے بارے میں ہے پھر ان حضرات کے ناموں کے ساتھ زبان

مبارک سے ''رضی اللہ عنہ'' کے الفاظ کہلوانا کیا ابن جریر کے غالی شیعہ ہونے کی واضح دلیل نہیں؟ اس پر مستزاد یہ کہ اپنی تاریخ میں ابومخنف کذاب سبائی رافضی کی موضوعات کی بھرمار جیسا ذکر ہو چکا شیعی پروپیگنڈے کی تشہیر کی ہے۔ یہاں یہ ذکر تو ان مفسرین ومحدثین ومؤرخین کی شیعیت کے سلسلہ میں آ گیا جن کی موضوعات سے اکثر سُنی بھی متاثر ہوئے۔ ثاقب وفضائل کی حدیثوں کے گھڑنے کی ابتداء تو بقول ابن ابی الحدید شیعوں نے کی اور جیسا کہ مفتی محمد عبدہ وسید رشید رضا کی تفسیر القرآن کے حوالے سے عرض مؤلف (طبع سوم) میں عرض کیا گیا ہے کہ آیت مباہلہ کے سلسلہ کی جملہ روایتیں شیعوں کی ساختہ ہیں۔ مگر خاصے پڑھے لکھے اہلسُنت بھی ان کے زہریلے اثرات سے محفوظ نہ رہے حتیٰ کہ ایک دیوبندی ''حکیم الاسلام'' نے جو مجموعہ خرافات اس کتاب کی تردید میں شائع کرایا ہے جس کی شیعہ حلقوں میں خاص طور سے اشاعت بھی کی گئی ہے۔ اس میں انہی وضعی روایات کی آڑ لے کر نجرانی عیسائی کو حضرات حسینؓ کی صحابیت کے ثبوت میں بطور شاہد یہ کہہ کر پیش کیا ہے کہ اس نے ''حسن وحسین کے مبارک چہروں پر مقبولیت اور نور فطرۃ کا مشاہدہ کر لیا اور کفار بھی آثار مقبولیت ومحبوبیت کو دور سے دیکھ کر پہچان لیتے تھے جو اسی شرف صحابیت کے آثار تھے۔'' چنانچہ اس عیسائی کے منہ میں گھس کر ''حکیم الاسلام'' نے یہ الفاظ کہلوائے ہیں کہ ''میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ وہ اگر اللہ سے پہاڑوں کو ٹل جانے کا سوال بھی کریں گے تو اللہ پہاڑوں کو ٹلا دے گا۔''

قصہ گوئی اور بات ہے اور واقعات تاریخی کا حقیقت پسندانہ جائزہ لے سکنا دوسری چیز ہے۔ پہاڑوں کا ٹلا دینا تو درکنار حضرت حسینؓ کی شرطوں کے باوجود گورنر صوبہ عبیداللہ کا حکم بھی نہ ٹلایا جا سکا تھا مگر آنحضور ﷺ کے صرف یہی دونواسے تو نہ تھے اور بھی تھے۔ خصوصاً حضرت علی بن ابی العاصؓ سبط رسول ﷺ کو یہ سعادت عظمیٰ حاصل تھی کہ بچپن سے اپنے مقدس نانا کے دامن شفقت میں رہے اور سن تمیز میں آپ کے شرف صحبت سے مشرف ہوئے۔ ان کی والدہ ماجدہ سیدہ زینبؓ آپ کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں جو آپ کو بہت محبوب تھیں۔ ان ہی کے بارے میں

آپ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ **ھی افضل بناتی** یعنی میری بیٹیوں میں یہ سب سے افضل و برتر ہیں۔ انہی کے یہ فرزند اور آپ ﷺ کے سب سے بڑے نواسے حضرت علی بن ابی العاصؓ تھے جو آپ ﷺ کی وفات کے وقت ابعان شباب کی حد تک پہنچ گئے تھے یعنی پندرہ سال کے نوجوان تھے اور آنحضور ﷺ کو اُن سے ایسی محبت و اُلفت تھی کہ فتح مکہ کے دن یہی بڑے نواسے جو بنی اُمیہ کی دوسری شاخ سے تھے آپ کے ردیف تھے۔ یعنی آپ ﷺ کی سواری پر آپ کے ساتھ تھے اور اسی حالت میں مکہ میں داخل ہوئے تھے۔[1] (الاصابہ والاستیعاب و کتاب نسب قریش)

دوسرے دونوں نواسے حسن و حسین تو اتنے چھوٹے بچے تھے کہ صغر سنی کی وجہ سے کسی سفر میں آپ ﷺ کے ردیف ہونے کا شرف انہیں کبھی حاصل نہ ہوا حالانکہ حضرت فاطمہؓ اور اُن کے بچے، ازواج مطہرات اور ہاشمی خاندان کے دیگر افراد حجۃ الوداع ۱۰ھ کے سفر میں آپ ﷺ قافلہ کے ساتھ گئے تھے۔ حضرت علی بن ابی العاصؓ کی حقیقی بہن سیدہ اُمامہ بنت زینبؓ بنت النبی ﷺ آنحضور ﷺ کی سب سے بڑی نواسی تھیں۔ جن سے آپ ﷺ کی محبت و شفقت کے اس واقعہ کا امام بخاری نے خاص باب باندھا ہے یعنی **باب اذا حمل جاریه صغیره علی عنقه فی الصلاۃ** (یعنی چھوٹی سی بچی کو حالت نماز میں گردن پر چڑھا لینے کے بارے میں)۔ اور ایک بدری صحابی ابو قتادہ انصاریؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھتے ہوئے اُمامہ کو دوش مبارک پر بٹھا لیتے، سجدہ میں جاتے وقت اُتار دیتے، کھڑے ہوتے تو پھر چڑھا لیتے۔

" عَنْ أَبِي قَتَادَةَ الأَنصَارِيِّ ' أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي وَهُوَ حَامِلٌ أُمَامَةَ بِنتَ زَينَبَ بِنتِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ ' وَلِأَبِي العَاصِ بنِ رَبِيعَةَ بنِ عَبدِ شَمسٍ فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَهَا ' وَإِذَا قَامَ حَمَلَهَا. " (صحیح بخاری، ح:۵۱۶)

آپ ﷺ نے اپنے بڑے داماد حضرت ابو العاصؓ کی تعریف بھی کی ہے اور فرمایا

---

[1] ۸ھ میں اُن کے وفات پانے کی روایت صحیح نہیں۔

ہے کہ اُنہوں نے جو عہد مجھ سے کیا پورا کیا جو وعدہ کیا وفا کیا۔ یہ ارشاد آپ ﷺ کا اُس وقت کا ہے جب حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ پر سوت لانے کا ارادہ کیا تھا اور ابوجہل کی بیٹی کو پیام دیا تھا۔ آپ کے یہ بڑے داماد اُم المومنین حضرت خدیجہؓ کے حقیقی بھانجے تھے اور قریش کے بڑے تاجر۔ فتح مکہ کے وقت اسلام لائے، ہجرت کی اور جہادوں میں حصہ لیا ۱۳ھ میں فوت ہوگئے۔ مناقب و فضائل کی اکثر و بیشتر روایتوں اور حدیثوں میں آپ کی تینوں محبوب بیٹیوں سیدہ زینبؓ و رقیہؓ و اُم کلثومؓ کا کچھ ذکر آتا ہے نہ جمعہ وعیدین کے خطبوں میں اُن کے نام لئے جاتے ہیں کیا محض اس بناء پر کہ وہ بنی اُمیہ کے خاندان میں بیاہی گئیں۔ صرف ایک صاحبزادی حضرت فاطمہؓ اور اُن کی اولاد کے نام تو لئے جاتے ہیں مگر اُن ہی کی حقیقی بہنوں کے نام ترک کردیئے جاتے ہیں۔ آخر یہ تفریق اور امتیاز کیوں؟ مناقب وفضائل کا معیار بیشتر نسبی تعلق وقرابت کو ان وضعی روایتوں میں بتایا گیا ہے مگر کیا یہ معیار صحیح ہے؟

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے رسالہ ''راس الحسین'' کے ایک حاشیہ کی یہ عبارت اس سلسلہ میں قابل لحاظ ہے۔

وهل يلزم من فضل رسول الله صلعم و حمزة و علي و عبيدة ان يكون كل بني هاشم و ابناء هم فاضلين و كل الصلاح و الفضل يورث كما يورث المال والملك فاين ما ذكر اللّٰه سبحانه عن ابراهيم فى قوله (۲: ۱۲۴) قَالَ اِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهدِي الظَّالِمِينَ. **وقوله (۳۷:۱۱۳)**

اور کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حمزہؓ وعلیؓ وعبیدہؓ کے فضائل سے سارے بنی ہاشم اور ان کے بیٹوں پوتوں کا بھی صاحب فضائل ہونا لازم سمجھا جاسکتا ہے؟ کیا فضیلت اور نیکوکاری بھی ایسی چیزیں ہیں جو وراثت میں وارثوں کو مال و ملک کی طرح ملا کریں؟ تو پھر وہ کہاں جائے گا جو ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ السلام کے ذکر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اپنے کلام پاک میں کہ ''میں تمہیں سب انسانوں کا امام بنانے والا ہوں۔ ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا اور میری اولاد میں سے؟ تو ارشاد ہوا کہ ان سے جو لوگ ظالم ہونگے ان کے ساتھ میرا وعدہ پورا نہ

وَبَارَكنَا عَلَيهِ وَعَلَىٰ اِسحَاقَ وَمِن ذُرِّيَّتِهِمَا مُحسِنٌ وَظَالِمٌ لِّنَفسَهِ مُبِينٌ. **وما قص من نباء ابن نوح عليه السلام وقوله سبحانه يشرح حين تحركت فيه عاطفه الابوه على ابنه** (۱۱:۴۶)[۱] فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ اِنِّيٓ أَعِظُكَ أَن تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ. **ولقد كان ابولهب من بني هاشم، وابو طالب مات على دين ابيه عبدالمطلب المشرك ... ان الشرف والفضل لا يورث و انما يكون بالعلم والايمان والاستقامة والعمل ولقد وقع بنو هاشم فى غرور كبير بهذا الزعم الذي زعموه لانفسهم، او زعمه لهم الناس: ان مجرد النسب يشفع لهم ويغني عنهم فجرا ذلك كثيرا منهم على**

ہوگا۔(۲۔۱۲۴) اور انہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ہم نے ہم نے ابراہیمؑ کو اور اسحقؑ کو برکتیں دیں اور ان کی اولاد میں کچھ نیک کردار ہوئے اور کچھ اپنی جانوں پر آپ کھلم کھلا ظلم کرنے والے ہوئے (۳۷۔۱۱۳) اور پھر پسر نوح کو خبر دی گئی جس وقت نوح علیہ السلام کے دل میں شفقت پدری کا جوش ہوا تھا اور اپنے بیٹے پر ترس کھانے لگے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: جس بات کا تجھ کو علم نہیں اس کے متعلق مجھ سے سوال نہ کریں میں تجھ کو جاہلوں میں شامل ہونے سے باز رہنے کی نصیحت کر رہا ہوں۔(۱۱۔۴۶) اور پھر ابولہب بھی تو بنی ہاشم ہی سے تھا اور ابو طالب بھی اپنے مشرک باپ عبدالمطلب کے دین پر مرے۔۔۔شرافت و فضیلت اور صلاح وتقویٰ وراثت کی چیزیں نہیں ہیں۔ یہ چیزیں ہر شخص کو اس کے علم وایمان وعمل و استقامت کے مطابق ملتی ہیں مگر کچھ بنی ہاشم اپنے زعم باطل کی وجہ سے بڑے غرور نفس میں پڑ گئے جو زعم غلط انہوں نے اپنی ذات کیلئے اپنے دماغوں میں پیدا کرلیا یا لوگوں نے ان کے متعلق اپنے دماغوں میں پیدا کرلیا ہے کہ صرف نسبی تعلق (جو

---

[۱] سورۃ ہود کی ۴۵۔۴۶ آیتوں کا یہ آخری ٹکڑا ہے جس میں یہ مضمون ہے کہ نوح علیہ السلام نے اپنے رب کو کہا اے رب میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے اور بے شک تیرا وعدہ سچا ہے اور تُو سب سے بڑا حاکم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے نوح! انه ليس من اهلك انه عمل غير صالح یعنی وہ نہیں ہے تیرے گھر والوں میں سے، اس کے کام خراب ہیں۔

الاعراض عن العلم والعمل بل وجراهم على الترف الذي يكرهه اللّٰه ورسوله كان فيمن خرج مع الحسين من بني هاشم اطفال مقرطون باللؤلؤ كما ذكر لك ابن كثير[1] (ج۸،ص ۱۸۶) وجراهم على الادلال على الناس والتعاظم والتكبر بذلك. فكان من آثار هذه في نفس بني هاشم وفي الناس شر كثير وضلال مبين وهذا رسول اللّٰه صلعم يقول لهم ولابنته ام الحسين : يا عباس يا عم محمدا يا صفيه عمة محمدا يا فاطمة بنت محمدا اعملوا فلن اغني عنكم من اللّٰه شيئاً فجزى اللّٰه رسوله خير الجزاء عن هذه النصيحة لامته ولا سرته.

اُن کا رسول اللہ صلعم سے ہے) ان کی شفاعت کیلئے کافی ہے اور فقط نسب ہی ان کو سب باتوں سے مستغنی کردے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہتیرے بنی ہاشم کو علم وعمل کی طرف سے بے پروائی سی ہوگئی اور وہ جری اور دلیر ہوگئے۔ علم وعمل کی طرف سے بے پروائی پر یہاں تک کہ وہ عیش وعشرت پر اُتر آئے جس کو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول نے مکروہ قرار دیا ہے۔ اس حد تک کہ حضرت حسین کے ساتھ ایسے بچے نکلے جو کانوں میں موتیوں کے آویزے ڈالے ہوئے جیسا کہ ابن کثیر نے لکھا ہے۔ (دیکھو ج۸،ص ۱۸۶) اس پر دلیر کردیا تھا ان کو اس خیال نے کہ وہ عام لوگوں سے اپنے کو بڑا اور صاحب عظمت سمجھتے تھے۔ اس نسبی تعلق کی بدولت اور ان کے تکبر اور غرور کے باعث بنی ہاشم اور عام لوگوں کے درمیان دلوں میں سخت قسم کا کھوٹ پیدا ہوگیا تھا۔ اور دونوں فریق کے کچھ افراد گمراہیوں میں مبتلا ہوگئے تھے مگر دیکھو رسول اللہ صلعم بنی ہاشم اور اپنی صاحبزادی حسین کی ماں سے فرماتے تھے: اے عباس محمد کے چچا! اور اے صفیہ محمد کی پھوپھی اور اے فاطمہ محمد کی بیٹی، عمل کرو

---

[1] علامہ ابن کثیر نے سبائی راویوں کی جو روایتیں اپنی کتاب میں درج کردی ہیں ان ہی میں یہ روایت بھی ہے۔ چنانچہ مؤلف ناسخ التواریخ نے بھی لکھا ہے کہ علی اکبر کے بعد ایک طفل خیمہ سے باہر آیا۔ خوف اور ڈر سے سارا بدن کانپ رہا تھا۔ دود گوشوارہ از لال درگوش داشت (ص۹۴ جلد ششم از کتاب دوئم)۔

وغالب الظن: ان هذا الادلال بالنسب والاغتراء بالسيادة والشرف الذى زعموه موروثا: هو كان السبب الاكبر فى نكبة الحسين وفى الفتنة لمسلمين هذه الفتنة الكبرى بمقتل الحسين وكان امر اللّٰه قدراً مقدوراً. ورضي اللّٰه عن الحسن فى صافته وحكمته ورشده فى سدباب الشر على المسلمين يدل على انه لم يكن من المغرورين بالنسب وانما كان من المستمسكين اشد الاستمساك برسالة جده صلى اللّٰه عليه وسلم.

(حاشیہ راس الحسین سطر ۶ ص ۲۲)

عمل۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے میں تمہارے کچھ کام نہیں آ سکتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو اس نصیحت کی بہتر سے بہتر جزا عطا فرمائے جو اُنہوں نے اپنی اُمت اور اپنے خاندانوں دونوں کو عطا فرمائی۔ اور گمان غالب یہی ہے کہ یہ نسب پر بھروسہ اور اپنی سیادت وشرافت کا غرور ہی تھا جس کو ان لوگوں نے موروثی قرار دے لیا تھا۔ یہی سب سے بڑا سبب تھا حضرت حسین کے مصیبت میں پڑنے کا اور عام مسلمانوں کیلئے ایک بہت بڑی ایمانی آزمائش مقصود ہے حضرت حسین کے قتل کئے جانے میں اور یہی تقدیر الٰہی تھی جو ہو کر رہی۔

اللہ تعالیٰ حضرت حسن سے راضی رہے کہ ان کی دوراندیش اور حکیمانہ سوجھ بوجھ نے مسلمانوں کے سامنے ساری خرابیوں کا دروازہ بند کر دیا تھا اور یہ اس کی دلیل ہے کہ وہ نسبی فخر کے فریب میں مبتلا نہ تھے اور اپنے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و ہدایت کی ڈوری کو بہت مضبوط طور سے پکڑے ہوئے تھے۔

☆☆☆☆☆

خروج و بغاوت

عربی زبان کے یہ دونوں لفظ سرکشی و مقابلہ پر آجانے کے معنی میں عام طور سے مستعمل ہیں خواہ یہ سرکشی حق کے مقابلے میں ہو یا باطل کے۔ بلند ترین جذبہ حب الوطنی و خدمت ملی کے تحت ہو یا پست ترین مطلب برآری کی غرض سے، رائج الوقت آئینی نظام کی اصلاح یا شکست آئین کے مقصد سے ہو یا اپنی حکومت قائم کرنے کیلئے ایسے تمام اقدامات کو خروج ہی کہا گیا ہے۔

حضرت حسینؓ کا اقدام سیاسی انقلاب پیدا کر کے اپنی حکومت قائم کرنے ہی کی غرض سے تھا اس لئے خروج سے تعبیر کیا گیا ہے اور خود انہی کے عزیزوں مخلص دوستوں اور صحابہ کرام نے جن کے بعض اقوال اسی کتاب میں دوسری جگہ نقل ہیں ان کے اقدام کو خروج ہی کہا ہے۔ حتی کہ ایک شیعہ مؤرخ و نساب نے جناب عمر بن علی کے حالات میں بیان کیا ہے کہ حضرت حسینؓ نے اپنے ان بھائی سے خروج میں ساتھ دینے کو کہا مگر انہوں نے ساتھ نہ دیا۔ **قد دعاہ الی الخروج فلم یخرج** (عمدۃ الطالب ص ۹۹)۔

یہ بات بھی واقعات سے ثابت ہے کہ سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی یہ خواہش اُن کو عرصہ سے تھی موقع مناسب کے منتظر تھے۔ ذکر ہو چکا ہے کہ وہ اپنے بڑے بھائی کی صلح جویانہ پالیسی سے متفق نہ تھے مگر اُن کے دباؤ سے حضرت معاویہؓ سے بالآخر بیعت کر لی تھی۔ عراق کے مفسدین اُن کے اِن خیالات سے بخوبی واقف تھے اور وقتاً فوقتاً ورغلاتے رہتے تھے۔ حضرت معاویہؓ کو ایک مرتبہ جب اس کی اطلاع ملی تو اُنہوں نے حضرت حسینؓ کو مراسلہ بھیجا جس میں لکھا تھا:

> ''تمہارے بارے میں مجھے ایسی خبریں ملی ہیں جو اگر صحیح ہیں تو کچھ بعید نہیں،
> میں نہیں سمجھتا کہ تم خلافت کیلئے جدوجہد کی خواہش ترک کر چکے ہو۔ اگر یہ
> خبریں غلط ہیں تو تم بڑے ہی خوش نصیب ہو۔۔۔۔

حسین! اللہ سے ڈرتے رہو، مسلمانوں میں پھوٹ نہ ڈالو اور انہیں خانہ جنگی کی طرف نہ دھکیلو۔'' (بلاذری)

حضرت حسنؓ کی وفات کے بعد کوفی مفسدین کو تحریص و ترغیب کا پھر موقع مل گیا۔ اس مضمون کی تحریرات بھیجنے لگے کہ اگر اس امر (خلافت) کے طلب کرنے کی آپ کو خواہش ہے تو ہمارے پاس پہنچ جایئے۔ ہم نے اپنی جانوں کو آپ کیلئے وقف کر رکھا ہے۔ حضرت حسینؓ نے جواب میں لکھ بھیجا کہ تم لوگ اُس وقت تک اپنے گھروں میں چپ چاپ بیٹھے رہو جب تک یہ معاویہؓ زندہ ہیں اگر ان کا وقت آ گیا تو دیکھا جائے گا تم بھی سوچنا اور ہم بھی سوچیں گے (اخبار الطّوال ملخصاً) چنانچہ یہ وقت جب آ گیا سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی دیرینہ خواہش کو عملی جامہ پہنانے کیلئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ گورنر مدینہ کو چکمہ دے کر اور سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق یہ اور ابن الزبیرؓ کہ دونوں بعد میں طالب خلافت ہوئے، مدینہ سے مکہ چلے آئے۔ وہ تو خانہ کعبہ میں جا بیٹھے اور حضرت حسینؓ اپنے چچا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس مقیم ہوئے جو اُس وقت ہاشمی خاندان کے سربراہ تھے۔ ان حالات میں امیر المومنین یزیدؒ نے جن پر بحیثیت حکمران خلیفہ کے انقلابی اور تخریبی تحریک کو روکنے اور اس کا مقابلہ کرنے کی پوری ذمہ داری عائد تھی اول تو اپنے طبعی حلم و کرم سے افہام و تفہیم کی کوشش کی۔ حضرت ابن عباسؓ کو مراسلہ بھیجا جو پہلے بھی نقل ہوا ہے اور ناسخ التواریخ کے شیعہ مؤلف نے بھی درج کیا ہے۔ اس میں امیر المومنین نے حضرت حسینؓ کے پاس عراق کے لوگوں کے زیادہ آنے جانے اور خروج پر آمادہ کرنے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا کہ آپ چونکہ ان کے خاندان کے بزرگ اور سردار ہیں، انہیں سمجھایئے اور اُمت میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش سے باز رکھئے۔

حضرت ابن عباسؓ نیز حضرت ابن عمرؓ دوسرے صحابہؓ اور خود اُن کے بھائی حضرت محمد بن الحنفیہؒ نے جس جس طرح اُنہیں سمجھایا، خروج سے روکنے کی کوششیں کیں اُن کا ذکر آ چکا ہے۔ حضرت ابوسعید الخدریؓ صحابی رسول اللہ ﷺ نے اُن سے فرمایا تھا: **اتق اللّٰہ فی نفسک**

والزم بیتک ولا تخرج علی امامک (البدایہ) یعنی اپنے دل میں اللہ سے ڈرو، اپنے گھر میں بیٹھے رہو اور اپنے امام کے خلاف خروج مت کرو۔ امام سے مراد ان صحابی رسول کے نزدیک امیر المومنین یزیدؒ سے تھی جن کی بیعت خلافت کئی مہینے پہلے ہو چکی تھی اور یہی صحابی اس حدیث کے راوی بھی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جب دو خلیفوں کے لئے بیعت ہو تو اس دوسرے کو (یعنی جس کی بعد میں بیعت لی جائے) قتل کر دو۔

اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد رجب ۶۰ھ میں امیر یزیدؒ جو چند سال قبل سے ولی عہد تھے۔ سریر آرائے تخت خلافت ہوئے اُس کے پانچ مہینے کے بعد حضرت حسینؓ نے مکہ معظّمہ سے اس حالت میں خروج کیا تھا کہ سوائے اپنے چند نوجوان عزیزوں کے صحابہ و تابعین میں سے فرد واحد بھی نہ اُن کے ساتھ ہوا اور نہ اُن کے مؤقف کی کسی نے موافقت کی۔ اس سے واضح ہے کہ صحابہ کرام نے خروج سے منع کرنے اور روکنے کی غرض سے احکام شریعت کی متابعت میں کیا کچھ نصیحتیں اُن کو نہ کی ہوں گی۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے رسالہ ''رأس الحسین'' کے حاشیہ کی مندرجہ ذیل عبارت میں حضرت حسینؓ کی اپنے مخلصین کے نصائح سے بے اعتنائی برتنے اور اُس کے افسوس ناک نتائج کا حقیقت پسندانہ بیان ہے جو قابل توجہ ہے۔

ولقد کان للحسین عن کل ذلک مندوحة اذا هو قبل نصح ابن عباس وابن عمر وأخیه محمد بن الحنفیة، وغیرهم ممن نصحه الألباء المخلصین بعدم الخروج من مکة، وقد قال جده صلی اللّٰه علیه وسلم ((اذا بویع لخلیفتین فاقتلوا الثانی منهما)) وهو یعلم أنه قد

اور حسینؓ کو ان تمام باتوں سے بے پروائی و بے اعتنائی سی تھی کہ وہ ابن عباسؓ و ابن عمرؓ اور اپنے بھائی محمد بن الحنفیہؒ کی نصیحتوں کو قبول کرے جو ان دانشمند مخلصین نے ان کو کی کہ مکہ سے خروج نہ کریں اور یہ حقیقت ہے کہ ان کے نانا صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا تھا کہ جب دو خلیفوں کیلئے بیعت ہو تو اُن میں سے دوسرے کو قتل کر دو۔ اور وہ جانتے تھے کہ اہل عراق سے اُن کے والد کے ساتھ بے وفائی ہو چکی ہے اور ان کے بھائی حسن بھی اس بات کو

سبق من أهل العراق الغدر بأبيه ، وعرف منهم ذلک أخوه الحسن رضی اللّٰه عنه ، فاعتزلهم ، وأراح المسلمين من هذه الفتن ، وحقن دماء هم، ولكن الحسين غلبه الشباب والادلال بالنسب والخديعة بالشيعة ، وعدم التمرس فی سياسة الحياة العملية التجريبية ، والأغرار الذين كانوا معه من اخوة مسلم بن عقيل الذين أعماهم عصبية الجاهلية والحرص علی الأخذ بثار مسلم بن عقيل ، كل ذلک غلب الحسين علی الرشد والحكمة ، فزج بنفسه وبمن معه من شباب بنی هاشم فی الأخطار التی أهلكتهم ، ولم يكن شی ء من كل ذلک يرضي اللّٰه ولا رسوله صلی اللّٰه عليه وسلم ، وكان أمر اللّٰه قدراً مقدورا . وما كان يسع يزيد ولا عبيداللّٰه بن زياد ،

جانتے تھے اسی لئے انہوں نے عراقیوں سے کنارہ کشی اختیار کی اور مسلمانوں کو ان فتنوں سے بچالیا اور باہمی خونریزی نہ ہونے دی لیکن حسینؓ پر جوانی اور نسبی غرہ اور شیعوں کا فریب غالب آ گیا تھا اور پھر عملی زندگی کی سیاست سے ناواقفیت اور ناتجربہ کاری بھی تھی۔ ان سب پر بالا یہ بات تھی کہ ان کے ساتھ مسلم بن عقیل کے جو بھائی تھے ان کو مسلم بن عقیل کے خون کا بدلہ لینے کے خیال نے حمیۃ جاہلیہ کے جذبات اُبھار کر اندھا کر دیا تھا۔ یہ ساری باتیں حسینؓ کی مصلحت اندیشی و ہدایت کوشی پر غالب آ گئیں۔ آخر انہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے ساتھی بنی ہاشم کے کچھ نوجوانوں کو خطرناک حالت میں ڈال دیا جس نے ان سب کو ہلاکت تک پہنچا دیا۔ ان باتوں میں سے کوئی بات بھی ایسی نہ تھی جو رضائے الٰہی وخوشنودی رسول کا باعث سمجھی جاسکے لیکن تقدیر الٰہی یوں ہی تھی جو ہوکر رہی۔ اور یہ بات یزید اور عبیداللہ بن زیاد کی وسعت سے باہر تھی کیونکہ فتنہ و فساد کے طوفان جزیرے (عراق) میں، عالم اسلامی کے قلب میں موجیں مار رہے تھے۔ صفین کی خونریزیاں فتنوں کی طرف اشارہ کر رہی تھیں۔ جو کچھ ہوا اس کے سوا ان کی وسعت میں اور کچھ نہ تھا اور اگر حسینؓ یا کوئی بھی بنی ہاشم میں سے ان لوگوں کی جگہ ہوتا اس سے

والفتن تموج بالجزيرة ' قلب العالم الاسلامی ' ودماء صفين لا تزال تلمح بالفتنة ' ما كان يسعهم الا ما كان ' ولو أن الحسين أو غيره من بنی هاشم كان مكانهم ما وسعه الا ما وسعهم ' ولقد كان من بنی العباس مثل ما كان من يزيد و عبيداللّٰه بن زياد وأشد ' ولم ير الناس صنيعهم بالعين التی رأوا بها صنيع يزيد و عبيداللّٰه بن زياد ' لهوى غلب' أو اتقاء لسخط العامة ' ورغبة فی رضاهم ' أو لعاطفة تحكمت بغير بصيرة ولا عدل. فكان من ذلک التجافی عن النصفة ' والميل عن وزن الأمور بالقسطاس المستقيم . ولو قام الناس بالقسط. كما أمر اللّٰه ' لخمدت نيران تلک الفتن العمياء التی طالما حذر منها الرسول صلی اللّٰه عليه وسلم' والتی يصطلی المسلمون الی اليوم بنارها ' ولا يتشجعون أن يطفئوها . ولا حول ولا قوة الا باللّٰه.

(حاشیہ رسالہ رأس الحسین طبع ۱۹۶۸ء)

بھی وہی ہوتا جو ان سے ہوسکا۔ چنانچہ بنی عباس سے وہی کچھ ہوا جیسا کہ یزید اور عبیداللہ بن زیاد سے ہوا بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت مگر لوگ بنی عباس کی کارروائیوں کو اس نظر سے نہیں دیکھتے جس نظر سے یزید اور عبیداللہ بن زیاد کے کاموں کو دیکھتے ہیں۔ محض غلبہ ہوائے نفس کے سبب سے یا عوام کی ناراضی کے ڈر سے اور عوام کو خوش کرنے کیلئے یک طرفہ غلو اور میلان طبع کی وجہ سے جو انہوں نے بغیر بصیرت اور عدل وانصاف کے پیدا کرلیا ہے۔ درحقیقت یہ انصاف و دیانت سے رُوگردانی اور واقعات و امور کو صحیح ترازو پر تولنے کے خلاف ہے ۔ اور اگر لوگ واقعی حکم انہی کے مطابق انصاف کرنے کیلئے کھڑے ہوجائیں تو ان اندھے فتنوں کی آگ ضرور بجھ جائے جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈرایا تھا اور جن فتنوں کی آگ آج مسلمانوں کو جھلسا رہی ہے مگر لوگ اس کے بجھانے پر کمر بستہ نہیں ہوتے۔ حق کو قائم رکھنے اور باطل کو اکھیڑ پھینکنے کی قوت اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

مؤرخین نے خود حضرت حسینؓ ہی کے بعض اقوال درج کئے ہیں جن سے ثابت ہے کہ حسبی ونسبی علوئے مرتبت کی بناء پر خلافت کا دوسروں کے مقابلہ میں وہ اپنے آپ کو زیادہ حق دار سمجھتے تھے۔ مندرجہ بالا عبارت میں الادلال بالنسب (نسب پر فخر) سے اسی جانب اشارہ ہے۔ امیر یزیدؒ نے بھی ان کے واقعہ پر اظہار تأسف کرتے ہوئے ایک موقعہ پر کہا تھا کہ حسینؓ نے اپنے بزرگوں کے نام لے کر میرے ماں باپ اور میرے جد پر فوقیت جتائی تھی سو حال اس کا یہ ہے کہ ان کے اور میرے والد کے تنازعہ کا فیصلہ تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہو گیا تھا اور دنیا جانتی ہے کہ فیصلہ کس کے حق میں ہوا تھا۔ والدہ ماجدہ ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں ان سے میری ماں کو نسبت ہی کیا پھر جد مادری تو ان کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم افضل البشر ہیں اور میری جان کی قسم جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے جانتا ہے کہ سب انسانوں سے بے عدیل و بے نظیر ہیں، رہا اُن کا یہ قول کہ **انا خیر منه و احق بهذا الامر** (یعنی میں یزید سے برتر ہوں اور اس امر خلافت کا زیادہ حقدار ہوں) تو یہ اللہ کی دین ہے وہ جسے چاہتا ہے حکومت عطا کرتا ہے۔ **توء تی الملک من تشاء**۔ (الخضری)

ابتدائی اوراق میں احادیث نبوی اور احکام شرعی کی رُو سے یہ بیان ہو چکا ہے کہ منصب خلافت کیلئے جس فرد ملت کی اول بیعت ہو جائے خواہ نسباً کمتر ہی کیوں نہ ہو اس کے مقابلہ میں خروج کا اور دعوے خلافت کا کسی دوسرے کو حق نہیں پہنچتا خواہ وہ نسباً وحسباً کیسا ہی افضل کیوں نہ ہو۔ امیر وخلیفہ کی اطاعت اچھا ہو یا برا، ہر حالت میں سوائے معصیت کے لازم ہے۔ خود حضرت حسینؓ ہی کے والد ماجد نے خارجیوں کے اس قول پر کہ حکومت اللہ کے سوا کسی کی نہیں، فرمایا تھا:

''وانہ لابد من امیر براو فاجر (الی آخرہ) یعنی لوگوں کیلئے امیر (خلیفہ) ضروری ہے خواہ وہ نیکوکار ہو یا فاجر کہ مومن اس کے عہد خلافت میں اپنا کام کر سکے اور کافر بھی دنیاوی فائدہ حاصل کر سکے اور اللہ اپنی مقررہ مدت کو پوری کر دے۔ (الی آخرہ)'' (نہج البلاغہ ج ا، ص ۱۰۰)

خلیفہ کے انتخاب میں نسل و خاندان اور حسب ونسب کی کوئی قید نہیں، نہ شریعت

نے کسی کو یہ حق دیا ہے کہ نسبی تفوق کی بناء پر دعوے دار ہو بلکہ خلافت کیلئے خود خواہشمند اور حریص ہونے کو بھی منع کیا گیا ہے۔ امام بخاری نے کتاب الاحکام کے باب میں مَا یُکرَہُ مِنَ الحِرصِ عَلَی الاِمَارَۃِ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ:

((اِنَّا لَا نُوَلِّي هَذَا مَن سَأَلَهُ ، وَلَا مَن حَرَصَ عَلَيهِ))

''میں اس شخص کو کوئی عہدہ نہ دوں گا جو خود اس کا طالب ہو یا اس کی حرص کرے۔''

چنانچہ حضرت ابوذر غفاریؓ اور حضرت فضل بن عباسؓ کو طلب وخواہش پر آپ نے عامل مقرر نہیں فرمایا تھا۔ طلب خلافت کی اجازت ہوتی تو ہر طرف سے دعوے دار کھڑے ہو جاتے اور اُمت میں تفرقہ وانتشار پڑ جاتا۔ جیسا بعض حضرات کی سیاسی لغزشوں کی وجہ سے بالآخر یہی سب کچھ ہوا جس کے تلخ ترین نتائج اُمت کو بھگتنا پڑے۔ مثلاً حضرت حسینؓ کے خروج سے جو ملت اسلامیہ میں پہلا اور ناکام خروج تھا تقریباً نصف صدی بعد سے ان کے اور اُن کے برادر بزرگ حضرت حسنؓ کے اخلاف نے قائم حکومتوں کے مقابلہ میں خروجوں کا تانتا باندھ دیا تھا۔ اس کتاب کی دوسری جلد ''تحقیق مزید'' میں حسنی وحسینی نسب کے پینسٹھ (۶۵) اشخاص کے خروجوں کے حالات و واقعات سلسلہ وار پیش کئے گئے ہیں جو اُموی وعباسی خلفاء کے خلاف ہوتے رہے۔ ان سب طالبان خلافت کے دعاوی کا دارومدار زیادہ تر نسبی تعلّیوں اور تفاخر بالآباء ہی پر تھا۔ مگر حصول مقصد میں سب ہی ناکام ونامراد رہے یعنی سریر آرائے خلافت کوئی بھی نہ ہوسکا۔ یہ شاید آنحضور ﷺ کے اس ارشاد کی تعبیر ہی تھی کہ اِنَّا لَا نُوَلِّي، مَن حَرَصَ عَلَيه یعنی جو اس منصب کی حرص رکھتا ہو اس کو مقرر نہیں کریں گے۔ سبائی راویوں نے ہر حکمران اور خلیفہ وقت کو جس نے باغیوں اور خروج کرنے والوں کا مقابلہ کیا اور بغاوتوں کا استیصال کر کے امن وامان بحال کیا، غاصب وجابر وظالم و فاسق و فاجر کہا اور طالبان خلافت اور باغیوں کی پاکیزگی و تقدیس میں جھوٹی حدیثیں اور مہمل روایتیں گھڑ ڈالیں حتیٰ کہ ۱۶۹ھ میں اولاد حسنؓ میں سے جن لوگوں نے طلب خلافت کے لئے خروج کیا تھا اور وادی فخ قرب مدینہ میں سرکاری فوجی دستہ کے مقابلہ میں مارے گئے، یہ مہمل

حدیث و روایت وضع ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر مقام فتح پر ہوا۔ آپ ﷺ نے صحابہ کے ساتھ نماز جنازہ پڑھی (گویا اُن کے مارے جانے سے تقریباً ڈیڑھ سو برس پہلے) پھر فرمایا کہ اس جگہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص مع ایک جماعت کے قتل ہوگا ان کے کفن اور خوشبوئیں جنت سے نازل ہونگی اور اُن کے جسم اُن کی روحوں سے پہلے ہی جنت میں پہنچ جائیں گے۔ (مقاتل الطالبیین، ص ۴۳۶)

اس سے تقریباً نصف صدی پہلے حضرت حسینؓ کے پوتے جناب زید بن علی (زین العابدین) نے امیر المومنین ہشام اُموی جیسے نیک سیرت وحلیم وکریم و پاک باز خلیفہ کے خلاف کوفی سبائیوں کے ورغلانے سے خروج کیا تھا اور مارے گئے تھے اُن کو ''زید الشہید'' کا لقب دیا گیا۔ پھر اس سے تقریباً چوبیس برس بعد حضرت حسنؓ کے پروتے محمد الارقط بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ نے ۱۴۵ھ میں امیر المومنین ابوجعفر المنصور عباسی کے خلاف جو علم وعمل، تقویٰ وطہارت میں ممتاز بڑے فرزانہ و مدبر و منتظم حکمران تھے، مدینہ سے خروج کیا۔ وہی امیر المومنین ہیں جن کے ایماء سے امام مالکؒ نے حدیث کی کتاب المؤطاء تالیف کی تھی۔ ابن خلدون اس بارے میں لکھتے ہیں کہ:

وقد كان أبو جعفر بمكان من العلم والدّين قبل الخلافة وبعدها وهو القائل لمالك حين أشار عليه بتأليف الموطّاء يا أبا عبداللّه انّه لم يبق على وجه الأرض أعلم منّي ومنك وانّي قد شغلتني الخلافة فضع أنت للنّاس كتابا ينتفعون به تجنّب فيه رخص ابن عبّاس وشدائد ابن عمر ووطّئه للنّاس توطئة قال مالك فو اللّه	اور ابوجعفرؒ کا خلافت پر فائز ہونے سے پہلے اور اس کے بعد علم اور دین میں جو مرتبہ وامتیاز تھا وہ مخفی نہیں۔ انہوں نے ہی امام مالک کو کتاب الموطاء کے تالیف کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ اے ابوعبداللہ! دنیا کے پردے پر اب سوائے میرے اور تمہارے حدیث نبوی کا عالم کوئی باقی نہیں رہا۔ میں تو اس خلافت کے بکھیڑوں میں مشغول ہوں تم لوگوں کیلئے کتاب تالیف کرو جس سے وہ نفع حاصل کریں۔ اس میں تم ابن عباسؓ کی سی نرمی اور ابن عمرؓ کی سی سختی

لقد علّمنی التّصنیف یومئذ.
(مقدمه تاریخ ابن خلدون)

سے اجتناب کرنا اور لوگوں کیلئے اس کو اچھی طرح روند ڈالو یعنی خوب تحقیق سے لکھو۔ امام مالکؒ کہتے ہیں کہ قسم باللہ اسی دن مجھے ابوجعفرؒ نے تصنیف کا فن سکھا دیا۔

انہی امیر المومنین نے ابن اسحٰق سے سیرۃ نبوی تالیف کرائی تھی اور امام ابوحنیفہؒ سے فقہ کی تدوین واشاعت علوم کیلئے دارالترجمہ قائم کیا۔ حد درجہ سادہ زندگی بسر کرتے، بیت المال میں سے ایک حبہ بھی اپنی ذات پر صرف نہ کرتے **ولا سمع بالانفاق فیه من اموال المسلمین** (مقدمہ ابن خلدون)۔ ایسے عالم و فاضل متقی و پرہیزگار خلیفہ کے خلاف جن کی خلافت اس عہد کی مثالی خلافت تھی محض نسبی تعلّیوں کی بناء پر محمد الارقط نے اپنا حق جتایا اور خروج کیا اور عوام کو دام فریب میں پھانسنے اور جمعیت اکٹھی کرنے کیلئے اپنے آپ کو ''مہدی'' کہا۔ محمد الارقط کے بجائے ''محمد المہدی'' کہلانے لگے۔ ان کے اور ان کے ساتھیوں کے سرکاری فوجی دستہ کے مقابلہ میں مارے جانے کے بعد ان کی تقدیس میں بھی جھوٹی حدیثیں وضع ہوئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ قول منسوب کیا گیا کہ میری اولاد میں سے ایک ''نفس ذکیہ'' اس مقام احجار الزیت پر قتل ہوگا (عمدۃ الطالب ص ۸۳)۔

غالی راویوں کے وضع کردہ اس لقب کی تشہیر اس شدت سے کی گئی کہ غیر شیعہ اور اچھے پڑھے لکھے لوگ نام کے بجائے ''نفس ذکیہ'' ہی کہنے اور لکھنے لگے۔ محمد الارقط کے اس خروج کے جواز میں جو کھلی بغاوت تھی اور ایسے امیر و خلیفہ کے مقابلہ میں کی گئی تھی جن کی خلافت قائم ہوئے بھی بارہ برس ہو چکے تھے۔

امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ پر یہ بہتان باندھے گئے کہ محمد الارقط کے خروج کی موافقت میں انہوں نے فتوے دیئے تھے اور ابوجعفر المنصور کو غاصب جانتے تھے حالانکہ یہ دونوں ائمہ مذہب امیر المومنین کی سرپرستی میں علمی خدمات انجام دے رہے تھے۔ خود امام ابوحنیفہؒ ہی کی

زبانی سُنیئے کہ وہ اس خلیفہ کو ''امیر المومنین'' ہی کہتے ہیں جس کے خلاف فتویٰ دینے کا بہتان اُن پر باندھا ہے۔فرماتے ہیں کہ میں امیر المومنین ابوجعفرؒ کے پاس گیا انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ اے ابوحنیفہ تم نے علم کن (بزرگوں) سے حاصل کیا۔(**قال ابو حنیفة دخلت علی ابی جعفر امیر المومنین فقال لی یا ابا حنیفة عمن اخذت العلم** ۔ص۳۶۴،تاریخ الخمیس)۔

ان کذب بیانیوں پر تفصیلی محاکمہ دوسری کتاب میں کیا گیا ہے یہاں تو حضرت حسینؓ کے خروج کے سلسلہ میں یہ چند مثالیں اس غرض سے پیش کی گئیں کہ جب حضرات حسنین کے پوتوں و پروتوں کی بغاوتوں کو مذہبی رنگ دیا گیا، باغیوں کے فضائل و تقدیس میں حدیثیں وضع ہوئیں اور جن خلفاء اور ان کے عمال نے طالبان خلافت کا مقابلہ کیا انہیں طرح طرح مطعون کیا گیا۔غاصب وفاجر کہا گیا تو اُس خلیفہ وحکمران کی درگت بنانے میں غالی سبائی راوی کون سی کسر اُٹھا رکھتے جس نے خود حضرت حسینؓ کے خروج کو ناکام بنانے اور ذمہ دار حکمران کی حیثیت سے صوبہ عراق سے جہاں فتنوں کے طوفان موجیں مار رہے تھے،شر وفساد دفع کرنے کیلئے عمال حکومت کو احکام جاری کئے تھے مگر جیسا شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اپنے ایک رسالہ الوصیۃ الکبریٰ میں بیان کرتے ہیں کہ یزیدؒ بن معاویہؓ نے نہ حسینؓ کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا نہ اُس پر اظہار مسرّت کیا تھا۔

وَهُوَ لَم يَأمُر بِقَتلِ الحسين ، وَلَا أَظهَرَ الفَرَحَ بِقَتلِهِ ، وَلَا نَكَتَ بِالقَضِيبِ عَلَى ثَنَايَاهُ رَضِيَ اللَّهُ عَنهُ وَلَا حَمَلَ رَأس الحسين رَضِيَ اللَّهُ عَنهُ ، الَى الشَّامِ ، لَكِن أَمَرَ بِمَنعِ الحسين رَضِيَ اللَّهُ عَنهُ وَبِدَفعِهِ عَن الأَمرِ وَلَو كَانَ بِقِتَالِهِ.	اُس نے نہ حسین کے قتل کرنے کا حکم دیا تھا اور نہ اُن کے قتل پر خوشی ظاہر کی اور نہ اُن کے دانتوں پر چھڑی ماری اور نہ حسین کا سر ملک شام بھیجا گیا۔لیکن حسین کو روکنے اور ان کے ارادہ سے باز رکھنے کا حکم دیا تھا خواہ اس میں ان سے لڑنا ہی کیوں نہ پڑ جائے۔

(رسالہ الوصیۃ الکبریٰ ابن تیمیہؒ)

لڑائی بھڑائی کی جو صورت پیش آئی اس کا تفصیلی ذکر ہو چکا ہے۔ یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ جب حضرت حسینؓ کوفیوں کی نصرت وحمایت سے مایوس ہو کر طلب خلافت سے دستبردار ہو گئے تھے اور واپسی کیلئے یا بصورت دیگر کسی سرحدی مقام پر یا خلیفہ یزیدؒ کے پاس جانے کیلئے آمادہ تھے تو گورنر عبیداللہ بن زیاد نے آخر یہ مطالبہ کیوں کیا کہ پہلے بیعت کرلیں۔ بیعت کا یہ مطالبہ آیا جبر وظلم کی بناء پر تھا یا آئین و قانون و ضابطہ کے تحت۔ پھر کیوں حضرت حسینؓ نے گورنر کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے جیسا کہا جاتا ہے انکار کیا۔ حالانکہ ابن زیاد سے بیعت خلیفہ ہی کی بیعت تھی۔ کیونکہ وہی خلیفہ وقت کا نائب قائم مقام تھا وہی حاکم مجاز تھا اور اسی خلیفہ نے فتنہ کو مٹانے، امن وامان بحال کرنے اور اُمت کی اس مصلحت کو قائم رکھنے کا ذمہ دار بنایا تھا جس کی جانب حسینؓ کے دانشمند ناصحین نے اشارہ کیا تھا۔ قانون کی نظر میں سب یکساں ہیں کوئی شخصیت قانون سے مستثنیٰ نہیں اور نہ کوئی شخص بادعائے عالی نسبی قانون سے بالا ہوسکتا ہے۔ حضرت اسامہؓ نے جب مخزومی قبیلہ کی خاتون کے بارے عرض کیا تھا کہ چوری کے جُرم میں ہاتھ نہ کاٹا جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ پچھلی قومیں اس لئے بھی تباہ ہوئیں کہ اُن میں بڑے لوگ کوئی جُرم کرتے تو چھوڑ دیئے جاتے وہی جُرم چھوٹے کرتے تو سزا پاتے۔ میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے تو اُس کا بھی ہاتھ کاٹ دوں گا۔ صلی اللہ علیہ وسلم

اس سلسلہ میں مثالاً فرض کیجیے ہمارے زمانہ میں کوئی پیرزادے اپنے خاندانی مریدوں کے بل بوتے پر مملکت کے کسی علاقہ میں بغاوت کا اقدام کر بیٹھیں اور ناکام رہ کر عذرات پیش کرنے اور اپنی پیرزادگی کا واسطہ دینے لگیں تو اس علاقہ کا کمشنر یا چیف کمشنر جو علاقائی نظم ونسق کا ذمہ دار ہے آیا اُن کو گرفتار کر کے جیل بھیجے گا یا پیرزادگی کا لحاظ کر کے رہا کر دے گا۔

پیش آمدہ حالات کے اعتبار سے گورنر عبیداللہ بن زیاد کا یہ مطالبہ کہ حسینؓ اول بیعت کرلیں جائز اور ہمدردانہ مطالبہ تھا اور سیاسی ووقتی مصالح کے لحاظ سے یہی مناسب اور ضروری تھا کیونکہ گورنر کے ہاتھ پر بیعت کر لینے سے ایسا واضح اور بین ثبوت ان کی دست برداری کا ہو جاتا

کہ پھر اُن کے خلاف کسی کارروائی کا کوئی امکان ہی نہ رہتا۔ اور دوسری طرف افسران حکومت کے دلوں میں جو خدشہ تھا کہ مدینہ یا دمشق کے سفر پر اگر ہم اُنہیں جانے دیں مبادا پھر کوئی اقدام از خود یا کوفی ساتھیوں کے اثر سے کر بیٹھیں، بیعت کر لینے سے اس خدشہ کا بھی ازالہ ہو جاتا۔ بہر حال طلب خلافت سے دست برداری خواہ غلطی محسوس کر لینے کے بعد کی ہو یا اس مجبوری سے کہ نصرت و حمایت کا وعدہ کرنے والے ہی منحرف ہو گئے تھے لازمی نتیجہ ان کی دست برداری کا بیعت خلیفہ و التزام جماعت مسلمین ہی ہو سکتا تھا۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ حسینؓ برابر اپنے مؤقف پر قائم رہے اور بیعت سے منکر، وہ نہیں سمجھتے کیا کہہ رہے ہیں، حضرت حسینؓ کو کس پوزیشن میں رکھ رہے ہیں۔

لزوم جماعت و اطاعت خلیفہ کے بارے میں متعدد احادیث میں سخت تاکید ہے۔

پچھلے اوراق میں ہم حضرت حسینؓ کے ترک طلب خلافت کے سلسلہ میں کہہ چکے ہیں کہ: ''حسینؓ کی طہارت طینت کی برکت تھی کہ آپ نے بالآخر اپنے مؤقف سے رُجوع کر لیا۔'' حضرت حسینؓ کی یہ سعادت کبریٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خروج عن الجماعت کے شر سے محفوظ رکھا۔ اسلامی زندگی کا دوسرا نام ہے باہمی اتحاد و اخوت و ائتلاف اور حسب فرمان نبوی ﷺ جو شخص اطاعت امام و خلیفہ سے الگ ہو گیا یعنی بیعت نہ کی اُس کی موت جاہلیت کی موت ہو گی خواہ ارکان مذہب کا پابند ہی کیوں نہ ہو۔

مؤرخین نے خود حضرت حسینؓ ہی کے یہ الفاظ متعدد جگہ نقل کئے ہیں کہ:

''اضع یدی فی ید یزید بن معاویہ۔'' یعنی میں یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دینے کو موجود ہوں۔ مگر یہ موقع کیوں نہ آیا اس کی تفصیلات بیان ہو چکیں۔ مسلم بن عقیل کے بھائیوں کی عصبیۃ جاہلیہ نے یہ نوبت نہ آنے دی ورنہ واقعات کا دھارا یکسر پلٹ جاتا۔ گورنر عبیداللہ بن زیاد اور دوسرے افسران نے اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوئی غلط کارروائی نہیں کی تھی اسی وجہ سے اُن سے نہ کوئی باز پُرس ہوئی اور نہ ہونی چاہیئے تھی۔ اُس وقت صورت حال یہ تھی کہ عراقی اور کوفی سب حکومت کے ساتھ تھے اور بیعت خلیفہ میں منسلک، معدودے چند سر پھرے جو بغاوت کے سرغنہ تھے

خائب و خاسر زاویہ خمول میں جا بیٹھے تھے۔مملکت کے تمام صوبوں اور صوبوں کے تمام مقامات پر خلیفہ یزیدؒ کی بیعت مکمل و مؤکد ہوگئی تھی جس پر پورے چھ ماہ کی مدت بھی گزر چکی تھی۔سینکڑوں صحابہ کرام جن میں بدری صحابہ و اصحاب بیعت الرضوان جیسی ہستیاں جو درجہ و منزلت میں جناب حسینؓ سے بہت اونچی تھیں اس نوجوان غازی و مجاہد کی بطیّب خاطر بیعت کر چکی تھیں جس کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ:

وَكَانَ مِن شُبَّانِ الْمُسلِمِينَ، وَلَا كَانَ كَافِرًا زِندِيقًا، وَتَوَلَّى بَعدَ أَبِيهِ عَلَى كَرَاهَةٍ مِن بَعضِ الْمُسلِمِينَ وَرِضًا مِن بَعضِهِم، وَكَانَ فِيهِ شَجَاعَةٌ وَكَرَمٌ، وَلَم يَكُن مُظهِرًا لِلفَوَاحِشِ كَمَا يَحكِي عَنهُ خُصُومُهُ. (الوصیۃ الکبری ابن تیمیۃ)	اور وہ (یزیدؒ) مسلمان نوجوانوں میں سے تھے نہ کافر تھے، نہ زندیق، اپنے والد کے بعد حاکم (خلیفہ) ہوئے جسے بعض مسلمانوں نے ناپسند کیا اور بعض نے پسند کیا۔ ان کی ذات میں بہادری کرم اور مہربانی کی صفات تھیں اور وہ فواحش اور برائیاں اُن میں نہیں تھیں جو اُن کے دشمن اُن سے منسوب کرتے ہیں۔

ناپسند کرنے والوں میں ایک گروہ تو ان کوفیوں ہی کا تھا جنہوں نے آخر میں حضرت حسینؓ سے انحراف کیا تھا باقی یہ دو بزرگوار تھے جو خود طالب خلافت تھے۔یعنی حضرت حسینؓ و ابن زبیرؓ ان کے علاوہ اور کوئی قابل ذکر ہستی مخالف نہ تھی۔حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیقؓ کا نام اس ضمن میں لینا غلط ہے کیونکہ وہ تو بیعت خلافت سے تین سال پہلے ہی فوت ہو چکے تھے۔حضرت عبداللہ بن عمر فاروقؓ و دیگر صحابہ نے خصوصاً حضرت حسینؓ کے چچا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ساتھ ابتداء ہی میں بیعت کر لی تھی۔ابن حجر نے فتح الباری میں ان کے مؤقف کی یوں تصریح کی ہے:

كَانَ امتَنَعَ أَن يُبَايِعَ لِعَلِيٍّ أَو مُعَاوِيَهَ لَمَّا اصطَلَحَ مَعَ الحَسَنِ بنِ عَلِيٍّ	ابن عمرؓ نے تو علیؓ و معاویہؓ دونوں سے بیعت کرنے سے (فتنہ کے دوران) انکار کر دیا تھا

"وَاجتَمَعَ عَلَيهِ النَّاسُ وَبَايَعَ لِابنِهِ يَزِيدَ بَعدَ مَوتِ مَعَاوِيَةَ لِاجتِمَاعِ النَّاسِ عَلَيهِ.
(فتح الباری ج۲۹،ص۶۲۰)

پھر معاویہؓ سے اُس وقت بیعت کر لی جب حسن بن علیؓ سے صلح ہو کر لوگوں کا اُن پر اجماع ہو گیا تھا پھر معاویہؓ کی وفات کے بعد ان کے فرزند یزیدؒ سے بیعت کی کہ اُن پر بھی لوگوں کا اجماع ہو گیا تھا۔

استخلاف کے علاوہ امیر یزیدؒ کی خلافت پر اجماع اُمت کا ہونا ان کے متفق علیہ و برحق خلیفہ ہونے کا ایسا ثبوت ہے جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ ایک شیعہ مؤلف لکھتے ہیں کہ:

''حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی یزیدؒ کو خلیفہ برحق جانتے تھے اگر ایسا نہ جانتے تو آپ نہ خود یزید کے ہاتھ پر بیعت فرماتے اور نہ لوگوں سے یزید کے ہاتھ پر بیعت کراتے۔ اتنے بڑے خلیفہ کے بیٹے اور خود بھی مرد دانا اور فہیم ہو کر ایک فعل لغو کے مرتکب نہیں ہو سکتے۔ یقیناً آپ حضرت یزید کی خلافت کو ایک باقاعدہ خلافت سمجھتے تھے اور کیوں نہ باقاعدہ سمجھتے جب یزید کی خلافت حقہ ہونے میں شروط خلافت کی رُو سے کوئی عذر نہیں کیا جا سکتا ہے۔''
(مصباح الظلم ص ۱۳۷، مطبوعہ اسٹیٹ پریس رامپور)

یہی شیعہ مؤلف مزید فرماتے ہیں:

''خلیفہ منجانب الناس اور خلیفہ من جانب اللہ کی کھلی مثال یزید اور جناب امام حسین ہیں۔ بلاشبہ دونوں ایک دوسرے کے ہم عصر خلیفہ تھے گر ایک کو خلافت من جانب الناس اور دوسرے کو منجانب اللہ حاصل تھی۔ یزید شروط خلافت کے ساتھ خلیفہ قرار پایا تھا اسی لئے خلافت منجانب الناس تھی۔ جناب امام حسینؑ رسول اللہ کے خلیفہ عصمت کی بنیاد پر تھے اس لئے آپ کی خلافت منجانب اللہ تھی۔''
(مصباح الظلم ص ۲۲۳، مطبوعہ اسٹیٹ پریس رامپور)

لیکن مؤلف موصوف نے یہ نہ بتایا کہ اللہ کے مقرر کئے ہوئے خلیفہ نے لوگوں کے منتخب کئے ہوئے خلیفہ کے خلاف خروج کیوں کیا اور کیوں کامیاب نہ ہوئے۔ صحابہ کرام نے اور اُن بزرگواروں نے جو اللہ کے کلام ''والذین معہ'' کے مصداق تھے یعنی بدری صحابہ و اصحاب بیعت الرضوان نے نیز تابعین عظام و جمہور اُمت خصوصاً اُن کے قریبی عزیزوں نے ''خلیفہ منجانب اللہ'' کا ساتھ کیوں نہ دیا اور کیوں خروج سے منع کیا۔ ظاہر ہے کہ یہ سب بزرگواران ''خلیفہ منجانب اللہ'' نہیں سمجھتے تھے۔ جیسا خود مؤلف موصوف نے ہی لکھا ہے کہ:

''اہل سُنت کے عقائد کی رُو سے جناب امام حسین نہ خلیفہ رسول تھے نہ امام وقت اور نہ معصوم۔ آپ کی جنگ آزمائی یزید کے مقابلہ میں خروج تھی اور اسی لئے آپ کی ہلاکت شہادت نہیں مانی جاسکتی جیسا کہ کہا گیا ہے کہ **خرج الحسین فقتل عن سیف جدہ** ۔''

(مصباح الظلم ص۱۴۴، مطبوعہ اسٹیٹ پریس رامپور)

اسی سلسلہ میں نواب صدیق حسن خان کی کتاب **حجج الکرامۃ** سے یہ عبارت بھی نقل کی ہے کہ:

بیعت برائے یزید گردید و بود پس حسین بروے باغی شد۔ زیرا کہ کسان بسیار اقدام بر بیعت دے اختیار کردند و باوجود استخلاف این چنیں بغاوت کہ حسین کرد شرط نہ باشد و شک نیست کہ پدرش معاویہ خلیفہ برحق بود۔ (ص۱۴۴، ایضاً)

یزید کیلئے بیعت (خلافت) ہوگئی تھی لہٰذا حسین نے ان پر بغاوت کی کیونکہ بہت سے لوگوں نے یزید کی بیعت کرلی تھی اور ان کے والد نے ان کو ولی عہد بھی کیا تھا باوجود استخلاف کے ایسی بغاوت جو حسین نے کی جائز نہ تھی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے والد معاویہ خلیفہ برحق تھے۔

اپنی کتاب مصباح الظلم کے آخری صفحات پر یہ شیعہ مؤلف صاف طور سے لکھتے ہیں کہ:

''خلافت شیخین یعنی خلافت حضرت ابوبکر وخلافت حضرت عمر کو حق مان کر کوئی متنفس نہ امام حسینؓ کی شہادت کو شہادت مان سکتا ہے نہ امام حسین کی عزاداری یا ہمدردی کا استحقاق رکھتا ہے۔۔۔ سچ ہے کہ اگر سقیفہ کا معاملہ ظہور میں نہیں آتا تو کربلا کا واقعہ بھی ظہور میں نہیں آتا۔ لاریب کربلا کا واقعہ سقیفہ کے معاملہ کا ایک فطری نتیجہ ہے۔

چہ خوش فرمود شخصے ایں لطیفہ
کہ کشتہ شد حسیں اندر سقیفہ

۔۔۔ الحق خلافت شیخین اور شہادت امام حسین بلا گفتگو علت ومعلول کی نسبت رکھتی ہے اور دونوں ایسی شے ہیں کہ ان میں سے ایک کا ارادت مند دوسرے کا منکر ہو۔ ناممکن ہے کہ شخص واحد دونوں کی حقیقت کا اعتراف رکھے۔ خلافت اگر ہے شہادت نہیں شہادت اگر ہے خلافت نہیں۔ بنی ہاشم (یعنی حسین و اولاد حسنین۔م) ہر خلافت میں اپنا اور اپنے دشمنوں کا خون بہاتے رہے۔ ظاہراً اسلام کی تاریخ خروج بنی ہاشم سے بھری نظر آتی ہے ان سب خروجوں کا منشاء وہی طلب حق تھا اور یہ حق وہی حق تھا جسے بنی ہاشم اجماع بنی سقیفہ کے ہاتھوں کھو بیٹھے تھے اور جس کے کھوئے جانے کے باعث حضرت عمرؓ ہوئے۔'' (ص۴۲۴، ایضاً)

واقعہ کربلا کو اجماع سقیفہ کا فطری نتیجہ قرار دینے سے مقصد وہی ہے جسے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے کہ:

وَلَم يَكُن أَحَدٌ اذ ذَاكَ يَتَكَلَّمُ فِي يزيد بن معاوية، وَلَا كَانَ الكَلَامُ فِيهِ مِن الدِّينِ، ثُمَّ حَدَثَت بَعدَ ذَلِكَ أَشيَاءُ فَصَارَ قَومٌ يُظهِرُونَ

اور اس وقت (یعنی واقعہ کربلا سے پہلے) بھی یزید بن معاویہ کی ذات کے بارے میں کوئی لفظ نہ زبان پر لاتا تھا اور نہ ان کی دینی حالت کے متعلق کچھ کلام کرتا تھا مگر اس کے بعد بعض

لَعنَةَ یزید بن معاویة' وَرُبَّمَا کَانَ غَرَضُھُم بِذَلِکَ التَّطَرُّقَ الَی لَعنَةِ غَیرِہِ . (الوصیۃ الکبری ص۳۰۰)

واقعات ظہور میں آئے کہ ایک گروہ یزید بن معاویہ پر لعنت کا اظہار کرنے لگا اور اس سے مقصد زیادہ تر یہ تھا کہ یزید کی آڑ لیکر دوسروں پر لعنت کی جائے۔

شیعہ مؤلف نے خلافت پر علیؓ و اولاد علیؓ کے حق و استحقاق کا جو ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اسی کے حصول کی خاطر انہوں نے بار بار اپنا اور دوسروں کا خون بہایا تھا۔ محدث دہلوی نے اس سلسلہ میں کہا ہے کہ: تقدیر الٰہی ہی میں یہ بات مقرر تھی کہ علی مرتضٰی اور اُن کی اولاد تا دامان قیامت کسی طرح بھی کامیاب نہ ہوں اور کسی طرح بھی کوئی صورت ان کی خلافت کی جیسی کہ ہونی چاہیئے نہ بندھے بلکہ ان میں سے جو کوئی بھی اپنے لئے دعوت دے اور آمادہ جدال وقتال ہو مخذول و مقتول ہو۔ (ازالۃ الخفاء)

یہ سب تاریخی واقعات ہیں مگر شیعہ لٹریچر میں اس محرومی کی ابتداء حضرت علیؓ سے کر کے تمام تر ذمہ داری حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ پر ڈالی گئی ہے اور طرح طرح کے بہتان باندھے گئے ہیں۔ مثلاً کہا گیا ہے کہ علیؓ سے زبردستی بیعت لینے کیلئے عمرؓ و خالدؓ ان کے گلے میں (معاذ اللہ) رسی باندھ کر اس طرح گھسیٹ رہے تھے کہ فاطمہؓ سر پر عبا ڈالے اور حسن و حسین ننگے سر ننگے پاؤں روتے پیٹتے پیچھے پیچھے چلے آرہے تھے۔ (از حدحیدری)

بدست عمر یک سر ریسماں — دوم در کفِ خالدِ پہلواں
برآمد دنبال شیر خدا — عبا برسر افگندہ حیرالنسا
حسین وحسن درخروش آمدہ — برہنہ سروپا وحیرت زدہ

یہ اور اسی قسم کے صدہا بہتان تراشے گئے جب بعد رسول اسلام کی بزرگ ترین ہستیوں کی بدگوئی میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی ہو تو معاویہؓ و یزیدؒ اور دوسرے خلفائے اسلام پر جنہوں نے داعیان خلافت کے خروجوں کا مقابلہ کیا تھا سبائی ذہنیت جو گند بھی نہ اُچھالے کم ہے۔ فتنوں کی آگ

تو اسی ذہنیت کی بھڑکائی ہوئی تھی، بقول مؤلف:

وما هی الافتنة اليهود والرفضة اعداء اللّٰه واعداء ينه اتخلوا من مقتل الحسين طنبور يترغون يقدمون عليه بما يوحى اليهم الشيطن ليزيد و اناء العداء والفرقة والشربين المسلمين اتقاذا. (حاشیہ رأس الحسین ص۲۴)	اور یہ (قتل حسین) تو صرف یہودیوں اور رافضیوں کا فتنہ تھا جو اللہ اور اس کے دین کے دشمن تھے۔ انہوں نے ہی قتل حسین کے متعلق طنبورے پر اشعار لگائے جو شیطان نے ان کے خیال میں القاء کئے تھے اور اس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں میں دشمنی فرقہ بندی اور شر وفساد کی آگ کو زیادہ بھڑکائیں۔

مندرجہ بالا عبارت میں صاف اشارہ سبائی و دیلمی و مجوسی روافض کی جانب ہے۔ ان ہی میں معز الدولہ دیلمی تھا جو ماتم حسینؓ کا اصلی بانی تھا۔ یہ بدعت اُسی نے واقعہ کربلا کے تین سو برس کے بعد ۳۵۲ھ میں بطور سیاسی اشتہار بازی (Stunt) کے ایجاد کی تھی۔ حضرت حسینؓ نے نسبی و خاندانی دعویٰ سے بے جا و بے محل خروج کرنے میں بقول مؤرخ الخضری (ص ۱۳۵) عظیم ترین غلطی کا ارتکاب کیا تھا۔ ان کی اس غلطی کا صحیح اندازہ حقیقی علمبرداران دعوت محمدیہ رسول اللہ صلعم کے صحابہ آپ کے رفقاء کے طرز عمل سے ہوتا ہے جنہوں نے اس خروج کو اس درجہ ناجائز سمجھا کہ ان سینکڑوں بزرگوں میں کسی ایک نے بھی موافقت نہ کی۔ اور احکام شریعت کی متابعت میں خلیفہ وقت کے ساتھ رہے اور قائم خلافت کے مؤید وطرفدار فانهم اكثر صحابه، نوابع يزيد ولم يروا الخروج عليه (ص ۲۱ مقدمہ ابن خلدون)۔ موجودہ دور تحقیق وریسرچ میں ناجائز خروج کی پردہ پوشی کیلئے مناقب کی مبالغہ آمیز وضعی اور جھوٹی حدیثیں اور روایتیں اپنا وزن کھو چکیں اور یہ حقیقت منکشف ہو چکی ہے کہ طلب حکومت کے ان خروجوں نے جس کا سلسلہ حضرت حسینؓ کے خروج سے شروع ہو کر ان کی اولاد میں تین صدیوں تک جاری رہا، وحدت اسلامی کا شیرازہ منتشر کر دیا جن کی تفصیلات ہماری دوسری کتاب میں ملاحظہ ہوں۔ وہ کربلا کا خروج ہو یا وادی فتح کے نتائج واثرات بد کے اعتبار سے یکساں تھے بقول یہ کہ:

ملت میں پھوٹ پڑتی ہے ہر کربلا کے بعد

مثنوی مشتمل بر تاریخ طبع کتاب

از قلم علامہ تمنا عمادی صاحب مقیم ڈھاکہ

آن صاحب علم وفضل وخبرت — محمود احمد، زعیم ملت
واقف زسیر، خبراز انساب — مفتوح برا وزعلم ہریاب
درحق گوئیش پیش وپس نیست — ترساں مَلام ہیچ کس نیست
بنوشت کنوں ببیں کتابے — برداشت زروئے حق نقابے
کردہ رخ اختلاف اسلاف — ازگردوغبار افتراصاف
غث راز سمین جدانمودہ — ہر عقدہ بستہ را کشودہ
درصدق بیان رضائے حق دید — وزلومتہ لائمان نہ ترسد
اللہ اللہ! عجب کتابے است — ہرصفحہ تو کوئی آفتابے است
چوں مژدہ طبع اوشنیدم — گلہاز ریاض شکر چیدم
پس دل سنہ طباعتش خواست — وزخوض حریم فکر آراست

برخواند سروشِ غیب ناگہ
حالات مناقشات امۃ
۱۳۷۸ھ

قطعات تاریخ فارسی

از قلم مولانا مفتی سید حفیظ الدین احمد صاحب تائب مقیم دہلی

مؤلف عالی ذات ۱۳۷۸ھ

فضیلت پناہ ۱۳۷۸ھ

صاحب جادہ اقبال مولانائے محترم محمود احمد عباسی ۱۳۷۸ھ

ترا بقائے ابد باد درنکو نامی
عجب صحیفہ نوشتہ برنگ یکتائی

عصائے موسوی آمد قلم بدست تو
بیک کرشمہ ربودی طلسم ہفت[1] صدی

نہاں بپردہ ایام ہیچ راز نماند
چو فاش گشتہ ہمہ افک وزور تاریخی

صریر کلک تو در کشف مشکلات قوم
چنانکہ فصل خطابست ولحن داؤدی

تراست حجت قاطع، بدست تیغ قلم
چگونہ پیش رود دعوئے کذوب دنی

نگارش تو عجب طرز داستاں وارد
کہ آفریں بکند ہمچو حالیؒ وشبلیؒ

کمال دانش تو از فیوض حبر[2] آمد
گل شگفتہ از گلستانِ عباسی

زمانہ را کہ زغفلت بخواب درشدہ بود
کشید کلک تو دریدہ کحل بیداری

بجُست تائب خستہ چو سال ایں تالیف
چہ خوب آمدہ، دور خلافت اموی

۱۳۷۸ھ

---

[1] ضرورت شعری سے لکھا گیا ورنہ طلسمِ ہوشربا تو بارہ سو برس سے زیادہ کا ہے۔

[2] یعنی حبر الامت حضرت عبداللہ بن عباسؓ جد اعلائی مؤلف۔

قطعہ تاریخ فارسی

از قلم جناب علامہ تمنا عمادی صاحب مقیم ڈھاکہ

آن صاحبِ علم وفضل محمود — کوہست آگہہ زسرِّ سیرت
بنوشت کتاب دبرد برآورد — خوش لمعہ نور از ابرِ ظلمت
صد شکر کہ طبع گشت وبرداشت — از چشم جہاں غشائے غفلت

شد بے سرار[1] تیاب سالش
''احوال مناقشات امت''
۱۳۷۸ھ

مشکبار قطعہ تاریخ
برجہد تالیف ''خلافت معاویہ ویزید''
۲۰۱۵ بکرمی
از بلندی فکر دلپسند سید خورشید علی
۱۹۵۹ء
محسن حقیقی مہر تقوی جے پوری
۱۳۷۸ھ

---

[1] بعد تخرجہ یک عدد ۱۳۷۸ھ برمی آید۔

ایضاً:

تالیف کرد حضرت محمود[1] نسخہ — کز حکمتش علاج دل نکتہ چیں کنند
روشن شوند قلب ودماغ از جمال آن — نظارہ اش چو از نگہِ دوربیں کنند
در جزودانِ دل نہند آں را باشتیاق — از حرف حرف زینت لوح جبیں کنند
بر ناوپیر ملت اسلام! لازم است — بالاشتراک بر اثرش آفریں کنند
کاریست باصواب وثواب است بے حساب — کارے کہ عالماں پئے تعلیم دین کنند

تاریخ ''باصواب'' بگفتم بہ تعمیہ
ایں کار از تو آمد و مروان حسیں کنند
۱۳۷۸ھ = ۹۹ = ۱۲۷۹

قطعات اُردو

از قلم علامہ تمنا عمادی صاحب مقیم ڈھاکہ

محمود ہے جن کا نام محمود ہے کام — کیا خوب کتاب انہوں نے کی ہے ارقام
پوچھے سنہ طبع تمنا جو کوئی — کہہ دو کہ مشاجرات اسلاف کرام
۱۳۷۸ھ

ولہ

کیسی ہے کتاب فی الحقیقت! کہیے! — انصاف سے از روئے دیانت کہیے
جو نام ہے، بے بہا وہ تاریخ بھی ہے — آپ اس کو ''مشاجرات امت'' کہیے
۱۳۷۸ھ

بے بہا کے (۸) عدد ہیں۔ بے بہا کہنے سے ''مشاجرات اُمت'' کے (۱۳۸۲) سے (۸) خارج ہوکر باقی ۱۳۷۸ھ رہ گیا۔

---

[1] علامہ محمود احمد صاحب عباسی امروہوی

ولہ

اس کا بھی جاننا ہے فرض ہم پہ صحیح طور سے
بعض سلف کے کچھ دنوں گزرے ہیں کیسے لیل و یوم
پڑھئے اب اس کتاب کو خوب چھپی ہے وقت پر
ہو جئے جلد ہوشیار، ہیں اگر آپ محو نوم
بغض گران سے دل میں ہو، جن کا ہے اتباع فرض
کام کبھی نہ آئیں گے کھوکھلے یہ صلوٰۃ و صوم
ہے بھی یہ شاہکار اس صاحب علم و فضل کا
تھام سکا نہ جس کا ہاتھ لائم بد گُہر کا لوم
چاہیے اس کے طبع کا سال جو تجھ کو عیسوی
لکھ دے تمنی حزیں ''ذکر مناقشات قوم''

۱۹۵۸ء

ولہ

تاریخ کی تحقیق بھی ایک کام ہے اہم — انسان نہیں ناحق کسی جانب جو ڈھل گیا
گو حضرت محمود نے دکھلا دی رہ حق — کیا راہِ حق پائے گا وہ ضد پر جو تُل گیا
اب تم تمنا طبع کی تاریخ یوں لکھو
''لوگوں کے بہتانات کا سب راز کھل گیا''

۱۳۷۸ھ

اِن کَانَ یَزِیدُ بنُ مُعَاوِیَۃَ مَغفُور

اللہ کی رحمت پر کسی کا ہے اجارہ ؟

بقلم مولانا سہیل عباسی خطیب ٹوبہ ٹیک سنگھ ضلع لائل پور (فیصل آباد)

لَا نسلک بِالزَّیغِ یمیناً و یساراً — شہِ راہ توسط سے نہیں ہم کو کنارا
لَنَا محبیّنَ غُلّوا کَنَصَاریٰ — ہم اُمتِ وسطیٰ ہیں یہ مذہب ہے ہمارا
لَا تسعُ مرثیۃَ ذُورٍ وّ رِمارا — سنتے نہیں مرثیہ نہ بربط نہ چکارہ
ہم اہل تسنن ہیں تقیہ نہیں کرتے — لا نختِلفُ القول سِرارا وَ جھارا
تاریخُ بنی الشمسِ[1] لَفی الدّمر مُضِیٌ — اولادِ اُمیہ کا چمکتا ہے ستارا
مُردوں کو برا کہیے یہ شیوہ نہیں اچھا — لَا نشتم الاَسَلاف صِغارا و کبارا
ہم اپنی زبانوں سے تبرا نہیں کرتے — لَا نلفظِ بالسوءِ مُسرا و جھارا
قدِ قَالَ بِہِ حُجّۃ الاسلام غزالی — احیائے علوم ان کی ہے قرآن کا سہارا
لَا نُشرِکُ باللّٰہِ علیّا بِنداءٍ — ہم کو ہے بس اللہ کی رحمت کا سہارا
واللّٰہِ مُعَاوِیَۃَ للمؤمنِ خال — اصہارِ رسالت سے یہ رشتہ ہے ہمارا
السَبُّ لِعُثمانَ لقد بسَلب الایمان — قد جرب فی الناس کراراً و مرارا
یہ پیش رو لشکر اسلام ہیں دونوں — عثمانُ و معاویہ فی الارض امارا
لا ینقصُ اِسماً و مُسَمَی وَ سِماتًا — روشن ہے ابو خالد عادل کا منارا
اِن کَانَ یَزِیدُ بنُ مُعَاوِیَۃَ مغفور — اللہ کی رحمت پہ کسی کا ہے اجارا؟
فی مغفرۃِ الجندِ حدیثٌ و صحیحٌ — جس فوج کو قائد نے سمندر میں اتارا
دکھلاؤ کہ خارج ہے بشارت سے کوئی فرد — قد جاءَ حدیثٌ من احادیث بخاراً[2]
کیوں کرتے ہو انکار حدیث نبوی کا — مِن قَسوَرَۃِ السُّنَّۃِ لِلاُثن فِرارا

---

[1] بنی عبد شمس بن عبد مناف یعنی بنی اُمیہ

[2] صحیح البخاری جلد الاول۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: اول جیش من اُمتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لہم (الحدیث)

بدمستی و رندی کا یہ بہتان ہے واللہ
فی محفلہٖ کانت الاحباب سُکاریٰ

اصحاب نبی کا وہ امام اور وہ قائد
الفَاجر والزَّانِی و الفِسقُ جھارا

بیعت جو صحابہؓ ہوئے کیا کہتے ہو ان کو؟
مِن اَین اِلَی تضّرون فرارا

عَلَّامۃُ محمود فی الانساب امامٌ
تاریخ کی دنیا میں بجا اُن کا نقارا

ما حقّقَ عَلامۃُ محمُود صحیحٌ
تاریخ میں جھٹلا دے کوئی کس کو ہے یارا

تاریخ سے انکار نہیں کارِ عقیلاں
من ینکُر لِلحقّ بلیدٌ کحُباریٰ

عادت ہے سہیل اپنی کہ مدح علماء ہو
صیفاً و شتاءً و بَلیلٍ و نھاراً

آ گئی لوگوں کے ہاتھوں میں حقائق کی کلید

از مولانا سہیل عباسی خطیب ٹوبہ ٹیک سنگھ، لائلپور (فیصل آباد)

مطلع تاریخ پر نکلا ہے گویا ماہ عید
آ گئی لوگوں کے ہاتھوں میں حقائق کی کلید

خوب لکھی ہے کتاب لاجواب و باصواب
علم کی دُنیا میں ہر سُو غُل اُٹھا ھل مِن مزید

ہوگئی مسدود راہِ لعن و طعن و افترا
مذہب باطل کی اس سے کٹ گئی حبل الورید

مصرع پُر لطف ہم نے بھی لکھا ہے اے سہیل
ہوگئے علامہ محمود احمد بایزیدؒ

وہ حدیثِ مستند یعنی کہ مغفور ''لہم''
فوج قسطنطین پر صادق ہے جس میں ہے یزید

اس حدیثِ مغفرت میں کوئی استثناء نہیں!
شہِ رگِ اسلام پر دیتے ہو کیوں ضربِ شدید؟

موردِ الزام ٹھہراتے ہو، ہم کو دوستو
کر کے تاویلات اور تحریف کی گفت و شنید

ہوگئے عاجز دلائل سے تو غصہ آ گیا
کف بلب آمد و غارِ دشمنی در دل خلید

دوستو! واللہ ربّ العرش و ربّ العلمین
اس حدیثِ پاک سے خارج نہیں ہرگز یزیدؒ

هــل نسيتــم مــا امـرتـم لا تسبـرا مينــا

ايهـا الـعـلـمـاء كـفـوا عن سباب فى يزيد

ثـــم عـــن الـــزام قتـــل افتـــراء بـــاطـــل

لا تحيدوا عن صراط الحق عن امر سديد

اى وربـي حـجتـى قـول الـنبي المصطفى

هـل لـكـم بـرهـان ربي من قديم أو جديد

حـجتـى سـنـد البـخـاري راويـاابن عمر

ايهـا الـجـراح كـفـوا عـن مـعـانيد العنيد

هل لكم افواه صدق أو لكم أذان حق

هل لكم ذوق سليم بينكم رجل رشيدا

☆☆☆

کتابیات

۱۔ آثار الباقیہ البیرونی
۲۔ اتمام الوفانی سیرۃ الخلفاء الخضری
۳۔ اخبار الطّوال ابوحنیفہ الدینوری
۴۔ ازالۃ الخفاء شاہ ولی اللہ
۵۔ الاستیعاب ابن عبدالبر
۶۔ اسد الغابہ فی معرفتہ الصحابہ
۷۔ الاصابہ فی تمییز الصحابہ
۸۔ الاعلام قاموس التراجم زرکلی
۹۔ البدایہ والنہایہ ابن کثیر
۱۰۔ التنبیہ والاشراف مسعودی
۱۱۔ الروض الانف شرح سیرۃ النبویہ ابن ہشام
۱۲۔ الصادم السدل علی شاتم الرسول ابن تیمیہ
۱۳۔ صناجۃ الطرف فی تقدمات العرب
۱۴۔ العقد الفرید بن عبدربہ
۱۵۔ العواصم من القواصم ابن العربی
۱۶۔ الامامۃ والسیاسۃ الدینوری
۱۷۔ انساب الاشراف بلاذری
۱۸۔ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا گیارھواں ایڈیشن (انگلش)
۱۹۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (انگلش)
۲۰۔ بذل المجہود شرح ابی داؤد
۲۱۔ البیان والتبین جاحظ
۲۲۔ تاج العروس شرح قاموس
۲۳۔ تاریخ اسلام ذہبی
۲۴۔ تاریخ ادبیات عرب کلیمنٹ ہوا (انگلش)
۲۵۔ تاریخ ابن خلدون
۲۶۔ تاریخ الامم والملوک طبری
۲۷۔ تاریخ ادبیات عربی کلین (انگلش)
۲۸۔ تاریخ تمدن الاسلامی جرجی زیدان
۲۹۔ تاریخ عرب امیر علی (انگلش)
۳۰۔ تاریخ عرب ہتی (انگلش)
۳۱۔ تاریخ مسلمانان سپین دوزی (انگلش)

۳۲۔ تاریخ عروج وزوال رومۃ الکبریٰ
۳۳۔ تاریخ کعبۃ المعظمہ
۳۴۔ تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی
۳۵۔ جامع ترمذی
۳۶۔ جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی (انگلش)
۳۷۔ جلاء العیون ملا باقر مجلسی
۳۸۔ جمہرۃ الانساب ابن حزم
۳۹۔ جمہرۃ الخطیب العرب احمد ذکی صفوت
۴۰۔ حاضر الاسلامی شکیب ارسلان
۴۱۔ حیات محمد محمد حسین ہیکل
۴۲۔ دی گریٹ امید محمد حارث (انگلش)
۴۳۔ رحلہ ابن بطوطہ
۴۴۔ رحلہ ابن جبیر
۴۵۔ رحلہ الحجاز البیتونی
۴۶۔ سفرنامہ مکہ مدینہ رچرڈ برٹن انگلش
۴۷۔ سنن ابی داؤد
۴۸۔ سنن نسائی
۴۹۔ سیرۃ الجلیلہ
۵۰۔ شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید
۵۱۔ شفاالغلیل للخفاجی
۵۲۔ صحیح البخاری
۵۳۔ صحیح مسلم
۵۴۔ ضمیمہ فہرست مخطوطات عربیہ مرتبہ سی رجوگبن (انگلش)
۵۵۔ طبقات ابن سعد
۵۶۔ عرب ومشرق بعید و حزین (انگلش)
۵۷۔ علی وبنوہ ڈاکٹر طہ حسین
۵۸۔ عمدہ الطالب فی انساب آل ابی طالب
۵۹۔ غزوات النبی ڈاکٹر حمید اللہ
۶۰۔ غنیۃ الطالبین الجیلانی
۶۱۔ فتح الباری شرح بخاری
۶۲۔ فتوح البلدان بلاذری
۶۳۔ فہرست ابن الندیم
۶۴۔ کامل الضاعۃ علی المجوسی
۶۵۔ کتاب الاغانی ابوالفرج اصفہانی
۶۶۔ کتاب الجرح والتعدیل ابی حاتم الرازی
۶۷۔ کتاب الذیل علی طبقات الحنابلہ
۶۸۔ کتاب الزہد امام احمد بن حنبل
۶۹۔ کتاب المحبر ابی جعفر محمد

۷۰۔ کتاب المالک والممالک
ابن حوقل
۷۱۔ کتاب المالک والممالک الاصطخری
۷۲۔ کتاب المعارف ابن قتیبہ
۷۳۔ کتاب نسب قریش
مصعب الزبیری
۷۴۔ کشف الاحوال فی نقد الرجال
فاضل مدارسی
۷۵۔ الالئی المصنوعہ فی الاحادیث
الموضوع سیوطی
۷۶۔ لسان العرب
۷۷۔ لسان المیزان ابن حجر العسقلانی
۷۸۔ لغت الجوالیقی
۷۹۔ مجاہد اعظم شاکر حسین نقوی
۸۰۔ محاضرات تاریخ الاسلام الخضری
۸۱۔ محمداٹ مدینہ منٹگمری راٹ
(انگلش)
۸۲۔ معجم البلدان یاقوت حموی
۸۳۔ المعرب للجوالیقی
۸۴۔ مکتوب مجدد الف ثانی
۸۵۔ مکتوب شیخ الہند مدنی
۸۶۔ مقاتل الطالبیین ابوالفرج اصفہانی
۸۷۔ مقتل ابومخنف
۸۸۔ مقدمہ تاریخ ابن خلدون
۸۹۔ فی اخبار الیمن
۹۰۔ منہاج السنہ ابن تیمیہ
۹۱۔ موطا امام مالک
۹۲۔ میزان الاعتدال ذہبی
۹۳۔ ناسخ التواریخ سپہر کاشانی
۹۴۔ نزہتہ القلوب حمداللہ مستوفی
۹۵۔ وفیات الاعیان ابن خلکان
۹۶۔ وقعتہ الصفین نصر بن مزاحم
۹۷۔ تاریخ یعقوبی ابن واضح
۹۸۔ راس الحسین ابن تیمیہ
۹۹۔ مصباح الظلم امداد امام
۱۰۰۔ الوصیۃ الکبریٰ ابن تیمیہ

☆☆☆